مولانا رحمت اللہ کیرانوی ؒ

کی علمی و دینی خدمات کا تحقیقی جائزہ

علوم اسلامیہ میں پی۔ایچ۔ڈی، کی ڈگری کے حصول کے لئے پیش کیا گیا

مقالہ نگار

محمد عبداللہ

لیکچرار (شعبہ علوم اسلامیہ)

گورنمنٹ کالج بھکر

نگران تحقیق

ڈاکٹر حافظ محمود اختر

ایسوسی ایٹ پروفیسر

(ادارہ علوم اسلامیہ)

پنجاب یونیورسٹی لاہور

ادارۂ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور

۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۰ء

انتساب

ملتِ اسلامیہ کے ان سپوتوں کے نام
جنہوں نے باطل کی اندھیاریوں میں
شمع اسلام کو فروزاں رکھا۔

فہرست مضامین

☆ پیش لفظ 1

☆ مفتاح المصادر 11

باب اول۔ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے حالات زندگی 17 - 65

فصل اول۔ نام ونسب اور خاندانی پس منظر 19 - 26

سلسلہ نسب 19

ہندوستان میں عثمانیوں کی آمد 23

آباء واجداد کے مختصر حالات 23

کیرانہ میں سکونت 24

فصل دوم۔ ابتدائی حالات اور تعلیم وتدریس 26 - 31

ابتدائی حالات 26

اساتذہ کرام 27

ہندوستان میں تدریس 30

مطالعہ مسیحیت وتصنیف وتالیف کا رجحان 30

فصل سوم۔ بلاد عرب میں سرگرمیاں اور اسفار قسطنطنیہ (ترکی) 31 - 40

قسطنطنیہ کا پہلا سفر 32

قسطنطنیہ کا دوسرا سفر 33

قسطنطنیہ کا تیسرا سفر 36

مکہ معظمہ میں سماجی امور میں دلچسپی 38

فصل چہارم۔ وفات ، اولاد واحفاد، معاصرین کرام اور خصائل وعادات 41 - 54

وفات 41

اولاد واحفاد 43

معاصرین کرام	45
عادات وخصائل	52
حواشی وتعلیقات (باب اول)	55
باب دوم۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے دور میں برصغیر کے حالات	90 - 66
فصل اول۔ برصغیر میں مسیحیت کی آمد وتوسیع	68
عہد اکبر میں مسیحیت کا اثر ونفوذ	69
مسیحی وفود کے اغراض ومقاصد	71
مسیحیت اکبر کے بعد	72
فصل دوم۔ برصغیر پر انگریزوں کا تسلط	73
فصل سوم۔ انگریزوں کے تسلط کے بعد برصغیر کے حالات	75
فصل چہارم۔ مسیحی تبشیری سرگرمیوں کا فروغ	79
حواشی وتعلیقات (باب دوم)	85
باب سوم۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی علمی خدمات (تالیفات کا تعارف وجائزہ)	175-91
فصل اول۔ رسائل، تراجم اور تقریظات	101 - 93
مطبوعہ رسائل	93
غیر مطبوعہ رسائل	96
اردو تراجم	97
تقریظات	99
فصل دوم۔ ازالۃ الاوہام، اعجاز عیسوی اور ازالۃ الشکوک	128 - 101
ازالۃ الاوہام (تعارف وتجزیہ)	101
مسودہ کتاب مولانا نور الحسن کاندھلوی کی خدمت میں	102
کتاب کے مباحث پر ایک نظر	105
اسلوب کا ناقدانہ جائزہ	106

اعجاز عیسوی (تعارف و تجزیہ)	107
مباحث کا خلاصہ	109
کتاب کے نمایاں پہلو	118
کتاب کے بارے میں اہل علم کی آراء	119
ازالۃ الشکوک (تعارف و تجزیہ)	120
کتاب کی غرض و غایت	121
مقدمہ کتاب	122
اسلوب کا ناقدانہ جائزہ	128
فصل سوم۔ اظہار الحق (تعارف و تجزیہ)	129
اظہار الحق	129
تالیف کا پس منظر	130
'میزان الحق' کے مباحث کا جائزہ	131
مسلمان علماء کی طرف سے "میزان الحق" کا جواب دینے کی کوششیں	134
اظہار الحق کے مباحث کا جائزہ	135
مقدمۃ الکتاب	135
پادری فانڈر کے اقوال	136
عہد نامہ قدیم و جدید کی کتب	137
بائبل میں تحریف کا اثبات	141
بائبل میں نسخ کا اثبات	143
ابطال تثلیث	146
قرآن حکیم کا اعجاز و کلام اللہ ہونا	147
رسالت محمدی ﷺ کا اثبات	149
اظہار الحق کی امتیازی خصوصیات	151

قابل توجہ پہلو	154
اظہار الحق کا جواب دینے کی کوششیں	159
حواشی و تعلیقات (باب سوم)	161
باب چہارم۔ فن مناظرہ میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی خدمات	176 - 226
فصل اول۔ برصغیر میں مسلم، مسیحی مناظرے کا مختصر تاریخی جائزہ	178
مسیحی مناد اور ان کی کتب	178
پادری سی۔ جی۔ فانڈر	179
پادری عماد الدین	180
مسیحی مناظرانہ ادب	181
مسلمان متکلمین اور ان کی کتب	183
سید آل حسن سوہانی	183
مولانا قاسم نانوتوی	185
سید ابو المنصور، ناصر الدین دہلوی	186
مولانا عبد الحق حقانی	187
سید محمد علی مونگیری	188
مولانا اشرف الحق صدیقی دہلوی	189
مولانا ثناء اللہ امرتسری	190
مسلمانوں کا مناظرانہ ادب	191
فصل دوم۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا تاریخی مناظرہ اکبر آباد 1854ء	194
پس منظر	194
چھوٹا مناظرہ	196
مناظرہ کی شرائط کے لیے پادری فانڈر سے مراسلت	201
مناظرہ کی تیاری	204

مناظرہ کے اہم شرکاء	205
روداد مناظرہ	206
بحث نسخ	207
بحث تحریف	112
مناظرہ کا دوسرا دن	210
حواشی وتعلیقات (باب چہارم)	222
باب پنجم۔ جنگ آزادی 1857ء میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا کردار	241 - 227
فصل اول۔ پس منظر	228
حکمران دہلی اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی	229
فتوی جہاد، دہلی	230
مشاورتی اجلاس اور تنظیم سازی	232
فصل دوم۔ عملی سرگرمیاں	233
فصل سوم۔ جائیداد کی ضبطی اور ہجرت مکہ معظمہ	236
حواشی وتعلیقات (باب پنجم)	239
باب ششم۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی دینی خدمات، مدرسہ صولتیہ (مکہ معظمہ)	262 - 241
فصل اول۔ سرزمین حجاز میں درسگاہ کی ضرورت	244
مسجد حرم میں درس کی اجازت	244
عرب کے مروجہ نظام تعلیم کا جائزہ	245
دارالعلوم کی ضرورت کا احساس	245
مدرسہ ہندیہ کا قیام	246
مدرسہ کے لیے پہلی اپیل	246
فصل دوم۔ مدرسہ صولتیہ کی وجہ تسمیہ، تاسیس اور اغراض ومقاصد	247

افتتاح مدرسہ 248
تاسیس مدرسہ کی تاریخ 249
مدرسہ کا نام 249
اغراض و مقاصد 250
مدرسہ صولتیہ کا مسلک 250
مدرسہ کا محل وقوع اور برکات روحانیہ 251
فصل سوم۔ مدرسہ صولتیہ کی ابتدائی مشکلات 252
مدرسہ صولتیہ کے ابتدائی حالات کا جائزہ بانی مدرسہ کے قلم سے 253
مدرسہ صولتیہ کے وسائل و ذرائع 256
مسجد مدرسہ صولتیہ کی تعمیر 257
حواشی و تعلیقات (باب ششم) 259
باب ہفتم۔ مدافعت دین میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا منہج و استدلال 263 - 337
فصل اول۔ قرآن حکیم پر مسیحی علماء کے اعتراضات کا تجزیہ 265
جمع و تدوین قرآن حکیم 265
اختلاف قرآت 267
اہل تشیع کے حوالے سے تحریف قرآن کا دعویٰ 268
اعجاز القرآن پر شبہات 273
قرآن حکیم کی اعجازی خصوصیات 274
فصل دوم۔ احادیث مبارکہ پر پادری فانڈر کے اعتراضات کا جائزہ 282
زبانی روایات کی حقیقت 284
تدوین حدیث کی مختصر تاریخ 285
اعتراضات کا تجزیہ 287
فصل سوم۔ حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر اعتراضات کا جائزہ 290

کتب سابقہ میں حضور اکرم ﷺ کی پیشین گوئیاں 290
معجزات نبوی پر مسیحی شبہات 296
ازواج مطہرات پر مسیحی اعتراضات 296
جہاد اور اشاعت اسلام 302
جہاد پر شبہات کا ازالہ 305
منہج واسلوب کا ناقدانہ جائزہ 307
حواشی وتعلیقات (باب ہفتم) 309
باب ہشتم۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی علمی ودینی خدمات کے اثرات 407 - 338
فصل اول ۔ فن مناظرہ میں خدمات کے اثرات 340
المناظرۃ الکبریٰ 340
مناظرہ بین الاسلام والنصرانیہ 341
فصل دوم۔ تعلیمی وتدریسی خدمات کے اثرات 342
بلادِ عرب کی تمدنی وتہذیبی وتعلیمی تاریخ میں مدرسہ صولتیہ کا کردار 342
مدرسہ صولتیہ کے بارے میں بلادِ عرب کے علماء کے تاثرات 347
برصغیر پاک وہند میں علم تجوید وقرات کے فروغ میں مدرسہ صولتیہ کا کردار 348
مدرسہ صولتیہ کے آفاقی کردار کے بارے میں برصغیر پاک وہند کے علماء ومشائخ کی آراء 349
فصل سوم۔ تصنیفی وتالیفی خدمات کے اثرات 359
حصہ اول ۔ ازالۃ الاوہام کا اردو ترجمہ 359
اعجاز عیسوی (تسہیل وتحقیق وحواشی) 360
اعجاز عیسوی جدید کے نمایاں پہلو 361
حصہ دوم ۔ اظہار الحق 363
اظہار الحق کی طباعت اول تا ششم 364

طبع ہفتم (تخریج وتحقیق عمر الدسوقی)	265
طبع ہشتم (تخریج محمد کمال فراج)	366
طبع نہم (تقدیم وتحقیق احمد حجازی السقا)	367
طبع دہم (دراسۃ وتحقیق وتعلیق عبد القادر ملکاوی)	369
اظہار الحق کے تراجم	374
فرانسیسی ترجمہ کے نمایاں پہلو	375
انگریزی ترجمہ	377
اردو ترجمہ	378
اردو ترجمہ وشرح وتحقیق کے نمایاں پہلو	384
اردو ترجمہ حواشی کے قابل توجہ پہلو	388
علمی حلقوں میں اظہار الحق کی پذیرائی ومقبولیت	390
علماء عرب کے تاثرات	391
علماء برصغیر پاک وہند کی آراء	394
جامعات میں اظہار الحق کی تدریس	394
حواشی وتعلیقات (باب ہشتم)	398
خلاصہ بحث ونتائج	408
ضمیہ (عکس مخطوطہ اظہار الحق)	416
مصادر ومراجع	422

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

پیش لفظ

اٹھارویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں، ہندوستان میں امت مسلمہ کا جو الم انگیز اور عبرتناک زوال شروع ہوا تو اس کی رفتار روز بروز تیز ہوتی رہی۔ علمی، فکری اور سیاسی محاذ پر مسلمان برابر پسپا ہوتے رہے۔ خانوادہ ولی اللہی نے بلاشبہ ہمت والوالعزمی اور خلوص و لگن کے ساتھ مسلمانوں کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ دین و مذہب، علم و تحقیق اور فکر و نظر کے میدانوں میں ان کی کوششیں بار آور ہوئیں لیکن میدان سیاست میں پسپائی برابر جاری رہی۔

انگریزوں نے اقتدار پر قبضہ جمانے اور مغلیہ سلطنت کو بے دست و پا بنانے کے بعد مسیحیت کے فروغ و اشاعت کے لئے بھرپور جدوجہد شروع کر دی۔ مسلمان مال و دولت، منصب و حکومت چھن جانے کے بعد متاع ایمان کو متاع جان سے زیادہ عزیز سمجھ کر سینہ سے لگائے بیٹھے تھے۔ وہ ہر قیمت پر اس گراں مایہ دولت کی حفاظت کرنا چاہتے تھے، انھیں اپنی تہذیب و ثقافت، اقدار و روایات اور مذہب و ایمان سے حقیقی عشق تھا لیکن امن و امان کے علمبردار، رواداری اور مساوات کے مدعی خواہ، انگریزوں نے دولت ایمان پر چھاپے مارنے اور غارت گری میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، ان کا واحد مقصد یہ تھا کہ ہندوستان میں مسیحیت کا پرچم بلند ہو اور یہاں کے تمام باشندوں کو دامن مسیحیت میں داخل کر دیا جائے۔

۱۸۱۳ء کے ایکٹ نے تو مسیحی مناّدوں کے لئے ہندوستان کے دروازے کھول دیئے۔ فرانس، جرمن اور برطانیہ سے دھڑا دھڑ پادریوں نے ہندوستان کا رخ کیا اور ملک کے کونے کونے میں 'تبشیری سرگرمیاں' جاری ہو گئیں۔ ان کی پشت پر مال و زر کی طاقت کے ساتھ حکومت و اقتدار کا بھی بڑا سہارا تھا، انھیں کھلی چھٹی دے دی گئی کہ وہ جس طرح چاہیں مسلمانوں کے دین و ایمان پر حملے کریں اور قوت و اقتدار کے بل بوتے پر تھکے ماندے، ناتواں اور کچلے ہوئے ہندوستانیوں کو چیلنج کرتے پھریں۔ مسیحیت کی ترویج و اشاعت کے لئے متعدد حربے استعمال کئے گئے جن میں مسلم اوقاف کا خاتمہ، قانون وراثت میں تبدیلی، تعلیمی اداروں میں عربی و فارسی اور اردو کی جگہ انگریزی کی ترویج کے علاوہ اسلام، پیغمبر اسلام اور قرآن حکیم کے خلاف تعصب اور معاندانہ کتب کی بھرپور اشاعت شامل تھیں، جن کے اثرات علمی، فکری اور تمدنی ہر سطح پر نمایاں طور پر مرتب ہوئے۔

ہندوستان کے اس پرآشوب اور تاریک ترین دور میں بھی کچھ علماء، مجاہدین اور سرفروش ایسے پیدا ہوئے جنھوں نے اسلام کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی لو کو برابر روشن رکھا۔ تاج برطانیہ کی قہر آلود آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی، نتائج و عواقب سے بے پرواہ ہو کر انگریزوں کی دشمنی مول لیکر اسلام کا جھنڈا سرنگوں نہ ہونے دیا۔ اسی طبقہ کے ایک ممتاز فرد، شب تاریک کے ایک

تابندہ ستارے، مولانا رحمت اللہ کیرانوی تھے۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا وہ عظیم کارنامہ، جس نے ان کو علماء سلف اور مجاہدین امت کے درمیان ممتاز مقام عطا کیا ہے یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کی مدافعت اس طرح کی کہ حق و باطل کو آئینہ کی طرح روشن کر کے دکھا دیا۔ اسلام کے خلاف غلط بیانیوں، تہمتوں اور شکوک و شبہات کا وہ طوفان جو دشمنان اسلام نے کھڑا کر دیا تھا۔ مولانا کیرانویؒ نے نہ صرف یہ کہ ان الزامات کی حقیقت واضح کر دی بلکہ مسلمانوں کے اندر دین پر اعتماد کو پہلے سے پختہ تر کر دیا۔ مسلمانوں کو اپنے دین کی صداقت اور اپنے رسول ﷺ کی لائی ہوئی ہدایت پر، از سر نو غیر متزلزل ایمان نصیب ہوا۔

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے جہاں ردِ نصاریٰ میں بے مثال کتابیں لکھیں وہاں ہندوستان میں قسیس اعظم، سی۔جی۔ فانڈر، کو سرعام مناظرہ میں شکست دے کر اس کا غرور و تکبر خاک میں ملا دیا۔ دوسری طرف جب مسلمانوں کی سیاسی و ملی بقاء کا مسئلہ آیا تو اس میدان میں بھی پیچھے نہ رہے اور جنگِ آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔ جنگِ آزادی میں ہزیمت کے بعد بھی ہمت نہ ہاری اور تبلیغی، تعلیمی اور اصلاحی سرگرمیوں کو جاری رکھا۔ ہندوستان سے ہجرت کے بعد، سرزمین حرم پر 'مدرسہ صولتیہ' کا قیام آپ کا وہ عظیم، تعلیمی و اصلاحی کارنامہ ہے جس پر امت مسلمہ بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔ خلیفہ عبدالعزیز خاں کی درخواست پر آپ نے حقانیت اسلام اور ردِ نصاریٰ کے ضمن میں اظہار الحق تالیف کی، جو آج بھی مطالعہ مسیحیت و بائبل میں بنیادی ماخذ کی حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انیسویں صدی عیسوی میں، آپ کی شخصیت اپنے علمی، دینی، تعلیمی، کلامی اور اصلاحی کارناموں کی بنیاد پر عالمگیر شہرت کی حامل تھی۔

لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی، ان تمام تر خدمات کے باوجود، ان کی ہمہ جہت شخصیت کو وہ مقام و مرتبہ نہیں دیا گیا، جس کی وہ حقیقتاً مستحق تھی، زیادہ سے زیادہ برصغیر میں ان کو ایک مناظر کی حیثیت سے اور بلادِ عرب میں مدرسہ صولتیہ کے مؤسس کی حیثیت سے، پیش کیا گیا بلکہ مؤخر الذکر حیثیت بھی نظروں سے اوجھل رہی۔ آج بہت کم لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ حرم کعبہ میں قائم 'مدرسہ صولتیہ' کی بنیادوں میں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کا اخلاص اور للہیت کا جذبہ کارفرما ہے۔

یہ بھی تاریخ کی عجب ستم ظریفی ہے کہ ہندوستان کے علمی، دینی اور عسکری اُفق پر ابھرنے والا کیرانہ (مظفر نگر) کا یہ باسی، خود یہاں اجنبی ہے۔ آج برصغیر پاک و ہند کی تمدنی، ملی اور تاریخی کتب میں ان کا تذکرہ نہ ہونے کے برابر ہے، یہاں کی جامعات، تعلیمی و تحقیقی مراکز میں انکی شخصیت و خدمات سے صرفِ نظر کیا گیا، یہی وجہ ہے کہ راقم نے عالم اسلام کے اس عظیم مجاہد، مصلح، محقق اور ماہر تعلیم کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا ہے، جس کا مقصد نہ صرف یہ کہ برصغیر پاک و ہند کے اہل علم کو، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی شخصیت اور ان کے بے مثال کارناموں سے روشناس کرایا جائے بلکہ عالمی سطح پر بھی آپ کے کردار کو مؤثر انداز میں پیش کیا جائے۔

زیر بحث موضوع پر پہلے سے کیے گئے کام کا ایک جائزہ

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ موضوع زیر بحث پر اب تک کیے گئے کام کا مختصر معروضی جائزہ پیش کر دیا جائے۔
برصغیر پاک و ہند میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے 'حالات و خدمات' پر سب سے پہلی کاوش ۱۹۵۲ء میں منصۂ شہود پر آئی۔ مولانا محمد سلیم بن محمد سعید، کا مرتب کردہ یہ کتابچہ 'ایک مجاہد معمار' کے نام سے ۷۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اگرچہ یہ بہت مختصر تذکرہ ہے مگر 'صاحب البیت ادری بما فیہ' کے مصداق مستند حیثیت کا حامل ہے۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی حیات و خدمات پر پہلی باقاعدہ تصنیف ہندوستان کے معروف مورخ، مولانا امداد صابری کی ہے (فاضل مصنف کے والد، مولانا شرف الحق صدیقی، مولانا کیرانوی کے براہ راست شاگرد تھے)۔ 'آثار رحمت' کے نام سے یہ کتاب ۱۹۶۷ء میں منظر عام پر آئی۔ اگرچہ اس کتاب کو زیر نظر موضوع پر بنیادی ماخذ کی حیثیت حاصل ہے، تاہم ایک طرف عقیدت و محبت کے جذبے کے ساتھ تحریر کی گئی اس کتاب میں مندرج بعض بیانات، تحقیق و تنقید کے مسلمہ اصولوں پر پورا نہیں اترتے وہاں بعض پہلو تشنہ طلب رہ گئے ہیں مثلاً، اظہار الحق' مولانا رحمت اللہ کی معروف اور ضخیم کتاب ہے، کے تعارف پر محض ایک یا دو صفحہ ہی لکھا گیا ہے نیز مذکورہ کتاب کا قابل ذکر پہلو یہ بھی ہے، ۱۹۶۷ء میں دہلی سے اس کا پہلا اور (تاحال) آخری ایڈیشن طبع ہوا، دوبارہ طبع نہ ہونے کی وجہ سے برصغیر پاک و ہند کے اکثر کتب خانوں میں دستیاب نہیں ہے۔ مولانا امداد صابری کی ایک اور مختصر تصنیف 'فیضان رحمت' ہے جو مدرسہ صولتیہ کے قیام و پس منظر اور اثرات پر تحریر کی گئی ہے، تاہم مواد اور دستیابی کے اعتبار سے اس کا حال بھی اول الذکر سے مختلف نہیں ہے۔

مذکورہ بالا کام کے بعد برصغیر پاک و ہند میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی حیات و خدمات پر ایک طویل عرصہ تک کوئی قابل ذکر کام نہیں ہوا۔ البتہ کبھی کبھار کسی علمی مجلہ میں کوئی مضمون شائع ہوتا رہا تا آنکہ پاکستان میں 'دارالعلوم کراچی' کے مفتی محمد شفیع کی زیر نگرانی، دارالعلوم کے استاذ، مولانا اکبر علی سارن پوری نے 'اظہار الحق' کا اردو ترجمہ کیا اور فاضل استاذ، جسٹس محمد تقی عثمانی نے اپنی تحقیق و حواشی سے کتاب کو مفید اور قابل استفادہ بنایا تو مولانا رحمت اللہ کی غیر معمولی خدمات ایک مرتبہ پھر اہل علم کے سامنے آئیں۔ اردو ترجمہ 'بائبل سے قرآن تک' کا قابل ذکر پہلو محمد تقی عثمانی کا 'ضخیم مقدمہ' ہے جس میں ۴۰ صفحات مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے حالات اور مختصر کارناموں پر مشتمل ہیں۔ تاہم ان کا ماخذ بھی مذکورہ بالا دونوں کتب ہی ہیں۔
'اظہار الحق' کے اردو قالب میں آنے کے بعد، اردو داں طبقہ نے اس سے جا طور پر اعتناء کیا ہے۔ اسکے ساتھ ہی مولانا محمد تقی عثمانی اور ان کے دیگر رفقاء نے مولانا رحمت اللہ کی ایک اور کتاب 'اعجاز عیسوی' کو بھی اردو کے نئے پیرہن میں ڈھال کر، اہل علم کی رسائی کو ممکن بنا دیا ہے اور قابل قدر حواشی کا اضافہ بھی کر دیا گیا ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی کتب جس تیزی سے عنقا ہو رہی تھیں، وہاں

مذکورہ بالا دونوں کتب کی اشاعت نے مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے تذکرے کو، از سر نو زندہ کردیا ہے۔

دارالعلوم کراچی، کی مذکورہ کاوش کے علاوہ، برصغیر پاک وہند میں کوئی نمایاں پیش رفت نظر نہیں آتی۔ تاہم اس ضمن میں دو مجلات کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، جن میں رحمت اللہ کیرانوی کی حیات وخدمات کے حوالے سے بعض عمدہ مقالات سامنے آئے ہیں۔ اس سلسلے میں ماہنامہ 'ذکر وفکر' (دہلی) کے زیر اہتمام، ایک مجلس مذاکرہ، ۱۶ اپریل ۱۹۸۰ء میں منعقد ہوئی، جس میں برصغیر پاک وہند کے ممتاز اہل علم اور دانشوروں نے شرکت کی اور مولانا کیرانوی کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر مقالات پیش کیے گئے۔ اگرچہ مجلس مذاکرہ کی روداد و مقالات ہنوز منتظر طباعت ہیں، تاہم 'ذکر وفکر' کا شمارہ خاص 'بیاد گار مولانا رحمت اللہ کیرانوی' اس سلسلے کی اہم کڑی ہے۔ جس میں مولانا کی خدمات اور کارناموں پر، کئی پہلوؤں سے اضافے نظر آتے ہیں۔ اس خاص اشاعت پر مولانا عباس ندوی، پروفیسر خلیق احمد نظامی (مرحوم) اور پروفیسر خواجہ احمد فاروقی، بجاطور پر ہدیہ تبریک کے مستحق ہیں، اس سلسلہ کا دوسرا مجلہ ماہنامہ 'الاشرف' کراچی، کی خصوصی اشاعت 'صولتیہ نمبر' ہے جسے محمد شاہد تھانوی نے ترتیب دیا ہے تاہم موخر الذکر جریدہ کے اکثر مضامین ومقالات اول الذکر مجلہ سے ہی ماخوذ ہیں۔

یہاں پر اس امر کا تذکرہ بھی خاص اہمیت کا حامل ہے کہ برصغیر پاک وہند کی کسی بھی جامعہ اور تحقیقی مرکز میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی علمی ودینی خدمات پر کوئی تحقیقی کام سامنے نہیں آیا۔

برصغیر پاک وہند کے اس جائزہ کے بعد بلاد عرب اور مغربی ممالک میں بھی مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی حیات وخدمات کا جائزہ پیش کردیا جائے، تو مناسب ہوگا۔

یہ امر باعث حیرت وتعجب ہے کہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا تعلق ہندوستان سے ہے مگر آپ کی خدمات کے بعض پہلوؤں پر جس قدر بلادِ عرب میں داد تحقیق دی گئی وہ حوصلہ افزاء ہی نہیں، قابل رشک بھی ہے۔ بظاہر اس کی وجہ مکہ معظمہ میں، مدرسہ صولتیہ کی غیر معمولی خدمات واثرات اور آپ کی معروف تالیف 'اظہار الحق' کا عربی زبان میں ہونا نظر آتا ہے۔

اگرچہ اظہار الحق کی تالیف کے ساتھ ہی اس کے تراجم وطباعت کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا، چنانچہ جب یہ کتاب اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچی، تو کتاب کے ساتھ ساتھ مولف کے حالات جاننے کا بھی شدید داعیہ پیدا ہوا۔ اظہار الحق کی ساتویں طباعت ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء، جس پر مختصر حواشی وتخریج کا فریضہ، استاذ عمر الدسوقی اور ان کے بعض رفقاء نے سرانجام دیا، پہلی مرتبہ کتاب کے مقدمہ میں محمد مسعود سلیم اور سید ابوالحسن علی ندوی کی دو تحریریں جن میں مولف کے حالات اور اظہار الحق کا قدرے تفصیل سے تعارف کرایا گیا تھا، شامل کی گئیں۔

بعد ازاں جب ڈاکٹر احمد حجازی السقاء، نے جامعۃ الازہر (مصر) کے 'کلیہ اصول الدین' کے تحت پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالہ کے لئے اظہار الحق (تقدیم وتحقیق وتعلیق) پر کام مکمل کیا تو انہیں مولف کتاب کے تعارف کی ضرورت محسوس ہوئی۔ انہوں نے اس غرض کے لیے 'مدرسہ صولتیہ' رابطہ کیا تو ناظم مدرسہ، محمد مسعود سلیم نے، ڈاکٹر موصوف کو ایک مجاہد

معمار اور آثار رحمت' عنایت کیں۔ ڈاکٹر احمد حجازی السقا، نے ہندوستان کے فخر الدین اعظمی کی مدد سے، ولی الذکر کتاب کا عربی میں ترجمہ ۱۹۷۷ء میں 'أکبر مجاهد فی التاریخ' کے نام سے کیا اور اظہار الحق کے مقدمہ میں شامل کر دیا۔ ڈاکٹر موصوف نے ہی 'المدرسة الصولتیه' کے نام سے مدرسہ کی مختصر تاریخ، نصاب، اساتذہ وغیرہ، کو عربی میں قلم بند کیا تا آنکہ مکہ المکرمہ کی تعلیمی و تمدنی تاریخ میں 'مدرسہ صولتیہ' کا تذکرہ نا گزیر ہو گیا۔

سعودی جامعات میں سب سے پہلے مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی خدمات کو تحقیق کا موضوع بنانے والے، محمد عبدالقادر خلیل ملکاوی ہیں، جنہوں نے 'جامعہ امام محمد بن سعود (ریاض)' کے تحت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی 'فن مناظرہ میں خدمات' پر 'المناظرة الکبری' کے عنوان سے مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ بعد ازیں حکومت سعودی عرب نے اپنے خرچ پر یہ مقالہ طبع کروا کر، ۱۹۸۸ء میں افادہ عام کے لئے شائع کر دیا۔

ڈاکٹر موصوف نے اپنی تحقیق کا مستقل موضوع مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی تالیف 'اظہار الحق' کو بنایا۔ چنانچہ انہوں نے چار سال کی غیر معمولی محنت اور جد و جہد کے بعد اظہار الحق پر 'دارسة وتحقیق وتعلیق' کا فریضہ پوری عقیدت و محبت اور پوری لگن کے ساتھ سر انجام دیا۔ انہوں نے نہ صرف، قلمی نسخہ کو بنیاد بنا کر سابقہ طبعات کا موازنہ عمدہ طریقے سے کیا بلکہ مقدمة المحقق کے عنوان سے مولانا کیرانویؒ کے 'حالات اور خدمات' پر بھی فاضلانہ بحث کی، جس میں بعض اردو ماخذ سے بھی تعرض کیا گیا، اسے بھی حکومت سعودی عرب نے، ۱۹۸۹ء / ۱۴۱۰ھ میں افادہ عام کے لئے طبع کروایا اور اب تک کی اظہار الحق کی اشاعتوں میں سب سے عمدہ اور محققانہ ہے۔

ماضی قریب میں، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی حیات و خدمات پر 'جامعہ الازہر' سے ایک پاکستانی اسکالر، پیر زادہ عبدالخالق (برادر عبدالقادر آزاد) نے، پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری، ۱۹۹۰ء میں حاصل کی۔ اس مقالہ کی قابل ذکر بات یہ ہے کہ ڈاکٹر موصوف نے، اہل عرب کے فکری و تمدنی تناظر میں تحریر کرتے ہوئے، برصغیر پاک و ہند کی طویل تاریخ قلمبند کی ہے اور چوتھے باب میں ڈاکٹر محمد عبدالقادر ملکاوی کی کتاب (المناظرة الکبری) کے اکثر مباحث شامل کر دیئے ہیں تاہم یہاں بھی مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی خدمات کے بعض پہلو خصوصاً تصنیفی تالیفی پہلو تشنہ نظر آتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ برصغیر پاک و ہند کے برعکس بلاد عرب میں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی حیات و خدمات کو موضوع تحقیق بنایا گیا تاہم اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ناگزیر ہوگا؛ اول تو مولانا کیرانویؒ کی صرف ایک تالیف 'اظہار الحق' پر ہی داد تحقیق دی گئی اور دوسری تالیفات چونکہ اردو اور فارسی میں تھیں، وہ بدستور نظر انداز رہیں۔ دوسرا یہ کہ عرب محققین نے اردو و فارسی کے براہ راست استفادہ کی بجائے، زیادہ تر تراجم پر اعتماد کیا۔ اس وجہ سے تراجم میں بعض ناگزیر غلطیاں در آئیں اور معلومات کا دائرہ بھی دو تشنہ ہو سکا۔

جہاں تک بعض مغربی ممالک کا تعلق ہے تو برصغیر اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، کے موضوع پر شائع ہونے والی بعض کتب

میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا تذکرہ ملتا ہے، تاہم 'لندن یونیورسٹی' سے ۱۹۹۳ء میں شائع ہونے والی این پاول (Avril Ann Powell) کی کتاب 'Muslims and Missionaries in pre-Mutiny India' کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، جو مسلم، مسیحی فکری کشمکش پر مشتمل ہے۔ یہ اصلاً پاول کا پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ ہے جس پر انھیں (Centre of South Asian Studies School of Oreintal and African Studies, University of London) کی طرف سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی گئی۔ مذکورہ کتاب کے بیشتر مباحث میں مولانا کیرانوی کا تذکرہ بحیثیت مسلم مناظر کے طور پر کیا گیا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ باب ششم تا نہم میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے بعض حالات اور کارناموں کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ انہی کی ایک اور کتاب، خالصتاً مولانا رحمت اللہ کے تذکرے پر مشتمل ہے جس کا نام یہ ہے۔ Maulana Rahmat Allah Kairanvi and Muslim-Christian Controversy in India In Mid-19th Century.

مولانا رحمت اللہ کیرانوی پر مذکورہ بالا کام کے علاوہ حالیہ دنوں میں ایک اور کام کا پتہ چلا ہے۔ 'ادارہ تحقیقاتِ اسلامی (اسلام آباد)' کے ڈائریکٹر جنرل، ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری نے، راقم کو ایک بھرپور ملاقات میں بتایا کہ مراکش (Morocco) کی ایک خاتون 'مولانا کیرانوی اور مطالعہ بائبل' پر کام کر رہی ہیں۔

زیرِ نظر موضوع اختیار کرنے کے اسباب:

اب سوال قدرتی طور پر یہ پیدا ہوتا ہے کہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی حیات و خدمات' پر اس قدر تحقیقی کام کے باوجود کیا ضرورت پیش آتی ہے کہ ان کی حیات و خدمات کو ہی موضوعِ تحقیق بنایا جائے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا کیرانوی کی ہمہ جہت شخصیت کے تمام پہلوؤں پر تحقیقی و تجزیاتی انداز سے کام کرنے کی اب بھی ضرورت ہے۔ اس کے درج ذیل اسباب ہیں۔

۱۔ برصغیر پاک و ہند میں مولانا کیرانوی کی حیات، دینی، علمی اور ملی خدمات کا اس طرح جائزہ لینا کہ اس کے وسیع تر اثرات و نتائج سے اہل علم سے آگاہ کیا جائے۔

۲۔ برصغیر پاک و ہند کی جامعات نے جس طرح مولانا کی خدمات اور ان کی تالیفات کو نظر انداز کیا ہے، اس خلا کو پر کیا جائے۔

۳۔ مولانا کیرانوی کی علمی و فکری اور دینی پہلوؤں پر توجہ مرکوز کرنا، جو اب تک نظر انداز ہوتے رہے ہیں۔

۴۔ مولانا کیرانوی کی خدمات کو مستند ماخذوں کی مدد سے تحریر کرنا۔

۵۔ عصر حاضر میں اسلام کو درپیش فکری مسائل خصوصاً فرقِ باطلہ کے افکار کا ناقدانہ مطالعہ، مولانا کیرانوی کی تحقیقات کی روشنی میں کرنا۔

ان پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہوئے 'مولانا کیرانویؒ کی علمی و دینی خدمات کا تحقیقی جائزہ' کو موضوع تحقیق بنایا گیا ہے اور زیر نظر مقالہ کو مندرجہ ذیل ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے :۔

مقدمہ۔ بائبل کا تعارف و تجزیہ نیز مطالعہ بائبل میں مسلمانوں کی تحقیقات کا جائزہ۔

باب اول۔ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے حالات زندگی پر مشتمل ہے۔

باب دوم۔ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے دور میں بر صغیر کے حالات پر محیط ہے۔

باب سوم۔ مولانا کیرانویؒ کی علمی خدمات، یعنی تصنیفات و تالیفات کا تعارف و تجزیہ پر مبنی ہے۔

باب چہارم۔ فن مناظرہ میں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی خدمات پر مشتمل ہے۔

باب پنجم۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے کردار پر مبنی ہے۔

باب ششم۔ مولانا کیرانویؒ کی دینی خدمت کا ایک عظیم باب مدرسہ صولتیہ (مکہ معظمہ) کی تاسیس و قیام کے جائزہ پر مشتمل ہے۔

باب ہفتم۔ مدافعت دین میں مولانا کیرانوی کے منہج و استدلال کے جائزہ پر محیط ہے۔

باب ہشتم۔ مولانا کیرانویؒ کی علمی خدمات کے اثرات کے جائزہ پر مشتمل ہے۔

آخر میں خلاصہ بحث اور نتائج پیش کیے گئے ہیں۔

یہاں پر اس امر کی صراحت بھی ناگزیر ہے کہ علمی و دینی خدمات کا مفہوم بر سبیل تداخل مترادف بھی ہے تاہم زیر نظر مقالہ میں تصنیفی و تالیفی خدمات کے لئے علمی اور دیگر خدمات کے لئے عموماً دینی کا اطلاق کیا گیا ہے۔

طریقہ کار و تحقیق :

۱۔ زیر نظر مقالہ کا طریقہ تحقیقی، تاریخی اور دستاویزی تحقیق کے ضمن میں آتا ہے لہٰذا مستند ماخذ کے ذریعے آپ کی حیات و خدمات اور منہج و استدلال کا تحلیلی و تجزیاتی جائزہ لیا گیا ہے۔

۲۔ زیر نظر مقالہ میں بنیادی مآخذ کو مد نظر رکھا گیا ہے تاہم جہاں بنیادی ماخذ دستیاب نہ ہو سکے ضمنی یا ثانوی ماخذ سے بھی مدد لی گئی ہے اس امر کی صراحت بھی کر دی گئی ہے۔

۳۔ زیر نظر مقالہ میں حواشی و تعلیقات بکثرت استعمال ہوئے ہیں نیز ان کو ہر باب کے آخر میں مسلسل نمبروں کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے۔

۴۔ 'مفتاح المصادر' کے نام سے آغاز ہی میں اختصارات کی فہرست دی گئی ہے (تاہم یہ امر ملحوظ رکھا گیا ہے کہ حواشی میں اسی کی پیروی کی جائے) البتہ پہلا حوالہ مکمل اور بعد میں اختصارات کو ہی پیش نظر رکھا گیا ہے۔

۵۔ اگر حواشی میں کسی کتاب کا حوالہ ایک یا دو مرتبہ آیا ہے اس کی تفصیلات وہیں درج کر دی گئی ہیں تاہم مصادر و مراجع کی فہرست میں بھی ان کو شامل کیا گیا ہے۔

۶۔ زیر نظر مقالہ میں جہاں فرنگی نام استعمال ہوئے ہیں ان کے انگریزی تلفظ کو بریکٹ میں تحریر کر دیا گیا ہے اس سلسلے میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور مولانا محمد تقی کی تحقیقات کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے۔

۷۔ مقالہ میں بائبل (کتاب مقدس) کی جو عبارات نقل کی گئی ہیں ان کے لئے مندرجہ ذیل نسخے پیش نظر رہے ہیں۔

(i) کلام مقدس کا عہد عتیق و جدید، مطبوعہ سوسائٹی آف سینٹ پال، روما، ۱۹۵۸ء۔

(ii) کتاب مقدس یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ بائبل سوسائٹی انار کلی-لاہور، ۱۹۹۰ء، ۱۹۹۵ء۔

(iii) *The Holy Bible*, Revised Standard Version,1952

(iv) *Holy Bible With Apocrypha.*

۸۔ بائبل کے حوالہ جات کا انداز یہ اختیار کیا گیا ہے: کتاب کا نام باب کا نمبر اور فقرہ کا نمبر (آیت کو عمداً اختیار نہیں کیا گیا)

مثلاً: پیدائش، ۲۱.۲۵۔

۹۔ مجلات و رسائل کے حوالہ کی پوری صراحت حاشیہ میں ہی کر دی گئی ہے تاہم مکرر آنے کی صورت میں 'حوالہ مذکور' سے اختصار کیا گیا ہے۔

۱۰۔ حواشی و تعلیقات میں کسی کتاب کا حوالہ مکرر آنے کی صورت میں 'نفس مصدر' کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

حدود کار:

زیر نظر مقالہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی حیات، علمی و دینی خدمات کے جائزہ تک محدود ہے، صرف انہی پہلوؤں کو زیر بحث لایا گیا ہے جن کا تعلق مذکورہ مباحث سے ہے۔

عیسائیت سے متعلق کسی موضوع پر تحقیق کرنا کس قدر مشکل ہے، اس کا ایک اندازہ مولانا محمد تقی عثمانی کے اس بیان سے ہو سکتا ہے "پاکستان میں رہ کر عیسائیت کے موضوع پر کوئی تحقیقی کام، کس قدر مشکل ہے اس کا اندازہ ان حضرات کو ہوگا جنہوں نے اس موضوع پر کوئی کام کیا ہو۔ یہاں اس موضوع کی اہم کتابیں کمیاب ہی نہیں بلکہ تقریباً نایاب ہیں" پھر راقم کا معاملہ اس سے بھی بڑھا ہوا ہے کہ پنجاب کے پسماندہ ترین ضلع 'بھکر' میں رہتے ہوئے، تعلیمی و تدریسی فرائض کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ اس کام کو انجام دینا ہے، ایسا محض توفیق الٰہی سے ہی ممکن ہوا ہے۔

اس موقع پر، ان تمام افراد اور اداروں کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اس علمی کام میں کسی نہ کسی مرحلے پر، راقم کی معاونت فرمائی۔ اپنے شفیق استاذ اور زیر نظر مقالہ کے نگران، پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر کا، اوّل اوّل جنہوں نے عنوان مقالہ کے انتخاب سے لے کر تادم تکمیل اپنی ماہرانہ رائے اور مشاورت سے نوازا اور مقالہ کے اسلوب، طریقہ تحقیق سے متعلق ہر ممکن رہنمائی فرمائی۔

مدرسہ صولتیہ (مکہ معظمہ) کے موجودہ ناظم، جناب مولانا ماجد مسعود سلیم المعروف محمد حشیم (زاد مجده ولطفه) کا بھی بصمیم قلب ممنون احسان ہوں کہ نہ صرف راقم کی بھرپور حوصلہ افزائی و رہنمائی فرمائی بلکہ زیر بحث موضوع سے متعلق بعض نادر مآخذ بھی مرحمت فرمائے اور ان مآخذ کی ترسیل میں محمد شاہد تھانوی (مرحوم) نے خاص تعاون فرمایا (اللهم اغفر له وارفع درجاته)، نیز ان کے برادر خورد، احمد مسعود سلیم المعروف محمد زعیم نے بالمشافہ طور پر بہت سی معلومات بہم پہنچائیں، ان کا بھی شکر گزار ہوں۔

محترم جناب جسٹس، مولانا محمد تقی عثمانی نے نہ صرف مقالہ کے مندرجات اور پیش لفظ کا مطالعہ فرمایا بلکہ اپنی مشاورت بھی سے نوازا۔ پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی، پروفیسر ڈاکٹر سفیر اختر، ڈاکٹر محمود الحسن عارف، ڈاکٹر محمد سعد صدیقی اور رانا محمد اسلم (ایڈیٹر اللہ اکبر) کا بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے مقالہ سے متعلق بعض اساسی اور اہم امور پر راہنمائی فرمائی اور مقالہ کے بعض مفید گوشوں کی نشاندہی فرمائی اور اپنی بھرپور مشاورت سے نوازا، نیز پروفیسر حافظ محمد سجاد تحرالوی کا تعاون از اوّل تا آخر رہا، ان کی علمی ترقی کے لئے دعاگو ہوں۔

مقالہ کے موضوع سے متعلق کتب کی دستیابی کے ضمن میں استاذ محترم، ڈاکٹر محمد علی غوری، محترم تنویر صہبائی، محترم محمد اسلم جمینہ کا خصوصی تعاون حاصل رہا، ان سب کے لیے سراپا سپاس ہوں، پروفیسر حافظ محمد عبداللہ، پروفیسر حافظ عبدالمجید، پروفیسر اختر معاویہ کا بھی دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مشکور ہوں جنہوں نے عربی و انگریزی عبارات کی تفہیم میں ہر ممکن معاونت فرمائی، علاوہ ازیں عارف محمود چوہدری، پروفیسر ساجد اسد اللہ، پروفیسر حافظ محمد سعید عاطف اور پروفیسر محمد اکرم خان نیازی کا بھی بصمیم قلب مشکور ہوں۔

انتہائی ناسپاسی ہوگی اگر محترم برادرم، محمد اعجاز ملک (ڈائریکٹر الخیر یونیورسٹی، کالج آف ایجوکیشن، بھمبر) کا تذکرہ نہ کروں جنہوں نے مقالہ کی کمپوزنگ کے تمام مراحل اپنی نگرانی و توجہ میں شب و روز کی محنت سے بہ احسن و خوبی تکمیل پذیر کرائے، عزیزم عمران شہزاد کا، بطور خاص شکریہ ادا کرتا ہوں، جنہوں نے مسودہ کی کمپوزنگ میں سخت محنت اٹھائی، پروف ریڈنگ میں، عزیزم چوہدری محمد ریحان نے خصوصی تعاون فرمایا۔

ان تمام اداروں، کتب خانوں اور ان کے عملے خصوصاً، ڈاکٹر محمد حمید اللہ لائبریری (ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد)، مرکزی مکتبہ (پنجاب یونیورسٹی لاہور)، ادارہ معارف اسلامی (منصورہ، لاہور)، دارالاسلام ریسرچ لائبریری (چکوال)

اور لاہبریری کالج ھذا کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے بھرپور علمی تعاون فرمایا۔

شکر و امتنان تو اور بھی بہت سوں کا واجب ہے، جن کی فہرست طویل ہے اور ان کی قدر میرے دل میں ہے، جن میں میرے اہل خانہ بھی شامل ہیں۔ جنہوں نے جس حیثیت سے تعاون کیا، اللہ تعالی اس سے بڑھ کر انہیں جزائے خیر دے۔

آخر میں پیش لفظ کی ان سطور کو تحریر کرتے ہوئے راقم کے پیش نظر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے یہ الفاظ بے ساختہ سامنے آتے ہیں "مولانا کیرانوی نے جو کام کیا وہ اپنی بساط بھر کیا خدا ان سے راضی ہو۔ اب ہمارا فریضہ ہے کہ ان کے شروع کیے ہوئے اس عظیم کام کو آگے بڑھائیں اور اسے حرف آخر کی جگہ حرف اول سمجھیں اور مزید تحقیقات کا سلسلہ جاری رکھیں"۔

اس موقع پر مجھے اپنی علمی کم مائیگی اور بے بضاعتی کا بھی پورا احساس ہے، تاہم دل اپنے رب کے حضور جذبہ تشکر سے موجزن ہے کہ اس نے محض اپنی توفیق سے ناچیز کو یہ ہمت بخشی کہ وہ ایک عظیم شخصیت کے علمی و دینی خدمات اور تجدیدی کارناموں پر بساط بھر کچھ پیش کر سکے۔

السعی منی و الاتمام من اللہ۔

احقر الانام

محمد عبداللہ۔

۱۰ محرم الحرام، ۱۴۲۱ھ/ ۱۵ اپریل ۲۰۰۰ء۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مفتاح المصادر

مقالہ ھذا میں مآخذ مصادر کیلئے جو اختصارات استعمال ہوئے ہیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

آب کوثر محمد اکرام، شیخ، آب کوثر۔

آثار رحمت: امداد صابری، مولانا، آثار رحمت۔

آثار الصنادید: احمد خان، سرسید، آثار الصنادید۔

آداب المریدین: سہروردی، ضیاء الدین، شیخ، آداب المریدین، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ (مترجم)۔

آئین اکبری: ابو الفضل، آئین اکبری۔

ابن الاثیر: عز الدین علی بن احمد ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ۔

ابن تیمیہ: تقی الدین، ابو العباس، الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح۔

ابن حجر: ابو الفضل احمد بن علی محمد بن علی العسقلانی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری۔

ابن حزم: ابو محمد علی بن احمد الاندلسی، الفصل فی الملل و الاھوا النحل۔

ابن صلاح: ابو عمرو عثمان بن عبد الرحمن، علوم الحدیث المشہور بہ مقدمہ ابن صلاح۔

ابن ماجہ: ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی، سنن ابن ماجۃ۔

ابن ندیم: محمد ابن اسحاق، الفہرست۔

ابن ہشام: ابو محمد عبد الملک، السیرۃ النبویۃ۔

ابو داؤد: سلیمان بن الاشعث السجستانی، سنن ابی داؤد۔

احمد بن حنبل: ابو عبد اللہ احمد بن حنبل، المسند۔

احمد حجازی السقا: احمد حجازی السقا، اظہار الحق تقدیم و تحقیق و تعلیق، قاہرہ ۱۳۹۸ھ۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ: دانش گاہ پنجاب، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۹۲۸ء۔

ازالۃ الاوہام: رحمت اللہ کیرانویؒ، ازالۃ الاوہام۔

ازالۃ الشکوک: رحمت اللہ کیرانوی، ازالۃ الشکوک۔

اسباب بغاوت ہند: احمد خان سرسید، اسباب بغاوت ہند۔

استفسار :   سید آل حسن موہانی، استفسار۔
اظہار الحق :   رحمت اللہ کیرانوی مولانا،اظہار الحق دراسۃ،تحقیق، تعلیق، محمد عبدالقادر خلیل ملکاوی، ریاض۱۹۸۹ء۔
اعجاز عیسوی : رحمت اللہ کیرانوی، مولانا، اعجاز عیسوی۔
اکبر مجاہد   احمد حجازی السقا،اکبر مجاهد فی التاریخ (اردو ترجمہ،ایک مجاہد معمار)۔
ام الکتاب :   کے۔ایل ناصر پادری،ام الکتاب۔
ایک مجاہد معمار : محمد سلیم مولانا،ایک مجاہد معمار۔
بائبل سے قرآن تک۔ اظہار الحق،اردو ترجمہ شرح وتحقیق،اکبر علی مولانا (مترجم)، محمد تقی عثمانی، (شارح)۔
البحث الشریف   حافظ عبداللہ (مرتب)،البحث الشریف فی اثبات النسخ والتحریف۔
بخاری :   محمد بن اسماعیل،الجامع الصحیح۔
البدایۃ : جلال الدین سیوطی،البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ۔
البرہان : بدر الدین زرکشی،البرہان فی علوم القرآن۔
برعظیم پاک وہند کی ملت اسلامیہ : اشتیاق حسین قریشی، ہلال احمد زبیری (مترجم)،برعظیم پاک وہند کی ملت اسلامیہ۔
البلاذری : ابو جعفر احمد بن یحییٰ،فتوح البلدان۔
البیرونی۔ ابوریحان،احمد بن احمد البیرونی،آثار الباقیہ عن القرون الخالیہ۔
بیس بڑے مسلمان :   عبدالرشید ارشد (مرتب)،بیس بڑے مسلمان۔
بیس مردان حق۔   عبدالرشید ارشد (مرتب)،بیس مردان حق۔
پیغام محمدی : محمد علی مونگیری،پیغام محمدی۔
تاریخ التعلیم :   عبدالرحمن صالح عبداللہ،تاریخ التعلیم فی مکۃ المکرمہ۔
تاریخ دعوت وعزیمت : ابوالحسن علی ندوی سید،تاریخ دعوت و عزیمت۔
تاریخ صحافت اردو : امداد صابری، مولانا،تاریخ صحافت اردو۔
تاریخ کلیسائے پاکستان   ایس۔کے۔داس پادری،تاریخ کلیسائے پاکستان۔
تاریخ المسلمین۔ احمد محمود الساداتی،تاریخ المسلمین فی شبه القارة الهندیة وحضارتهم۔
تاریخ مشائخ چشت : خلیق احمد نظامی،تاریخ مشائخ چشت۔
تاریخ ہندوستان : ذکاء اللہ خاں منشی،تاریخ ہندوستان۔

تحریف القرآن: رام چندر، ماسٹر پادری، تحریف القرآن۔
تحقیق الایمان: عماد الدین، پانی پتی، پادری، تحقیق الایمان۔
تدوین قرآن حکیم پر مستشرقین کے اعتراضات محمود اختر، حافظ، ڈاکٹر، تدوین قرآن حکیم پر مستشرقین کے اعتراضات کا محققانہ جائزہ، (غیر مطبوعہ مقالہ، پی۔ایچ۔ڈی)۔
تذکرۃ الرشید: محمد عاشق الٰہی، مولانا، تذکرۃ الرشید۔
تذکرہ علمائے پنجاب: اختر راہی، تذکرہ علمائے پنجاب۔
تذکرہ مشائخ دیوبند: عزیز الرحمٰن، مفتی، مولانا، تذکرہ مشائخ دیوبند۔
تزک جہانگیری محمد نور الدین، جہانگیر، تزک جہاں گیری۔
التنبیہات رحمت اللہ کیرانوی، مولانا، التنبیہات فی الاحتیاج الی البعثہ والحشر۔
الجزیری: عبدالرحمٰن الجزیری، ادلۃ الیقین فی الرد علی میزان الحق۔
جنگ آزادی کے مسلم مشاہیر: محمد صادق قریشی، جنگ آزادی کے مسلم مشاہیر۔
الجہاد فی الاسلام: ابوالاعلیٰ مودودی، سید، الجہاد فی الاسلام۔
حالات مشائخ کاندھلہ احتشام الحسن کاندھلوی، مولانا، حالات مشائخ کاندھلہ۔
حقانی: عبدالحق حقانی، مولانا، البیان فی علوم القرآن۔
حل الاشکال: سی۔جی۔ فانڈر، پادری، حل الاشکال۔
حیات امداد: انوار الحسن، پروفیسر، حیات امداد۔
حیات شبلی: سلیمان ندوی، سید، حیات شبلی۔
خطبات احمدیہ: احمد خان، سر سید، خطبات الاحمدیہ علی العرب و السیرۃ المحمدیہ۔
الدارمی: ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن، الدارمی، سنن دارمی۔
دافع الاسقام: نور محمد، (مترجم)، اردو ترجمہ ازالۃ الاوہام۔
دبستان مذاہب: محسن فانی، دبستان مذاہب۔
دروس من ماضی التعلیم عمر عبدالجبار، دروس ماضی التعلیم وحاضرہ بالمسجد الحرام۔
دین الٰہی اور اس کا پس منظر: محمد اسلم، پروفیسر، دین الٰہی اور اسکا پس منظر۔
الزرکلی: خیر الدین الزرکلی، الاعلام۔
رحمۃ للعلمین محمد سلیمان، قاضی، منصورپوری، رحمۃ للعلمین۔

رقعات : ابوالفضل، رقعات ابو الفضل۔

رود کوثر : محمد اکرام، شیخ، رود کوثر۔

روزنامچہ : عبدالطیف، روزنامچہ عبدالطیف۔

مصطفیٰ السباعی ۔ مصطفیٰ السباعی، ڈاکٹر، السنة ومكانتها فی التشريع الاسلامی۔

سیرۃ حاجی امداد اللہ ۔ امداد صابری، مولانا، سیرۃ حاجی امداداللہ اور ان کے خلفاء۔

شبلی نعمانی : شبلی نعمانی، مولانا، سیرۃ النبی۔

صحت کتب مقدسہ برکت اللہ، آرچ ڈیکن، صحت کتب مقدسہ۔

صلیب کے علمبردار برکت اللہ، آرچ ڈیکن، صلیب کے علمبردار۔

ضحیٰ الاسلام : احمد امین مصری، ضحی الاسلام۔

طبری ۔ ابو جعفر محمد بن جریر طبری، تاریخ الامم والملوک۔

طریق الحیات ۔ فانڈر، سی۔جی پادری، طریق الحیات۔

علماء ہند کا شاندار ماضی ۔ محمد میاں سید، علماء ہند کا شاندار ماضی۔

علوم الحدیث ۔ صبحی صالح، ڈاکٹر، علوم الحدیث مصطلحہ۔

عمر الدسوقی ۔ عمر الدسوقی، الاستاذ، اظہار الحق، تحقیق وتعلیق۔

غدر کی صبح و شام : محمد حسن، خواجہ نظامی، غدر کی صبح شام۔

الفوز الکبیر ۔ ولی اللہ، شاہ، دہلوی، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر۔

فرنگیوں کا جال امداد صابری، مولانا، فرنگیوں کا جال۔

فجر الاسلام : احمد امین مصری، فجر الاسلام۔

قاموس الکتاب ۔ ایف۔ ایس۔ خیر اللہ (مرتب)، قاموس الکتاب۔

قاموس الکتب اردو ۔ عبدالحق، مولوی (مرتب)، قاموس الکتب اردو (حصہ اول)۔

قرآن حکیم پر آرٹیکلز کا جائزہ عارف محمود چوہدری، قرآن حکیم پر مختلف انسائیکلو پیڈیا کے آرٹیکلز کا جائزہ، (غیر مطبوعہ مقالہ۔ ایم۔ اے (علوم اسلامیہ)۔

کشف الاستار : محمد علی ہادی، لکھنوی، کشف الاستار۔

کتاب مقدس ۔ کتاب مقدس یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ، ۱۹۹۵ء (مطابق پروٹسٹنٹ)۔

کلام مقدس : کلام مقدس کا عہد عتیق و جدید (رومن کیتھولک) ۱۹۵۸ء۔

کمپنی کی حکومت: باری علیگ، کمپنی کی حکومت۔
ماثر الامراء: شاہ نواز خان، مآثر الامراء۔
گارساں دتاسی: گارساں دتاسی، خطبات، ڈاکٹر مولوی عبدالحق (مترجم)۔
مباحثہ مذہبی: سید عبداللہ، اکبر آبادی، مباحثہ مذہبی۔
مجمع الزوائد: الہیثمی، نور الدین۔ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد۔
محمد تقی عثمانی: محمد تقی عثمانی، مولانا، اعجاز عیسوی (تسہیل وتحقیق و حواشی)۔
محمد عبدالقادر ملکاوی: محمد احمد عبدالقادر خلیل ملکاوی، اظہار الحق، تحقیق وتعلیق و دراسته۔
المدرسۃ الصولتیہ: احمد حجازی السقا، المدرسة الصولتيه۔
مسئلہ تحریف القرآن: طالب کرپالوی، مسئلہ تحریف القرآن۔
مکتب تشیع اور قرآن: علی شرف الدین، الموسوی، مکتب تشیع اور قرآن۔
مسلم: مسلم بن الحجاج القشیری، الجامع الصحیح۔
معجم البلدان: یاقوت الحموی، معجم البلدان۔
معجم المؤلفین: عمر کحالہ، معجم المولفین۔
مفتاح الاسرار: فانڈر، سی۔جی، پادری، مفتاح الاسرار۔
منتخب التواریخ: عبدالقادر بدایونی، منتخب التوایخ۔
المناظرۃ الکبریٰ: محمد عبدالقادر خلیل، ملکاوی، المناظرة الكبرى۔
موج کوثر: محمد اکرام، شیخ، موج کوثر۔
مہر منیر: فیض احمد فیض، مولانا، مہر منیر، سوانح حیات پیر مہر علی شاہؒ۔
میزان الحق: فانڈر، سی۔جی پادری، میزان الحق اردو مطبوعہ ۱۹۶۲ء۔
نزہۃ الخواطر: عبدالحی بن فخر الدین الحسنی، نزهة الخواطر و بهجة المسامع والنواظر۔
نقش حیات: حسین احمد مدنی، مولانا، نقش حیات۔
الوثائق السیاسیۃ: محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، الوثائق السياسيه في العهد النبويؐ۔
ہماری کتب مقدسہ: جی۔ٹی جیٹی پادری (مصنف)، امام الدین، مسٹر کے۔ایل ناصر (مترجمین) ہماری کتب مقدسہ۔
الیعقوبی: احمد ابن یعقوب، تاریخ یعقوبی۔

Adams Adams.,C J ,*Judaism, Christanity, and Islam.*

Arnold Arnold, T. W, *The Preaching of Islam*

Bell Bell,Richard,*Introduction to the Quran*

Carlyle: Carlyle,Thomas, *On Hero and Hero worship and Heroic in History.*

Ency Americana *The Ancyclopedia Americana*

Ency Britannica *The Encycloaedia Britannice*

Hunter: Hunter,W.W, *Our Indian Musalmans*

Izharul Haq: Rahmatullah Kairanvi, *Izharul Haq, Translated by Wali, Razi,*

Jeffery: Jeffery, Arthur,. *Material for the study of History of the text of the Quran*

Life of Mahamet Muir, William,. *Life of Mahomet.*

Margolouth: Morgoliouth,D.S, *Muhammadanism*

Migana Migana, A,. *Leaves from three Ancient Korans.*

Muslims and Missionaries: *Muslims and Missionaries in Pre-Mutiny India*

Smith: Smith,W,.*Islam in the Modren Histroy*

Spranger: Spranger, S, *Life of Mohammad*

The five Gospels Funk, Robert W ,The Search for the Authentic Words of Jesus

The Holy Bible The Holy Bible, Revised standerd Version 1952

The Jesuits and The great Mughal Edward, Maclagen, *The Jesuits and the greant Mughal*

Watt: Watt, Montgomery,. *Companion to the Quran*

Zafar Qureshi Zafar Ali, Qrreshi, *Prophet of Islam and His Western Critics.*

باب اوّل

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ

کے

حالاتِ زندگی

فصل اول:

نام ونسب اور خاندانی پس منظر۔

فصل دوم:

ابتدائی حالات اور تعلیم وتدریس۔

فصل سوم:

بلادِ عرب میں سرگرمیاں اور اسفارِ قسطنطنیہ (ترکی)۔

فصل چہارم:

وفات، اولادو احفاد، معاصرین کرام اور خصائل وعادات۔

فصل اول: نام ونسب اور خاندانی پس منظر۔

مولانا محمد رحمت اللہ (1)، کیرانوی ؒ (2)، عثمانی (3)، الہندی (4)، کا خاندان برصغیر پاک وہند کا ایک نامور اور ممتاز خاندان ہے جس میں معروف ونامور مشائخ واولیاء، اطباء اور سپہ سالاران گزرے ہیں جنہوں نے علمی، دینی، تاریخی اور ادبی کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔

سلسلہ نسب:

مولانا رحمت اللہ بن خلیل اللہ المعروف بہ خلیل الرحمن (۵) بن حکیم نجیب اللہ بن حکیم حبیب اللہ بن حکیم عبدالرحیم بن حکیم قطب الدین بن شیخ حکیم فضیل بن حکیم دیوان عبدالرحیم (برادر نواب مقرب خان) بن حکیم عبدالکریم (المعروف بہ حکیم بینا الملقب بہ شیخ الزمان) بن حکیم حسن بن عبدالصمد بن ابو علی بن محمد یوسف بن عبدالقادر بن کبیر الاولیاء حضرت مخدوم جلال الدین محمد بن محمود بن یعقوب بن عیسیٰ بن اسماعیل بن محمد تقی بن ابی بکر بن علی الحی بن عثمان بن عبداللہ بن شہاب الدین بن شیخ عبدالرحمن گازرونی بن عبدالعزیز سرخسی بن خالد بن ولید بن عبدالعزیز بن عبدالرحمن کبیر مدنی بن عبداللہ الثانی بن عبدالعزیز کبیر بن عبداللہ کبیر بن عمرو بن امیر المومنین ذوالنورین سیدنا عثمان بن عفانؓ۔ (۶)

مذکورہ سلسلہ نسب کو یوں بھی دیکھا جاسکتا ہے:

(۱) شجرۂ نسب

مولانا رحمت اللہ کیرانوی عثمانیؒ

خلیفۂ ثالث، امیر المؤمنین، سیدنا عثمان بن عفانؓ

عبد اللہ — عبد اللہ الاصغر — عمرو — خالد — أبان — عمر

عمرو
|
عبد اللہ (الکبیر)
|
عبد العزیز (الکبیر)
|
عبد اللہ (الثانی)
|
عبد الرحمٰن (کبیر مدنی)
|
عبد العزیز
|
خالد بن الولید
|
عبد العزیز (السرخسی)
|
عبد الرحمٰن (گازرونی)
|
شہاب الدین
|
عبد اللہ
|
عثمان
|
علی نقی
|
ابو بکر
|
محمد تقی
|
اسماعیل
|
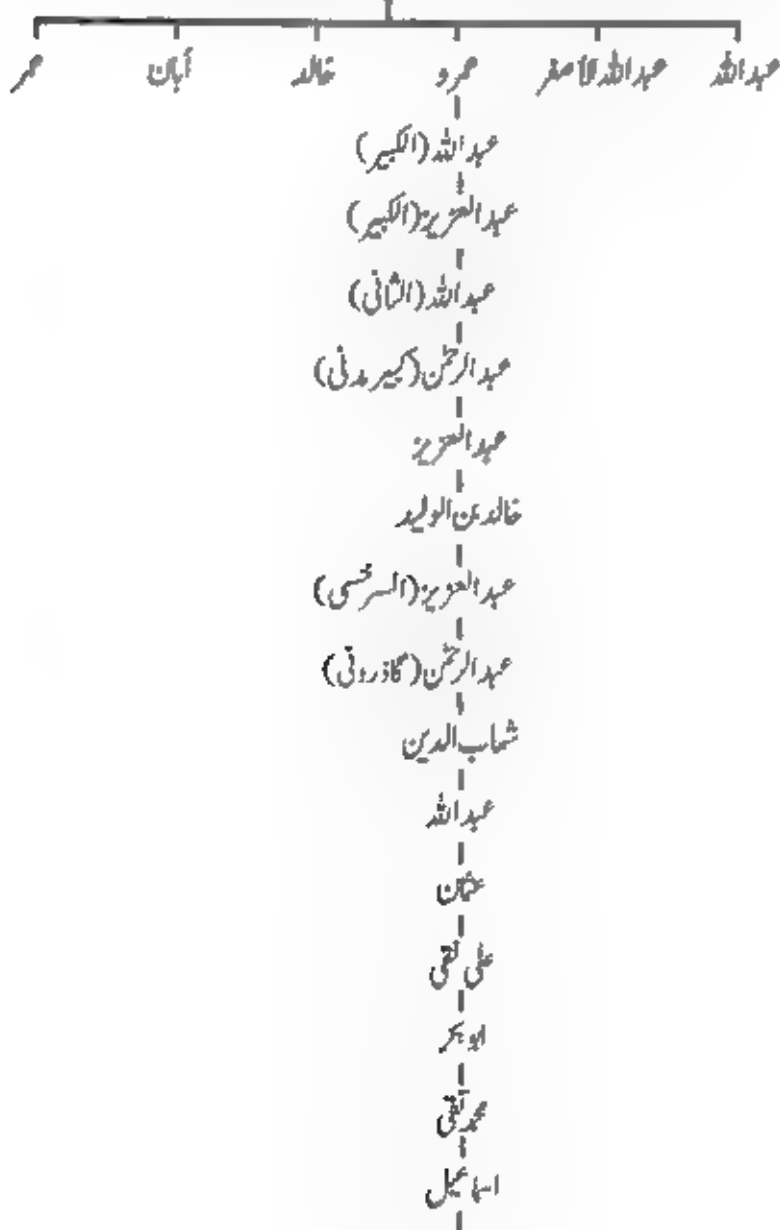
عیسیٰ

|

یعقوب

|

محمود

|

خواجہ جلال الدین محمد (کبیر الاولیاء، مخدوم)

|

عبد القادر

|

محمد یوسف

|

بو علی

|

عبد الصمد

|

حکیم حسن

|

عبد الکریم (حکیم بینا الملقب بہ شیخ الزمان)

|

عبد الرحیم (برادر نواب مقرب خان)

|

افضل (فضیل)

|

قطب الدین

|

عبد الرحیم

|

حبیب اللہ

|

نجیب اللہ

|

خلیل اللہ (المعروف بہ خلیل الرحمٰن)

|

رحمت اللہ کیرانوی (۷)

(۲) تفصیل سلسلہ نسب

حضرت جلال الدین محمد، کبیر الاولیاء (پانی پتی) تا مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ
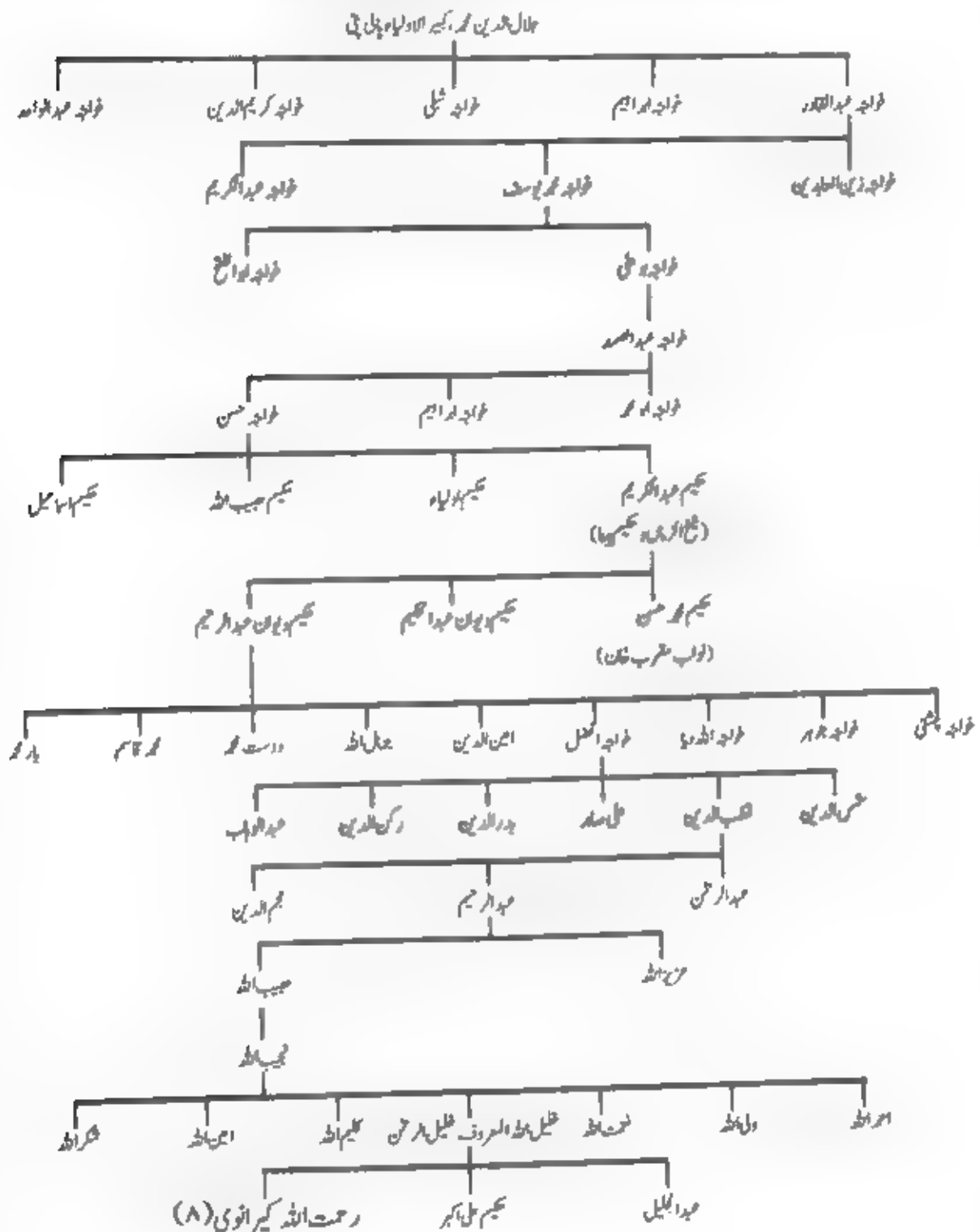
ہندوستان میں عثمانیوں کی آمد:

سلطان محمود غزنویؒ (م ۱۰۳۰ء) نے جس ماحول میں تربیت پائی' کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ علم وادب کے سرپرست کے طور پر مشہور ہوئے چنانچہ اس کے دربار میں علماء، ادباء اور شعراء جمع رہتے۔ سلطان کی دین پروری اور علماء نوازی کی بدولت سلطنت کے اکثر و بیشتر عہدوں پر قابل اور لائق دینی حکام مقرر تھے۔ فوج کی تنظیم کا بھی خاص اہتمام تھا فوجی عہدوں میں بھی علماء کو امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے جد اعلیٰ شیخ عبدالرحمٰن گازرونی سلطان محمود غزنویؒ کی فوج میں شرعی حاکم تھے۔ یہ عہدہ 'قاضی عسکر' کے نام سے خلفائے آل عثمان کے زمانے میں بھی ہمیشہ رہا اور آخری خلیفہ سلطان محمد ارشاد خاں (خامس) کے زمانہ تک اس عہدہ پر ممتاز اور متدین علماء مقرر کیئے جاتے تھے۔ جو فوج کے تمام شرعی معاملات و مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔ شیخ عبدالرحمٰن گازرونی، سلطان محمود غزنوی کے لشکر کے ساتھ 'قاضی عسکر' کی حیثیت سے ہندوستان آئے۔ جب سلطان محمود نے سومنات کے مندر پر حملہ کیا تو یہ فوج کے ساتھ شریک جہاد تھے۔ پانی پت کی فتح کے بعد یہیں مقیم ہوئے اور پانی پت میں زیر قلعہ مدفون ہیں۔ (۹)

آباؤ اجداد کے مختصر حالات:

شیخ عبدالرحمٰن (اول) مدنی پہلے شخص ہیں جو مدینہ منورہ سے ہجرت کر کے گازرون میں مقیم ہوئے اور پھر گازرون سے عبدالرحمٰن (ثانی) پانی پت میں مقیم ہوئے۔ حضرت کبیر الاولیاء، مخدوم خواجہ محمد جلال الدینؒ (۶۳۵ھ-۷۵۲ھ) آپ ہی کی اولاد میں سے ہیں، اس لیے بعض اوقات کبیر الاولیاء کو بھی گازرونی کہا جاتا ہے۔

حضرت کبیر الاولیاءؒ کی تربیت اور آپ کے اخلاق و کردار میں شرف الدین بو علی قلندر پانی پتی (م ۷۲۴ھ) کا بڑا ہاتھ تھا۔ حضرت کے سایۂ عاطفت میں ہی آپ نے مدارج معرفت طے کیے۔ شیخ قلندر کو حضرت کبیر الاولیاء سے بڑی محبت تھی لیکن آپ نے ان کو اپنا مرید نہیں کیا۔ چنانچہ جب خواجہ شمس الدین ترک، پانی پت میں تشریف لائے تو بو علی قلندر نے کبیر الاولیاء کو خواجہ شمس الدین کی خدمت میں مرید ہونے کے لیے بھیجا اس طرح حضرت کبیر الاولیاء دولتِ قلندری سے مالا مال ہو کر دولت صابری کے بھی وارث بنے۔ حضرت خواجہ شمس الدین (ترک) حضرت کبیر الاولیاء کی ریاضت و مشقت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے ان کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا اور سند خلافت عطا فرمائی آپ پانی پت ہی میں مدفون ہیں۔ (۱۰)

حضرت مخدوم کبیر الاولیاء کے پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ یہ پانچوں بیٹے اپنے والد کے صحیح جانشین اور کامل ولی تھے۔ خواجہ عبدالقادر جنکی اولاد میں سے مولانا رحمت اللہ کیرانوی ہوئے، کے حقیقی بھائی خواجہ ابراہیم کے خاندان میں قابلِ ذکر ہستی مفتی عبدالسمیع کی ہے۔ جن کی اولاد میں مولوی حبیب اللہ کے دونوں صاحبزادے قاضی محمد فضل اللہ اور قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی

معتبر ہیں۔ (۱۱)

شیخ عبدالقادر کے فرزند، خواجہ محمد یوسف ہوئے۔ اور ان کے فرزند خواجہ بو علی ہوئے، خواجہ بو علی کے صاحبزادے خواجہ عبدالصمد ہوئے، اور خواجہ عبدالصمد کے لڑکے خواجہ حسن حکیم ہوئے۔ خواجہ حسن حکیم کے صاحبزادے، خواجہ حکیم عبدالکریم المعروف حکیم بینا (۱۲) اور ان کے بھائی حکیم عبدالرحیم، دربار اکبری، کے طبیب تھے۔

کیرانہ کی جاگیر عطا کرنا:

شیخ بینا اکبر بادشاہ کے طبیب تھے حکمت کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ جراحی کے کام پر مامور تھے۔ (۱۳) ایک مرتبہ کشمیر سے واپسی کے بعد لاہور کے قریب چاندنی رات میں اکبر بادشاہ ہرنوں کی لڑائی کا تماشہ دیکھ رہا تھا اتفاق سے ایک ہرن نے اکبر کے نازک مقام پر سینگ مارا جس سے ورم آگئی اور تکلیف بڑھ گئی علاج سے کوئی افاقہ نہ ہوا تو ابوالفضل کی رائے سے حکیم بینا کو پانی پت سے معالجے کے لیے بلایا گیا ایک ماہ، سات روز کے بعد صحت ہوگئی۔ شہنشاہ اکبر نے حکیم بینا کو 'شیخ الزماں' کے شاہی خطاب سے نوازا۔ اکبر نے ان دونوں باپ بیٹوں (حکیم عبدالکریم اور حکیم محمد حسن) کو کیرانہ کا علاقہ بطور جاگیر کے عطا کیا۔ (۱۴)

اسی طرح حکیم محمد حسن، برادر حکیم عبدالرحیم، شہزادہ سلیم کے طبیب خاص تھے شہزادہ نے انہیں 'مقرب خان' کا خطاب دیا۔ جہانگیر نے تخت نشینی کے بعد 'مقرب الخاقان اور نائب السلطان' کے خطابات سے مقرب خان کو معزز کیا اور پنج ہزاری کا منصب دیا۔ تخت نشینی کے کچھ عرصہ کے بعد جہانگیر نے نواب مقرب خان کو صوبہ دکن و گجرات کا گورنر مقرر کیا۔ (۱۵)

۹۱۵ھ میں فرمان اکبری کے مطابق کیرانہ و مضافات کیرانہ، نواب مقرب خاں کو بطور جاگیر عطا ہوا تو عثمانی النسب جابلی خاندان کا یہ حصہ پانی پت کی سکونت ترک کر کے کیرانہ میں آباد ہوا اس معمولی قصبہ کی توسیع و تنظیم کی گئی۔ قصبہ سے باہر نواب مقرب خاں اور دیوان عبدالرحیم نے اپنے محلات کچہریاں اور متعلقین ریاست کے مکانات وغیرہ بنوائے جو اب قصبہ کی آبادی کا ایک جزو ہیں۔ نواب مقرب خاں نے کیرانہ میں آموں اور دیگر اقسام کے پھلوں کا باغ لگایا جس میں گجرات دکن اور دوردست ممالک سے آموں کے درخت منگوا کر لگائے ایک سو چالیس بیگھہ اس باغ کا رقبہ تھا۔ باغ کے وسط میں دو سو بیس گز لمبا، دو سو گز چوڑا، حوض بنوایا۔ حوض کے اندر ماہتابی وغیرہ بیس گز میں بنوائی۔ اس حوض میں جمنا کا پانی ایک طرف سے آتا اور دوسری طرف نکلتا تھا۔ سرد اور گرم ملکوں کے درخت نصب کرائے۔ سولویں جلوس میں جہانگیر خود کیرانہ آیا۔ اس باغ کی تفصیلات 'تزک جہانگیری' میں موجود ہیں، جہانگیر لکھتا ہے:

> "تقاس و محبت خاص، یار وفادار مقرب خان متمنی تھا کہ میں اس کے یہاں آؤں۔ میں نے
> اس گھر کو قدوم میمنت لزوم سے قابل رشک بنا دیا اور اس خیر خواہ قدیم کو پیش قیمت

سامان، قیمتی جواہرات، تین لاکھ روپے، ایک باغ اور ایک وسیع مکان دیا"۔ (۱۶)

نواب مقرب کے لگائے ہوئے باغ کے آم حسب روایت 'تاج المآثر' مدتوں تک دہلی میں مشہور و مرغوب رہے۔ وہ پرانی دنیا اگرچہ انقلاب ۱۸۵۷ء میں اجڑ چکی مگر یہ یادگار زمانہ باغ جس زمین پر قائم تھا وہ اب بھی 'نولا کھا زمین' کے نام سے معروف ہے جو اولاً گھور، خستوں کی وجہ سے مشہور ہے باغ میں نواب مقرب خان کی بنائی ہوئی بارہ دری بھی موجود ہے۔ (۱۷)

نواب مقرب خان کے اس باغ کے مشرقی جانب سنگین عمارات کا سلسلہ تھا جو 'دربار' کے نام سے مشہور تھا۔ یہاں عدالتیں، فیل خانے اور ریاست کے دفاتر وغیرہ تھے۔ باغ کے دوسری جانب سکونتی محلات وغیرہ تھے جو 'نواب دروازہ' کے نام سے اب تک موسوم ہیں۔ یہ پرانی عمارات زمانے کے ناسازگار حالات اور پھر انقلاب ۱۸۵۷ء کی تباہ کاری میں برباد ہو گئیں مگر دربار اور نواب دروازہ کے سربفلک اور عالی شان پھاٹک، نقار خانے اور کچھ پرانی عمارتیں شان و شوکت کی یاد زندہ اور باقی رکھنے کے لئے اب تک موجود ہیں۔ (۱۸)

نواب مقرب خان حضرت کبیر الاولیا کے مزار کے متولی تھے۔ نواب مقرب خان کا مزار پانی پت میں حضرت بو علی شاہ قلندرؒ کے احاطہ میں موجود ہے تاہم دیوان عبدالرحیم کے مزار کا کچھ پتا نہیں۔ (۱۹)

حکیم دیوان عبدالرحیم، اکبر کے زمانے میں زمرہ اطباء میں ملازم تھے۔ (۲۰) ان کی اولاد میں آج تک طب کا سلسلہ اور خدمت خلق کا جذبہ باقی ہے ان کے صاحبزادے خواجہ چشتی، خواجہ گوہر، حکیم اللہ دیا، خواجہ افضل، خواجہ امین الدین، خواجہ جمال اللہ، خواجہ دوست محمد، حکیم قاسم اور خواجہ یار محمد تھے۔

اس کے بعد شیخ قطب الدین اور شیخ صدر الدین جو دونوں بھائی تھے اور خواجہ فضل کے صاحبزادے تھے۔ جب ان کی جائیداد دونوں میں تقسیم ہوئی تو اس وقت 'دربار کلاں' شیخ قطب الدین اور 'دربار خورد' شیخ بدر الدین کے حصے میں آیا۔

شیخ قاسم حکیم عبدالرحیم کے بیٹے نواب مقرب خان کے بھتیجے تھے۔ جراحی میں جو ان کے آباؤ اجداد کا فنی پیشہ تھا انہوں نے کمال بہم پہنچایا اپنے دادا شیخ حسن کے شاگرد رشید تھے۔ (۲۱) شیخ اللہ دیا جو شیخ قاسم کے بھائی تھے تذکرہ 'سیر الاقطاب' کے مؤلف تھے۔ انہوں نے یہ تذکرہ ۱۰۳۶ھ میں ترتیب دینا شروع کیا اور ۱۰۵۶ھ میں ختم کیا۔ اس میں حضرت علیؓ سے لیکر حضرت عبدالسلام تک کے اولیاء کے حالات ہیں آپ شاہجہان کے منصب دار تھے تاہم یہ لاولد ہوئے۔ ان کے بھائی شیخ فضل یا فضیل کے صاحبزادے خواجہ شمس الدین، حکیم قطب الدین، علی صابر، خواجہ صدر الدین، خواجہ رکن الدین اور خواجہ عبدالوہاب تھے۔ حکیم قطب الدین کے فرزند عبدالرحمن، عبدالرحیم اور نجم الدین احمد ہوئے۔ (۲۲)

عبدالرحیم کے صاحبزادے عزیز اللہ لاولد ہوئے جبکہ حبیب اللہ کے صاحبزادے غازی نجیب اللہ ہوئے جو جنگ نادر

شاہی میں شہید ہوئے تھے۔ نجیب اللہ کے فرزند احمد اللہ، ولی اللہ، نعمت اللہ، خلیل اللہ، کلیم اللہ، امین اللہ اور شکر اللہ ہوئے۔(۲۳)

مولوی خلیل اللہ المعروف خلیل الرحمٰن کے تین صاحبزادے ہوئے مولوی عبدالجلیل، حکیم علی اکبر اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی۔(۲۴)

یہ اس خاندان کی مختصر تفصیل ہے جس سے مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا تعلق ہے مزید وضاحت کے لیے نقشہ ملاحظہ کر لیا جائے۔

فصل دوم : ابتدائی حالات اور تعلیم و تدریس۔

ولادت :

مولانا رحمت اللہ کیرانوی جمادی الاول ۱۲۳۳ھ مطابق مارچ ۱۸۱۸ء کو محلہ دربار کلاں، کیرانہ، ضلع مظفر نگر (یو۔پی) میں پیدا ہوئے۔(۲۵) ولادت سے قبل آپ کی والدہ نے خواب دیکھا تھا کہ وزیر النساء ہمشیرہ خورد مولانا رحمت اللہ یہ کہتی ہیں کہ بڈولی والی تیرے نام پر کیا چاند روشن نہیں ہوا جس کی روشنی تمام عالم میں پھیلے گی۔(۲۶)

ابتدائی تعلیم و ملازمت :

آغاز طفولیت ہی سے آپ کی صلاحیت کا اظہار ہونے لگا تھا اور بارہ برس کی عمر میں آپ نے قرآن پاک ختم کر لیا ساتھ ہی فارسی اور ابتدائی دینیات کی کتابیں اپنے بزرگوں سے پڑھ لیں اس کے بعد حصول تعلیم کے لیے اپنے خالہ زاد بھائی شیخ فریدین ساکن قصبہ بڈولی ضلع مظفر نگر اور مولوی احمد علی کیرانوی کے ہمراہ شاہجہان آباد (دہلی) آگئے یہاں پر مدرسہ مولوی محمد حیات میں مقیم ہوئے اور ان سے علم حاصل کیا۔(۲۷)

۱۲۵۰ھ/۱۸۳۵ء میں آپ کے والد ماجد دہلی میں مہاراجہ ہندو راؤ بہادر کے میر منشی مقرر ہوئے اور تروئین گنج بیرون لاہوری گیٹ جانب غرب متصل پہاڑی دھیرج میں مقیم ہوئے۔ جب والد ماجد دہلی میں آگئے تو مولانا رحمت اللہ بھی اپنے والد کے ساتھ رہنے لگے دن میں مدرسہ مولانا محمد حیات میں تعلیم حاصل کرتے اور رات کو مہاراجہ کو "اکبر نامہ" سناتے تھے۔ کچھ عرصہ تک حضرت مولانا نے بھی مہاراجہ ہندو راؤ کے یہاں بحیثیت میر منشی کام کیا اور اس میں نہایت خوبی و لیاقت کا مظاہرہ کیا جس پر مہاراجہ نے ان کی بھی تنخواہ مقرر کر دی۔ چند ماہ کے بعد مولانا کے والد کو موقوف کر دیا اور ان کی جگہ مولانا کو خطوط نویسی کے لئے رکھ لیا تین چار ماہ کے بعد ان کو بھی ملازمت سے سبکدوش کر دیا۔(۲۸)

لکھنؤ کی علمی شہرت آپ سن چکے تھے ملازمت سے علیحدہ ہونے کے بعد چند طلباء کے ساتھ تحصیل علم کے لیے لکھنؤ روانہ

ہو گئے وہاں مفتی سعد اللہ مراد آبادی سے مسلم الثبوت اور میر زاہد پڑھی۔ اس کے بعد اپنے وطن کیرانہ چلے آئے اور حسب ذیل اساتذہ سے کسب فیض کیا۔

مولانا علی احمد (بڈولی، ضلع مظفر نگر) اور حافظ عبد الرحمن چشتی سے ابتدائی علوم عربی، مولانا امام بخش سے فارسی، مصنف لوکارثم سے ریاضی، حکیم فیض محمد سے طب اور شاہ عبد الغنیؒ سے دورہ حدیث پڑھا۔ (۲۹)

اساتذہ کرام:

جن اساتذہ کرام سے آپ نے علم حاصل کیا ان کا اپنے دور میں اور علمی دنیا میں کیا مقام تھا اس کا اندازہ ان کے مختصر حالات زندگی سے ہو سکتا ہے۔

(۱) مولانا محمد حیات:

آپ کے حالات کے بارے میں سر سید احمد خان لکھتے ہیں:

> "وطن اصلی آپ کا پنجاب ہے اسی نواح میں تحصیل علوم رسمی سے فراغت حاصل کر کے چندے اطراف ہندوستان میں بلباس طالب علمی بسر کی اور شاہجہان آباد (دہلی) میں دار دہو کر اوائل حال میں شاہ سید صابر علی معروف بہ شاہ صابر بخشؒ کی خانقاہ میں فرد کش ہو کر درس علم معقول اور منقول میں مصروف رہے چونکہ علم و فضل آپ کا رشک اقران وامثال تھا طلباء اطراف وجوانب سے تحصیل علم کے واسطے حاضر خدمت ہو کر آپ کی تعلیم کے فیض سے مرتبہ فضیلت کو پہنچے۔ آپ کے یہاں کا ادنیٰ طالب اور جگہ کے فضلاء سے بہتر گنا جاتا تھا۔ چند تلمیذ آپ کے فیض خدمت سے یکتاء عصر اور یگانہ دہر ہو گئے۔۔۔ کوئی علم عقلیہ ونقلیہ سے ایسا نہیں کہ اس کو محققانہ نہ جانتے ہوں اور طرفہ تر یہ ہے کہ ہیئت اور ہندسہ باوجود بینائی نہ ہونے کے اس طرح بے تکلف پڑھاتے ہیں کہ ماہرین یعنی اس فن کے اگر ہزار چشم بمطالعہ شب وروز صرف کتاب کریں تو حیثیت خطوط ودوائر کی ویسی آپ نہ سمجھیں اور نہ دلنشیں تلمیذ کے کر سکیں"۔ (۳۰)

(۲) مفتی سعد اللہؒ:

آپ مراد آباد کے باشندے تھے چھوٹی عمر میں ہی والد کا انتقال ہو گیا اور بھائی نے تعلیم وتربیت کی۔ بھائی کی سختی پر گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور مفقود الخبر ہو گئے۔ ۱۲۳۹ھ میں اکبر شاہ ثانی کے عہد میں دہلی میں مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی، مولوی

محمد اسحاق دھلوی، اخوند شیر محمد ولایتی اور مولوی صدر الدین خاں سے اکثر کتب درسیات پڑھیں۔ مرزا ہاشم علی محدث لکھنوی، ملا حسن، مولوی محمد اسماعیل مراد آبادی، مولوی محمد حیات وغیرہ ہم سے علوم و فنون کی تکمیل کی۔ فارغ التحصیل ہو کر ۱۲۴۳ھ میں لکھنو پہنچے۔ وہاں سے اپنی موجودگی کی اطلاع اپنے اقرباء کو دی جو وہاں سے انھیں مراد آباد لے گئے پھر مدرسہ شاہی لکھنوء میں مدرس مقرر ہوئے اس کے بعد تاج اللغات ترجمہ قاموس کے دفتر میں ملازم ہوئے بعد ازاں مفتی کچہری کوتوالی کے عہدہ پر ترقی پائی۔ سلطنت اودھ کے خاتمہ کے بعد ۱۸۵۷ء سے پہلے نواب یوسف علی خان والیء رام پور نے ان کو رام پور بلا کر عہدہ قضاء و افتاء پر مامور کیا۔ نواب یوسف علی خان کے علاوہ آپ کے بے شمار شاگرد تھے۔ مفتی سعد اللہ جیسے جامع اور کامل عالم بہت کم پیدا ہوئے ہیں۔ آپ عربی و فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ (۳۱)

(۳) مولانا امام بخش صہبائیؒ :

مولانا صہبائی ایسے جامع صفات عالم تھے جن کی نظیر نہیں ملتی ان کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ ان کا سلسلہ نسب والد ماجد کی طرف سے حضرت عمر فاروقؓ اور والدہ ماجدہ کی طرف سے شاہ عبدالقادر جیلانیؒ تک جا پہنچتا ہے۔ مولانا صہبائی نے علامہ عبداللہ خان علوی سے عربی و فارسی پڑھی۔ ۱۸۴۴ء میں دھلی کالج میں مدرس مقرر ہوئے۔ دھلی کی علمی و ادبی محفلوں میں مولانا صہبائی کو بڑی قدر و منزلت سے دیکھا جاتا تھا۔ (۳۲)

دھلی میں جنگِ آزادی میں حصہ لیا جنگ کی ناکامی کے بعد آپ اور آپ کا خاندان فرنگیوں کے جس ظلم و ستم کا نشانہ بنا اس کی تصویر منشی ذکاء اللہ نے یوں کھینچی ہے :

> "دھلی کے محلہ کوچہ چیلوں میں کوئی فرنگی قتل ہوا جس کے نتیجہ میں حاکموں نے حکم دیا کہ
> اس کوچہ کے سارے مردوں کو مار ڈالو کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں کوئی مرد نہ مارا گیا ہو ۔۔۔'
> ان مقتولوں میں بے گناہ اور ایک صاحب کمال مولوی امام بخش صہبائی اور اس کے کنبے کے
> اکیس مرد تھے جن میں سے مولوی صاحب کا ولد اور بھانجا بچا، باقی سب فنا ہوئے ۔۔۔'
> مولوی صاحب دھلی کالج میں اول مدرس فارسی تھے ہندوستان میں کوئی ان کے برابر فارسی
> کا محقق نہ تھا ان کے ہندو، مسلم صدہا شاگرد تھے"۔ (۳۳)

مولانا کا درس و تدریس کے بعد تمام وقت تصنیف و تالیف میں گزرتا تھا فارسی میں کثرت سے کتابیں لکھیں۔ آپ ایک معلم ہی نہیں بلکہ ادیب اور مانے ہوئے شاعر بھی تھے۔ عربی و فارسی میں شعر کہتے تھے اور اساتذہ میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

(۴) مولانا عبدالرحمٰن چشتیؒ :

آپ شاہ وقت کے استاد تھے تمام علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے ان سے استفادہ کے زمانہ میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے رفقاء میں مولانا عبدالرحمٰن پنجابی اور مولانا سید محمد علی بھی تھے جو اپنے وقت کے فاضل اور صاحب فیض بزرگ تھے۔ مولانا شاہ عبدالرحمٰن چشتی اور ان کے استاد مولانا محمد حیات، بستی نظام الدین اولیاء میں مدفون ہیں۔ (۳۴)

(۵) شاہ عبدالغنی مہاجر مدنیؒ :

شاہ عبدالغنی سے آپ نے مدرسہ رحیمیہ میں تعلیم پائی اس مدرسہ کا شمار اپنے زمانہ میں ایشیاء کی بڑی دینی درس گاہوں میں ہوتا تھا۔ (۳۵) اس کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے والد ماجد نے قائم کیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ اس مدرسہ کی سرپرستی شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے تھے اور درس و تدریس کی خدمات بھی انجام دیتے تھے۔ شاہ عبدالغنی اس مدرسہ میں دورہ حدیث پڑھاتے تھے، جن کے بارے میں سر سید احمد خان لکھتے ہیں :

> "آپ بھی جناب شاہ ابو سعید کے فرزند ارجمند ہیں اور حقیقت میں فخر خاندان ہیں آپ کا طور ہی جدا ہے اور رنگ ڈھنگ ہی نرالا ہے ..... مسجد میں بیٹھے رہنا اور طریقہ محمدی کو بر تنا دن رات آپ کا کام ہے آپ نے اس قدر اتباع سنت اختیار کیا ہے کہ اگر آپ کو آسمان وزمین کے رہنے والے 'محی السنۃ' کہہ کر پکاریں تو بجا ہے"۔ (۳۶)

۱۸۵۷ء میں مدینہ منورہ ہجرت کر گئے وہاں درس حدیث بھی دیتے تھے حجازی اور اطراف عالم کے علماء آپ کے علمی پایہ اور فن حدیث کے تبحر اور علو مرتبت کے قائل و معترف تھے۔ محرم الحرام ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء، میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ (۳۷)

(۶) حکیم فیض محمدؒ :

حکیم فیض محمد اپنے زمانے کے مشہور باکمال طبیب تھے خاندانی روایات کے مطابق مولانا نے حکیم موصوف سے علم طب کی تکمیل کی۔ (۳۸)

شادی خانہ آبادی :

۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۱ء میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی اپنی خالہ کی لڑکی سے شادی ہوئی۔ ۱۲۵۷ھ میں بجر مہاراجہ ہندو راؤ نے آپ کو اور آپ کے والد ماجد کو اپنے پاس دہلی بازہ ہندو راؤ میں بلالیا اور مولانا کو اپنا میر منشی مقرر کیا اور ان کے والد کے

ذمہ جائیداد کی نگرانی و دیکھ بھال کا کام سپرد ہوا۔ کچھ عرصہ بعد آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا اور بعض خانگی مجبوریوں کی بنا پر حضرت مولانا کیرانوی نے مہاراجہ راؤ کے یہاں اپنے چھوٹے بھائی مولوی عبدالجلیل کو ملازم رکھ کر علیحدگی اختیار کر لی اور کیرانہ واپس آ گئے۔ (۳۹) مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا ایک سالہ لڑکا فوت ہو گیا اور کچھ ہی عرصے کے بعد آپ کی اہلیہ محترمہ دق کے عارضے میں مبتلا ہو کر انتقال کر گئیں۔ اعزہ نے دوسری شادی کے لیے اصرار کیا مگر کافی عرصہ آپ نے دوسری شادی نہ کی۔ (۴۰)

ہندوستان میں تدریس :

ہندوستان میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کو درس و تدریس کا بہت کم موقع ملا۔ زمانے کے ناسازگار حالات اور خاص طور پر نصاریٰ کے بڑھتے ہوئے اثر و اقتدار کو روکنے کی فکر نے آپ کو اسکا موقع نہ دیا کہ اطمینان کے ساتھ تعلیم و تدریس کا فیض عام جاری کرتے۔ تکمیل تعلیم اور آگرہ کے یادگار مناظرہ کے درمیانی عرصہ میں چند سال تک دربار کیرانہ کی مسجد میں حضرت مولانا نے ایک دینی مدرسہ قائم کیا اس مدرسہ کے فیضیاب طلباء میں سے چند خاص نام درج ذیل ہیں جو ہندوستان میں حضرت مولانا کے خاص تلامذہ تھے ان میں سے بعض اصحاب نے مکہ معظمہ پہنچ کر بھی مولانا سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

۱۔ مولانا عبدالسمیع رام پوری۔

۲۔ مولانا احمد الدین چکوالی۔

۳۔ مولانا نور احمد امرتسری۔

۴۔ مولانا شاہ ابوالخیر۔ (۴۱)

۵۔ مولانا شرف الحق صدیقی۔ (۴۲)

۶۔ قاری شہاب الدین عثمانی، کیرانوی۔

۷۔ حافظ الدین دجانوی۔

۸۔ امام علی عثمانی کیرانوی۔

۹۔ مولانا عبدالوہاب ویلوری، بانی مدرسہ باقیات الصالحات مدراس۔

۱۰۔ مولانا بدر الاسلام عثمانی، کیرانوی۔ (۴۳)

تصنیف و تالیف اور ردِّ مسیحیت کا رجحان :

ہندوستان میں انگریز کے بڑھتے ہوئے اقتدار کے ساتھ ساتھ مسیحی مناددوں کی سرگرمیاں بھی زور پکڑنے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں کے خاندان کے خاندان قبول مسیحیت قبول کرنے لگے۔ مسیحی مناددوں کو ایک طرف مغربی ممالک کی تبشیری

سوسائیٹیوں کی حمایت حاصل تھی تو دوسری طرف انگریز کا اقتدار ان کی پشت پر تھا۔ چنانچہ علی الاعلان اسلام، قرآن اور پیغمبر اسلام پر حملے کیے جاتے اور انہی الزامات سے بھرپور کتب و رسائل دھڑا دھڑ شائع کرتے تھے۔ (۴۴) چنانچہ ان کی خطرناک حرکتوں اور الزامات کا جواب دینے کے لیے علماء کرام نے قلم بھی اٹھایا اور قدم بھی۔ زبان سے بھی دفاعِ اسلام اور ردِ مسیحیت کا فریضہ سرانجام دیا اور عمل سے بھی سامراج کا مقابلہ کیا، چنانچہ مولانا خود رقم طراز ہیں:

> "جب میں نے ان کی تقریروں اور تحریروں کو دیکھا اور بہت سے مطبوعہ رسالے میرے
> پاس پہنچے تو میں نے چاہا اپنی حیثیت کے مطابق ان کی تردید کرنے کی کوشش کروں لہذا میں
> نے چند کتابیں اور رسالے حقیقتِ حال کے لیے لکھے"۔ (۴۵)

دوسری طرف جرمن نژاد، پادری، سی۔ جی فانڈر (Rev.C.G Pfander) (۴۶) کی کتب بالخصوص 'میزان الحق' نے عوام میں خوف و ہراس پیدا کر دیا تھا۔ خاص طور پر علماء کرام کی خاموشی سے مسیحی مبلغین بہت فائدہ اٹھا رہے تھے۔ چنانچہ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے قسیس اعظم، فانڈر سے فیصلہ کن مناظرہ ۱۸۵۴ء میں کیا۔ (۴۷)

مناظرہ کے تین سال بعد مولانا زیادہ تر تصنیف و تالیف میں مشغول رہے تا آنکہ سلطنت مغلیہ کا زوال آپہنچا اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی شروع ہو گئی، جس میں آپ نے اپنے رفقاء کے ساتھ بھرپور طریقے سے حصہ لیا، جس کے نتیجہ میں آپ کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو گئے اور تمام جائیداد ضبط ہو گئی تو دیگر علماء کرام کی طرح آپ بھی ہجرت کر کے مکہ مکرمہ میں وارد ہوئے۔ (۴۸)

فصل سوم: بلادِ عرب میں سرگرمیاں اور اسفارِ قسطنطنیہ (ترکی)۔

ایک طویل آلام و مصائب سے بھرے سفر کو برداشت کرتا ہوا یہ سربکف مجاہدِ اسلام، مرکزِ اسلام، مکہ معظمہ پہنچا تاکہ بیت اللہ کے زیرِ سایہ خدمتِ اسلام کی کوئی سبیل نکال سکے۔ اس انقلابی جماعت کے اکثر و بیشتر افراد نے مکہ معظمہ کا رخ کیا جن کے سرخیل حاجی امداد اللہ مہاجر مکی تھے جو مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ سے کچھ پہلے مکہ معظمہ پہنچ چکے تھے اور رباط داؤدیہ (باب العمرہ سے متصل) ایک حجرہ میں مقیم تھے۔ صبح صادق کے قریب مولانا مکہ معظمہ پہنچے مطاف میں حاجی امداد اللہ سے ملاقات ہوئی، اس زمانہ میں سید احمد دحلان 'شیخ العلماء' تھے اور مسجد حرم میں آپ کا حلقہ درس مرجع عام تھا۔ شریف عبداللہ بن عون محمد (۴۹) امیر مکہ تھے۔ سلطنت عثمانیہ کی حکومت میں سلطان عبدالعزیز خاں خلیفہ تھے۔

شیخ العلماء چونکہ شافعی المسلک تھے ایک دن دورانِ درس کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اپنے مسلک کو ترجیح کے ساتھ

احناف کے دلائل کو کمزور ثابت کرنے کی کوشش کی، درس ختم ہونے کے بعد حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے سید احمد دحلان سے پہلی مرتبہ ملاقات کی اور ایک طالب علم کی حیثیت سے مذکورہ مسئلہ میں تشفی چاہی، تھوڑی دیر کے سوال و جواب اور علمی گفتگو کے بعد سید احمد دحلان کو اس امر کا اندازہ ہو گیا کہ یہ شخص طالب علم نہیں اور حقیقت حال دریافت کی۔ حضرت مولانا نے اختصار کے ساتھ کچھ حالات بیان کیے دوسرے دن اپنے گھر میں دعوت کے لیے حضرت مولانا کو بلایا۔ آپ اس مجلس میں اپنے رفیق عزیز، حضرت امداد اللہ کے ہمراہ دولت خانہ پر تشریف لے گئے۔ اس مجلس میں حضرت مولانا نے انقلاب ۱۸۵۷ء کے تمام حالات اور خاص طور پر نصاریٰ کی مذہبی کوششوں اور رد نصاریٰ میں مسلمانوں کی عظیم الشان کامیابی (مناظرہ) کی تفصیل بیان کی، جس سے بے حد مسرت کا اظہار فرمایا اور مولانا سے دیر تک بغلگیر ہوئے اسی مجلس میں حضرت مولانا کو مسجد حرم میں درس کی باقاعدہ اجازت دی اور علماء مسجد حرم میں آپ کا نام درج کرا دیا۔ (۵۰)

قسطنطنیہ کا پہلا سفر:

پادری فانڈر، انقلاب ۱۸۵۷ء کے کچھ عرصہ بعد جرمنی، سوئٹزرلینڈ اور انگلستان میں رہا۔ تاہم لندن چرچ مشنری سوسائٹی نے پادری مذکور کو ۱۸۵۸ء میں قسطنطنیہ (۵۱) بھیجا تاکہ وہاں تبشیری سرگرمیاں جاری رکھ سکے۔ ان دنوں ترکی اور انگلستان کے نہایت خوشگوار تعلقات تھے۔ پادری فانڈر نے سلطان سے ملاقات کی اور یہ بیان کیا کہ ہندوستان میں ایک مسلمان عالم سے مناظرہ میں عیسائیت کو فتح اور اسلام کو شکست ہوئی ہے۔ ہندوستان کے مسلمان مسیحیت قبول کر رہے ہیں اس خبر سے سلطان کو تشویش ہوئی اور خواہش ہوئی کہ پادری فانڈر کی باتوں کی اصلیت معلوم کی جائے۔

سلطان نے "شریف مکہ" کو فرمان جاری کیا کہ حج کے زمانے میں ہندوستان سے علماء اور باخبر اصحاب مکہ معظمہ آئیں ان سے پادری فانڈر کے مناظرہ اور انقلاب ۱۸۵۷ء کے خاص حالات سے باب خلافت کو مطلع کیا جائے۔ امیر مکہ نے شیخ العلماء سید احمد دحلان سے اس فرمان کا ذکر کیا۔ انہوں نے بتایا کہ جس عالم سے پادری فانڈر کا مناظرہ ہوا ہے وہ یہاں موجود ہیں چنانچہ دوسرے دن شیخ الاسلام، مولانا رحمت اللہ کو اپنے ہمراہ لے کر امیر مکہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس ملاقات کے بعد امیر مکہ نے فوراً بارگاہ شاہی میں مناظرہ اور جنگ ۱۸۵۷ء کے حالات اور مولانا رحمت اللہ کی موجودگی کے بارے میں لکھ کر بھیج دیا۔ چنانچہ مولانا کو سلطان عبدالعزیز خاں کے حکم سے ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء کو پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ شاہی مہمان کی حیثیت سے رخصت کر دیا گیا۔

مولانا رحمت اللہ جب قسطنطنیہ (ترکی) پہنچے تو سلطان نے ایک مجلس منعقد کی جس میں وزرائے سلطنت کے علاوہ اہل علم کو مدعو کیا گیا اور حضرت مولانا سے ہندوستان میں مذہب عیسوی کی شکست اور انقلاب ۱۸۵۷ء کے حالات سنے۔ سلطان عبدالعزیز بکمال التفات شاہانہ روزانہ آپ کو شرف باریابی عطا فرماتے اور اکثر اکابر سلطنت بھی شریک ہوتے۔ جب پادری فانڈر کو مولانا رحمت اللہ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو وہ قسطنطنیہ سے چلا گیا۔ (۵۲)

سلطان کی خواہش پر مولانا نے چھ ماہ کی مدت میں اپنی عظیم الشان کتاب 'اظہار الحق' تالیف کی (۵۳) نیز قیام قسطنطنیہ کے زمانہ میں اکثر علماء و فضلاء اور مختلف الخیال و مختلف العقائد کے لوگ شاہی مہمان خانے میں اکٹھے ہوتے تھے، جن سے مولانا رحمت اللہ کا مذہبی و سیاسی مسائل پر تبادلہ خیال ہوتا تھا۔ یورپ کی سائنسی اور لادینی تعلیم کے اثرات یہاں بھی پہنچ رہے تھے، چنانچہ مولانا نے 'التنبیہات' کے نام سے بعثت و نبوت، حشر و نشر، نزول وحی پر ایک رسالہ تحریر کیا، جس میں عقلی استدلال اختیار کیا گیا ہے۔ (۵۴)

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کو ان خدماتِ جلیلہ کے اعتراف کے طور پر سلطان نے خلعت فاخرہ کے ساتھ 'تمغہ مجیدی درجہ دوم' عطا کیا اور گرانقدر وظائف مقرر کیے۔ (۵۵) قسطنطنیہ سے واپسی کے بعد مولانا نے نہ صرف مسجد حرام میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا بلکہ سرزمین عرب پر عظیم الشان درس گاہ کی بنیاد رکھی جسے دنیا آج 'المدرسۃ الصولتیہ' کے نام سے جانتی ہے۔ (۵۶)

قسطنطنیہ کا دوسرا سفر:

۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء میں عثمان نوری پاشا دولت عثمانیہ کی طرف سے حجاز کے گورنر مقرر کیے گئے بعض خود غرض اور فتنہ انگیز لوگوں کی ریشہ دوانی سے وہ مدرسہ صولتیہ سے بدظن ہوئے اور اسے اجنبی ملک کی ایک تحریک سمجھ کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔ حضرت مولانا سے تعلقات کی کشیدگی نے معاملہ کو قسطنطنیہ تک پہنچایا اور طرفین کے معروضات سلطان عبدالحمید خاں کی بارگاہ میں پیش ہوئے۔ یہ حالات مولانا کے دوسرے سفر قسطنطنیہ کی تمہید تھی۔ عثمان نوری پاشا کے ارادوں اور خیالات کے برعکس قسطنطنیہ سے حضرت مولانا کی طلبی کا حکم پہنچا۔ اس سفر کی روداد مولانا خود لکھتے ہیں

> "۲۰ ربیع الاول ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء ہفتہ کے دن مغرب کے وقت مکہ معظمہ سے جدہ کو روانہ ہوئے، آٹھویں کے اگبوٹ میں چلنے کی تجویز موقوف رہی پھر بابور (جہاز) مصری میں ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ روز بدھ کو سوار ہوئے اور اس نے جمعرات کے روز صبح کے وقت لنگر اٹھایا۔ پیر کی رات ۵ بجے سویز پہنچے اور صبح کو جو پیر کا دن تھا اور ۲۰ ربیع الثانی کی تھی بابور (جہاز) سے اترے اور محمد علی دیدی کے مکان پر اترے، وہاں سے منگل کے دن ۲۱ تاریخ کو اسکندریہ کو ریل پر گئے۔ تین بجے اسکندریہ پہنچے۔ سعد اللہ بک کے مکان پر اترے، ۲۹ تاریخ ربیع الثانی جمعرات تک وہاں رہے پھر آٹھویں دن جو بدھ کا دن اور ۳۰ ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ کے تھی بابور مصری پر سوار ہو کے استنبول روانہ ہوئے۔ از مصر سے جو ہفتہ کا دن اور تاریخ ۳ جمادی الاولیٰ کی تھی، تا برقی جناب نسیم بک

اور جناب شریف عبداللہ اور خیر الدین پاشا کے نام عصر کے وقت روانہ کیے اور جمادی الاول کی پانچویں تاریخ پیر کے دن استنبول پہنچے اور ادھر جہاز نے لنگر ڈالا، اس وقت فی الفور مصطفیٰ وہبی بک یاور (اے ڈی. سی) اور تین باشی حضرت سلطان کے جہاز پر چڑھے اور مل کے کہا' کہ سلطان نے بہت بہت سلام فرمایا ہے اور کشتی خاص اپنی بھیجی ہے، چلیے' وہاں سے چل کر سرائے (محل) قصر شاہی سلطان تک، جو بنائے سلطان مرحوم عبدالمجید خاں غازی کی ہے، آئے وہاں کشتی سے اتر کر دو گھوڑوں کی ایک بگھی میں سوار ہوئے، محل سرائے سلطان میں آئے اور محل سرائے کے ایک کمرہ میں اترے۔ اس روز ملاقات کو جناب کمال پاشا اور جناب عثمان بک اور جناب علی بک اور جناب تسیم بک تینوں مشیر حضرت سلطان کے ہیں اور جناب سید احمد اسعد مدنی جو مصاحب حضرت سلطان ہیں دن کو اور رات کو نصرت پاشا آئے اور اگلے دن منگل کو جناب عثمان پاشا غازی آئے اور بدھ کو ساتویں تاریخ جناب شیخ حمزہ ظافر اور جناب سید احمد اسعد مدنی اور جناب کمال پاشا آئے اور رات کو جناب علی بک قرناء، درجہ دوم نے حضرت سلطان کی طرف سے مزاج پرسی کر کے کلمات عواطف شاہانہ پہنچائے۔ آٹھویں تاریخ جمعرات کے روز شیخ محمد ظافر تشریف لائے اور جمعہ کو حسنی پاشا، داماد سلطان عبدالحمید اور جناب صفوت پاشا اور جناب اسماعیل حقی اور جناب سید فضل پاشا آئے اور اسی دن مغرب کے وقت خلعت سلطان میرے اور بدرالاسلام اور مولوی حضرت نور (مدرس مدرسہ صولتیہ) کے لیے آیا اور ہفتہ کے دن دسویں تاریخ جناب درویش پاشا اور جناب شریف عبداللہ پاشا اور جناب سید احمد اور جناب اسحاق آفندی اور جناب ناظر اوقاف تشریف لائے اور عصر کے وقت تمغہ مجیدی درجہ چہارم کا حضرت سلطان کی طرف سے آیا اور بارھویں تاریخ اتوار کے دن رضا پاشا باش کاتب (چیف سیکرٹری سلطان) مغرب کے بعد آئے اور بارھویں تاریخ کو پیر کے دن مغرب کے بعد حکم سلطانی جناب شیخ الاسلام احمد اسعد عریانی زادہ کی ملاقات کو جانا ہوا۔ بہت تعظیم سے پیش آئے اور فرمایا کہ حضرت سلطان نے فرما بھیجا ہے کہ اچھی تعظیم کیجیئو کہ اب تک ایسا مہمان عزیز میرے پاس نہیں آیا ہے، سو اس کے موافق مجھے ضروری ہے کہ تعظیم کروں اور ۱۳ تاریخ منگل کے دن سعد روز' محکمہ شیخ الاسلام سے حاصل ہوئی۔ ۱۵ تاریخ جمعرات کے دن مکان علیحدہ میں آئے۔ عصر کے وقت ۱۷ تاریخ ہفتہ کے وہبی بک نے

> حضرت سلطان کی طرف سے حکم پہنچا کہ مرضی حضرت سلطان یہ ہے کہ تم اپنے اہل وعیال کو بلالو، موسم ربیع قریب آپہنچا اب عرصہ تک آب وہوائے استنبول بہت اچھی رہے گی، نرمی سے اس امر میں عذر کیا گیا۔ پیر کے دن دوسری تاریخ رجب کے ۱۳۰۱ھ حضرت سلطان کے جیب خاص سے پانچ ہزار قرش صاغ ماہوار مقرر ہوئے۔ (تقریباً دو ہزار پانچ سو روپیہ) اور دس ہزار قرش (تقریباً پانچ ہزار روپیہ) عطا فرمائے۔ منگل کے دن کیسہ مفتاح کعبہ اور ایک تسبیح عقیق البحری اور ایک تسبیح سنگ مقصود کی بھجوائی اور فرمایا کہ اس کے شکریہ میں، میں نے تم کو رتبہ پایۂ حرمین شریفین کا عطا کیا۔ اس کا لباس بھی پہنچے گا اور چھٹی تاریخ رجب جمعرات کے دن کو عصر کے بعد سرائے سلطانی (محل) کو جانا ہوا مغرب کے بعد ملاقات ہوئی غایت عنایت شاہانہ سے پیش آئے، مسند سے اٹھ کے ایک دو قدم بڑھ کر ہاتھ میرا فوت سے اپنے ہاتھ میں پکڑ کے فرمایا کہ "کثرت شغل کے سبب اب تک میں نے ملاقات نہیں کی تھی اور تاخیر کا سبب اس کے سوا دوسرا امر نہیں پھر ہم بیٹھ گئے۔ جب میں اٹھا اور سامنے آیا (ترکی آداب شاہی کے مطابق) پھر دوبارہ کمال خوشی سے اٹھ کے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ کے کہا کہ تمہارا احوال سننے کا میں مشتاق تھا۔ اسی لیے میں نے تم کو بلایا اور فرصت میں ملاقات اچھی طرح کروں گا اور کچھ دیر تک باتیں کروں گا، دونوں بار میں نے بھی دعا اور کلمات شکریہ مناسب کہے۔ ۱۱ رجب ۱۳۰۱ھ کو مولوی اور روانہ مکہ معظمہ ہوئے۔ اور ۱۲ رجب روز پنجشنبہ کو فرمان سلطانی "پایۂ حرمین شریفین" کے، کی بابت حضرت سلطان نے بھجوایا اور ۱۳ رجب روز شنبہ کو شیخ الاسلام کی ملاقات کو گیا، مثل اول کے تعظیم ومحبت سے پیش آئے"۔ (۵۷)

اثنائے قیام قسطنطنیہ میں متعدد بار حضرت مولانا کو سلطان نے شرف باریابی بخشا اور مختلف مسائل ومعاملات پر گفتگو ہوتی رہی، سلطان نے مدرسہ صولتیہ کے لیے معقول ماہانہ امداد کرنے کے متعلق خیال ظاہر فرمایا جس کے جواب میں شکریہ اور دعا کے بعد فرمایا' کہ مدرسہ صولتیہ ہندوستان کے اصحاب خیر کے تعاون سے چل رہا ہے لہٰذا ان کی سرپرستی سے محروم نہ فرمایا جائے'۔ ایک ملاقات میں مولانا بدرالاسلام بھی ساتھ تھے تو ان کے لیے سلطان نے حکم فرمایا کہ یہ میرے پاس رہیں گے اور کتب خانہ حمیدیہ (۵۸) قصر یلدز کا ان کو مہتمم بناتا ہوں حضرت مولانا نے اس قدر افزائی کا شکریہ ادا کیا اور مولانا بدرالاسلام اس خاص علمی خدمت پر مامور ہوئے اور آخر وقت تک سلطان کے معتمد رہے۔ (۵۹)

سلطان سے الوداعی ملاقات کے بعد دوسرے دن مصطفیٰ وہبی بک اور خیر الدین پاشا اور نسیم بک اور سید احمد اسعد مدنی یہ چاروں اصحاب تشریف لائے اور سلطان کی طرف سے ذاتی ہدیہ ایک مرصع تلوار مولانا کو دی اور سلطان کے یہ الفاظ ادا کیے

""ہتھیار ہر مجاہد فی سبیل اللہ کی زینت ہے""

چنانچہ مولانا قسطنطنیہ سے واپس مکہ معظمہ پہنچے استقبال کرنے والوں میں حجاز کے گورنر عثمان نوری پاشا بھی تھے اپنی غلطی پر نادم ہوئے اور معافی مانگی۔ (۶۰)

قسطنطنیہ کا تیسرا سفر

دوسرے سفر سے واپسی کے بعد دیگر مشاغل و معروفیات کے ساتھ خیر الدین پاشا بک اور شیخ الاسلام وغیرہ مقربین سلطان و اعیان دولت سے حضرت مولانا کی خط و کتابت کا سلسلہ رہا اور اکثر براہ راست سلطان معظم کو بھی بعض اہم امور کے متعلق خطوط تحریر فرماتے رہے۔ کبر سنی اور کثرت مشاغل کے سبب آپ کو ضعف بصر کی شکایت ہو گئی اور ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۶ء میں حضرت مولانا، نزول الماء (موتیابند) کی وجہ سے لکھنے پڑھنے سے مجبور ہو گئے۔ سلطان کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فوراً مولانا کو قسطنطنیہ طلب کیا۔ اس حالت میں یہ طویل سفر آپ کے لیے ناقابل برداشت تھا مگر سلطان کے حکم سے آپ نے عزم سفر کیا۔ رفقاء میں مولوی عبداللہ عرف عبداللہ جی (شاگرد خاص و خادم) ہمراہ تھے انہوں نے اس سفر کے حالات یوں قلمبند کیے ہیں:

> "پورٹ سعید میں روز شنبہ ۲۷ شعبان ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۷ء استنبول دو تار روانہ کیے۔ ایک بنام مہاں بدر الاسلام اور ایک بنام علی بک کے اور اسی روز شنبہ بعد عصر آگبوٹ (جہاز) پورٹ سعید سے روانہ ہوا اور چہار شنبہ کی رات کو چاند رمضان شریف کا نظر آیا اور روز چہار شنبہ پہلی رمضان حساب ہماری رویت کے صبح کے وقت تین بجے چناق قلعہ میں پہنچے اور وہاں کنندار (فوجی افسر اعلیٰ) تمام قلعوں چناق قلعہ کا آگبوٹ پر آیا اور مولوی صاحب سے ملا اور کہا کہ سرائے (محل شاہی) سے حکم آیا ہے کہ مولوی رحمت اللہ چناق قلعہ میں پہنچیں تمہیں اس سے اطلاع دو، تو میں اس بات کے واسطے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور بعد ایک ساعت کے پھر آگبوٹ چلا اور پنجشنبہ ۲۰ رمضان ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۷ء استنبول میں پہنچے اور سرائے یلدز (قصر یلدز) میں چار رنگ میں اترے اور بعد ایک ساعت کے جناب سید احمد اسعد آفندی مدنی تشریف لائے اور کہا کہ سلطان آپ کو بلاتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ایک آغا (خواجہ سرا) آیا تو جناب مولانا حضرت سلطان کے پاس تشریف لے گئے۔ سلطان بڑی تعظیم سے پیش آئے اور بعد دو ساعت کے پھر جناب مولوی صاحب رخصت

لے کر مکان (چادر شک) میں تشریف لائے۔ پھر قریب مغرب اسی روز پھر سید احمد اسعد آفندی مدنی تشریف لائے اور کہا کہ حضرت سلطان بلاتے ہیں تو مولانا تشریف لے گئے اور وہیں افطار کیا اور تراویح بھی وہیں پڑھی۔ حضرت سلطان نے اس وقت فرمایا کہ آپ کی آنکھوں کے علاج کے واسطے کل میں ڈاکٹروں کو جمع کروں گا۔ پھر وہاں سے مولوی صاحب مکان پر تشریف لائے اور روز جمعہ بعد عصر سلطان نے ایک مصاحب کے ساتھ پانچ ڈاکٹروں عمدہ کو بھیجا۔ انہوں نے آ کے مولوی صاحب کی آنکھوں کو خوب تحقیق سے دیکھا اور کہا کہ انشاء اللہ تعالیٰ آنکھیں اچھی ہو جاویں گی پر علاج دو مہینہ کے بعد کریں گے کیونکہ اب تک پانی آنکھوں میں کامل نہیں اترا اور روز پنجشنبہ حاجی علی بک قرنائے ثانی (مشیر ثانی) بھی بعد ظہر تشریف لائے انہوں نے مولوی صاحب سے ملاقات کر کے مولوی بدر الاسلام سے کہا کہ مولوی صاحب کے واسطے کپڑے بازار سے لے آویں اور جا کے کپڑے بازار سے خریدے اور لیتے آئے۔ اور جمعہ کی نماز جامع حمیدیہ میں پڑھی اور روز شنبہ ۵ رمضان بعد ظہر جناب عبد اللہ پاشا مہدی واسطے ملاقات جناب مولوی صاحب کے آئے اور روز شنبہ ۷ رمضان شیخ محمد خالد مع اپنے بڑے بیٹے کے واسطے ملاقات کے تشریف لائے اور بعد اس کے اور چند بار حضرت سلطان نے بلوایا اور ۱۵ رمضان المبارک روز سہ شنبہ زیارت چادر شریف میں جانے کے واسطے بھی عمدہ بھیجی اور سید احمد اسعد آفندی کو بسبب ضعف بصر کے ساتھ کیا اور وہاں جائے زیارت میں اسحاق آفندی اور اکثر قضاۃ عسکر ملے اور ۳۰ رمضان کو جناب سید احمد اسعد کو حضرت سلطان نے مولوی صاحب کی خیریت دریافت کرنے کو بھیجا اور پہلی شوال کو عید ہوئی اور نماز عید جامع حمیدیہ میں پڑھی"۔ (۶۱)

سلطان کی خواہش تھی کہ حضرت مولانا قسطنطنیہ میں ان کے پاس رہیں ایک ملاقات میں سلطان نے اپنی اس خواہش کا اظہار بھی کیا جس کے جواب میں مولانا نے فرمایا "اعزہ و اقارب کو چھوڑ کر ترک وطن کر کے خدا کی پناہ میں اس کے دروازہ پر آکر پڑا ہوں وہی لاج رکھنے والا ہے، آخری وقت میں امیر المومنین کے دروازے پر مروں تو قیامت دن کیا منہ دکھاؤں گا" مولانا کو قیام قسطنطنیہ بہت گراں گزر رہا تھا اور عمر کے اس آخری دور کے ہر لمحہ کو وہ خدا کے گھر میں گزارنے کے خواہشمند تھے۔ اس زمانے میں آپریشن ایک ہیبت ناک چیز تھی۔ اس لئے مولانا شاہی اطباء سے آنکھ کے اپریشن کے لئے تیار نہ ہوئے سلطان کو آپ کی از حد دلداری مقصود تھی اس لیے مرضی کے خلاف اصرار نہیں کیا اور سلطان سے اجازت لیکر ذیقعدہ میں مکہ معظمہ تشریف لائے تاہم

۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء میں ایک مقامی معالج سے نزول الماء کا آپریشن کرایا جو کامیاب نہ ہوا۔ (۶۲)

مکہ معظمہ میں سماجی امور کی انجام وہی:

مکہ معظمہ میں قیام کے دوران مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے مدرسہ صولتیہ اور مسجد کی تعمیر کے علاوہ بعض سماجی وسیاسی امور بھی سرانجام دیئے جنکا مختصر تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

ا۔ نہر زبیدہ کی اصلاح:

ملکہ بغداد خلیفہ ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ کا دائمی صدقہ جاریہ نہر زبیدہ، امتداد زمانہ سے بہت زیادہ قابل مرمت واصلاح تھی اور پانی کے لئے ساکنان حرم کو کافی دقت وزحمت پیش آتی تھی۔ اسی زمانہ میں سیٹھ عبدالواحد عرف واحد نا سیٹھ، مکہ معظمہ آئے اور اس سلسلہ میں ایک مشاورتی اجتماع مدرسہ صولتیہ میں منعقد ہوا۔ سیٹھ عبدالواحد باتوفیق، صاحب ہمت اور دولتمند تھے، مولانا نے نہر زبیدہ کی ازسرنو اصلاح ومرمت کا بیڑا اٹھایا اور اس کے لئے حکومت کی اجازت وحالات کے لحاظ سے ایک مستقل مجلس قائم کی گئی جس میں مہاجرین مکہ کے ہر طبقہ میں سے ہر قوم کے ممتاز افراد مجلس میں ممبر بنائے گئے۔ اس مجلس کی صدارت کے لئے مولانا کو منتخب کیا گیا مگر آپ نے اپنے شاگرد رشید مولانا شیخ عبدالرحمن سراج، مفتی احناف وشیخ العلماء مکہ معظمہ کو اس کے لئے موزوں سمجھا اور خود نائب صدر کی حیثیت سے اس عظیم الشان کام کی ذمہ داری اٹھائی۔ سیٹھ عبدالواحد، نہر زبیدہ کے خزانچی اور تحویل دار مقرر ہوئے، خدا کا شکر واحسان ہے کہ یہ صدقہ جاریہ ان بزرگوں کی ہمت سے دوبارہ زندہ ہوا۔ (۶۳)

۲۔ ڈاک خانہ کی تعمیر کی کوششیں:

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے زمانہ میں مکہ معظمہ وغیرہ میں ڈاک تقسیم کرنیکا کوئی انتظام نہ تھا نہ ہی کوئی ڈاک خانہ تھا۔ اس زمانہ میں جو ڈاک آتی تھی حرم شریف کے دروازہ کے سامنے رکھ دی جاتی تھی جس کا خط ہوتا وہ تلاش کر کے لے جاتا تھا۔ مولانا نے ڈاک کے انتظام کیلئے سعی فرمائی زندگی میں تو اس کا نتیجہ نہ نکل سکا۔ البتہ ان کی وفات کے بعد مولانا محمد سعید نے اس جدوجہد کو جاری رکھا اور سلطان عبدالحمید خاں کی توجہ دلائی تو انہوں نے 'باب الوداع' پر ڈاک خانہ کی عمارت تعمیر کرائی اور ایک ہندوستانی اور جاوی پوسٹمین مقرر کیے۔ اس کے بعد سے ڈاک کی طرف توجہ دی جانے لگی۔ (۶۴)

۳۔ صنعتی سکول کا قیام:

مکہ معظمہ میں مدرسہ صولتیہ کے تحت ایک صنعتی اسکول قائم فرمایا تاکہ مہاجرین اور مقامی باشندوں کے بچے ابتدائی تعلیم وتربیت کے بعد ہنرمندی سیکھ کر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔ (۶۵)

۴۔ خانہ کعبہ کی تعمیر میں شرکت:

سلطان عبدالحمید خان کے عہد میں کعبہ اس وقت کھولا جاتا تھا جب اسمیں مرمت کی ضرورت ہوتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ سلطان کو معلوم ہوا کہ خانہ کعبہ کے اندرونی حصہ میں مرمت کی ضرورت ہے انہوں نے اس کام کے لئے چھ علماء کو منتخب کیا جس میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی بھی شامل تھے۔ اس مرمت کے لئے انجینئروں نے مخصوص مسالہ بنایا جو جلد خشک ہو جاتا تھا اور علماء کے لئے ایک خاص قسم کا عمامہ تیار کیا گیا جس کو پہن کر وہ خانہ کعبہ میں داخل ہوتے۔ (۶۶)

۵۔ انگریزوں کو عدن میں جگہ نہ دینے کا مشورہ:

سلطان عبدالحمید کے دور میں انگریزوں نے حکومت ترکی سے عدن میں جہازوں کے کوئلہ رکھنے کے لئے تھوڑی سی جگہ مانگی تھی جب مولانا کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے سلطان کو ایک خط تحریر کیا، کہ بحری اعتبار سے عدن بڑی اہم جگہ ہے اگر آپ نے انگریزوں کو یہ جگہ دے دی تو بہت خطرناک ثابت ہوگی اور اس طرح پورے عدن پر انگریز کا قبضہ ہو جانے کا نیز اس کا اثر دوسرے ممالک اسلامیہ پر بھی پڑے گا۔ اس مشورہ پر سلطان نے توجہ نہ دی اور انگریز عدن پر قابض ہو گیا۔ (۶۷)

۶۔ حکامِ حجاز کی بد عنوانیوں کے خلاف سلطان کو خط:

مولانا رحمت اللہ کے دور میں حجاز، ترکی حکومت کا ماتحت تھا۔ یہاں کے حکام کی بد عنوانیوں کو دیکھ کر مولانا نے وزیر اعظم ترکی کو ایک خط فارسی میں تحریر کیا تھا جس میں ان کی غفلت شعاری کی وجہ سے یہاں کی اراضی سے جو پیداوار ہونی چاہئے تھی وہ نہیں ہو رہی تھی۔ خلفاء راشدین کے زمانہ میں مدینہ منورہ کی اراضی کا غلہ باشندگان مدینہ کی ضروریات پوری کرنے کے بعد شام و فارس کے لشکروں کو بھیجا جاتا تھا۔ لیکن اب حالت یہ ہے کہ مدینہ منورہ کا غلہ مدینہ کے لیے پورا نہیں ہوتا اس خط میں مولانا نے بد نظمی کی چھ وجوہات بتائیں اور بعض دوسرے مسائل کا ذکر بھی فرمایا۔ (۶۸)

۷۔ عقائدِ نصاریٰ کی تحقیق و تدریس:

مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے ابتداء ہی سے اپنی زندگی کا جو مقصد بنایا تھا۔ یعنی مسیحیت کی تحقیق و تردید، مولانا نے ہجرت کے بعد مکہ معظمہ میں بھی یہ سلسلہ جاری رکھا۔ اس امر کا تذکرہ شرف الحق صدیقی دہلوی (شاگرد رشید) اپنے سفر نامہ حج میں یوں کرتے ہیں:

> "۔۔۔ کتب رد نصاریٰ ان کے پاس بڑی تعداد میں پہنچتی ہیں۔ مولانا محمد علی مونگیری کی دو کتابیں میرے سامنے آئی تھیں مجھ سے ان کتب کے بعض مقامات سنے تھے (کیونکہ مولانا کی بصارت زائل ہو چکی تھی) مولوی دین خان اور حاجی احسان اللہ نے 'ازالۃ الاوہام' شروع کر

رکھی تھی وہ حرم خانہ میں پڑھائی جاتی تھی۔ 'اظہار الحق' بھی مولانا کے پاس ہوتی تھی۔ اکثر
آگرہ کے مناظرہ کے واقعات خوب وضاحت اور تفصیل سے بیان فرماتے تھے اور مولانا اپنے
پوتے کو بھی سبق دیتے تھے۔۔۔ کتب 'اظہار الحق اور ازالۃ الاوہام' کا سبق مولانا کے ہاں صبح
وشام ہوتا تھا۔۔۔ مولانا اب بھی کتب رد نصاریٰ کے مشتاق ہیں اگر ان کی بصارت آ جائے تو
وہ اب بھی ایک کتاب جامع لکھنے کو تیار ہیں"۔ (۶۹)

۷۔ مسلمانانِ ہند کا اعتماد:

حضرت حاجی امداد اللہ اور مولانا رحمت اللہ کی شخصیات ہندوستان سے مکہ معظمہ ہجرت کرنے کے بعد بھی اسی قدر ہر دلعزیز اور قابل اعتماد تھیں جس طرح ہندوستان کے قیام کے زمانہ میں عزت ووقار کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ ان حضرات کی طرف مسلمانوں کی نگاہیں لگی رہتی تھیں۔ ان کے ارشاد و فرمان اور مشورہ کو دل میں جگہ دیتے تھے۔ چنانچہ جب عرب میں اور خاص طور پر حجاز میں زبردست قحط پڑا اس وقت ہندوستان کے مسلمان عربوں کی امداد کرنا چاہتے تھے۔ سوال یہ تھا کہ حجاز میں اعانت کس کے ذریعے کی جائے اس وقت ان ہی بزرگوں کے نام سامنے آئے اور مشیر قیصر لکھنؤ، کے ایڈیٹر نے ۱۲ فروری ۱۸۹۰ء کے شمارے میں انہی کے نام شائع کیے:

"۔۔۔روپیہ غلہ کے بھیجنے کا انتظام ہندوستان میں جناب مولوی رحمت اللہ صاحب و جناب
حاجی امداد اللہ صاحب کے ذریعے ممکن ہے۔۔۔"

اسی اخبار نے ۱۹ اپریل ۱۸۹۰ء کے پرچہ میں لکھا مخدوش حالات فریضہ حج سے متعلق مولانا رحمت اللہ سے حالات معلوم کرکے ان کے مشورہ پر عمل کیا جائے۔ (۷۰)

۸۔ کانگریس میں شرکت کی ممانعت:

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی محض دینی عالم ہی نہیں بلکہ روحانی اور سیاسی پیشوا بھی تھے۔ ان کی دوررس نگاہیں بہت کچھ دیکھتی تھیں ہندوستان کی سیاست میں دلچسپی اور آگہی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب مولانا سے کانگریس میں شرکت کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے ایک خط میں اس کی وضاحت فرمائی۔ یہ خط مشیر قیصر لکھنؤ نے ۳۰ جنوری ۱۸۹۰ء کو اپنی ایک اشاعت میں چھاپا۔ یہ خط حاجی نواب عمر خاں رئیس ہاسودہ نے تحریر کیا تھا۔ مولانا نے اس کے جواب میں لکھا۔

"اول تو کانگریس کے اصولوں سے اچھی طرح واقفیت نہیں ہے تاہم اس کے اصول اچھے
بھی ہوں تو بعض وجوہ سے مسلمانوں کے حق میں کانگریس مضر ہے"۔ (۷۱)

فصل چہارم: وفات، اولاد و احفاد، معاصرین کرام اور خصائل و عادات۔

وفات:

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی قوتِ بصارت ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء میں زائل ہو چکی تھی۔ اس وقت سے آپ بہت کمزور رہنے لگے تھے۔ مدرسہ صولتیہ کا کام بڑے انہماک کے ساتھ فرماتے تھے۔ ہر وقت اس کے کاموں میں مصروف رہتے تھے نہ دن دیکھتے تھے اور نہ رات کی پرواہ کرتے۔ چنانچہ آپ ایک سال بیمار رہ کر ۷۵ سال کی عمر میں ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ/ اپریل ۱۸۹۱ء کو بروز جمعۃ المبارک فوت ہوئے۔ (۷۲)

اسلام کا یہ سچا خادم اپنی تمنا اور آرزو کے مطابق پیوندِ زمین حرم محترم ہوا۔ 'جنت المعلاۃ' حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے جوار اور صدیقین و شہداء کے زمرہ میں مدفون ہوئے۔ رحمۃ اللہ علی رحمت اللہ۔

اس چھوٹے سے احاطہ میں حسب ذیل افراد کی قبریں ہیں۔

۱۔ محمود پاشا۔

۲۔ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ۔

۳۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ۔

۴۔ نواب عبد العلی رئیس چھتاری ضلع بلند شہر۔

۵۔ شمس العلماء مولانا محمد حسین الہ آبادی کے والد۔

۶۔ مولانا عبد الحق، شیخ الدلائل مصنف اکلیل شرح مدارک التنزیل۔

۷۔ مولوی عزیز بخش بدایونی۔

۸۔ مولانا انور، صدر مدرسہ صولتیہ۔

۹۔ مولوی عبد اللہ غازی، شاگرد مولانا رحمت اللہ و مہتمم کتب خانہ مدرسہ صولتیہ۔

۱۰۔ شیخ عبد الحکیم، سابق خزانچی مدرسہ صولتیہ۔

۱۱۔ مولانا حبیب اللہ لاہوری فرزند حضرت احمد علی لاہوری۔ (۷۳)

تدفین کی خواہش:

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی خواہش تھی کہ وہ مدرسہ صولتیہ کے احاطہ میں دفن ہوں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی زندگی میں اپنے مدرسہ کے اسی مقام پر قبر بنوائی تھی۔ جب آپ کا انتقال ہوا تو اعزاء و اقارب نے آپ کی میت کو اسی قبر میں دفنانا چاہا، لیکن حکام مانع ہوئے چنانچہ اس واقعہ کا ذکر مولانا محمد سعید یوں کرتے ہیں۔

"۔۔۔ بانی مدرسہ مولانا رحمت اللہ کی تمنا اور آرزو تھی کہ وہ اس مستعار اور محدود زندگی سے جب ابدی حیات اور دائمی مستقر کی طرف سفر کریں تو ان کا مرقد مدرسہ کے احاطہ میں ہو جس کو انہوں نے اپنی زندگی میں بڑے شوق سے خود تیار کرایا تھا۔ آہ! یہ خیال کس قدر دردانگیز ہے کہ مولانا کی دلی تمنا اور مدت العمر کی وہ دیرینہ آرزو دور سابق کے حکام کی بدولت ہمیشہ کے لیے پامال ہو گئی اور مولانا اپنی بنائی ہوئی قبر میں جو مدرسہ کے احاطہ میں خاص اسی دن کے لیے تیار کی تھی دفن نہ ہو سکے جن مقامی حکام نے مولانا کو مدرسہ میں دفن نہ ہونے دیا ان کا خیال تھا کہ مرنے کے بعد اس محسن قوم اور خادم ملت کی قبر پر سینکڑوں وہ ہندوستانی جن کو مرحوم سے عقیدت اور خاص تعلق تھا فاتحہ کی غرض سے آتے رہیں گے اور مرحوم کی اس علمی یادگار کو عظمت و محبت کے ساتھ دیکھنے کا ذریعہ قبر بنے گی اس مصلحت نے ان حاکموں کو مجبور کیا کہ وہ بغیر کسی وجہ اور قانونی حجت کے مرحوم کو مدرسہ میں دفن نہ ہونے دیں۔" (۷۴)

مولانا احمد الدین چکوالی (۷۵) تلمیذ رشید نے، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ (مرحوم) کی وفات حسرت آیات پر یہ تاریخی قطعہ کہا:

آہ زیں حین مصائب التزاں
مجمع اندوہ و رنج و ہجراں

گشت صبر از خاطر غم دیدہ گم
ہست قول مثنوی شاہد براں

بشنو از نے چوں حکایت می کند
کایں نے خامہ است دل راتر جماں

وز جدائیہا شکایت می کند
بازبان تیز و چشم خوں فشاں

کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند
سخت حرانم بدست این و آں

در فراقم مرد و زن نالیدہ اند
گریہ ام شورے دہد در حاضراں

سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق
گر کنم رنج نہانی را عیاں

تا بگویم ذکر درد اشتیاق
زانتقال قبلہ اہل دلاں

حضرت مخدومنا علم الہدیٰ — فیض بخش ناکساں و ناقصاں

فخر اہل الہند فی ملک العرب — باعدو دراسلامبول قبول ازوے نشاں

در عراق وہند و مصر وشام وروم — در فضائل گشتہ ممتاز زماں

کاشتہار الشمس فی نصف النہار — فی بسیط الارض باللطف العیاں

در ایں گنبد ہزار اہل کمال — مشتہر گشتہ ثنا ئے چناں

ماحش یک نیست بل صد ماتم است — ظلمتے آمد عیاں اندر جہاں

موت عالم موت عالم گفتہ اند — سیما آنا نکہ نامد مثل شاں

بود در دنیا چراغ دین و دل — تاکہ شمع ملک حرمین گشت آں

روز جمعہ بست و دوام از ماہ صوم — رفت سوئے باغ شہ یعنی جناں

غرق بادہ در سیول فیض حق — دام بالا فضال فی کہف الاماں

چونکہ الطاف جناب آمد بیاد — آں زماں بر دل رسد زخم گراں

زار بینالم زحال زار خویش — چوں ندانم چارہ اندوہ جاں

لاجرم چوں نیست درماں غیر صبر — می نمایم بر دعا ختم بیاں

رحمۃ اللہ علی اسلافہ — نعمۃ اللہ باد در اخلاف شاں

کو غریب الوطن بتاریخ وصال

رحمت اللہ لدی خیر الجناں[۷۶]

۱۳۰۸

اولاد واحفاد :

پہلی اہلیہ سے آپ کی ایک صاحبزادی ہوئیں اور کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اسی سے آپ کی نسل کا سلسلہ آگے بڑھا جس کی تفصیل یہ ہے:

آپ کے دیگر دو بھائی مولوی عبدالجلیل اور حکیم علی اکبر تھے سب سے چھوٹے مولانا خود تھے سب سے بڑے بھائی نے اپنی بیشتر زندگی زمین داری کے کام میں گزار دی تاہم ان کے صاحبزادے مولوی بدرالاسلام کو مولانا نے ہجرت مکہ کے بعد کیرانہ سے اپنے پاس بلوایا اور ان کی تعلیم وتربیت فرمائی اور مولانا سفر قسطنطنیہ میں ان کو اپنے ہمراہ لے گئے۔ سلطان عبدالحمید خاں نے ان کو شاہی دارالکتب کا مہتمم مقرر کر دیا تاہم مولانا بدرالاسلام کا انتقال لکھنؤ میں ہوا اور آپ کی بقیہ اولاد ہجرت کر کے پاکستان آ گئی۔

دوسرے بھائی حکیم علی اکبر اپنے زمانے کے مانے ہوئے طبیب تھے نیز بہترین خطاط تھے۔ آپ کے دو صاحبزادے محمد صدیق اور محمد سلیمان تھے ان دونوں کی تعلیم وتربیت بھی آپ ہی نے کی۔ محمد صدیق کے تین صاحبزادے محمد سعید، حافظ محمد بشیر اور حافظ محمد عتیق تھے۔ (۷۷)

مولانا کیرانوی نے اپنے بھائی کے پوتے محمد سعید کو ۱۲ سال کی عمر میں جو کہ ہندوستان میں ایک مشنری سکول میں زیر تعلیم تھے اپنے پاس مکہ معظمہ بلوالیا اور ان کی عمدہ تعلیم وتربیت کی اور اپنی نواسی مریم بنت حکیم محمد اسماعیل سے ان کا نکاح کر دیا۔ نکاح کی اس تقریب میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے علاوہ مکہ معظمہ کے معززین نے بھی شرکت کی۔ مولانا کی اس نواسی سے صرف ایک صاحبزادی عائشہ بیگم زوجہ حکیم عبدالباسط ہوئیں۔ پہلی بیوی کے انتقال کے بعد دوسری شادی ام کلثوم بنت حافظ عبدالعلیم سے ہوئی، جن سے محمد سلیم، حکیم محمد نعیم اور ایک صاحبزادی نفیسہ بیگم زوجہ حکیم محمد یامین کاندھلوی ہوئیں۔ (۷۸)

اس نقشہ سے اولاد احفاد کو آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے۔
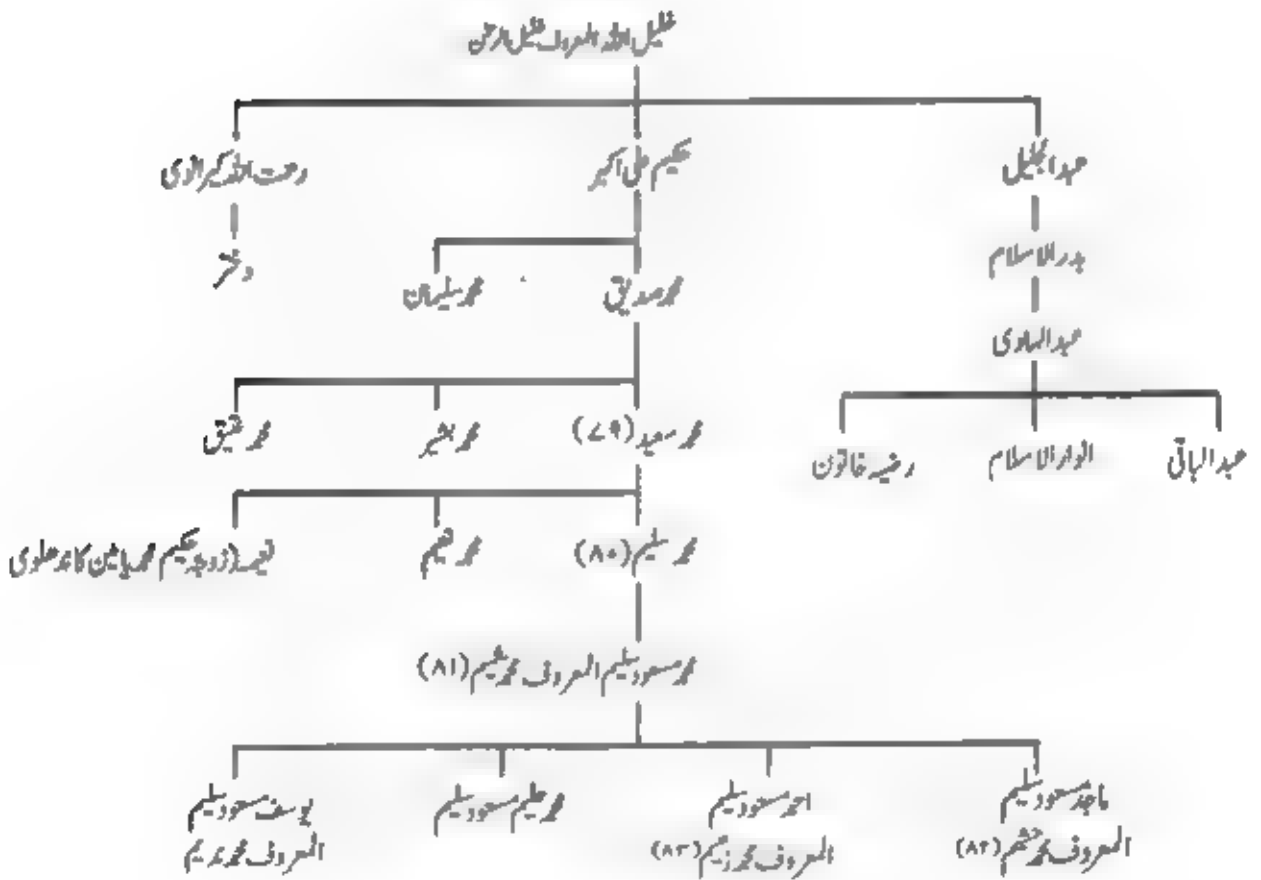
معاصرین علماء کرام:

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے علمی وفکری، تعلیمی و تدریسی اور عسکری میدان میں بھی نمایاں طور پر کام کیا اس دوران کئی اصحاب علم اور رجالِ کار آپ کے ساتھ مصروف عمل رہے ہجرت مکہ معظمہ کے بعد بھی یہ تعلقات برقرار رہے، امداد صابری لکھتے ہیں:

> "مدرسہ صولتیہ، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی وجہ سے ایک مرکزی مقام بن گیا تھا، حج کے ایام میں علماء و فضلاء صوفیاء و مشائخ اس جگہ جمع ہوتے تھے۔ چنانچہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا محمد حسین الٰہ آبادیؒ، مولانا محمد علی مونگیریؒ، مولانا شوکت علیؒ، مولانا محمد علیؒ اور مفتی کفایت اللہؒ جیسے برگزیدہ علماء جب مکہ معظمہ تشریف لاتے تو مہتمم مدرسہ ملتے تھے"۔ (۸۴)

مولانا کے ان سب معاصرین علماء کا تذکرہ غیر معمولی طوالت کا باعث ہوگا تاہم یہاں پر ان رجال کار کا تذکرہ ناگزیر ہے جن کے ساتھ آپ کا خاص تعلق رہا۔ معاصرین کی اس فہرست میں شامل بعض علماء کے حالات کا تذکرہ مناسب مقام پر آئے گا اور بعض کے حالات یہاں ذکر کئے جاتے ہیں۔

۱۔ سید آل حسن موہانیؒ۔

۲۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ۔

۳۔ مولانا نور الحسن کاندھلویؒ۔

۴۔ ڈاکٹر وزیر خان اکبر آبادیؒ۔

۵۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔

۶۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ۔

۷۔ پیر مہر علی شاہؒ۔

۸۔ سید احمد دحلانؒ۔

۹۔ سید محمد علی مونگیریؒ۔

۱۰۔ سید جمال الدین افغانیؒ۔

۱۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (۱۲۲۳ھ/۱۸۱۴ء - ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء)۔

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی رفاقت اور علمی وروحانی تعلق جس قدر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے رہا ہے شاید ہی کسی اور سے

رہا ہو۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مولانا کیرانوی نے حاجی صاحبؒ کی قیادت میں بھرپور حصہ لیا۔

مولانا عتیق احمد قاسمی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

> "ہندوستان میں تحریک مدارس کی باگ ڈور جن بزرگوں کے ہاتھوں میں تھی ان سب سے مولانا کیرانویؒ کے خوشگوار تعلقات تھے۔ مولانا کیرانویؒ کی طرح مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہی (قدس اسرارھم) بھی میخانہ شاہ عبدالغنیؒ کے جرعہ نوش تھے۔ جہاد آزادی کے لیے جو منصوبہ تیار ہوا تھا اس میں حاجی امداد اللہ، مولانا نانوتوی وغیرہ کے علاوہ مولانا کیرانویؒ برابر کے شریک رہے۔ بانیان دارالعلوم کے روحانی پیشوا حضرت امداد اللہ اور مولانا کیرانویؒ میں عزیزانہ دوستانہ تعلقات تھے۔ مکہ پہنچنے کے بعد دونوں یک جان دو قالب ہو گئے"۔ (۸۵)

مدرسہ صولتیہ کی ترقی میں سرگرمی:

امداد صابری لکھتے ہیں:

> "مدرسہ صولتیہ کو ترقی دینے میں یقیناً مولانا رحمت اللہ کا بڑا ہاتھ تھا، وہی اس کے بانی تھے لیکن اس کے بعد حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ بھی مدرسہ کی کامیابی کے لیے کوشاں رہتے تھے اور چاہتے تھے جو بھی ہندوستان سے آئے وہ اس مدرسہ میں داخل ہو اور ہندوستان کے علمی طبقہ سے بھی رجوع کرتے تھے کہ وہ بھی اس مدرسہ میں ہندوستان کے لوگوں کو تعلیم کے لیے روانہ کریں"۔ (۸۶)

مولانا قاسم نانوتوی کی وفات کے بعد حاجی صاحب کی خواہش ہوئی کہ ان کے صاحبزادے مولانا محمد احمد کو مکہ بلا کر تعلیم کی غرض سے مولانا رحمت اللہ کی خدمت میں رکھیں چنانچہ مولانا رفیع الدین (مہتمم دارالعلوم دیوبند) کے نام اپنے خط میں لکھتے ہیں:

> "فقیر چاہتا ہے کہ برخوردار احمد کو یعنی فرزند عزیز (مرحوم) کو اپنے پاس بلا کر رکھوں اور یہاں مدرسہ میں مولانا رحمت اللہ کی خدمت میں تحصیل علم کرے اور جب تک فقیر جیئے اس سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھے مگر اس کی والدہ شاید جدائی گوارا نہ رکھیں۔ فقیر کو اس کی خاطر بھی منظور ہے اس واسطے اس امر میں سکوت کیا"۔ (۸۷)

خلیفۃ المسلمین کی دعوت پر جب مولانا کیرانویؒ قسطنطنیہ کے لیے روانہ ہوئے تو انہوں نے حاجی صاحب سے کہا تھا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں سلطان کی خدمت میں باریابی کے وقت آپ کا تذکرہ کردوں، آپ نے فرمایا "اس سے کیا ہو گا؟ زیادہ سے

زیادہ یہ ہوگا کہ وہ مجھے استنبول میں طلب کرلیں گے۔ بیت اللہ سے دور ہونا اور قصر سلطانی سے قریب ہونا مجھے منظور نہیں البتہ روایات میں آیا ہے کہ سلطان عادل کی دعا قبول ہوتی ہے اور آپ ان کی تعریف میں کہتے ہیں کہ وہ عادل ہیں تو یہ ہو سکتا ہے کہ آپ میرے لئے ان سے دعا کریں۔ مگر ایک عظیم المرتبت شہنشاہ سے یہ کہنا کہ ایک فقیر بے نوا کے لیے دعا کرے، آداب شاہی کے خلاف ہے اس لئے آپ ان سے میرا اسلام کہہ دیں وہ جواب میں وعلیکم السلام ضرور کہیں گے۔ بس یہ دعا ہو جائیگی"۔ (۸۸)

مولانا محمد سلیم (ناظم مدرسہ صولتیہ) نے اپنے ایک مضمون میں دونوں بزرگوں کی رفاقت کو بڑے دلچسپ پیرائے میں بیان فرمایا ہے۔ یہاں اس میں سے ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے:

"یہ دونوں بزرگ ضلع مظفر نگر کے دو مشہور تاریخی قصبات، کیرانہ اور تھانہ بھون کے رہنے والے تھے جن کے درمیان سات آٹھ کوس کا فاصلہ ہے دونوں ہم عصر تھے اور حسن اتفاق کہ دونوں کا سن ولادت ۱۲۳۳ھ بھی ایک ہی ہے انقلاب ۱۸۵۷ء سے بہت پہلے ان میں جو تعلقات پیدا ہوئے اس کی وجہ سے یہ دونوں ایک دوسرے سے ملنے کے لیے اکثر و بیشتر کیرانہ، تھانہ بھون آتے جاتے رہے، یہ آمد و رفت محض تفریح طبع کے لیے نہ تھی بلکہ کچھ حالات کا تقاضہ اور مستقبل کی فکر دامن گیر تھی، جس کی وجہ سے روابط میں یکجہتی اور پختگی پیدا ہوتی رہی، ایک ہی بنیادوں پر دونوں نے ترک وطن کرکے مختلف راستوں سے صحراؤں اور دریاؤں کو عبور کرتے ہوئے خدا کی پناہ میں مکہ معظمہ پہنچے۔ حرم شریف کے مشہور دروازہ، باب العمرہ، سے متصل رباط داؤدیہ کے ایک تنگ و تاریک حجرہ میں کچھ عرصہ تک ایک ساتھ رہے۔ یہ زمانہ انتہائی عسرت اور تنگدستی کا تھا جس کو صبر و استقلال اور خودداری کے ساتھ زہر کی طرح پی کر گزارا۔ حضرت مولانا کے عظیم الشان دینی و مذہبی جذبات اور مجاہدانہ کارناموں پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کا سلسلہ شروع ہوا اور آپ کو مکہ معظمہ کے شیخ العلماء کی طرف سے مسجد حرم میں پڑھانے اور درس دینے کی عام اجازت دی، علمائے مسجد حرم محترم میں شمولیت کے بعد حضرت مولانا کے درس حدیث و تفسیر میں بہت سے مہاجرین شریک ہوئے۔ ان میں حکیم ارادت حسین (جو انقلاب ۱۸۵۷ء سے پہلے ہجرت کرکے مکہ معظمہ پہنچ چکے تھے اور ہر دلعزیز طبیب تھے) وہ بھی مولانا کے حلقہ درس میں پابندی کے ساتھ شریک ہوتے چند روز کے بعد حکیم صاحب کے اصرار پر حضرت مولانا کو اپنے مکان میں لے آئے آپ تنہا آنے کے لیے تیار نہ تھے اس لیے آپ کے ساتھ حضرت

حاجی صاحب بھی حکیم صاحب کے مکان میں جو حرم شریف کے مشہور دروازہ باب القطبی کے قریب تھا، منتقل ہو گئے اور حاجی صاحب نے اپنا کتب خانہ 'فیوض امدادیہ' مدرسہ صولتیہ کے کتب خانے کو عطا فرمایا جو آپ کے انتقال کے بعد مدرسہ صولتیہ میں منتقل ہوا اور اس طرح اپنے علمی سرمائے کو محفوظ کر کے مدرسہ صولتیہ اور اس کے بانی حضرت مولانا سے اپنے دائمی تعلق کا ایک عملی ثبوت پیش کیا، حضرت حاجیؒ کے بھتیجے حافظ احمد حسین 'امین الحجاج' کے لقب سے مشہور تھے اس لیے کہ حضرت مولانا اور حضرت حاجی صاحبؒ کے زمانہ میں حجاج اپنی امانتیں اور رقوم جمع کراتے تھے۔ حاجی صاحبؒ نے یہ خدمت حافظ احمد حسین کے سپرد کر رکھی تھی اور حکم تھا کہ روزانہ کی امانتیں مدرسہ صولتیہ میں محفوظ کر دیا کرو، ان دونوں بزرگوں کے مشورہ اور متفقہ رائے سے ہندوستان کے غریب حجاج کے لیے ایک مسافر خانہ کی تجویز ہوئی تو حاجی صاحبؒ کے مکان کے قریب ایک سہ منزلہ عمارت اور اس کے متصل ایک قطعہ زمین خرید کر مرمت مکان اور زمین کی حد بندی کا کام شروع کیا گیا، بہت سے اہل خیر نے اس کار خیر میں حصہ لیا حضرت حاجیؒ صاحب نے اس یادگاری وقف مسافر خانہ کا متولی حضرت مولانا کے حقیقی بھتیجے مولانا بدر الاسلام، مدرس مدرسہ صولتیہ کو مقرر کیا، حضرت بانی مدرسہؒ نے انتقال کے پہلے ۱۳۰۸ھ میں حضرت حاجی صاحبؒ کو مدرسہ کا سرپرست بنایا اور محمد سعید کو ناظم اور ذمہ دار مقرر فرمایا۔ اس کے بعد حاجی صاحب کا معمول رہا کہ ہفتہ میں دو مرتبہ مدرسہ میں تشریف لاتے اس کو بھی مدرسہ صولتیہ کی ایک خصوصیت اور ان دونوں بزرگوں کے گہرے تعلق کا ثبوت سمجھئے، ہندوستان کی ان دونوں مایہ ناز شخصیتوں کے یکساں تعلقات اور قابل تقلید باہمی خلوص و محبت کی داستان کا آغاز اگر تھانہ بھون اور کیرانہ سے ہوا تو اس کی انتہا مکہ معظمہ میں ہوئی۔ انتقال سے قبل حضرت حاجی صاحبؒ نے مولانا محمد سعید اور تمام متوسلین سے فرمایا، کہ مجھے مولوی رحمت اللہ کے فرمان کے مطابق حکم کی تعمیل کرنا تھی اور یہ دونوں بزرگ جنۃ المعلاۃ میں ایک دوسرے کے پاس سوئے زمین حرم محترم ہیں جن کی وجہ سے یہ احاطہ رحمت و نور متوسلین اور بزرگان صولتیہ لوے سال سے آرام گاہ ہے"۔ (۸۹)

مزید لکھتے ہیں:

> ''ان دونوں بزرگوں میں جو بے تکلف اور برادرانہ تعلقات تھے اسکا علم بہت کم لوگوں کو ہے اور دونوں میں ایک دوسرے کے ساتھ انتہائی خلوص و محبت اور باہمی دلبستگی و خوش طبعی ایسی رہی کہ اس زمانہ میں بھائیوں میں بھی اس قسم کا تعلق نظر نہیں آتا۔ مکہ معظمہ میں تو عام طور پر ان دونوں کو حقیقی بھائی سمجھتے تھے''۔ (۹۰)

نیز مولانا کیرانوی کا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے روحانی ارادت کا اندازہ اس امر سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ انہی کے حکم کے مطابق آپ نے 'آداب المریدین' کا اردو میں ترجمہ کیا۔ (۹۱)

ڈاکٹر محمد وزیر خاں (م: ۱۸۷۳ء)۔

ڈاکٹر محمد وزیر خاں ولد نزیر خاں پٹھان۔ صوبہ بہار کے رہنے والے تھے، میڈیکل کالج کلکتہ سے جدید طب (ڈاکٹری) کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد تکمیل لندن سے کی۔ آپ نہ صرف مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے ساتھ مناظرہ اکبر آباد ۱۸۵۴ء میں شریک تھے بلکہ انہی کی بدولت مولانا انگریزی زبان میں موجود مسیحی لوب سے واقف ہوئے۔ (۹۲)

امداد صابری لکھتے ہیں:

> ''ڈاکٹر محمد وزیر خان (مرحوم) ۱۸۳۲ء میں انگلینڈ سے ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کرنے گئے تھے وہیں سے عیسائیت کے موضوع پر کتابوں کا عظیم الشان ذخیرہ جمع کر کے ہندوستان لائے، آپ انگریزی کے ساتھ ساتھ یونانی زبان بھی جانتے تھے آپ ہی کے پر خلوص تعاون نے مولانا رحمت اللہ کیرانوی کو انگریزی اور یونانی لٹریچر سے واقف کرایا''۔ (۹۳)

آپ کے حالات زندگی کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ملتیں، تاہم سید محمد میاں، کے مطابق آپ دہلی یا مضافات دہلی، کے باشندے نہیں ہیں بلکہ آپ کا اصل وطن بہار بتایا گیا ہے۔ آپ نے یورپ سے واپس آکر آگرہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی، تاج محل کے قریب محلہ کا غذیاں میں آپ کی سکونت تھی، یہاں پر آپ سب اسسٹنٹ سرجن (Sub-Asstt. Surgon) کے عہدے پر نوکر ہوئے مناظرہ کے وقت آپ اسی منصب پر فائز تھے''۔ (۹۴)

مولانا رحمت اللہ سے آپکا تعارف و ملاقات اس وقت ہوئی جب مولانا 'ازالۃ الاوہام' کی تالیف کے بعد آگرہ پہنچے اور علمی رجحانات کی یگانگت نے یک جان دو قالب کی مثال صادق کر دی۔ اس کے بعد مناظرانہ تاریخ میں مولانا کے ساتھ شریک رہے اور پادری فانڈر کو آگرہ میں شکست فاش دی۔ ڈاکٹر وزیر خاں کے مکتوبات سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے پادری فانڈر سے 'مراسلاتی

مناظرہ بھی کیا ہے۔ تاہم ڈاکٹر موصوف نے رد عیسائیت میں کوئی باقاعدہ کتاب تالیف نہیں کی۔ (۹۵)

ڈاکٹر وزیر خاں نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور جب تک جنگ جاری رہی دھلی میں مقیم رہے۔ بہادر شاہ اور جنرل بخت خان نے آپ کو 'لارڈ آف آگرہ' بھی بنایا تھا۔ پھر جنرل بخت خان کے ساتھ لکھنو تشریف لے گئے اور جب ہر طرح سے ناکامی ہوئی تو چھپ چھپا کر مکہ معظمہ پہنچ گئے یہاں آپ نے علاج معالجہ شروع کر دیا جس سے خلق خدا کو بہت فائدہ پہنچا اور وہی آپ کی حفاظت کا ذریعہ بھی بن گیا۔ (۹۶)

انگریزوں نے ترکی حکومت سے ڈاکٹر وزیر خان کے وارنٹ گرفتاری، منتقلی حاصل کر لیے تھے مگر بدوی قبیلہ کے طاقتور شیخ، جس کی بیوی کا ڈاکٹر صاحب نے علاج کیا تھا اور صحت کامل پائی تھی، نے انھیں پناہ میں لے کر حکومت ترکیہ سے یہ وارنٹ منسوخ کروا دیے۔ مکہ مکرمہ چودہ سال طبابت کر کے ۱۸۷۳ء میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ جس طرح جنگ آزادی سے قبل ایک حصہ مولانا کے ساتھ گزارا اسی طرح آخری سال بھی مولانا کی معیت میں رہے۔ (۹۷)

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء۔ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء)۔

مولانا مملوک علی، مفتی صدرالدین اور شاہ عبدالغنی مہاجر مدنی سے تعلیم پائی۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی بھی آپ کے ہم سبق تھے اور چار سال تک دھلی میں یک جان دو قالب رہے۔ حضرت حاجی صاحب سے تعلق نانوتہ میں قائم ہوا اور بالآخر بیعت پر منتج ہوا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حاجی صاحب کی قیادت میں بھرپور حصہ لیا اور تینوں حضرات کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے۔ حاجی صاحب مکہ معظمہ ہجرت کر گئے اور مولانا گنگوہی چھ ماہ جیل میں رہ کر رہا ہوئے۔ اس کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کے اہم خلفاء میں مولانا خلیل احمد سہارنپوری، شیخ الہند مولانا محمود الحسن، شاہ عبدالرحیم رائے پوری، مفتی کفایت اللہ دھلوی، مولانا صدیق احمد انبیٹھوی، سید حسین احمد مدنی اور محمد علی کاندھلوی ہیں۔ (۹۸)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو مولانا کیرانوی کس نگاہ سے دیکھتے تھے اس کا اندازہ اس سند کے چند جملوں سے ہو جائے گا جو مولانا کیرانوی کی طرف سے مولانا شرف الحق صدیقی کو دی گئی۔ مولانا شرف الحق نے تمام علوم و فنون کی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی، دورۂ حدیث کی کتابیں گنگوہ حاضر ہو کر حضرت گنگوہی سے پڑھیں۔ اسکے بعد فن مناظرہ میں کمال حاصل کرنے کے لیئے حضرت مولانا کیرانوی کی خدمت میں مکہ مکرمہ میں تین ماہ شب و روز حاضر رہے۔ مولانا کیرانوی نے انھیں کتب رد نصاریٰ اور مناظرہ کی تحریری اجازت مرحمت فرمائی، اس سند کے چند جملے یہ ہیں:

"مجھ جیسا شخص اہل عرفان کی موجودگی میں اس قابل نہیں کہ اس سے اجازت کا سوال کیا جائے پھر یہ کہ وہ علماء اور مشاہیر و فضلا کی اجازت سے پہلے ہی آراستہ و پیراستہ ہیں اور ان کے

> علوم کے سائے میں پناہ گزیں اور ان کے لطائف کے پھولوں کو چنے ہوئے ہیں۔ خاص کر دو صاحبان علم و فضل، موجزن سمندر ہیں اور عالم ظاہر و باطن کے جامع ہیں۔ اور جن کی شہرت و نیک نامی ہر ملک میں ضرب المثل ہے یعنی فقیہ و محدث قاری و مولوی عبدالرحمن اور حضرت فقیہہ و محدث مولوی رشید احمد "۔ (۹۹)

پیر مہر علی شاہؒ (۱۲۷۵ھ/۱۸۶۳ء۔۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء)

پیر مہر علی شاہ ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء میں سفر حج پر روانہ ہوئے تو مکہ معظمہ میں جہاں حضرت امداد اللہ مہاجر مکی کے درس مثنوی میں شریک ہوئے وہیں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ سے بھی مدرسہ صولتیہ میں ملاقات ہوئی۔ مولانا نے بعض مسائل پر آپ سے گفتگو فرمائی اور اپنی عقیدت کا اظہار یوں فرمایا، یہ تو علم لدنی ہے ہم سالہا سال سے بخاری شریف کی یہ حدیث پڑھا رہے ہیں لیکن ان معانی کی طرف کبھی ذہن نہیں گیا جو آپ نے استنباط کیے ہیں"۔ (۱۰۰)

اس موقع پر مدرسہ صولتیہ کے مدرس مولانا محمد غازیؒ جو مولانا رحمت اللہؒ کے شاگرد بھی ہیں پیر مہر علی شاہ کے علم و تقویٰ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ مدرسہ صولتیہ کی تدریس سے مستعفی ہو کر گولڑہ آگئے اور باقی عمر اسی جگہ درس و تدریس میں گزاری اور یہیں مدفون ہیں۔ اسی طرح قاری عبداللہ مکی (شاگرد قاری شیخ ابراہیم سعد مصری) مدرس مدرسہ صولتیہ اور ان کے بھائی قاری عبدالرحمن الہ آبادی اور قاری عبدالرحمن جونپوری جو مولانا رحمت اللہ کے شاگرد بھی ہیں پیر مہر علی شاہ سے خاص ارادت رکھتے تھے جس کا ثبوت مدرسہ صولتیہ (مکہ معظمہ) سے لکھے ہوئے مکتوبات سے بھی ملتا ہے۔ (۱۰۱)

سید جمال الدین افغانی (۱۸۳۹ء۔۱۸۹۷ء)۔

۱۸۵۴ء میں ہجرت کر کے مکہ معظمہ آگئے تو سلطان عبدالحمید خاں کی دعوت پر ۱۸۶۴ء، ۱۸۷۰ء اور ۱۸۹۲ء میں قسطنطنیہ آئے۔ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ بھی سلطان کی دعوت پر تین دفعہ ترکی آئے۔ اگرچہ دونوں کی ملاقات تو تحقیق نہیں تاہم علمی و فکری مقاصد میں اشتراک و تعاون سے ملاقات کے امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ نیز اسی دور میں جمال الدین افغانی کے انقلابی افکار کی طرح مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی کتب و تالیفات کی مصر میں اشاعت عام ہوئی۔ (۱۰۲)

سید احمد بن زینی دحلان (۱۲۳۲ھ/۱۸۱۷ء۔۱۳۰۷ھ/۱۸۸۶ء)۔

مکہ معظمہ میں حلقہ علماء میں متعارف ہونے والے پہلے شخص ہیں۔ مفتی مکہ اور شیخ الاسلام' کے منصب پر عرصہ دراز تک فائز رہے۔ فقیہہ اور مورخ کی حیثیت سے بھی شہرت پائی۔ مکہ معظمہ میں قیام کے دوران مولانا کیرانوی کا ان سے آخر تک خاص تعلق رہا۔ (۱۰۳)

حلیہ مبارک:

اگرچہ مولانا کیرانویؒ کے حلیہ وجسامت کے بارے میں زیادہ معلومات میسر نہیں ہیں تاہم خانوادہ رحمت اللہ کے ایک فرد کے مطابق آپ طویل القامت، رنگ گندم گوں نکھرتا ہوا، جسم قدرے نحیف اور ریش مبارک گھنی تھی۔ (۱۰۴)

خصائل و عادات:

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی شخصیت کے بعض پہلوؤں کا تذکرہ دوسرے مقامات پر پیش کیا جائے گا۔ تاہم یہاں پر ان کے بعض اخلاق و خصائل کی طرف اشارہ مناسب ہوگا۔

ا۔ سادگی و صاف گوئی:

مولانا ایک سادہ اور صاف گو شخصیت کے مالک تھے۔ جو کچھ دل میں ہوتا، بے دھڑک زبان پر لے آتے۔ اس کا اظہار متعدد واقعات سے ہوتا ہے۔ مثلاً جب آپ نے سلطان عبدالعزیز خاں اور صدر اعظم خیر الدین پاشا تونسی کی تحریک پر اپنی کتاب 'اظہار الحق' تالیف فرمائی مگر اس کے مقدمہ میں خلیفہ کی بجائے مکہ معظمہ کے شیخ العلماء کا ذکر کیا تو خیر الدین پاشا کے دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا:

> "اس خالص مذہبی خدمت میں کسی دنیاوی غرض و مقصد کا کوئی شائبہ نہ آنا چاہیے۔ اس کے علاوہ مکہ معظمہ میں خود شیخ العلماء مجھ سے ان حالات کے قلمبند کرنے کی خواہش کر چکے تھے اور ابتدائی مواد کی ترتیب کا کام بھی شروع کر دیا تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کتاب کی تالیف کا اصل سبب شیخ العلماء ہیں کیونکہ اگر وہ مجھے امیر مکہ تک نہ پہنچاتے تو میری رسائی یہاں تک نہ ہوتی اور اس خدمت کا موقع نہ ملتا"۔ (۱۰۵)

مولانا کی ان وجوہات کو سلطان نے بنظر استحسان و قدر شناسی دیکھا، اسی طرح جب ترکی کے دوسرے سفر میں سلطان عبدالحمید خاں نے مدرسہ صولتیہ کے لیے ایک معقول رقم ماہانہ مقرر کرنے کے متعلق خیال ظاہر فرمایا تو آپ نے اس کے جواب میں شکریہ اور دعا کے بعد سلطان کی خدمت میں عرض کی:

> "حرمین شریفین میں امیر المومنین کے بہت سے جاری کردہ امور خیر ہیں اور بہت سے نیک کام تشنہ تکمیل ہیں، مدرسہ صولتیہ چونکہ ہندوستان کے دین دار اور نیک خیال مسلمانوں کی امداد سے چل رہا ہے اور قائم ہے ان کو اس کار خیر میں شرکت و سرپرستی کی سعادت سے محروم نہ فرمایا جائے جو یقیناً امیر المومنین کے الطاف شاہانہ سے

بعید نہیں"۔(۱۰۶)

مولانا کے ان دونوں بیانات سے آپ کی سادگی اور صاف گوئی کا پتہ چلتا ہے۔

۲۔ تواضع وانکساری :

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ تبحر علمی کے باوجود تواضع وانکساری کا پیکر تھے اس کا اظہار آپ کی تالیفات کے مختلف اقتباسات سے ہوتا ہے۔ مولانا نے جب ازالۃ الاوہام، تالیف کی اور بغرض اصلاح، مسودہ مولانا نور الحسن کاندھلویؒ، کو ایک طویل خط کے ساتھ روانہ فرمایا تو اس میں ایک جگہ آپ نے لکھا :

"۔۔۔ازالۃ الاوہام را کہ از تالیفات کمترین خلائق است بارادہ طبع لو طلب می فرمائند و خشک جانی وبے جوہری احقر را اگر چہ بعض اولی الابصار خوبی واقف اند۔۔۔"(۱۰۷)

آداب المریدین' کے اردو ترجمہ میں رقم طراز ہیں :

"حمد و نعت کے بعد کہتا ہے۔ بندہ گنہگار اللہ کی رحمت کا امیدوار ۔ اس نامہ سیاہ کو اس کے ترجمہ کے لیے ارشاد فرمایا۔۔۔ بھول چوک کی جگہ اصلاح فرمادیں'۔(۱۰۸)

علاوہ ازیں پیر مہر علی شاہؒ سے مدرسہ صولتیہ میں جب آپ کی ملاقات ہوئی اور آپ نے کے علم و تقوی کا مشاہدہ فرمایا تو ان سے بعض مسائل پر گفتگو میں کوئی عار محسوس نہ کیا حالانکہ وہ عمر میں ان سے بہت چھوٹے تھے۔

۳۔ حرم کعبہ سے محبت :

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ حرم پاک سے بے پناہ محبت رکھتے تھے اپنی ہر دعا میں اللہ سے جوار رحمت کی دعا مانگتے۔ 'ازالۃ الشکوک' کے آغاز میں لکھتے ہیں :

"مجھ کو اس عالم سے کامل ایمان کے ساتھ اٹھائیو اور مرنے کے بعد سب خطا اور گناہ عفو کر کے جنت نصیب کیجیؤ اور مدام اپنے قرب جوار رحمت کامل میں رکھیؤ۔(۱۰۹)

زندگی کے آخری ایام میں جب آپ بغرض علاج سلطان کے حکم سے قسطنطنیہ تشریف لے گئے تو سلطان نے خواہش ظاہر کی کہ زندگی کے بقیہ ایام ان کے پاس گزارا لیے جائیں تو اس پر آپ نے فرمایا

"اعزہ واقارب کو چھوڑ کر ترک وطن کر کے خدا کی پناہ میں اس کے دروازے پر آکر پڑا ہوں۔ وہی لاج رکھنے والا ہے۔ آخری وقت میں امیر المومنین کے دروازے پر مروں تو قیامت کے دن کیا منہ دکھاؤں گا'۔(۱۱۰)

۴۔ شعری ذوق :

مولانا اگرچہ باقاعدہ شاعر تو نہیں تھے مگر آپ کی تصنیفات میں بعض مقامات پر اشعار نظر آتے ہیں۔ ان میں سے بعض کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

حمدیہ اشعار :

بدیع السمٰوٰت والارض ہے — عبادت اس کی فقط فرض ہے
نہیں کوئی موجود اس کے سوا — نہیں کوئی معبود اس کے سوا
خدائی میں ہے مثل وصمد ہے وہی — ولم یلد ولم یولد ہے وہی (۱۱۱)

نعتیہ اشعار :

بیان نعت پیغمبر ہو کس سے — کہ ایک عالم کی عقل عاجز ہو جس سے
چلے حکم کے ساتھ جس کے درخت — ہوئے نقش پا بر سر سنگ سخت
حجر اور شجر نے بھی کی یہ ندا — سلام علیک اے رسول خدا (۱۱۲)

حاجی امداد اللہ کی شان میں :

بزرگ و نیک خصلت پارسا ہیں — شریعت اور طریقت آشنا ہیں
کہوں کیا میں ان کے کسب و کمالات — مثل ہے یہ کہ چھوٹا منہ بڑی بات (۱۱۳)

حواشی و تعلیقات (باب اول)

(۱) اگرچہ نسب نامہ میں نام کے ساتھ 'محمد' کا لفظ نہیں ہے تاہم مسلمانوں کی روایات کے مطابق یہ نام کا حصہ ہے مولانا نے خود بھی بعض مقامات پر اپنا نام 'محمد رحمت اللہ' تحریر کیا ہے۔ زیر نظر مقالہ میں معروف نام 'رحمت اللہ کیرانوی' ہی کو اختیار کیا گیا ہے۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے محمد سلیم، مولانا، ایک مجاہد معمار، دفتر مدرسہ صولتیہ، پوسٹ بکس نمبر ۱۱۴ مکہ معظمہ، ۱۹۵۲ء، ص ۸، ملکاوی، محمد احمد محمد عبدالقادر خلیل، ڈاکٹر، المناظرۃ الکبری، مطابع الصفاعتہ، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء، ص ۳۵۔

(۲) کیرانوی ہندوستان کے قدیم قصبہ کیرانہ/کرانہ، ضلع مظفر نگر، کی نسبت سے کیرانوی/کرانوی کہلاتے ہیں۔ بعض قلمی یاداشتوں سے معلوم ہوتا ہے قصبہ کیرانہ، قدیم زمانہ میں چوہان راجپوتوں کی راجدھانی رہ چکا ہے۔ جو تھانہ اور بانسہ، ضلع کرنال میں جو چوہان آباد تھے ان کے مورث اعلیٰ راجہ جزہ کی اولاد میں سے رانا کلسہ، کیرانہ کا حکمران تھا۔ جس کی وجہ سے قصبہ اور نواح کے چوراسی گاؤں 'کلسیان گوجر' کہلاتے ہیں۔ رانا کلسہ چوہان راجپوت تھا مگر کیرانہ اور اس کی نواح میں گوجر قوم آباد تھی اس لئے رانا کلسہ نے اسی قوم میں شادی کی۔ رانا کلسہ، سلطان محمود غزنوی (م ۱۰۳۰ء) کا معاصر تھا۔ سلطان کے زمانہ میں اس کی اجازت سے سید سالار مسعود غازی، مجاہدین کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ ہندوستان پر حملہ آور ہوئے اور تھانہ سے ہو کر کیرانہ پر حملہ کیا۔ شہر کے شمال اور غربی نواح میں آج تک شہداء کے مزار موجود ہیں۔ ایک قبر چند گز طویل شہر کے شمالی جانب میں ہے جو عرب شہداء کی قبر بتائی جاتی ہے اس میں بہت سے شہداء کو ایک ہی جگہ دفن کیا گیا ہے۔ سید سالار مسعود غازی کے کیرانہ پر حملہ کی یادگار آج تک سالاری قوم میں منائی جاتی ہے۔ یہ عرب نژاد قوم قصبہ میں شتربانی کا کام کرتی ہے کیرانہ میں سب سے پہلے یہی سالاری قوم آباد ہوئی۔ سلاطین تغلق کے زمانہ میں شیخ علاؤالدین انصاری اس نواح کے منصب قضاء پر مقرر ہوئے۔ اس وقت سے انصار کیرانہ میں آباد ہیں۔ شیر شاہ کے زمانہ میں کاکرزئی، افغان آباد ہوئے جن کی اولاد اب تک موجود ہے۔ (ایک مجاہد معمار، ص ۹،۸ نیز دیکھیے

(J M Douie, *Gazetter of the Karnal District*, Lahore, 1892 P173.

(۳) عثمانی حضرت عثمان بن عفانؓ سے سلسلہ نسب کی وجہ سے عثمانی کہلاتے ہیں۔ ہندوستان میں عثمانیوں کا نسب نامہ اس قدیم تاریخی طومار میں محفوظ ہے جو حضرت کبیر الاولیاء، مخدوم جلال الدینؒ کی درگاہ پانی پت میں موجود ہے اور جس کی متعدد نقول بعض عثمانی النسب اہل پانی پت کے پاس ہیں اصلی طومار میں ہر عثمانی جلالی کے نام کا اندراج کم از کم دس جلالی النسب اشخاص کی موجودگی میں ہوتا تھا۔ تقسیم ہند ۱۹۴۷ء کے بعد اس طومار کی ایک نقل حکومت پاکستان نے عثمانی خاندان کے

لئے حافظ آباد میں محفوظ کرادی تھی۔(ایک مجاہد معمار، ص۹، ۱۰، نیز دیکھئے مدارس، امداد، آثار رحمت، محلہ چوڑیوالان، جامع مسجد، دہلی، ۱۹۶۶ء، ص ۵۸، شجرہ خاندان عثمانی (قلمی)؛ محمود الحسن عارف، ڈاکٹر، تذکرہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، مؤلف تفسیر مظہری، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲ کلب روڈ لاہور، ص، ۳۔

(۴) الهندی مولانا رحمت اللہ کیرانوی جب ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے وہاں پر علمی ودینی خدمات سرانجام دیں تو وہاں پر آپ الهندی، کے نام سے معروف ہوئے اگرچہ ڈاکٹر ملکاوی کے خیال میں یہ اہل مصر کی عادت ہے۔ تاہم اس وقت بلاد عرب میں کیرانوی اور عثمانی کے ساتھ ساتھ الهندی کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھئے۔ کیرانوی رحمت اللہ، اظہار الحق (دراسته و تحقیق وتعلیق، عبدالقادر ملکاوی)، الادارة العامة للطبع والترجمه، الریاض، المملکة العربیته السعودیة ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۸۹ء، السقا، احمد حجازی، ڈاکٹر، المدرسة الصولتیه، مکتبہ الکلیات الازھریة، مطبعه النهضة العربیة، ۱۳۹۷ھ / ۱۹۷۷ء، المناظرة الکبری۲۶

مذکورہ بالا تینوں نسبتوں کے علاوہ دو اور نسبتوں کا ذکرہ بھی ملتا ہے وہ یہ ہے مہاجر مکی اور دہلوی مگر ان نسبتوں سے آپ زیادہ معروف نہ ہوئے ملاحظہ ہو فیض احمد، مولانا، مہر منیر، گولڑہ شریف، ضلع اسلام آباد، ۱۹۹۱ء، ص، ۳۹۸، فانڈر، سی۔جی پادری، میزان الحق، پنجاب رلجس بک سوسائٹی، انار کلی لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ۸۸، ۱۳۹۔

(۵) خود مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے اپنے والد کا نام خلیل الرحمن تحریر کیا ہے، دیکھئے اظہار الحق، ج۱، ص ۵، کیرانوی، رحمت اللہ، ازالة الشکوك، مطبع مجیدیہ، مدراس ۱۲۶۹ھ، ج۱، ص، ۴، سہروردی ضیاء الدین شیخ، آداب المریدین (مترجم۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی)، در مطبع ہاشمی، ص ۵۲۔

(۶) ایک مجاہد معمار، ص۹، آثار رحمت، ص۵۶، الحسنی، عبدالحی بن فخر الدین، نزھة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر، مطبعة مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد (دکن) ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء، ج ۸، ص، ۱۳۶، الزرکلی، خیر الدین، الاعلام، دار العلم للملایین، بیروت ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء، ج ۳، ص ۱۸۔ السقا، احمد حجازی، المدرسة الصولتیه دار الانصار، القاہرہ، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۸۷ء ص ۲۵، کحالۃ، عمر رضا، معجم المؤلفین، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۷ء، ج ۴، ص ۱۵۳، عثمانی، مسیح اللہ (مرتب) شجرہ خاندان عثمانی۔

(۷) عبدالخالق، ڈاکٹر، مقالہ پی۔ ایچ۔ ڈی (غیر مطبوعہ)، جامعہ الازھر، مصر، ۱۹۹۰ء، ص ۲۱۲۔

(۸) نفس مصدر، ص ۲۱۳۔

(۹) ایک مجاہد معمار، ص۱۱، ۱۲؛ آثار رحمت، ص۵۶، ۵۷؛ تذکرہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، ص۶ تاہم شیخ محمد اکرام نے شیخ صفی الدین کا ذرودی کا تذکرہ کیا ہے جو اچ (سندھ) میں مقیم ہوئے، اور شیخ عبدالرحمٰن کا ذکر نہیں ہے۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے: محمد اکرام، شیخ، آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۸۶ء، ص ۷۲، ۷۳۔

(۱۰) سیرالاقطاب، ص۲۰؛ تذکرہ اولیاء، ج۲، ص۱۳؛ تذکرہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، ص۶، ۷؛

A A Powell "Muslims and Missionaries in Pre-Mutiny India, P 219

(۱۱) آثار رحمت، ص۶۰-۶۵، آب کوثر، ص۲۵۰، ۲۵۱؛ ایک مجاہد معمار، ص۱۰۔

(۱۲) حکیم حسن کے صاحبزادے حکیم عبدالکریم کی عرفیت میں اختلاف ہے۔ طبقات اکبری، ماثرالامراء اور بادشاہ نامہ میں شیخ بھیا، تزک جہانگیری میں شیخ بینا، منتخب التواریخ میں شیخ وینا اور بعض نے شیخ بینا اور شیخ میسائی بھی لکھا ہے۔ مزید دیکھیے: آثار رحمت، ص۷۶۔

(۱۳) نعمانی، شاہ نواز، ماثر الامراء، ج۳، ص۳۷۹؛ آثار رحمت، ص۶

Muslims and Missionaries P 173.

(۱۴) فرمان شاہی کی نقل کی عبارت یہ ہے۔

"فرمان جلال الدین محمد اکبر بادشاہ بحسن معافی و عطائے جاگیر کیرانہ مع علاقہ۔

خوانین رفیع مقدار و سلاطین و امرائے باوقار صدور وزراء کفایت شعار و عمال ممالک ہندوستان صانہا اللہ عن آفات الزمان چوں فضائل مآب کمالات اکتساب حکمت شعار، مسیحا آثار، شیخ حسن در ازالہ امراض و اعراض انسانی بعد ر الوسع والامکان مساعی احسان و امتنان بظہور سانیدہ و رسانند، بنا بر ان عنایات والتفات بے غایات شامل حال و کامل آمال ان فضائل مآب گردانیدہ۔

فرمان واجب الاتباع شرف نفاذ یافت کہ موازی پانصد بیگہ زمین مزروع از موضع ادہا کھیڑی، کھنڈراؤلی پرگنہ کیرانہ من اعمال سہارنپور و آب حضرت دہلی بعوض دہ ہزار تنگہ و اویک ازاں موضع بموجب فرمان عالی شان حضرت و دو قطعہ زمین از سواد قصبہ پرگنہ مذکور متعلق معہ الیہ معوض و متعلق، معہ الیہ بودہ باشد، کہ واجبی آنرا سال بسال کسوحال افزودہ و معاش خود کند و ازالہ امراض زمرہ انام بغایت اہتمام بظہور رسانندہ و فرزندان و عمال آں پرگنہ راہی باید کہ زمین پائے مذکور را بہ تصرف او گزارند و اخراجات و کل تکالیف حیولی مزاحمت نسازند، و معاف و مسلم دانستہ بہیچ وجہ پیرامون نگردند و ہر سال فرمان محتاج مدارند، تحریر

مطابق شہر ذیقعدہ ۹۱۵ھ۔ (آثارِ رحمت، ص ۷۷؛ ایک مجاہد معمار، ص ۱۳)۔

(۱۵) جہاں گیر، نورالدین محمد بادشاہ، تزک جہانگیری، علی گڑھ، ۱۸۶۴ء ص ۲۷۹ (بارھواں جشن)۔

(۱۶) نفس مصدر (سولہواں جشن) ص ۱۲۳۔

(۱۷) ایک مجاہد معمار، ص ۱۰، نیز دیکھیے:

H R Nevill *Muzaffnagar:A Gazatter*,Allah abad,1903 P125.

(۱۸) نفس مصدر، ص 15؛ آثار رحمت، ص ۹۳۔

(۱۹) نفس مصدر، ص ۱۶، Muslims and Missionaries, P 220.

(۲۰) ابوالفضل، آئین اکبری، کلکتہ ۱۸۷۷ء، ص ۱۸۵۔

(۲۱) تزک جہانگیری، ص ۲۵۴۔

(۲۲) آثار رحمت، ص ۱۰۰۔

(۲۳) نفس مصدر؛ H.R Nevill,*Muzaffnagar A Gazatter*,Allahabad 1903 P125.

(۲۴) نفس مصدر؛ Muslims and Missionaries, P 221

(۲۵) ڈاکٹر احمد حجازی السقا نے تاریخ پیدائش ۹ مارچ ۱۸۱۸ء تحریر کی ہے البتہ مہر منیر، میں مندرج سال ۱۸۱۷ء درست نہیں ہے، دیکھیے: مہر منیر، ص ۳۹۸؛ اکبر مجاہد فی التاریخ، ص ۲۵۔

(۲۶) ایک مجاہد معمار، ص ۸؛ آثار رحمت، ص ۱۱۷، المدرسۃ الصولتیہ، ص ۳؛ اکبر مجاہد فی التاریخ، ص ۲۵؛ المناظرۃ الکبری، ص ۲۶، ۲۷۔

(۲۷) نفس مصدر۔

(۲۸) ایک مجاہد معمار، ص ۶۷؛ آثار رحمت، ص ۱۱۷، ۱۱۸؛

Muslims and Missionaries, P 222

(۲۹) نفس مصدر، Muslims and Missionaries, P 221

(۳۰) احمد خان، سید، سر، آثار الصنادید (مرتبہ خلیق انجم) اردو اکادمی دہلی ۱۹۹۰ء ج ۲، ص ۲۹؛ آثار رحمت، ص ۱۱۹۔

(۳۱) شوق، حافظ احمد علی، تذکرہ کاملان رام پور، دہلی، ۱۹۲۹ء، ص ۱۳۵؛ آثار رحمت، ص ۱۲۰، ۱۲۱۔

(۳۲) آثار رحمت، ص ۱۲۱۔

(۳۳) دھلوی، ذکاء اللہ، شمس العلماء، تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ ہند، ص۷۶ نیز دیکھئے: علماء ہند کا شاندار ماضی، ج۴، ص۲۳۶-۲۴۲۔

(۳۴) آثار رحمت، ص۱۲۳۔

(۳۵) اس مدرسہ میں مندرجہ ذیل اہل علم نے تعلیم پائی تھی:

(۱) شاہ رفیع الدین (۲) شاہ عبدالقادر (۳) شاہ عبدالغنی (۴) شاہ محمد اسحاق (۵) شاہ محمد یعقوب (۶) شاہ عبدالحی (۷) شاہ اسماعیل شہید (۸) سید احمد شہید بریلوی (۹) رشید الدین دھلوی (۱۰) مفتی صدر الدین (۱۱) مفتی الٰہی بخش (۱۲) شاہ غلام علی (۱۳) مخصوص اللہ (۱۴) کریم اللہ (۱۵) میر محبوب علی (۱۶) عبدالخالق (۱۷) حسن علی لکھنوی (۱۸) حسین احمد ملیح آبادی (۱۹) رحیم بخش (۲۰) فضل حق خیر آبادی (۲۱) مملوک علی (۲۲) محمد یعقوب نانوتوی (۲۳) شیخ محمد تھانوی (۲۴) مظفر حسین کاندھلوی (۲۵) مولانا قاسم نانوتوی (۲۶) رشید احمد گنگوہی (۲۷) رحمت اللہ کیرانوی۔ (عزیز الرحمٰن، تذکرہ مشائخ دیوبند، ۱۹۶۴ء ص۳۸)

(۳۶) آثار الصنادید، ج ۲، ص۲۴۔

(۳۷) میرٹھی، عاشق الٰہی، تذکرۃ الرشید، میرٹھ ۱۹۰۵ء، ص ۲۹۔

(۳۸) ایک مجاہد معمار، ص۱۸۔

(۳۹) نفس مصدر، ص ۱۹۔

(۴۰) اس سے تو یہی معلوم ہوتا کہ آپ نے دوسری شادی نہیں کی لیکن امداد صابری نے مکتوبات امدادیہ ص ۱۴ کے حوالے سے تحریر کیا ہے آپ کی اہلیہ آپ کی وفات سے ایک سال بعد بروز دوشنبہ، ۶ رجب ۱۳۱۳ھ میں فوت ہوئیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے عقد ثانی کیا لیکن اس سے اولاد وغیرہ نہیں ہوئی۔

(۴۱) شاہ ابوالخیر کے حالات کیلئے دیکھئے باب پنجم، فصل چہارم۔

(۴۲) مولانا اشرف الحق صدیقی کے حالات کیلئے دیکھئے: مقالہ ھذا، باب چہارم، فصل اول۔

(۴۳) ایک مجاہد معمار، ص۱۸، ۱۹؛ آثار رحمت، ص۱۲۵؛ احمد حجازی السقا، ص۲۸، ۲۹۔

(۴۴) ان حالات کے مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو: مقالہ ھذا، باب دوم۔

(۴۵) آثار رحمت، ص ۱۲۶، ۱۲۷؛ Muslims and Missionaries, P 222,228، مولانا کی تصنیفی و تبلیغی خدمات کے لئے ملاحظہ ہو: مقالہ ھذا، باب سوم۔

(۴۶) پادری مذکور کے نام کے صحیح تلفظ واملاء کے سلسلے میں شدید الجھن پائی جاتی ہے۔ مثلاً بعض فارسی و اردو کتب میں یہ نام 'فنڈر' ملتا ہے ملاحظہ ہو: ایک مجاہد معمار، ص۲؛ وزیر الدین (مرتب)، البحث الشریف فی اثبات

النسخ والتحریف، فخر المطابع، شاہجان آباد، ۱۲۷۰ھ، ص ا؛ بعض کتب میں 'فنڈر' تحریر ہے ملاحظہ ہو خلیل، سی۔ٹی، ہماری کتب مقدسہ، مسیحی اشاعت خانہ، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۵۰؛ داس، ایس۔کے، تاریخ کلیسائے پاکستان، بے۔ایس پبلیکیشنز، لاہور ۱۹۹۶ء، ص ۱۸۵-۱۸۸؛ اور بعض اردو کتب میں 'فانڈر' ملتا ہے ملاحظہ ہو: فانڈر، سی۔جی، پادری، میزان الحق، پنجاب، رلیجس بک سوسائٹی، لاہور ۱۹۶۲ء (سرورق)؛ عبدالحق مولوی قاموس الکتب اردو، انجمن ترقی اردو پاکستان، ج ا، ص ۲۹۷؛ آثار رحمت، ص ۱۳۱ وبعد، جبکہ عربی میں 'فندر یا فاندر' مرقوم ہے ملاحظہ ہو: المناظرۃ الکبری، ص ۱۰۰ وبعد اور انگریزی میں (Pfander) تحریر ہے۔ یہی وجہ ہے بعض مترجمین نے اس کا ترجمہ 'پھنڈر' بھی کیا ہے۔ تاہم راقم نے میزان الحق کے سرورق اور بعض اہل علم سے تبادلہ خیال کے بعد زیر نظر مقالہ میں، فانڈر کے تلفظ کو اختیار کیا ہے۔ دیکھئے (مکتوب، سفیر اختر، ڈاکٹر بنام محمد عبداللہ، اسلام آباد، ۲۹ ستمبر ۱۹۹۹ء) نیز پادری فانڈر کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ مقالہ ھذا، باب چہارم، فصل اول۔

(۴۷) مناظرہ کی تفصیلات کے لیے دیکھئے۔ مقالہ ھذا، باب چہارم۔

(۴۸) ایک مجاہد معمار، ص ۳۲؛ آثار رحمت، ص ۲۵۲؛ المناظرۃ الکبری، ص ۳۱، ۳۲، نیز جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا کے کردار کے بارے میں ملاحظہ ہو۔ مقالہ ھذا، باب پنجم۔

(۴۹) شریف مکہ کے حالات کیلئے دیکھئے الریحانی، امین، ملوک العرب، بیروت ۱۹۲۴ء، ص ۵۳-۹۳۔

(۵۰) ایک مجاہد معمار، ص ۳۲، ۳۳؛ آثار رحمت، ص ۲۵۳؛ المناظرہ الکبری، ص ۳۲؛ المدرسۃ الصولتیہ، ص ۲۹؛ عبدالجبار، محمد، دروس من ماضی التعلیم و حاضرہ بالمسجد الحرام، دار عکاظ للطباعہ، ۱۳۷۹ھ، ص ۹۵۔

(۵۱) قسطنطنیہ کا سب سے قدیم نام 'زار غراد' تھا، مائیکلاگارد (Myclagard) جو ایرانی اور رومی دور میں سے بیزنطہ کہا گیا۔ تیسری صدی عیسوی میں رومی بادشاہ قسطنطین نے اس کو اپنا پایہ تخت بنایا تو اس کا نام قسطنطنیہ ہو گیا۔ مسلمانوں کے قبضے کے بعد 'اسلام بول' نما آخری دور میں 'آلاستانہ' 'دار السنقادہ' اور 'باب العالی' کے نام بھی دیئے گئے ۱۹۳۰ء میں اس کا نام استنبول ہو گیا۔ مزید دیکھئے اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲، ص ۵۴۳۔

(۵۲) ایک مجاہد معمار، ص ۳۴، ۳۵؛ آثار رحمت، ص ۲۵۴، ۲۵۵۔

اگرچہ مسیحی ذرائع نے پادری فانڈر کو قسطنطنیہ چھوڑنے کی وجہ اس کے خانگی حالات کو قرار دیا ہے چنانچہ پادری برکت اللہ لکھتے ہیں:

"قسطنطنیہ میں پادری فانڈر کی بیوی کی حالت نہایت خراب ہو گئی اور وہ ۱۸۶۵ء میں اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کے انگلستان چلا گیا" (برکت اللہ پادری، صلیب کے علمبردار، پی۔آر۔بی۔ایس ۱۹۵۲ء، ص ۲۲) نیز پادری

برکت اللہ کا یہ کہنا کہ مولانا رحمت اللہ قسطنطنیہ پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ اس سے قبل پادری فانڈر کا انتقال ہو گیا صریحاً غلط ہے۔ کیونکہ پادری فانڈر کا انتقال ۱۸۶۸ء میں انگلستان میں ہوا تاہم مؤلف مہر منیر کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ پادری فانڈر سے آگرہ کے علاوہ استنبول میں بھی مناظرہ ہوا البتہ کسی ذرائع سے مباحثہ کرانے کی تیاری کی تصدیق ضرور ہوتی ہے۔ تفصیلات کے لیے دیکھئے مہر منیر، ص ۳۹۸، صلیب کے علمبردار، ص ۲۲، ۲۳، تاریخ کلیسائے پاکستان، ص ۱۸۷۔

(۵۳) اظہار الحق کے تفصیلی تعارف و تبصرہ کے لئے ملاحظہ ہو مقالہ ھذا باب سوم، فصل سوم۔

(۵۴) التنبیہات کے تعارف کے لئے دیکھئے مقالہ ھذا باب سوم، فصل اوّل۔

(۵۵) صابری، امداد، فرنگیوں کا جال، چوڑی والان، دہلی، ۱۹۳۹ء، ص ۲۳۵، ایک مجاہد معمار، ص ۳۴، ۳۵۔

(۵۶) ایک مجاہد معمار، ص ۳۶؛ آثار رحمت، ص ۲۵۹، صالح عبداللہ، عبدالرحمن، تاریخ التعلیم فی مکۃ المکرمۃ، دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۳ء، ص ۱۲۵، ۱۲۶؛ الشامخ، محمد عبدالرحمن، التعلیم فی مکۃ والمدنیۃ آخر العہد العثمانی، دار العلوم، مکتبۃ المنعۃ، الریاض، ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۳ء، ص ۱۲-۱۸ نیز مدرسہ صولتیہ کے تفصیلی تعارف کیلئے ملاحظہ ہو مقالہ ھذا، باب ششم۔

(۵۷) ایک مجاہد معمار، ص ۴۸، ۵۱؛ المناظرہ الکبری، ص ۳۹، ۴۰۔

(۵۸) سلطان عبدالحمید خان کا شاہی دار الکتب دنیا کے خاص کتب خانوں میں شمار ہوتا ہے جس میں سلاطین آل عثمان کی تمام کتب کو جمع کیا گیا ہے۔

(۵۹) یہ اعتماد اس قدر رہا کہ جب محاصرہ قصر یلدز اور سلطان عبدالحمید کی معزولی کے پر خطر وقت میں صرف تین اشخاص سلطان کی خدمت میں باقی رہے ان میں ایک بدر الاسلام بھی تھے۔ (ایک مجاہد معمار، ص ۵۲)

(۶۰) ایک مجاہد معمار، ص ۵۲، ۵۳؛ المدرسۃ الصولتیہ، ص ۵۰؛ المناظرہ الکبری، ص ۴۰، ۴۱۔

(۶۱) ایک مجاہد معمار، ص ۵۵، ۵۶؛ المناظرۃ الکبری، ص ۴۱۔

(۶۲) ایک مجاہد معمار، ص ۵۷۔

(۶۳) شمس صدر، بیس بڑے مسلمان، ص ۵۰، ۵۱۔

(۶۴) صابری، امداد، مولانا، مولانا محمد سعید، قومی زبان کراچی، ستمبر ۱۹۶۶ء، ص ۶۲۔

(۶۵) ایک مجاہد معمار، ص ۳۸۔

(۶۶) آثار رحمت، ص ۲۷۰۔

(۶۷) نفس مصدر: المناظرۃ الکبری، ص ۳۰، ۳۱۔

(۶۸) امداد صابری نے اپنی کتاب میں اس خط کو مکمل نقل کیا ہے ملاحظہ ہو: آثار رحمت، ص ۲۷۹-۲۸۲۔

(۶۹) نفس مصدر، ص ۲۶۷، ۲۶۸۔

(۷۰) نفس مصدر، ص ۲۷۱ تا ۲۷۳۔

(۷۱) نفس مصدر، ص ۲۷۴۔

(۷۲) ایک مجاہد معمار، ص ۷۰؛ آثار رحمت، ص ۲۷۸؛ المدرسہ الصولتیہ، ص ۳۲؛ دروس من ماضی التعلیم، ص ۱۰۰۔

(۷۳) ایک مجاہد معمار، ص ۷۰؛ آثار رحمت، ص ۲۶۹؛ ندوی، ابوالحسن علی، مولانا رحمت اللہ الکیرانوی، البعث الاسلامی، عدد ۹ جمادی الآخر ۱۳۹۹ھ، ص ۵۱۔

(۷۴) محمد سعید، مولانا، روئیداد مدرسہ صولتیہ بابت ۱۳۲۶ھ، ص ۴، ۵۔

(۷۵) احمد الدین چکوالی (۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ء - ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۹ء)۔

احمد الدین بن غلام حسین، چنڈاون خان، ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام چراغ دین ہے۔ ۱۲۷۳ھ میں ان کی باقاعدہ تعلیم کا آغاز ہوا۔ صرف ہندوستان میں بابت ۱۲۹۸ھ میں جب بغرض حج ارض حجاز گئے تو مولانا رحمت اللہ کیرانوی سے استفادہ کے لیے مدرسہ صولتیہ میں داخل ہوئے۔ جہاں سے سند حدیث حاصل کر کے ۱۳۰۲ھ میں وطن واپس لوٹے۔ کچھ عرصہ کراچی میں درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیے بعد ازاں اپنے گاؤں چکوال منتقل ہو گئے جہاں نجالی والی مسجد ان کی خطابت اور درس و تدریس سے مرجع طلباء بن گئی دور دراز سے طالب علم آکر استفادہ کرتے موصوف طب میں بھی مہارت رکھتے تھے یہی ان کا ذریعہ آمدن تھا۔ عربی و فارسی اور اردو میں شعر کہتے تھے تاریخ کہنے میں کمال حاصل تھا مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی وفات پر یہ تاریخی قطعہ لکھا۔ (راہی، اختر، تذکرہ علمائے پنجاب، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۱۹۸۱ء، ج ۱، ص ۸۱-۸۳)۔

(۷۶) ایک مجاہد معمار، ص ۷۱، ۷۲۔

(۷۷) آثار رحمت، ص ۱۰۳-۱۰۶۔

(۷۸) نفس مصدر، ص ۱۱۴، ۱۱۵۔

(۷۹) محمد سعید کے والد محمد صدیق کے منشی نہال الدین (مدرس فارسی) کے ساتھ گہرے تعلقات تھے انہی کے کہنے پر محمد صدیق نے اپنے بیٹے محمد سعید کو گھر کے قریب ہی مشن سکول میں داخل کرا دیا تھا، مولانا محمد سعید کے حالات کے لئے دیکھئے۔ مقالہ ھذا باب ششم، فصل چہارم۔

(۸۰) محمد سلیم اور محمد نعیم مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ محمد نعیم کی اولاد میں ایک لڑکا محمد سعید اور دو لڑکیاں صبیحہ اور فائزہ ہوئیں محمد سلیم، ایک مجاہد معمار کے مصنف ہیں، ان کے مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو :باب ششم، فصل چہارم۔

(۸۱) راقم الحروف نے زیر نظر مقالہ کی راہنمائی و مشاورت کے لیے انہی کو ۲۱ فروری ۱۹۹۲ء کو مکتوب تحریر کیا تھا ۲۷ فروری ۱۹۹۲ء کو ان کا انتقال ہو گیا چنانچہ محمد مسعود سلیم کے بڑے صاحبزادے اور مدرسہ صولتیہ کے موجودہ ناظم جناب ماجد مسعود سلیم نے خاندانی اور علمی روایات کے مطابق کمال شفقت فرماتے ہوئے راقم کی راہنمائی فرمائی۔

(۸۲) مدرسہ صولتیہ (مکہ معظمہ) کے موجودہ ناظم ہیں ان کے دو بیٹے سلیم، وشام اور دو بیٹیاں ماجدہ اور شاء ہیں۔

(۸۳) ماجد مسعود سلیم کے برادر خورد جو رابطہ عالم اسلامی (جدہ) کے دفتر میں ڈائریکٹر ہیں راقم سے لاہور میں دو مرتبہ مقالہ کے سلسلے میں ملاقات ہوئی جبکہ ان کے دو چھوٹے بھائیوں میں محمد حلیم مسعود معاون ناظم ہیں اور یوسف مسعود سلیم ایک سکول میں مدرس ہیں۔

(۸۴) آثار رحمت، ص ۱۱۲۔

(۸۵) قاسمی، عتیق احمد، مولانا، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور تحریک مدارس، تاریخی پس منظر، الفرقان (لکھنو) ۶۳، ۶: جولائی ۱۹۹۵ء، ص ۲۹۔

(۸۶) آثار رحمت، ص ۳۰۸۔

(۸۷) قلمی مکتوب : حاجی امداد اللہ مہاجر مکی بنام مولانا رفیع الدین (مکہ معظمہ)، ۹؎ الہ بیس بڑے مسلمان، ص ۸۲، ۸۳۔

(۸۸) کمالات امدادیہ، ص ۲۹ بیس بڑے مسلمان، ص ۹۶۔ مولانا امداد اللہ مہاجر مکی کے تفصیلی حالات کے لیے دیکھئے نظامی، خلیق احمد، تاریخ مشائخ چشت، ادارہ ادبیات دہلی، ۱۹۸۴ء، انوار الحسن، پروفیسر، حیات امداد، شعبہ تصنیف و تالیف، مدرسہ عربیہ نیو ٹاؤن کراچی ۱۹۶۵ء، علماء ہند کا شاندار ماضی، ص ۲۸۹-۲۹۴، ارشد، عبدالرشید (مرتب) بیس بڑے مسلمان، مکتبہ رشیدیہ، ۲۵ لوئر مال، لاہور، ص ۸۴-۱۱۰۔

(۸۹) محمد سلیم مولانا، مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور حاجی امداد اللہ صاحب۔ ایک وضاحت، البلاغ (کراچی) ۹ : ۷ اگست ۱۹۷۵ء ص ۵۰-۵۲۔
مذکورہ مضمون میں مولانا محمد سلیمؒ نے مجالس حکیم الامتؒ کے تحت "مفتی محمد شفیعؒ کی ہر دو بزرگوں سے متعلق بعض غلط فہمیوں کی تصریح کی ہے۔ مفتی شفیعؒ نے اس تحریر کو اپنے تمہیدی کلمات کے ساتھ من و عن شائع کیا ہے۔

(۹۰) نفس مصدر، ص ۴۸۔

(۹۱) آداب المریدین کے تعارف تبصرہ کیلئے ملاحظہ ہو مقالہ ھذا باب سوم، فصل اول۔

(۹۲) مولانا رحمت اللہ کیرانوی عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور مذکورہ تینوں زبانوں میں آپ نے تصنیفی و تالیفی کام کیا ہے تاہم آپ کی کتب میں انگریزی، یونانی، عبرانی زبانوں کی کتب و شخصیات کے حوالے بھی جا بجا ملتے ہیں۔ اگرچہ مولانا کے پادری فانڈر کے نام ایک مکتوب سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ انگریزی زبان سے زیادہ واقفیت نہ رکھتے تھے (چوں نیازمند از الفاظ انگریزی کم واقف است) بلکہ اسی بناء پر پادری عماد الدین وغیرہ نے یہ الزام عائد کیا کہ ڈاکٹر وزیر خان نے تحریف بائبل میں کتب تحریر کیں اور مولانا نے ان کی ترتیب و تسوید کی، تاہم ڈاکٹر وزیر خاں نے مسیحیت کے انگریزی و یونانی ماخذوں کے لوپ سے مولانا کی تصنیف و تالیف میں خاطر خواہ تعاون کیا ہے جس کا اعتراف خود مولانا نے بھی کیا ہے۔ تاہم اس حقیقت سے انکار بھی نا ممکن ہے کہ مولانا نے بھی انگریزی خاص طور پر یونانی، سریانی اور عبرانی زبانیں سیکھیں اور ان میں سے بعض پر عبور حاصل کیا۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تحقیق الایمان، ص ۶، فرنگیوں کا جال، ص ۲۵، المناظرۃ الکبری (مکتوب دوم: مولانا رحمت اللہ بنام پادری فانڈر، بتاریخ ۲۴ اپریل ۱۸۵۴ء) ص ۱۹۳، کیرانوی، رحمت اللہ، اظہار الحق، بائبل سے قرآن تک، اردو ترجمہ، اکبر علی مولانا، شرح و تحقیق، محمد تقی عثمانی، مکتبہ دار العلوم، کراچی ۱۹۹۲، ج ۱، ص ۲۲۲، ۲۲۳؛ کیرانوی، رحمت اللہ، اعجاز عیسوی، تشریح و حواشی، محمد تقی عثمانی، ادارہ اسلامیات، انارکلی لاہور، ۱۴۰۳ھ، ص ۹۔

(۹۳) آثار رحمت، ص ۱۳۵، علماء ہند کا شاندار ماضی، ج ۴، ص ۳۱۱، ۳۱۲ نیز دیکھئے

Annual Report of Medical College of Bengal,1845-46,Calcatta,1847

(۹۴) علماء ہند کا شاندار ماضی، ج ۴، ص ۳۱۲، آثار رحمت، ص ۱۳۴، المناظرۃ الکبری، ص ۱۶۹، البحث الشریف (مکتوب چہارم مولانا رحمت اللہ بنام پادری فانڈر اکبر آباد، بتاریخ ۲۸ مارچ ۱۸۵۴ء) ص ۲۰۱۱، مہر منیر، ص ۳۹۸۔

(۹۵) تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو آثار رحمت، ص ۲۰-۲۴، علماء ہند کا شاندار ماضی، ج ۴، ص ۳۱۲، وزیر خان، اکبر آبادی، ڈاکٹر، مباحثہ مذہبی، مطبع منعمیہ، اکبر آباد، ۱۲۷۰ھ، وزیر خان، اکبر آبادی، ڈاکٹر، خطوط مطبع نور الابصار آگرہ، ۱۸۵۶ء۔

(۹۶) تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ ہند، ص ۶۸۹، آثار رحمت، ص ۲۳۱-۲۳۴، علماء ہند کا شاندار ماضی، ج ۴، ص ۳۱۴۔

(۹۷) مہر منیر، ص ۴۰۰؛ علماء ہند کا شاندار ماضی، ج ۴، ص ۳۱۲، ۳۱۳، ڈاکٹر وزیر خاں کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے۔ *Muslims and Missionaries,P243,245*

(۹۸) تذکرۃ الرشید، ص ۱۷-۳۵، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے۔ بیس بڑے مسلمان، ص ۱۳۶-۲۲۶۔

(۹۹) آثار رحمت، ص ۲۹۷۔

(۱۰۰) مہر منیر، ص۱۱۹۔

(۱۰۱) نفس مصدر، ص ۱۱۸، راہی اختر، تذکرہ علمائے پنجاب، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۱۹۸۱ء، ج ۲، ص۷۶۹، تاہم مولف، مہر منیر کا یہ بیان زیادہ تحقیق تو نہیں ہے کہ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے پیر مہر علی شاہؒ سے بیعت کی استدعا بھی کی تھی مگر حضرت نے مولانا کی عمر، علم و فضل کا لحاظ فرماتے ہوئے بیعت لینے سے تو عذر فرمایا البتہ اور اوراد و وظائف تلقین فرمائے، کیونکہ وہ پہلے ہی مولانا حاجی امداد اللہ سے ارادت رکھتے تھے، تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو، مہر منیر، ص ۱۲۰-۱۲۹؛ محمد سلیم، مولانا، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اور حاجی امداد اللہ صاحب، البلاغ (کراچی)، حوالہ مذکور، ص ۴۸-۵۲، مکتوب: قاری عبداللہ کی بنام پیر مہر علی شاہؒ (مکہ معظمہ) بتاریخ ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ۔

(۱۰۲) المدرسته الصولتیه، ص۶۰۵۔

(۱۰۳) محمد عبدالقادر ملکاوی، ص ۷۔

(۱۰۴) یہ حلیہ راقم الحروف کو احمد مسعود سلیم نے ایک ملاقات میں بتایا نیز محمد عبدالقادر ملکاوی نے بھی ایسا ہی حلیہ تحریر کیا ہے۔

(۱۰۵) ایک مجاہد معمار، ص ۳۵۔

(۱۰۶) نفس مصدر، ص ۵۲۔

(۱۰۷) آثار رحمت، ص۱۲۹۔

(۱۰۸) آداب المریدین، ص۲۔

(۱۰۹) ازالۃ الشکوک، ج ۱، ص ۷۔

(۱۱۰) ایک مجاہد معمار، ص۵۶۔

(۱۱۱) ازالۃ الشکوک، ج۱، ص ۲۔

(۱۱۲) آداب المریدین، ص ۲۔

(۱۱۳) ازالۃ الشکوک، ج۱، ص ۴۔

(۱۱۴) آداب المریدین، ص ۲۔

باب دوم

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ

کے

دور میں برّصغیر کے حالات

فصل اوّل :

برصغیر میں مسیحیت کی آمد و توسیع۔

فصل دوم :

برصغیر پر انگریزوں کا تسلط۔

فصل سوم :

انگریزوں کے تسلط کے برصغیر کے حالات پر اثرات۔

فصل چہارم :

مسیحی تبشیری سرگرمیوں کا فروغ۔

فصل اوّل: برصغیر میں مسیحیت کی آمد و توسیع۔

اگر مسیحی ماٰخذ پر اعتماد کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ برصغیر میں مسیحیت کی آمد بہت قدیم ہے۔(۱) چوتھی صدی عیسوی میں کچھ شامی خاندان کے عیسائی ہندوستان کے ساحل مالابار پر آباد ہو گئے۔ مالابار کے مقامی راجاؤں نے ان سے بہت اچھا سلوک کیا اور یہاں تک ان کو مراعات دیں کہ شامی عیسائیوں کے تمام فوجداری اور دیوانی مقدمات کا فیصلے خود ان کے بشپ (Bishop) کرتے تھے۔(۲)

فتح سندھ ۷۱۲ء کے بعد جب بحری تجارت پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور عرب تاجر خلیج فارس کے راستے یا بحر قلزم کے راستے تجارت کیا کرتے تھے نیز ۱۴۵۳ء میں جب ترکوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا تو یورپ بالکل ہی تجارت سے باہر ہو گیا۔ اس مشکل کا حل تلاش کرنے کے لیے مغربی ممالک نے ہندوستان کا راستہ معلوم کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ سب سے پہلے ۲۰ مئی ۱۴۹۸ء میں پرتگیزی جہاز کالی کٹ میں لنگر انداز ہوئے۔ اس بحری بیڑے کی قیادت واسکوڈے گاما کر رہا تھا جس میں چار چھوٹے جہاز تھے اور اس کی راہنمائی ایک عرب جہاز ران احمد بن ماجد نجدی نے کی۔(۳)

پرتگیزیوں (Purtugees) نے اسی علاقے پر قناعت نہ کی بلکہ اپنے توسیع پسندانہ عزائم جاری رکھے یہاں تک کہ دو جرنیلوں فرانسسکو ایسڈ اور ایو قرق مختلف علاقوں کو فتح کرتے ہوئے پندرھویں صدی عیسوی کے آخر تک مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ دیگر علاقوں مثلاً گوا، دیو اور دمن پر قابض ہو گئے۔ پرتگیزی بلحاظ مذہب عیسائی تھے اور ظلم و ستم میں صلیبی جنگوں کی یاد تازہ کر رہے تھے۔(۴)

منشی ذکاء اللہ خاں لکھتے ہیں:

> ''اس وقت پرتگیزیوں کا یہ دستور تھا کہ وہ جس علاقے پر قبضہ کرتے اس کے حاکم اور اس کے اہل و عیال کو اسیر کر کے عیسائی بنا کر دارالسلطنت لسبن بھیج دیتے تھے۔ چنانچہ علاقہ پرچول کے حاکم فرمان خان اور اس کی بیٹی کو زبردستی نصرانی بنا کر گوا کے پرتگیزی وائسرائے واسکوڈے گاما نے لسبن روانہ کر دیا تھا''۔(۵)

مزید رقم طراز ہیں:

> ''پرتگیزی سمندر کے کنارے نیا در ہند کے قریب رہتے تھے مسلمانوں کے لیے ایک

خدا پورہ آباد کیا تھا۔ نماز بلا تشویش کے کوئی نہیں پڑھ سکتا تھا ان کے علاقے میں رعایا کا کوئی آدمی مر جاتا اور اس کا کوئی نابالغ لڑکا ہوتا تو اس کے بچوں کو سلطنت کا بیت المال سمجھ کر اپنے گرجا میں لے جاتے پادری ان کو عیسائی مذہب کی باتیں سکھاتا تھا خواہ وہ ہندو ہوتا یا مسلمان اس کو عیسائی بنالیا جاتا تھا اور غلاموں کی طرح ان سے خدمت لی جاتی تھی۔ ۱۱۰۵ھ میں کچھ مسلمان حج کو جا رہے تھے ان کو گرفتار کیا واپسی پر گنج سوالی عالمگیری جہاز پر قبضہ کر کے اس کو لوٹا اور جتنے مسلمان جہاز میں تھے ان کو برہنہ کیا اور مستورات کی بے حرمتی کی جس کی وجہ سے عورتوں نے سمندر کی تہہ اور خنجر کی دھار کے نظر ہونا منظور کیا"۔ (۶)

عہدِ اکبر میں مسیحیت کا اثر و نفوذ:

پرتگیزیوں نے مغل حکمرانوں خصوصاً محمد جلال الدین اکبر پر کس طرح اثر انداز ہونے کی کوشش کی اس کا مختصر تاریخی جائزہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

۱۵۷۳ء میں جب اکبر سورت کا محاصرہ کیے پڑا تھا تو پہلی دفعہ گوا سے پرتگیزی حکام نے انتونی کیبرل، کی قیادت میں ایک وفد اکبر کی خدمت میں روانہ کیا۔ (۷) یہ پہلا موقع تھا کہ جب اکبر کا تعارف پادریوں سے ہوا۔ (۸) اس واقعہ کے چار سال بعد ساتگاوں (بنگال) سے پیڈرو نامی ایک پادری اکبر کے دربار میں حاضر ہوا اکبر اسکی دیانت اور قابلیت سے بے حد متاثر ہوا اور اسکی خوب آؤبھگت کی (۹) پادری مذکور کی وساطت سے جولیس پریرا نامی ایک دریدہ دہن پادری اکبر کے دربار میں باریاب ہوا۔ مکلیگن کا کہنا ہے کہ وہ اکبر کے سامنے اسلام کی کمزوریاں بیان کرتا تھا۔ (۱۰)

مسیحیت کے متعلق تحقیق و تجسس کے شوق میں اکبر نے پرتگیزی زبان سیکھنے پر آمادگی ظاہر کردی تاکہ وہ براہ راست پادریوں سے گفتگو کر سکے۔ جولیس پریرا نے دیکھا کہ مسیحیت میں اکبر کی دلچسپی بڑھتی جا رہی ہے تو اس نے اکبر کو بتایا کہ گوا (Gova) میں ایک سے بڑھ کر ایک پادری موجود ہے۔ اگر وہ گوا کے حکام کو لکھے تو چند پادری اس کی خدمت میں بھیج دیں گے۔ (۱۱) چنانچہ اکبر کی درخواست پر گوا سے تین مشن پادری آواخر فروری ۱۵۸۰ء میں فتح پور سیکری پہنچے۔ (۱۲) اکبر نے پرتگیز پادریوں کو تحریر و تقریر کی بڑی آزادی دے رکھی تھی اور انہوں نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تہذیب اور خوش اخلاقی کے تمام اصول نظر انداز کر دیئے تھے۔ عام مسلمان کا دل ان کی بد زبانی سے جس طرح کڑھتا تھا۔ اس کا اندازہ ایک مسلمان درباری کے اظہار خیال سے بخوبی ہو سکتا ہے جو اس نے پادری فرانسس زیویر (Francis Zvier) کی تقریر کے بعد کیا۔ (۱۳)

اکبر نے ان پادریوں کی آؤبھگت کی اور جس ذوق و شوق کے ساتھ ان کی باتیں سنتا تھا اس سے پادریوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ

وہ جلد ہی مسیحیت قبول کر لے گا۔ یہ پادری اکبر کے دربار میں تین سال تک رہے لیکن اکبر کو مسیحیت کی حقانیت کا قائل نہ کر سکے۔ مسیحی مورخین کا کہنا ہے کہ اکبر کو عقیدہ تثلیث پر سب سے زیادہ اعتراض تھا اور پادری کسی طرح بھی اس کا قائل نہ کر سکے۔ (۱۴)

اس وفد کی واپسی کے بعد بھی اکبر مسیحیت میں باقاعدہ دلچسپی لیتا رہا ایک بار اسے کسی نے بتایا کہ پرتگیزیوں نے توارۃ وانجیل کا فارسی ترجمہ کیا ہے یہ سنتے ہی اکبر نے سید مظفر کو گوا، روانہ کیا اور اسے ہدایت کی کہ وہ بعجلت ممکنہ دانایان فرنگ سے یہ تراجم لے آئے۔ (۱۵)

۱۵۹۰ء میں جب اکبر لاہور میں تھا تو اتفاقاً اس کی ملاقات لیوگریمن المعروف بہ پادری فرمالیون سے ہوئی اکبر نے اس کے ہاتھ گوا کے پرتگیزی حکام کے نام ایک خط بھیجا جس میں ان سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ پادریوں کا ایک وفد اس کے دربار میں بھیج کر ممنون کریں۔ (۱۶) پہلے وفد کی ناکامی کے بعد گوا کے حکام کوئی زیادہ پر امید نہ تھے لیکن فرمالیون، نے اکبر کی اسلام دشمنی کا ایسا نقشہ کھینچا کہ حکام نے وفد بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔ (۱۷)

دوسرا وفد ۱۵۹۲ء میں آیا، اکبر نے ان پادریوں کی بڑی عزت افزائی کی۔ ان پادریوں نے ایک مشن سکول کھولا اور بچوں کو تعلیم دینے لگے۔ نیز یہ پادری مذہبی مناظروں میں بہت منہ پھٹ واقع ہوئے تھے۔ اس لیے دربار کے راسخ العقیدہ مسلمان امراء نے ان کی مخالفت شروع کر دی اور ان کے لیے دربار اکبری میں اپنا مشن جاری رکھنا محال ہو گیا۔ چنانچہ یہ وفد بھی جلد ہی واپس لوٹ گیا۔ (۱۸)

۱۵۹۴ء میں اکبر نے گوا کے پرتگیزی حکام سے پھر درخواست کی چند پڑھے لکھے پادری اس کے دربار میں بھیج جائیں، گوا کے حکام نے اس کی درخواست کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے فادر جیروم ژوپر، فادر عمانوایل پنہیرو اور بینڈکٹ گوز کو لاہور روانہ کیا یہ تینوں بڑے ہی قابل اور فہم و فراست میں ضرب المثل تھے۔ (۱۹)

اس وفد نے اکبر کی اجازت سے لاہور میں ایک مشن سکول کھولا اور ایک گرجاگھر تعمیر کرنے کی اجازت لی (۲۰) مذکورہ گرجاگھر کی تعمیر کے لیے شاہی خزانے سے بھی ایک کثیر رقم دی گئی۔ (۲۱) مسیحی ذرائع بھی ان واقعات کی تائید کرتے ہیں تاہم اب اس گرجاگھر کے کوئی آثار نہیں ملتے گمان غالب یہ ہے کہ یہ موجودہ شاہی قلعے کے قریب ہی تھا۔ (۲۲)

اکبر کی آگرہ روانگی کے بعد لاہور کے گورنر قلیچ خاں نے عیسائیوں کی سخت مخالفت شروع کر دی اور عیسائی اس کے خوف سے لاہور سے بھاگنے لگے، مکلیگن کا کہنا ہے کہ عیسائی خان موصوف سے بڑے خائف رہتے تھے اور اس کے سامنے حضور اکرم ﷺ کا ذکر بڑے سوچ سمجھ کر کیا کرتے تھے۔ (۲۳)

اگرچہ تیسرا اور آخری مشن بھی پہلے دو مشنوں کی طرح ناکام رہا (۲۳) تاہم پادری اکبر کی موت تک اس کے ساتھ لگے رہے مگر راسخ العقیدہ امراء کی موجودگی میں ان کی دال نہ گلی ورنہ وہ تو اسے آخری سانس تک گناہوں سے پاک کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ (۲۴)

مسیحی وفود کے اغراض ومقاصد:

ان مشنوں کی غرض وغایت کیا تھی اور اس کے اثرات اکبر پر کیا مرتب ہوئے اس کی تفصیل میں جانے کی زیادہ ضرورت نہیں ہے تاہم مختصر طور پر ڈوجیرک کی کتاب میں مسٹر پین (Payne) لکھتے ہیں

> "پادریوں کے جو وفود اکبر کی بارگاہ میں باریاب ہوئے ان کا مقصد اسے عیسائی بنا کر اسکی سلطنت میں تعلیمات انجیل کی داغ بیل ڈالنا تھا"۔ (۲۵)

یہ عیسائی پادری اپنے ساتھ قرآن مجید کا فارسی ترجمہ اس غرض سے لائے تھے کہ وہ اکبر کے سامنے قرآن کی خامیوں، اسکی غلط بیانیوں اور اختلافی مسائل کی وضاحت کر سکیں نیز انہوں نے اکبر کو یہ بھی باور کرایا کہ محمد ﷺ کا دیا ہوا قانون (نعوذباللہ) جھوٹ کا پلندہ ہے اور اکبر سے یہ بھی درخواست کی کہ اپنی مملکت میں قرآن کے درس وتدریس پر پابندی لگادے کیونکہ وہ اغلاط سے بھرا ہوا ہے۔ (۲۶)

قرآن کریم کے متعلق ابوالفضل بھی کچھ اسی ایسے ہی خیالات رکھتا تھا۔ جہانگیر نے ایک موقع پر کہا تھا کہ ابوالفضل نے یہ بات میرے والد کے ذہن نشیں کرادی تھی کہ قرآن کریم وحی الٰہی نہیں بلکہ یہ حضور ﷺ کی تصنیف ہے۔ (۲۷) اکبر کی فرمائش پر ایک پادری نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوانح حیات 'مرآۃ القدس' کے نام سے تحریر کرکے اسکی خدمت میں پیش کیے۔ (۲۸)

اسی طرح اکبر نے ابوالفضل کو یہ حکم دیا کہ انجیل کا فارسی میں ترجمہ کرے۔ بدایونی نے ابوالفضل کا یہ ترجمہ دیکھا تھا، اس کا کہنا ہے کہ اس کی ابتداء 'بے نامے وائے ژوژو کرسو' سے ہوتی تھی اور اکبر کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم کی تصاویر بھی تھیں اور اس نے عیسائیوں کے بعض طریقے بھی اپنا لیے تھے۔ (۲۹)

مذکورہ پادریوں کے وفود نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پھیلانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ چنانچہ وہ دربار میں علی الاعلان قرآن، اسلام اور بانی اسلام کو برا بھلا کہتے تھے۔ (۳۰)

ان عیسائیوں کی آمدورفت اور ان کے مناظروں کو سن کر اکبر کے دل سے قرآن، اسلام اور بانی اسلام کا احترام جاتا رہا چنانچہ

اس نے علوم شریعت پر پابندی عائد کر دی بدایونی کے خیال میں

"عربی خواندن ودانستن آن شر وفقہ وتفسیر وحدیث وخواندن آں مطعون ومردود ونجوم
وحکمت وطب وحساب وشعر وتاریخ وافسانہ رائج مفروض"۔ (۳۱)

مزید برآں انہی مناظروں کے زیر اثر اکبر کے دل سے بانی اسلام کا احترام اٹھ گیا تھا اور اس نے احمد، محمد، محمود، مصطفیٰ جیسے نام رکھنے پر ناخوشی کا اظہار کیا۔ علاوہ ازیں کلمہ طیبہ سے حضور اکرم ﷺ کا نام نامی حذف کر دیا اور خاص حلقوں یا شاہی محلات کے اندر یہ کلمہ پڑھا جاتا تھا:

لا الٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ (۳۲)

عیسائیوں کی صحبت میں رہتے ہوئے اس نے ان کی بہت سی عادات اپنالی تھیں عین ممکن ہے کہ ایک سے زائد شادیوں پر پابندی بھی انہی پادریوں کے زیر اثر لگائی ہو اور خود اکبر کے حرم میں ایک مسیحی عورت تھی۔ (۳۳)

مسیحیت، اکبر کے بعد :

مسیحی ذرائع کے مطابق جہانگیر پر بھی عیسائیت کے اثرات موجود تھے اور مغلیہ دور کا پہلا مشنری فرانسس زیور(Francis Zavier) کا اکبر و جہانگیر کی زندگی میں بڑا عمل دخل تھا اور آگرہ و پٹنہ کے گرجا گھر بھی جہانگیر کی روشن خیالی کی بدولت قائم ہوئے۔ (۳۴) انہی حالات کے پیش نظر پادری برکت اللہ رقمطراز ہیں:

"۱۶۱۴ء میں لاہور میں تقریباً ایک ہزار کے لگ بھگ مسیحی آباد تھے ان میں اطالوی، شامی، پرتگیزی، کلدی، نسطوری اور انگریزی باشندے شامل تھے جو بغرض تجارت فوجی یا سول امور کے لیے ہندوستان آگئے تھے"۔ (۳۵)

جہانگیر کے دور میں سر طامس رو، کا بطور سفیر بن کر آنا عیسائیت کی تاریخ میں اہم حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسیحی مؤرخ مذکورہ سفیر کی آمد کو برصغیر پاک و ہند میں مسیحیت کا باقاعدہ 'نقش اول' گردانتے ہیں، جس کی وجہ سے انگریزوں کو اقتدار میں گھسنے کا موقع ملا۔ (۳۶)

شاہ جہاں کے عہد میں پرتگیزیوں نے جب ظلم و ستم کیا اور رعایا کو زر وستی روپے کا لالچ دے کر فرنگستان بھیجنا شروع کیا تو اس کا انسداد شاہ جہاں نے سختی سے کیا اور نگزیب عالمگیر نے بالآخر اپنے دور میں یہ قانون نافذ کیا کہ کوئی مسلمان دوسرے مذہب کو اختیار نہ کرے۔ (۳۷)

فصل دوم : برصغیر پر انگریزوں کا تسلط۔

اگرچہ برصغیر میں تجارت کی غرض سے دیگر ممالک کے باشندے مثلاً پرتگیزی، ولندیزی اور فرانسیسی وغیرہ بھی آئے مگر جو عروج ایسٹ انڈیا کمپنی کو حاصل ہوا وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آیا اور یہی تجارتی کمپنی بعد ازاں یہاں کی سیاہ و سفید کی مالک بن گئی اور اقتدار پر قابض ہو گئی۔ اگرچہ پرتگیزی اور انگریزوں دونوں میں قدر مشترک "مسیحیت" تھی مگر موخر الذکر نے بہت جلد مغل حکمرانوں سے اپنی حیثیت منوالی۔

۱۵۸۸ء میں انگلینڈ نے سپین کے جنگی بیڑے کو شکست دے کر یہاں پر کامیابی کا جھنڈا گاڑ دیا جس کے نتیجہ میں انگریز تاجروں نے ۱۶۰۰ء میں ملکہ الزبتھ اول سے اجازت لیکر ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد رکھی۔ ۱۶۰۱ء میں یورپ سے آنے والے تین انگریز جن کی قیادت جان نیوبری کر رہے تھے ملکہ برطانیہ کا خط جلال الدین اکبر کو پیش کیا۔ اس خط میں مرقوم تھا

> "میری رعایا کے پر خلوص جذبات اس امر کے متقاضی ہیں کہ دنیا کے ہر خطہ ء زمین پر بسنے والوں سے ساتھ ان کے تعلقات دوستانہ رہیں اور خیر اندیش جذبات کا مظاہرہ ہوتا رہے جان نیوبری کو پر خلوص محبت، نیک نیتی اور دوستی کا پیغام دے کر آپ کی سلطنت میں بھیجا ہے۔ اس امید پر کہ آپ کی فیاضی، مہمان نوازی اور سخاوت ان کو ہر ممکن سہولت دے کر انگلستان کی محبت خرید لے گی۔۔۔" (۳۸)

چنانچہ اس خط کے نتیجے میں اکبر نے ان فرنگی تاجروں کو مطلوبہ مراعات دیں جن میں نمایاں طور پر سر طامس مور کو انگلستان کے سفیر کی حیثیت سے شہنشاہ جہانگیر نے جگہ دی۔ علاوہ ازیں مندرجہ ذیل وجوہات کی بنیاد پر جہانگیر نے پرتگیزیوں پر انگریز تاجروں کو فوقیت دی۔

۱۔ پرتگیزیوں کی لوٹ مار خصوصاً زائرین بیت اللّٰہ کو لوٹنا ایک اہم واقعہ تھا جس سے مسلم حکمرانوں کے دلوں سے ہمدردیاں ختم ہو گئیں۔ شہنشاہ جہانگیر نے ان کا مال و اسباب ضبط کر کے نکال باہر کیا اسی موقع پر پادری زیویر (Zavier) کو بھی قید کر لیا گیا۔

۲۔ ۱۶۱۵ء میں سر طامس مور کی بطور سفیر تقرری کے ساتھ ان کو غیر معمولی تجارتی مراعات دی گئیں اگرچہ اس سے قبل ۱۶۰۹ء میں ولیم ہاکنس سفیر کی حیثیت سے آیا تھا مگر پرتگیزیوں نے اس کی ایک نہ چلنے دی جسکی وجہ سے اسے واپس جانا پڑا۔

۳۔ شہزادہ فرخ سیر بیمار ہوا تو سر طامس مور نے ایک فرنگی ڈاکٹر سے علاج کرایا جس سے وہ شفایاب ہو تو بادشاہ نے جب اسے انعام دینا چاہا تو اس نے ذاتی نفع پر قومی منفعت کو ترجیح دی اور پورے ملک میں بلا محصول تجارت کی مراعات حاصل کر لیں۔ اس طرح بمبئی، مدراس، کلکتہ، احمد آباد، سورت وغیرہ میں تجارتی مراکز اور کوٹھیاں قائم کر لیں۔

۳۔ زبان دانی کے لحاظ سے جہانگیر انگریزوں کو پسند کرنے لگا۔ (۳۹)

۱۷۵۱ء میں انگریزوں نے کلکتہ میں فورٹ ولیم نامی ایک عالی شان قلعہ تعمیر کیا اور پھر انگلستان سے مختصر پلٹن بھی طلب کر کے تعینات کرلی۔ جس میں رفتہ رفتہ اضافہ کرتے چلے گئے اور دوسری طرف زمینداری بھی بڑھاتے چلے گئے۔ اگرچہ ابھی تک سلطان فتح علی کی صورت میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ان کی راہ میں حائل تھی مگر اپنوں کی غداری کی وجہ سے سلطان نے جام شہادت نوش کیا۔ سلطان کی شہادت کیساتھ ہی ہندوستان کی آزادی کا چراغ گل ہو گیا، اور وہ فرط مسرت سے چلا اٹھے

"آج ہندوستان ہمارا ہے" (۴۰)

اور واقعات نے ثابت کر دیا کہ ہندوستان ان کا ہو گیا کیونکہ نظام حیدر آباد اور مرہٹے جنہوں نے لالچ اور گھمنڈ میں ملک سے غداری کی تھی انگریزی استبداد کے بڑھتے ہوئے سیلاب میں سوکھی جھاڑیوں کی طرح بہہ گئے۔ (۴۱)

ایسٹ انڈیا کمپنی کا کرنل اکڑلونی جو پہلے کمپنی کا ڈپٹی ایڈ جوائنٹ تھا دہلی کا ریذیڈنٹ مقرر ہوا اور اس طرح شاہ عالم لال قلعہ میں گوشہ نشین ہو کر رہ گیا۔ (۴۲) فرنگیوں کی قسمت نے یاوری کی اور دہلی کی شکست کے بعد مرہٹوں نے دوآبہ کا کل علاقہ اور آگرہ ان کے حوالے کر دیا، خورشید مصطفیٰ رضوی لکھتے ہیں :

"اس طرح پر فریب اور ناپاک سازشوں کی بدولت ۱۸۰۳ء تک کم حیثیت انگریز تاجروں کی دغاباز کمپنی ہندوستان کی سب سے بڑی طاقت بن گئی اور انہی کارناموں کی بدولت ولزلی کو انگریز قوم نے اپنا ہیرو تسلیم کر لیا اور اسکا مجسمہ بنا کر لگایا"۔ (۴۳)

دہلی کی حالت یہ تھی یہاں ابھری تھی سکوں اور مہروں سے شہنشاہ کے نام ختم کر لوائے گئے اور بالآخر یہ اعلان کر دیا گیا کہ مغل خاندان کو بہادر شاہ ظفر کے بعد لال قلعہ سے نکال دیا جائے گا۔ ۱۸۴۴ء لارڈ ہارڈنگ نے دہلی کے ریذیڈنٹ کو لکھا کہ اس بوڑھے کی وفات کے بعد اس کے جانشین کو بغیر خاص اجازت کے مقرر نہ کیا جائے اور ولی عہد مرزا فخر الدین سے ایک عہد نامہ پر دستخط کروائے کہ وہ باپ کے مرنے کے بعد قلعہ انگریزوں کے حوالے کر دیگا۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء میں شام زوال آپہنچی اور خاندان مغلیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ مسلمانوں کا وہ تنزل جو ۱۷۱۲ء میں شروع ہوا تھا، ۱۸۵۷ء کو انتہا کو پہنچ گیا۔ (۴۴)

سید محمد میاں نے ان حالات پر یوں نظر ڈالی ہے :

"اس صدی (اٹھارویں) کا آغاز ہوا تو قندھار سے آسام تک، نیپال اور تبت سے مالابار تک پورے ملک کا سیاسی مرکز ایک تھا۔ مگر ابھی پہلی دہائی ختم نہ ہوئی تھی کہ فروری ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد وہ قیامت برپا ہوئی کہ شیرازہ ملک کا بکھر گیا اور

یورپ کی وہی سفید فام طاقتیں جن پر عالمگیر کے دادا، پردادا نے مہربانیوں اور شاہانہ عنایات کی بارش کی تھی۔ جن کو عالمگیر کے باپ (شاہ جہان) نے شکنجہ تادیب میں کسا تھا۔ جن کو عالمگیر نے پہلے ملک بدر کر دیا تھا پھر معاف کر کے تجارت کی اجازت دی تھی ابھی سو سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ عالمگیر کی راجدھانی پر اس کا تسلط ہوا اور عالمگیر کا پوتا (شاہ عالم) اس کا وظیفہ خوار تھا۔ ۱۷ اکتوبر ۱۸۵۸ء کو جمعہ کے روز بہادر شاہ کو کلکتہ بھیج دیا گیا، گرفتاری اور جلاوطنی کے بعد اس کا نام خطبہ جمعہ سے ہٹا دیا گیا"۔ (۴۵)

فصل سوم: انگریزوں کے تسلط کے برصغیر کے حالات پر اثرات۔

اس سیاسی انقلاب کے بعد جو انحطاط مسلمانوں کی اقتصادی اور تمدنی زندگی میں رونما ہوا وہ اس سے بھی زیادہ اہم تھا جسکی صحیح اور مفصل تصویر ولیم ہنٹر (William Hunter) اور سر سید احمد خان نے کھینچی ہے۔ (۴۶) مختصراً انہی اثرات کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ اگرچہ سلطنت کا زوال مسلمانوں کیلئے ہیجانی مسئلہ نہیں تھا۔ (۴۷) انہیں تمام اعتبارات سے نقصان پہنچا تھا۔ ایک حکمران نسل کو بہت سے نفسیاتی فوائد حاصل ہوتے ہیں اس کا وقار اور احترام ہوتا ہے، اسے اعتماد و افتخار حاصل ہوتا ہے، اجنبی حکومت کے ماتحت ان میں سے اکثر کو سخت دھکا لگتا ہے اور ذہن میں ایک احساس محرومی باقی رہ جاتا ہے مگر فوائد مادی ہوتے اور جب وہ زائل ہوتے ہیں تو حقیقی مصیبت شروع ہوتی ہے۔ (۴۸)

سلطنت مغلیہ کی ملازمتوں میں مسلمانوں کو بہت غالب حصہ حاصل تھا۔ جب مرہٹے پرامن حکمرانوں کی حیثیت سے متمکن ہو گئے تھے تو اس وقت بھی مسلمانوں نے کسی حد تک اپنی اس حیثیت کو دوبارہ حاصل کر لیا تھا، مگر انگریزوں کے ماتحت کچھ اور ہی کیفیت ہو گئی۔ اعلیٰ ملازمتیں انگریزوں کے لیے محفوظ ہو گئیں، دیسیوں کو جو عہدے دیئے جاتے تھے وہ ادنیٰ ترین درجے کے ہوتے تھے جن کی تمنا کوئی یورپی نہیں کر سکتا۔ (۴۹) دیوانی کے شعبے میں ضلع کا حاکم ہمیشہ انگریز ہوتا تھا، اکثر اس کے بعد دوسرے درجے کا حاکم بھی اسی قوم کا ہوتا تھا۔ ادنیٰ درجے کی ملازمتوں میں ہندووں کے موافق امتیاز برتا جاتا تھا۔ (۵۰)

خاص طور پر جب انگریزی کو سرکاری زبان کی حیثیت سے اختیار کیا گیا تو بہت سے مسلمان جو معتدبہ قابلیت رکھتے تھے نیم خواندوں کے زمرے میں شامل کر دیئے گئے یہ معلوم تھا کہ مسلمانوں کو انگریزی تعلیم کیلئے مناسب آسانیاں بہم نہیں پہنچائی گئی ہیں۔ تاہم یہ تبدیلی کر دی گئی اور مسلمانوں کے مفادات کا ذرہ برابر خیال نہیں کیا گیا۔ بعض ایسے علاقوں میں جہاں پہلے حکومت کا

کسان سے براہ راست تعلق تھا، زمین داری کا نظام قائم ہونے سے مسلمانوں میں بے روزگاری بڑھ گئی۔ (۵۱)

ابتداء میں انگریزوں نے عدالتوں کا وہی نظام رکھا جو مغلوں کے زمانے میں رائج تھا بادشاہ نے دیوانی کی جو منظوری دی تھی یہ اس کی شرائط کا ایک حصہ تھا انگریزوں کی قوت میں ترقی کے ساتھ ساتھ یہ نظام بھی بدل گیا جس کے نتیجے میں بہت سے مسلمان بے روزگار ہو گئے کیونکہ عدلیہ کی ملازمتوں میں پہلے ان کی تقریباً اجارہ داری تھی۔ (۵۲) یہ تبدیلی قدرتی تھی اگرچہ مسلمانوں میں اس کے خلاف دوسری وجوہ کی بنیاد پر ناراضگی پیدا ہوئی اگر اس تبدیلی کو بتدریج بروئے کار لایا جاتا اور اس محکمے کے ملازمین کو تربیت حاصل کر کے اپنی ملازمت کو جاری رکھنے کی آسانیاں بہم پہنچائی جاتیں تو اس سے ناراضگی کو، جو پیدا ہوئی تھی بہت کم کیا جا سکتا تھا۔ روزگار کے متعدد دوسرے وسائل بھی بتدریج ختم ہو گئے۔ (۵۳)

سب سے بڑی ضرب مسلح افواج میں ملازمت حاصل کرنے کے مواقع تنگ ہو جانے سے پڑی۔ اگر فوج کی دیسی وحدتوں میں مسلمہ قابلیت اور وفاداری رکھنے والے ہندوستانیوں کے لیے اعلیٰ کمان کے عہدے ممنوع نہ ہوتے تو بھی ان امور سے اس قدر زیادہ بے اطمینانی پیدا نہ ہوتی۔ ۱۸۵۷ء سپاہیوں کی بغاوت کے خاص اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ ایک ایسے نظام کو پسند نہیں کرتے تھے جس کے ماتحت وہ رسالداروں اور صوبہ داروں کے عہدوں سے زیادہ اونچی ترقی نہ کر سکیں۔ (۵۴) جو عہدے ان کے لیے رکھے ہوئے تھے ان میں سے بلند ترین عہدے پر پہنچنے کے بعد بھی ان کی تنخواہ ایک معمولی انگریزی سپاہی سے کم تر ہوتی تھی ایسٹ انڈیا کمپنی نے اچھی خدمت کا بدلہ دینے کا ایک انوکھا طریقہ اختیار کیا تھا کہ جو شخص اعلیٰ قابلیت و مہارت ظاہر کرتا تھا اور دوسرے کے مقابلے میں ممتاز ہوتا تھا اسے پوری تنخواہ پر سبکدوش کر دیا جاتا تھا۔ (۵۵) مسلمان سپاہ گری کو شرفا کا پیشہ سمجھتے تھے۔ پہلے زمانے میں وہ سپاہ گری کے ذریعے ہی ملک کے سب سے اعلیٰ مناصب حاصل کرتے تھے مگر اب وہ ایک معمولی انگریز سپاہی کے منصب سے بہتر کوئی خدمت انجام دینے کی امید نہیں کر سکتے تھے۔ باوجود اس کے کہ مسلمان بہترین سپاہی ہوتے تھے، انہیں سیاسی وجوہ کی بناء پر ترجیح نہیں دی جاتی تھی۔ ۱۸۵۷ء میں جب سپاہیوں کی بغاوت ہوئی تو اس وقت بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم سپاہیوں میں ساٹھ فیصد تعداد تھا اودھ کے برھمنوں کی تھی۔ (۵۶)

اگرچہ غیر مسلم ریاستیں بھی مسلمانوں کے لیے ملازمت کا ایک اچھا میدان تھیں۔ تاہم یہاں بھی دو عناصر ان کے خلاف کام کرنے لگے۔ ایک تو ان ریاستوں کی تعداد بتدریج کم ہو گئی یا ان کے وسائل میں انحطاط ہو گیا۔ دوسرے غیر مسلم ریاستوں میں بھی مسلمانوں کی ملازمتوں کے خلاف مذہبی اور قومی تعصب شروع ہونے لگا۔ مسلم ریاستوں کی تعداد شروع سے کم تھی کیونکہ مسلم حکومت کے زمانے میں رجحان مرکزیت کی طرف رہا تھا۔ جیسے جیسے دہلی کا اقتدار بڑھتا گیا، صوبائی بادشاہتیں ختم ہوتی گئیں جب عالمگیر اول کا انتقال ہوا ہے تو کوئی صوبائی تخت باقی نہیں رہا تھا۔ مگر مسلم حکمرانوں نے ہندو باج گزاروں کے وجود کو رہنے دینا قرین

مصلحت سمجھا تھا۔ مگر ان ریاستوں میں سے بھی بہت سارے چند اپنے آپ کو برطانوی علاقوں میں مدغم ہونے سے بچا سکیں۔ سب سے پہلے بنگال کی دولت مند صوبہ داری جس میں بہار اور اڑیسہ شامل تھے ختم ہوئی اس کے بعد میسور کے علاقے کی باری آئی۔ (۵۷) مسلم ریاستوں کے ختم ہو جانے سے مسلمانوں کے لیے اور بھی دوسرے مسائل پیدا ہو گئے مختلف دربار، علم وفضل، شاعری، ادب، فنون اور دستکاریوں کے سرپرست تھے۔

مسلم دستکار جو مختلف اشیاء تیار کرتے تھے ان کی بہت زیادہ کھپت درباروں میں ہوتی تھی، ڈھاکہ کی ململ اور کشمیری شالوں جیسے کپڑوں کی تمام نفیس اقسام ماہرین فن مسلم پارچہ باف بنتے تھے بہترین قسم کا قالینوں کی صنعت پر مسلمانوں کی اجارہ داری تھی۔ درباروں کے غائب ہوتے ہی ایسی چیزوں کی مانگ ختم ہو گئی کیونکہ وہی ان سب چیزوں کے خریدار تھے اس بڑھتی ہوئی بے روزگاری کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی معاشی حالت میں بھی انحطاط ہو گیا۔

سر سید احمد خان لکھتے ہیں:

> "اہل حرفہ کا روزگار بسبب جاری اور رائج ہونے اشیاء تجارت ولایت کے بالکل جاتا رہا یہاں تک کہ ہندوستان میں کوئی سوئی بنانے والے اور دیا سلائی بنانے والے کو بھی نہیں پوچھتا تھا پارچہ بافوں کا تار تو بالکل ٹوٹ گیا اسی وجہ سے سب سے زیادہ اس ہنگامہ میں یہی لوگ گرم جوش تھے۔" (۵۸)

کمپنی کے ملازمین نے جنہیں نجی تجارت کرنے کی اجازت دے دی گئی تھی ایسے طریقے اختیار کیے جن سے بنگال کی صنعت پارچہ بافی پر مخالف اثر پڑا۔ ان کی بہت بڑی تعداد کے ساتھ انتہائی برا برتاؤ کیا جاتا تھا انہیں خفیف سے معاوضے پر طویل گھنٹوں تک کام کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا بعض اوقات انہیں اس کی اجازت نہیں دی جاتی تھی کہ وہ کسی اور کے لیے کام کر سکیں۔ مختصر یہ کہ جو حکمت عملی اختیار کی گئی وہ اس قدر کوتاہ اندیشی پر مبنی تھی کہ بنگال میں پارچہ بافی کی صنعت مستقل طور پر مجروح ہو گئی۔ (۵۹)

ان کے نتائج پر جیمس ٹیلر نے یوں نظر ڈالی ہے:

> "صنعت و تجارت کے تنزل کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ ڈھاکہ کی آبادی تقریباً برباد ہو گئی۔ ۱۸۰۰ء میں دو لاکھ تھی اور ۱۸۳۸ء میں صرف سترہ ہزار رہ گئی جتنی تیزی سے آبادی گھٹی اس سے کہیں سرعت سے افلاس بڑھ گیا۔" (۶۰)

مسلمان تعلیمی میدان میں بہت زیادہ تنزل کا شکار تھے۔ مسلم نظام تعلیم کو سہارا دینے والے تین بڑے وسائل تھے۔ حکومت، علماء و فضلاء کی پرورش کے لیے نقد روپیہ اور اراضی بطور امداد کے دیتی تھی جو انہیں مالی تفکرات سے سبکدوش کر دیتی تھی اور وہ درس و تدریس اور دوسرے علمی مشاغل میں ہمہ تن مصروف ہو جاتے تھے۔ حکمرانوں یا دوسرے متمول لوگوں نے متعدد

اوقاف قائم کرر کھے تھے پھر اجتماعی جدوجہد بھی ہوتی تھی جس سے کسی مکتب یا مدرسے کو حسب استطاعت چلانے کے لیے چندے جمع کیے جاتے تھے۔ مسلم ریاستوں کے غائب ہو جانے سے حکومت کی سرپرستی ختم ہو گئی بعض ذی اثر مسلمانوں کی تجویز پر 'وارن ہیسٹنگز' نے کمپنی کی ملازمت کے لیے مسلمانوں کو تربیت دینے کی غرض سے کلکتہ میں 'مدرسۃ العالیہ' قائم کیا کیونکہ اس زمانے میں اسے ضروری اور قرین مصلحت سمجھا جاتا تھا کہ فوجداری عدالتوں کے انتظام اور پولیس کے اہم ترین شعبوں میں سے بہت سوں کو مسلمان حاکموں ہی کے ہاتھوں میں رہنے دیا جائے۔ (۶۱) کمپنی کی حکومت کے زمانے میں مسلمانوں کے علم و فضل کی سرپرستی کی بس یہی ایک مثال تھی۔ حکومت مدرسے کی تعلیم کو بہتر بنانے میں شامل تھی، انگریزی زبان اور مغربی علوم کی تعلیم کا بندوبست کرنے کی سعی بھی بے دلی کے ساتھ تھی اور کبھی پورے خلوص سے نہیں کی گئی۔ (۶۲)

کمپنی کے ماتحت مسلم تعلیمی اوقاف کی کہانی بھی بڑی افسوسناک ہے جس سے کمپنی کے مسلم آزار تعصب کا اظہار ہوتا ہے۔ ان مسلم اوقاف کا سرمایہ حکومت کے عام تعلیمی اداروں کو چلانے کے لیے منتقل کر دیا گیا جو سب کے لیے تھے اور جن میں مسلمانوں کے مفاد کو خاص طور پر محفوظ نہیں کیا گیا تھا۔ (۶۳) اگر خالصتاً لادینی تعلیم سے مسلمانوں کی بیزاری کو ملحوظ رکھا جائے تو اس سرمائے کی منتقلی کا مطلب یہ تھا کہ مسلمانوں کا روپیہ صرف غیر مسلموں کی منفعت کے لیے خرچ کیا جا رہا تھا۔ برصغیر کے طول و عرض میں دینی مقاصد کے لیے بہت سی زمینیں لوگوں کے پاس انعام کے طور پر تھیں یعنی ان سے مال گذاری نہیں لی جاتی تھی ان میں سے اکثر کی آمدنی تعلیم کے لیے وقف تھی۔ ان واقعات کے متعلق ایک سخت تحقیقات کرائی گئی، غیر معقول ثبوت طلب کیے گئے اور جاگیروں کی ایک بڑی تعداد ضبط کر لی گئی (۶۴) جب مسلمانوں کو ایک طرف ان مراعات سے محروم کر دیا گیا اور دوسری طرف معاشرتی حالات نے انہیں مفلس بنا دیا تو ان کے لیے ان مدارس کو چلانا مشکل ہو گیا جو ان کے بچوں کی تعلیم کے لیے ضروری تھے۔ (۶۵)

لارڈ میکالے (Macaulay) کو نظام تعلیم پر مسلط کرنے کے بعد مسیحی منادوں نے اپنی امیدوں کو پردہ راز میں نہیں رکھا انہوں نے بھی بہانگ دہل یہ اعلان کر دیا کہ مغربی تعلیم کی اشاعت کے نتیجے میں دیسی مذاہب کی عمارتیں مسمار ہو جائیں گی۔ (۶۶)

اگر مسلمانوں کے ذہن میں ان شبہات کی تخم ریزی کے لیے مسیحی مبلغین نہ بھی موجود ہوتے تو بھی نئی تعلیم کو اختیار کرنے میں مسلمانوں کی طرف سے دوری کی وجوہ کچھ اور بھی تھیں۔ برصغیر میں اس تعلیم کی جب ابتداء ہوئی تو اس پر مسیحی تبلیغ کا زبردست رنگ چڑھا ہوا تھا بلاشبہ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ جن ہندوؤں نے اسے پہلے حاصل کیا تھا ان میں سے بہت سوں نے تبدیل مذہب کر لیا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد جب انگریزوں نے مذہبی غیر جانبداری کی حکمت عملی اختیار کی اور سکولوں اور کالجوں کی تعلیم کو قطعی لادینی بنا دیا تو اس نئی تعلیم کا رشتہ ہر قسم کی اخلاقی تعلیم سے منقطع ہو گیا۔

اس سوال کے جواب میں کہ حکومتی تعلیمی اداروں سے مسلمانوں نے کس قدر فائدہ اٹھایا؟ مسلمانوں کا طرز عمل بالکل منفی نہ تھا۔ جب کلکتہ کے مدرسے میں انگریزی زبان اور جدید علوم جاری کیے گئے تو مسلم طلباء انہیں پڑھنے کے لیے آگے بڑھے۔ ان میں سے بعض عام سکولوں میں بھی گئے تھے مگر جب ملازمتوں میں امتیاز برتا گیا تو ان کی ہمتیں ٹوٹ گئیں۔ (۶۷) نئے علوم کی طرف اسی صورت متوجہ ہو سکتے تھے جب ان سے روزگار کے بہتر مواقع حاصل ہوتے مگر جب ملازمتیں دینے سے انکار کیا گیا تو اوسط درجے کے مسلمان کے لیے بھی کوئی جاذبیت باقی نہ رہی۔

ان تمام حالات پر اشتیاق حسین قریشی نے یوں روشنی ڈالی ہے

> "مسلمان اپنی سلطنت سے ہاتھ دھو چکے تھے وہ انگریزوں کو ایسی قوت سمجھتے تھے جو ان کے مصائب کی ذمہ داری تھی۔ زوال سلطنت کے بعد انہیں سخت پریشانیوں کا سامنا تھا۔ حکومت کو مسلمانوں کی ان مشکلات کا احساس ہونا چاہیے تھا اور ان کی تذلیل اور معاشی مصائب کو ہلکا کرنا چاہیئے تھا اس کے بجائے ایسی تدابیر اختیار کی گئیں جن کے معکوس نتائج برآمد ہوئے۔ مسلمانوں سے مصالحانہ برتاؤ کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی اگر کچھ مراعات دی گئیں تو وہ ہندوؤں کے لیے مخصوص کر دی گئیں۔ (۶۸)

فصل چہارم : مسیحی تبشیری سرگرمیوں کا فروغ۔

برصغیر پر مسیحیت کے اثرات تو مغلیہ عہد ہی میں پڑ چکے تھے تاہم ان کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ایک غیر ملکی مذہب اور عقیدے کی تھی اور مسلمانوں میں عمومی طور پر مسیحیت کو فروغ نہ ہوا تھا۔ مگر انگریزوں کے تسلط کے ساتھ ساتھ مسیحیت بھی اپنے تمام تر لوازمات کے ساتھ در آئی اور حکومتی و سرکاری سطح پر اس کو فروغ دیا گیا۔ (۶۹) اس امر کی تائید ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹروں کی مجلس کے صدر مسٹر منگلز کے اس بیان سے ہوتی ہے جو اس نے ۱۸۵۷ء پارلیمنٹ میں دیا

> "قدرت نے ہندوستان کی وسیع سلطنت انگلستان کو تفویض کی ہے، تاکہ مسیح کا جھنڈا ہندوستان کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک فاتحانہ لہرائے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی قوت صرف کر دے تاکہ تمام ہندوستان کو عیسائی بنانے کا کام جاری رکھنے میں کسی وجہ سے کوئی تعویق نہ ہو سکے"۔ (۷۰)

چنانچہ ان عزائم کے پیش نظر برصغیر میں مسیحیت کی اشاعت کے لیے بھرپور سرگرمیاں اختیار کی گئیں جنکا مختصر ذ

مناسب ہوگا۔

۱۷۸۴ء میں انگریزوں نے جب مدراس پر قبضہ کیا تو ان کا طریقہ یہ تھا کہ جس مقام پر قبضہ کرتے وہاں برطانوی، امریکی اور جرمن مسیحی مناّدوں کی ٹڈی دل فوج شہروں، قصبوں، دیہاتوں، جنگلوں، پہاڑوں، بازاروں اور محلوں میں پھیل جاتی اور مسیحیت کی تبلیغ کرتی، سکول کھولے جاتے، ہسپتال قائم ہوتے، طالب علموں اور مریضوں میں نصرانیت کی حقانیت ثابت کی جاتی اور اسلام کی تکذیب، تحقیر کی جاتی اور ان کاموں میں حکمران بھی حصہ لیتے۔ (۷۱) ۱۷۵۷ء میں تعلیم کے نام پر حاکم اعلیٰ (کلکتہ) نے نصرانیت کا پروپیگنڈہ سکولوں میں شروع کر دیا تھا اس زمانہ میں کلکتہ کے اندر لوٹ مار ہوئی تو میر جعفر سے جرمانہ وصول کر کے کلکتہ میں فری سکول قائم کیا گیا اس کے مہتمم خود گورنر مقرر ہوئے۔ اس مدرسہ میں تعلیم کی غرض و غائیت یہ ہوتی تھی کہ اس میں ہر قوم کا وہ بچہ جسکی عمر پانچ سے دس سال تک ہوتی داخل ہو سکتا تھا۔ ہر طالب علم کے لیے یہ لازم تھا کہ وہ مسیحی دعاؤں میں شریک ہو اور بائبل کی تعلیم ضرور حاصل کرے۔ (۷۲)

فروغ عیسائیت کا پہلا حکومتی منصوبہ اس وقت سامنے آیا جب لارڈ منٹو کے دور میں چارٹر ایکٹ ۱۸۱۳ء منظور ہوا۔ جس کے تحت مسیحی مناّدوں کو تبشیری سرگرمیوں کے لیے باقاعدہ اجازت نامے جاری ہونے لگے اور حکومی سرپرستی میں تبشیری سرگرمیاں فروغ پانے لگیں۔ (۷۳)

۱۸۳۷ء میں ایک قحط پڑا۔ ان یتیموں اور بچوں کو، جن کے سرپرست ان کی کفالت کرنے کے قابل نہیں تھے مسیحی مناّدوں کے حوالے کر دیا گیا۔ جو ہندو اور مسلمان اپنے ہم مذہب بچوں کی پرورش کرنا چاہتے تھے انہیں اجازت نہیں دی گئی تھی۔ سر سید احمد خان کو بھی وہ بچے جن کی وہ پرورش کر رہے تھے مسیحی مناّدوں کے حوالے کرنے پڑے۔ (۷۴) شروع سے آخر تک انگریزوں کے دور میں وہ تمام بچے جو کہیں پڑے ہوئے ملتے تھے اور جن کے والدین کا پتہ نہیں چلتا تھا عیسائیوں کے تبلیغی اداروں کو دے دیئے جاتے تھے یہ عمل احتیاط کے ساتھ کیا جاتا تھا اور کوئی اسکی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ مگر جہاں بچے کے والدین اور اس کے مذہب کا علم ہو جاتا تو معاملہ کچھ اور ہو جاتا تھا اور اس کی وجہ سے بہت زیادہ بے اطمینانی پیدا ہو جاتی تھی۔ (۷۵)

مسیحی سرگرمیوں کے اہداف خصوصی طور پر نظام تعلیم اور تعلیمی ادارے تھے اور انگریزی تعلیم دینے کی غرض، ہندوستان میں عیسائیت ہی کی تبلیغ کرنا تھی۔ چنانچہ آنرایبل مسٹر چارلس گرانٹ، ڈائریکٹر کمپنی کے بیان میں:

> "یہ بالکل انگلستان کے اختیار میں ہے کہ وہ ہندوؤں کو بتدریج ہماری زبان سکھائے اور بعد میں
> اسی کے ذریعے ہمارے فنون و فلسفہ و مذہب کی تعلیم دے مگر بلاشبہ سب سے اہم تعلیم جو
> ہندوؤں کو ہماری زبان کے ذریعے ملے گی وہ ہمارے مذہب کی معلومات ہوں گی مسلمانوں

عموماً اور خصوصاً سرکاری معزز نوکروں کے پاس چٹھیاں بھیجیں جن کا مطلب یہ تھا: اب تمام ہندوستان میں ایک عملداری ہو گئی، تار برقی سے سب جگہ کی خبر ایک ہو گئی، ریلوے سڑک سے سب جگہ آمد و رفت ایک ہو گئی، مذہب بھی ایک چاہیے، اس لیے مناسب ہے کہ تم لوگ بھی عیسائی ایک مذہب ہو جاؤ۔ میں سچ کہتا ہوں کہ ان چٹھیات کے آنے کے بعد خوف کے مارے سب کی آنکھوں میں اندھیرا آگیا، پاؤں تلے کی مٹی نکل گئی۔ سب کو یقین ہو گیا کہ ہندوستانی جس وقت کے منتظر تھے، وہ وقت قریب آگیا اب جتنے سرکاری ملازم ہیں اوّل ان کو کرسٹان ہونا پڑے گا اور پھر تمام رعیت کو، سب لوگ بے شک سمجھتے تھے کہ یہ چٹھیاں گورنمنٹ کے حکم سے آئی ہیں۔ (۸۰) حکام اور مسیحی منادوں میں قریبی رابطہ ہونے کی وجہ سے تبشیری سرگرمیوں کو حکومت کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔ سر سید احمد خان نے ان حالات پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے، لکھتے ہیں:

> "ہماری گورنمنٹ کی ابتدائی حکومت ہندوستان میں مذہب پر گفتگو بہت کم تھی، روز بروز زیادہ ہوتی گئی اور اس زمانہ میں بدرجہ کمال پہنچ گئی اس میں کچھ شک نہیں کہ ہماری گورنمنٹ کو ان امور میں کچھ مداخلت نہیں تھی مگر ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ یہ سب معاملے بموجب حکم اور بموجب اشارے اور مرضی گورنمنٹ کے ہوتے ہیں سب جانتے ہیں کہ پادری صاحبوں کو گورنمنٹ نے ہندوستان میں مقرر کیا ہے اور گورنمنٹ سے پادری تنخواہ پاتے ہیں"۔ (۸۱)

ہندوستان میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی ہندو عیسائی ہوتا تھا اس کو شاستر کے مطابق ہندو محروم الارث کر دیتے تھے جن سے پادریوں کو آسانی کے ساتھ ہندوؤں کو عیسائی بنانے میں دقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ لارڈ ہارڈنگ نے اس پریشانی کا سدباب کرنے کے لیے ایکٹ ۱۸۵۰ء نافذ کیا جس کی رو سے کسی بھی ہندو کو عیسائی مذہب قبول کرنے کی صورت میں وراثت سے محروم نہ ہونا پڑے گا۔ (۸۲)

انگریزی حکام نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے مخصوص مذہبی نشانات کو مٹانے کی بھی کوشش کی اور ۱۸۰۸ء میں پہلی بار ویلور مدراس میں سرجان کراڈاک کمانڈر انچیف نے اپنے فوجی قوانین میں تین باتوں کا اضافہ کیا اور حکم دیا کہ ہندوستانی فوجی ماتھے پر تلک نہ لگائیں، ڈاڑھیاں منڈائیں اور اپنی ہندوستانی وضع کی ٹوپیوں کو چھوڑ کر انگریزی ہیٹ پہنیں۔ (۸۳)

اسی پر بس نہیں کیا جاتا تھا بلکہ حکام شہر اور افسران فوج اپنے ماتحتوں سے مذہبی باتیں کرتے تھے اپنی کوٹھیوں پر بلا کر پادریوں کی تلقین کراتے تھے لیفٹیننٹ کرنل وہلر جو ایک رجمنٹ کا کمانڈر تھا اس نے ۱۸۵۷ء میں بڑے فخر سے کہا "بیس برس سے کچھ زیادہ دنوں سے میری عادت رہی ہے کہ سب قسم کے آدمیوں کو بغیر کسی تمیز کے وعظ سناتا ہوں مسیح کا سپاہی ان کر خدا کے

احکام اور سرکاری کمپنی کا پابی ان کر اس کے احکام سناتا ہوں"۔ (۸۴)

مسلمان ان طریقوں سے خوش نہیں تھے جو مسیحی مبلغین نے اختیار کیے تھے ان کے اصول کار توہین آمیز اور بھونڈے تھے۔ انیسویں صدی کے پہلے نصف میں کمپنی کے دیوانی اور فوجی حکام میں تبلیغی جوش و خروش عام تھا بعض اوقات خود مقامی حکام مسیحی مبلغوں کی حیثیت سے کام کرتے تھے اور ان کے لیے یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی کہ مسلمان اور ہندوں کے مذہبی اجتماعات اور جلسوں میں چلے جائیں اور سامعین کے سامنے کھڑے ہو کر گالیوں کی بوچھاڑ کے ساتھ ان کی مذہبی غلطیاں ظاہر کرنے لگیں۔ (۸۵)

فرانسیسی مستشرق گارساں دو تاسی لکھتے ہیں:

"مسیحی مبلغین اپنا مذہبی جوش ظاہر کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ میلوں کے موقعوں پر، جو مذہبی اور تجارتی دونوں اہمیت رکھتے ہیں، ہندوستانیوں کے جم غفیر میں وہ اپنے خیمے لگا لیتے ہیں۔ وہاں تقریر اور وعظ کرتے ہیں۔ رسالے تقسیم کرتے ہیں۔۔۔" (۸۶)

یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور ان کے علاوہ مسیحی متاد کتابیں، پمفلٹ اور اخبارات بھی شائع کر رہے تھے اور ان میں جناب رسول مقبول ﷺ اور قرآن مجید پر حسب ذیل الزامات علی الاعلان عائد کر رہے تھے

۱۔ قرآن مجید اصل نہیں ہے اس میں تحریف ہوئی ہے۔

۲۔ قرآن مجید میں کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ توریت و زبور سے سرقہ کی گئی ہے اس کے علاوہ اس میں جو کچھ ہے وہ (نعوذ باللہ) یہودیوں کی خرافات ہیں۔

۳۔ نبی کی نبوت کے لیے معجزے ضروری ہیں لیکن محمد رسول اللہؐ سے کسی معجزے کا ظہور نہیں ہوا اس بنا پر (نعوذ باللہ) آپ نبی نہیں تھے۔

۴۔ اسلام جھوٹ کی تعلیم دیتا ہے۔

۵۔ کتاب مقدس کے مطالب قرآن و حدیث کے خلاف ہیں اس لیے قرآن کتاب الہیٰ نہیں ہے۔

۶۔ اسلام جہاد (بزور شمشیر) کے ذریعے پھیلا ہے۔

۷۔ محمد رسول اللہ ﷺ کو وحی نہیں آتی تھی بلکہ وہ مرگی کی بیماری تھی جس میں (نعوذ باللہ) وہ مبتلا تھے۔

۸۔ حضور اکرمؐ کی ذات اقدس پر شرمناک حملے کیے جاتے تھے۔

۹۔ ازواج مطہرات کی ذات پر ناپاک الزامات عائد کیے جاتے تھے۔ (۸۷)

مسیحی مبلغین سربازار چیلنج کرتے پھرتے کہ ان الزمات کا جواب دو، جواب دینا تو کجا مسلمان ان ناقابل برداشت الزمات کو سنتا اور خاموش ہو جاتا عیسائیوں کی تبلیغ کی وجہ سے مسلمانوں کے خاندان کے خاندان عیسائی ہونے لگے۔ چنانچہ عماد الدین پانی پتی مع اپنی اولاد کے عیسائی ہو گئے اور ان کے باپ چراغ الدین اور ان کے بھائی خیر الدین نے بھی مذہب مسیحیت اختیار کر لیا۔ اس طرح صفدر علی اور رجب علی بھی اسلام کو خیر باد کہہ کر عیسائی پادری بن گئے۔ (۸۸)

سید ابو الحسن علی ندوی ؒ نے ان حالات کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

> "یورپ کی مسیحی مشنریاں پوری آزادی کے ساتھ حکومت وقت کی سرپرستی اور کفالت میں شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں اپنے جال بچھائے ہوئے تھیں ہزاروں کی تعداد میں عیسائی مبلغین ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے۔ سینکڑوں ناخواندہ اور نیم تعلیم یافتہ افراد اقبال مند فاتح قوم کا مذہب اختیار کر رہے تھے اور ان کی ظاہری شان و شوکت، حکومت و قوت کمزور ناخواندہ افراد کے نزدیک حقانیت کی دلیل تھی"۔ (۸۹)

مولانا رحمت اللہ کیرانوی ؒ نے دفاع اسلام کا عظیم الشان کارنامہ ایسے ہی زمانہ میں سر انجام دیا جو انتہائی نازک اور صبر آزما تھا اور ان کا حریف وہ تھا جس کو زمانے کے سب سے بڑے فاتح گروہ کی پشت پناہی حاصل تھی اور وہ بڑی دنیاوی طاقت اس کی سرپرست تھی جس کے قلمرو میں آفتاب نہیں غروب ہوتا تھا اور جس کے تمدن تہذیب اور تعلیم کی پوری دنیا میں دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ دوسری طرف مولانا کیرانوی ؒ اپنے حریف کے برعکس ایسی قوم کے فرد تھے جو شکست خوردہ بھی تھی اور شکستہ دل بھی اور آزمائش کے سنگین ترین وقت سے گذر رہی تھی۔ (۹۰)

حواشی و تعلیقات (باب دوم)

(۱) توما قوام رسول (اعمال ۱:۱۰-۱۲) مسیحی مورخوں کے مطابق ۴۸ء میں ٹیکسلا آئے۔ چار سال تبشیری کام کیا ۵۲ء میں مدراس کی پہاڑیوں پر انہیں شہید کر دیا گیا تفصیلات کے لئے دیکھئے: صلیب کے ہر اول، حصہ دوم، ص ۱۰۶؛ رسولوں کے نقش قدم پر، ص ۳۷؛ تاریخ کلیسائے پاکستان، ص ۳۴-۴۰؛ مقدس تومارسول اور کلیسا، کیتھولک نقیب کارتیاس، ۱۵ جولائی ۱۹۹۴ء۔

(۲) آثار رحمت، ص ۳۳۔

(۳) جنگ آزادی کے مسلم مشاہیر، ص ۷، نیز دیکھئے:

Samuel Man der, *The Treasure of History*, London,1858.P777.

(۴) آثار رحمت، ص ۳۳۔

(۵) تاریخ ہندوستان، ج ۸، ص ۳۱۲؛ آثار رحمت، ص ۳۳۔

(۶) تاریخ ہندوستان، ج ۸، ص ۳۱۳، نیز دیکھئے تاریخ کلیسائے پاکستان، ص ۶۸؛ احمد، سرور، ملک، اکیسویں صدی کے استقبال کی تیاریاں اور مسلمان، ہزار سالہ صلیبی مظالم کی فکر انگیز روداد، میدار ڈائجسٹ (لاہور) مئی ۱۹۹۹ء، ص ۲۴، ۲۵۔

(7) *The Jesuites and the Great Mughal*, P 23.

(۸) محمد اسلم، دین الٰہی اور اس کا پس منظر، ندوۃ المصنفین (طبع اول) دہلی ۱۹۶۹ء، ص ۱۹۳۔

(9) *The Jesuites and the Great Mughal*, P 24.

(10) Ibid, P 24.

(11) Ibid, P 25.

(12) Ibid, P 26.

(13) Felix, Father, Rev., Mughal Farmans Perwanahs and Sands, ,Agra,1906,P16

نیز دیکھئے۔ محمد اکرام شیخ، رود کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲ کلب روڈ لاہور، ۱۹۸۴ء، ص ۱۳۸۔

(14) Akbar's Religious Thought Reflected in Mughal Paintings, P 33.

(۱۵) رقعات ابوالفضل، دفتر اول، ص ۳۸۔

(16) *The Jesuites and the Great Mughal*, P 26

(۱۷) تفصیلات کے لئے دیکھئے آثار رحمت، ص ۲۰، ۲۱؛ دین الٰہی اور اسکا پس منظر، ص ۱۶۵؛ رود کوثر، ص ۱۱۷۔

(۱۸) دین الٰہی اور اسکاپس منظر، ص ۱۶۶؛ رود کوثر، ص ۱۱۶۔

(19) *The Jesuites and the Great Mughal*, P 50

(۲۰) نقوش، لاہور نمبر، ص ۶۸۳۔

(21) Akbar and the Jesuits, P 112,113

(۲۲) تاریخ کلیسائے پاکستان، ص ۶۳۔

(۲۳) دین الٰہی اور اس کا پس منظر، ص ۱۶۷۔

(24) *Akbar and the Jesuits*, C H Payne, London,1926, P 31

(25) *The Jesuites and the Great Mughal*, P 34

(۲۶) Ibid, P 25. نیز دیکھئے مریم فرانسس، بر صغیر میں نو آبادیات اور مسیحیت، عالم اسلام اور عیسائیت (اسلام آباد) ۹: ۱۳ اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۹۹ء، ص ۴۰۔۴۲۔

(۲۷) مآثر الامراء، ج ۲، ص ۱۱۷۔

(۲۸) Akbar and the Jesuits, P 25. اتفاق سے مرآۃ القدس، ۱۶۰۲ء کا لکھا ہوا ایک مخطوطہ برٹش میوزیم لندن میں محفوظ ہے اس کے دیباچہ میں زیویر نیو شو یا نے اس امر کی صراحت کی ہے کہ یہ نسخہ اس نے بادشاہ کے حکم سے لکھا ہے۔

(۲۹) منتخب التواریخ، ج ۲، ص ۲۶۰؛ *The Jesuites and the Great Mughal*, P 304 ابوالفضل اور بدایونی دونوں اس امر پر متفق ہیں کہ اکبر صبح کے وقت ایک جھروکہ میں آکر اپنی رعایا کو درشن دیا کرتا تھا ممکن ہے کہ اکبر نے یہ چیز عیسائی پادریوں سے سیکھی ہو کیونکہ ان کے ہاں بھی پاپائے اعظم اتوار کے روز سکا ئینٹ پیٹرز کے جھروکہ میں آکر اپنے معتقدین کو درشن دیتا تھا۔ (دین الٰہی اور اس کا پس منظر، ص ۱۷۰)

(۳۰) *The Jesuites and the Great Mughal*, P 304. آثار رحمت، ص ۲۰؛ مونسر ٹس کنٹری، ص ۱۳۰۔

(۳۱) منتخب التواریخ، ج ۲، ص ۲۶۹؛ آئین اکبری، ج ۱، ص ۲۵۰؛ رود کوثر، ص ۱۱۳۔

(۳۲) منتخب التواریخ، ج ۲، ص ۲۷۳؛ دین الٰہی اور اس کا پس منظر، ص ۱۷۱۔

(۳۳) دین الٰہی اور اس کا پس منظر، ص۱۷۲؛ تاریخ کلیسائے پاکستان، ص۶۲۔

(۳۴) تاریخ کلیسائے پاکستان، ص۶۶۔

(۳۵) نفس مصدر، ص۶۸۔

(۳۶) مغلیہ سلطنت اور مسیحیت، ص۲۰۲ ہماری داستان، ص۲۱؛ تاریخ کلیسائے پاکستان، ص۶۸۔

(۳۷) صلیب کے علمبردار، ص۱۳۶؛ تاریخ کلیسائے پاکستان، ص۷۴۔

(۳۸) جنگ آزادی کے مسلم مشاہیر، ص۷۔

(۳۹) نفس مصدر، ۶، ۷؛ تاریخ کلیسائے پاکستان، ص۵۵، ۶۷۔

(۴۰) علماء ہند کا شاندار ماضی، ج ۲، ص۷۵؛ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، ص۵۱۔

(۴۱) جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، ص۵۱۔

(۴۲) واقعات دار الحکومت دھلی، ص۶۸۲۔

اسی سلطنت کو دلی والے طنزاً کہا کرتے تھے 'بادشاہی شاہ عالم از دلی تاپالم'۔

(۴۳) جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، ص۵۳۔

(۴۴) غدر کی صبح وشام، ص۲۸؛ تاریخ عروج عہد انگلشیہ، ص۲۳؛ موج کوثر، ص۷۳؛ علماء ہند کا شاندار ماضی، ج۲، ص۷۶۔

(۴۵) علماء ہند کا شاندار ماضی، ج۲، ص۲۰۱؛ Ulma in Politics, P 54.

(۴۶) موج کوثر، ص۷۳، نیز دیکھئے ہنٹر .The Indian Muslmans P 140,141؛ احمد خان سید، سر، اسباب بغاوت ہند، اردو اکیڈمی سندھ کراچی ۱۹۸۶ء، ص۱۱۳۔

لارڈ میو نے یہ سوال اٹھایا تھا کیا ہندوستانی مسلمانوں پر ان کے مذہب کی طرف سے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ملکہ کے خلاف بغاوت کریں؟ ڈبلو۔ ڈبلو۔ ہنٹر (W W Hunter) کی کتاب The Indian Muslamans اس سوال کے جواب میں لکھی گئی۔ ۱۸۷۱ء میں اسکی پہلی اشاعت ہوئی، کتاب کا چوتھا باب خاص طور پر مسلمانوں کے حالات پر صرف کرتا ہے۔

(47) Hunter, P 140,141; Grant, P 240.

(۴۸) قریشی اشتیاق حسین The Muslim Community of the Ind-Pak Subcontinent بر اعظم پاک وہند کی ملت اسلامیہ، (مترجم ہلال احمد زبیری) شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی یونیورسٹی،

۱۹۸۳ء، ص ۲۷۷۔

(49) East India Papers, Vol II, P 183,184

(50) Hunter, P167

(۵۱) اسباب بغاوت ہند، ص ۱۳۸، ۱۳۹۔

(52) Hunter, P 158

(۵۳) برعظیم کی پاک وہند کی ملت اسلامیہ، ص ۲۷۹،۱۲۸؛ اسباب بغاوت ہند، ص ۱۲۸۔

(54) Hunter, P 151.

(۵۵) اسباب بغاوت ہند، ص ۱۸۴، ۱۸۵۔

(۵۶) اسباب بغاوت ہند، ص ۱۸۹، ۱۹۰؛ Thompson and Garratt, P 444

(۵۷) پلاسی کی لڑائی، جس نے انگریزوں کو حقیقی اقتدار عطا کیا ۱۷۵۷ء میں لڑی گئی دیوانی ۱۷۶۵ء میں منتقل ہوئی۔

(Thompson and Garratt, P 90,91,104)

(۵۸) اسباب بغاوت ہند، ص ۱۵۲، ۱۵۳۔

(59) Wilson, Horce Hayman, P 378)

(۶۰) کمپنی کی حکومت، ص ۲۳۔

(61) Bengal Past and Present, Vol VI, P109,111;

اسباب بغاوت ہند، ص ۱۳۲

(62) Hunter, P 193

(63) Ibid, P 178.

(۶۴) اوقاف و جاگیر کی ضبطی کی کاروائی کے لیے ملاحظہ ہو Hunter, P 178-178 نیز اسباب بغاوت ہند، ص ۱۳۲۔

(65) Hunter, P 175.

(66) Ibid, P 136

(67) Ibid, P 162

(۶۸) برعظیم پاک وہند کی ملت اسلامیہ، ص ۲۹۲۔

(69) Muir, P 40,41, Short History of the Church, P 396

(70) The Indian war of Independence, P 51,52

(۷۱) اسباب بغاوت ہند، ص ۱۲۲، فرنگیوں کا جال، ص ۵، علماء ہند کا شاندار ماضی، ج ۴، ص ۳۷۔

(۷۲) آثار رحمت، ص ۳۷، اسباب بغاوت ہند، ص ۱۲۳۔

(۷۳) تاریخ کلیسائے پاکستان، ص ۸۵۔

اس نو آبادیاتی دور میں فرنگستان سے آنے والے چند مسیحی منادیہ ہیں

۱۔ ہنری مارٹن .(Hunery Marton م: ۱۸۱۲ء)۔

۲۔ ولیم کیری (William Carey م ۱۸۳۴ء)۔

۳۔ جان نیوٹن :(Jhon Neuton م ۱۸۵۰ء)۔

۴۔ تھامس ہنٹر (Thomas Hunter)(م ۱۸۵۷ء)۔

۵۔ سی۔ جی۔ فانڈر :(C.G Pfander م: ۱۸۹۸ء)۔

۶۔ چارلس ولیم فورمن (Charles William Forman م ۱۸۷۸ء)۔

۷۔ اینڈریو گورڈن (Andrew Gorden م ۱۸۸۷ء)۔

۸۔ رابرٹ کلارک (Robert Clark م ۱۹۰۰ء)۔ (صلیب کے علمبردار، ص ۱۰۲، تاریخ کلیسائے پاکستان، ۹۹-۱۱۲۔

(۷۴) برعظیم پاک وہند کی ملت اسلامیہ، ص ۲۶۳، اسباب بغاوت ہند، ص ۱۲۰، ۱۲۱۔

(۷۵) آثار رحمت، ص ۳۸۔

(۷۶) اسباب بغاوت ہند، ص ۱۳، نیز دیکھئے علماء ہند کا شاندار ماضی، ج ۴، ص ۳۶۔

(۷۷) رسالہ اسباب بغاوت ہند، ص ۱۲۳۔

(۷۸) نفس مصدر، ص ۱۲۵۔

(۷۹) نفس مصدر، ص ۱۲۹۔

(۸۰) نفس مصدر، ص ۱۲۹، ۱۳۰۔

(۸۱) نفس مصدر، ص ۱۲۱، ۱۲۲۔

(۸۲) نفس مصدر، ص ۱۳۳، ۱۳۴، آثار رحمت، ص ۳۸۔

(۸۳) آثار رحمت، ص ۳۹۔

(۸۴) تاریخ عروج عہد انگلشیہ، ص ۳۰۱، علماء ہند کا شاندار ماضی، ج ۴، ص ۴۰۔

(۸۵) برعظیم پاک وہند کی ملت اسلامیہ، ص ۲۹۳۔

(۸۶) گارساں دتاسی، حصہ دوم، ص ۲۰۔

(۸۷) آثار رحمت، ص ۳۹، ۴۰۔

(۸۸) نفس مصدر، ص ۴۱۔

(۸۹) ندوی، ابوالحسن علی، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مجلہ البعث الاسلامی (لکھنؤ) عدد ۹، جمادی الآخر ۱۳۹۹ھ، ص ۵۶۔

(۹۰) نفس مصدر، ص ۵۷۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ
کی
علمی خدمات

(تصنیفات وتالیفات کا جائزہ)

فصل اول :

رسائل، تراجم اور تقریظات۔

فصل دوم :

ازالۃ الاوہام، اعجازِ عیسوی اور ازالۃ الشکوک۔

فصل سوم :

اظہار الحق۔

فصل اول : رسائل، تراجم اور تقریظات۔

اس فصل کو مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے :

(ا) مطبوعہ رسائل۔

(ب) غیر مطبوعہ رسائل۔

(ج) اردو تراجم۔

(د) تقریظات۔

(ا)مطبوعہ رسائل۔

(۱) البحث الشریف فی اثبات النسخ والتحریف۔

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے تذکرہ نگاروں نے اسے براہ راست مولانا کی تالیف قرار دیا ہے۔[۱] جبکہ مذکورہ رسالہ کے سرورق پر یہ عبارت مرقوم ہے۔ 'الحمد اللہ وہ مباحثہ جو سنہ حال میں اکبر آباد کے اندر مجمع عام میں ہوا تھا بڑی صحت سے اس رسالہ میں ہے، اس عبارت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ مناظرہ اکبر آباد ۱۸۵۴ء کی روداد ہے اور خود مولانا کیرانوی کا بیان اس رسالہ کی بابت یہ ملتا ہے 'مولوی وزیر الدین نے جو اس مباحثہ کے دونوں جلسوں میں شریک تھے مباحثہ کی تقریر کو فارسی سلیس میں ضبط کر کے مع خطوط فریقین کے ایک رسالہ بنا کے 'البحث الشریف فی اثبات النسخ والتحریف' نام رکھا اس کو 'مطبع العلوم' کے اندر چھپوایا۔[۲] نیز مذکورہ رسالہ کے آخر میں یہ عبارت درج ہے

> "الحمد للہ والمنۃ کہ رسالہ مباحثہ و مناظرہ کہ از جناب مستطاب افضل العلماء کرام مولانا رحمت اللہ صاحب سلمہ اللہ تعالی الی یوم القیامہ و پادری فنڈرصاحب در بلدہ اکبر آباد در مجمع کثیر و انبوہ خاص و عوام شدہ بود اختتام یافت "۔[۳]

یہ رسالہ تین حصوں میں منقسم ہے :

قسم اول : مشتمل بر خطوط فریقین (صفحات ۶۰)۔

قسم دوم. مشتمل بہ تقریر طرفین در مسئلہ نسخ (صفحات ۴۰)۔

قسم سوم: مشتمل بہ تقریر جانبین در مسئلہ تحریف بعد انفراغ از خلد آبنظر احتیاط تقریر آں مباحثہ شریفہ از ملاحظہ اکثر حاضرین گزاریدہ مزید مہر و دستخط نشان رسانید شدہ (صفحات ۴۳)۔ (۴)

یہ تینوں حصے ایک رسالہ میں متوسط تقطیع پر فخر المطابع دہلی (شاہجہان آباد) باہتمام حافظ عبداللہ ۱۲۷۰ھ میں طبع ہوئے ہیں۔ مناظرہ کی مخاطبت کا براہ راست تعلق مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ سے ہے جس سے اس امر کا امکان ہے کہ وزیر الدین بن شرف الدین نے اسی بنا پر (قسم اول) رسالہ کی نسبت رحمت اللہ کیرانویؒ کی طرف کردی ہو۔

(۲) احسن الحدیث فی ابطال التثلیث۔ (۵)

مذکورہ رسالہ کی بابت مؤلف خود فرماتے ہیں،

"بعض احباب نے درخواست کی ہمارے نزدیک یوں مناسب ہے کہ تم ابطال التثلیث کو جو اس کے (ازالۃ الشکوک) مقدمہ کے امر تیسرے میں مبین ہے نکال کر اسکو جداگانہ کردو اور مواضع میں بقدر مناسب کے کچھ کچھ بڑھا دو پھر از سر نو اول سے چھپواؤ پس ان کی درخواست کے موافق میں نے ابطال التثلیث کو اس سے نکال کر اس میں اور ربط کر کے اس کو جداگانہ کردیا اور اس کا نام احسن الاحادیث فی ابطال التثلیث رکھا"۔ (۶)

۲۴ صفحات پر مشتمل رسالہ میں عقیدہ تثلیث کا عقلی و نقلی دلائل سے رد کیا گیا ہے۔ مطبعہ رضویہ دھلی میں ۱۲۹۲ھ میں طبع ہوا۔ لیکن مؤلفؒ نے اسے ۱۲۷۱ھ میں تالیف کیا۔ (۷)

(۳) التنبیہات فی اثبات الاحتیاج الی البعثۃ والحشر۔

۳۲ صفحات پر مشتمل اس رسالہ کی تالیف مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے جمادی الآخر ۱۲۸۱ھ میں قسطنطنیہ (ترکی) میں اس وقت کی جب مولانا سلطان عبدالعزیز خاں کی دعوت پر تشریف لے گئے۔ (۸) سب سے پہلے یہ کتاب رئیس الوزراء، خیر الدین پاشا تونسی کے مصرف پر طبع ہوئی بعد ازاں سلطان عبدالعزیز خاں نے اس کا ترجمہ عربی سے ترکی میں کرنے کا حکم دیا تو پھر ترکی زبان میں طبع ہوئی۔ مصر میں اظہار الحق کی طبعات ۱۳۰۹ھ، ۱۳۱۶ھ اور ۱۳۱۸ھ میں حاشیہ پر تین مرتبہ طبع ہوئی۔ (۹)

اس رسالہ میں مولانا کیرانویؒ نے ان بے دین اور ملحدین کے خیالات کا تعاقب کیا ہے جو عقلی بنیادوں پر حشر و نشر اور قیامت کا انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ رسالہ کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں:

"ان اکثر ابناء هذالزمان مالوا فی انکار الاحتیاج الی البعثة الی رای

جمهور البراهمة والصابئة والتناسخيّة، فاعتقدوا بان العقل البشری کاف فی تمیز الاشیاء النافعة عن المضرة، فالفعل الذی یحکم العقل بحسنه یفعل والذی یحکم العقل بقبحه یترک . فاردت ان اکتب رسالة وجیزة تنبه الناظر علی بطلا نهما، عقلا، والاحتیاج الی البعثة والحشر وهذه الرسالة مشتملة علی اثنی عشر تنبیهاً وسمیتها: التنبیهات". (۱۰)

رسالہ میں درج بارہ تنبیہات کے عنوانات یہ ہیں :

التنبیه الاول : بعثت اور نبوت کی ضرورت کا اثبات۔ (۱۱)

التنبیه الثانی: معاد جسمانی اور آخرت کے احوال کو سمجھنے کے لئے عقل مستقل ذریعہ نہیں۔ (۱۲)

التنبیه الثالث: بعثت محال بالذات نہیں۔ (۱۳)

التنبیه الرابع: احکام عبودیت کی حکمت سمجھنے سے انسانی عقل قاصر ہے۔ (۱۴)

التنبیه الخامس: نبی کے لیے اطلاع علی المغیبات کا حصول بعید نہیں۔ (۱۵)

التنبیه السادس: نبی کے لیے خوارق عادات کا ظہور مستبعد نہیں۔ (۱۶)

التنبیه السابع: نبی کے لیے علم ضروری نامے ہے جیسے ظہور معجزات۔ (۱۷)

التنبیه الثامن: تواتر مفید علم ہے۔ (۱۸)

التنبیه التاسع: فرشتے کے ذریعے نزول وحی اور اس کی سماعت عقل کے نزدیک مستبعد ہیں۔ (۱۹)

التنبیه العاشر: قدیم فلاسفہ کا مطلق انکار حشر اور اس کا بطلان۔ (۲۰)

التنبیه الحادی عشر: تمام اہل مذاہب اور فلاسفہ کے جمہور محققین حقیقت معاد پر متفق ہیں لیکن کیفیت معاد میں اختلاف ہے۔ (۲۱)

التنبیه الثانی عشر: حشر جسمانی عقلاً محال نہیں۔ (۲۲)

مذکورہ رسالہ پر الشیخ محمد مسعود سلیم کی اجازت سے جامعہ الازہر، کلیہ الدعوۃ الاسلامیہ، کے عمید (ڈین) جناب ڈاکٹر برکات عبدالفتاح دویدار نے تقدیم و تحقیق اور تعلیق کا فریضہ حسن و خوبی سر انجام دیا ہے۔ (۲۳) ضرورت اس امر کی ہے کہ مذکورہ

رسالہ کا ترجمہ دیگر زبانوں میں بھی کیا جائے۔

(ب) غیر مطبوعہ رسائل۔

(ا) البروق الامعہ:

عربی میں یہ رسالہ جس میں رسول مقبول ﷺ کی رسالت کا مدلل اثبات اور عقیدہ ختم نبوت پر فاضلانہ بحث کی گئی ہے۔ مذکورہ رسالہ کے صفحات کی تعداد بھی نامعلوم ہے۔ (۲۴)

(۲) معدل اعوجاج المیزان:

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کا یہ رسالہ پادری فانڈر کی مشہور تصنیف 'میزان الحق' کی ترمیم و تنسیخ اور اصلاح سے متعلق ہے۔ جب سید آل حسن موہانی نے میزان الحق کے جواب میں اپنی مشہور کتاب 'استفسار' تحریر کی، تو پادری فانڈر نے اس کی روشنی میں بعض ترامیم واصلاحات کیں۔ میزان الحق کا یہ نسخہ جسے مولانا کیرانویؒ (جدید) کہتے ہیں فارسی میں ۱۸۴۹ء اور اردو میں ۱۸۵۰ء میں طبع ہوا۔ مولانا کیرانویؒ نے قدیم و جدید نسخوں کا موازنہ کرتے ہوئے ان تمام ترمیمات و تحریفات کی نشاندہی کی ہے اور اس کا نام معدل اعوج المیزان رکھا ہے، پادری صفدر علی کے ایک مضمون (۲۵) سے اندازہ ہوتا ہے کہ مذکورہ رسالہ کا قلمی نسخہ ان کے پاس ہے۔ (۲۶)

(۳) تقلیب المطاعن:

عربی میں یہ رسالہ پادری لاسمنڈ کی کتاب 'تحقیق الدین الحق' مطبوعہ ۱۸۴۲ء کا جواب ہے، جس کا رد سید محمد آل حسن موہانی نے بھی کیا بعد ازاں پادری موصوف نے مولانا آل حسن کے رد کی روشنی میں مذکورہ کتاب میں ردوبدل کر کے ۱۸۴۶ء میں دوبارہ طبع کیا۔ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے تقلیب المطاعن کے نام سے اس کا رد کیا۔ (۲۷)

(۴) معیار التحقیق:

یہ رسالہ پادری صفدر علی کی کتاب 'تحقیق الایمان' کا جواب ہے۔ (۲۸)

مذکورہ بالا رسائل کے علاوہ مندرجہ ذیل رسائل کا بھی پتہ چلتا ہے۔

(۵) رسالہ فی الحشر۔

(۶) رسالہ فی وقت صلاۃ العصر۔

(۷) رسالہ فی ترک رفع الیدین فی الصلوۃ۔ (۲۹)

(ج) اردو تراجم۔

آداب المریدین۔ (۳۰)

کتاب : آداب المریدین۔

مصنف : شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ (۳۱)

مترجم: مولانا رحمت اللہ کیرانوی۔

مطبع: در مطبع خاص ہاشمی۔

سن اشاعت : ۱۲۸۵ھ۔

صفحات : ۸۰

یہ امر باعث حیرت ہے کہ زیر نظر ترجمہ کا ذکر مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے سوانح نگاروں نے بہت کم کیا ہے۔ شاید محض ترجمہ ہونے کی وجہ سے قابل اعتناء نہ سمجھا گیا ہو۔ اس کتاب و ترجمہ کی اہمیت کے پیش نظر اس کا مختصر پیش کیا جاتا ہے۔

اردو ترجمہ کے تین تمہیدی صفحات ہیں جس میں فاضل مترجم نے کتاب اور صاحب کتاب کا تعارف کرایا ہے، لکھتے ہیں

> ”تصوف میں آداب المریدین ایسی اچھی کتاب ہے کہ ہر زمانے کے خاص وعام اسے پسند کرتے ہیں اور ظاہر و باطن علماء اس کی تعریف کرتے ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ یہ کتاب قرآن حکیم، احادیث مبارکہ اور اجماعی مسئلوں کا خلاصہ ہے“۔ (۳۲)

تصوف کی اس کتاب کا ترجمہ کرنے کا حکم حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے دیا چنانچہ مترجم رقمطراز ہیں

> ”عارف باللہ حضرت شاہ امداد اللہ (مہاجر مکی) نے اللہ تعالیٰ ان کو دیر تک ہدایت وارشاد کا مسند نشین رکھے، مناسب سمجھا کہ اس کا ترجمہ سلیس اردو عبارت میں ہو جائے تاکہ ہندیوں کو عموماً اور جو عربی زبان سے زیادہ واقفیت نہیں رکھتے خصوصاً فائدہ ہو اور اس سیاہ نامہ کو ترجمہ کے لیے ارشاد کیا“۔ (۳۳)

مزید لکھتے ہیں :

"میں گو اس میدان کا مرد نہ تھا پر ان کے ارشاد کے موافق اسمیں قدم رکھا اللہ تعالیٰ ان کی دعا سے اس کو اختتام تک پہنچائے اور اس کو خاص و عوام میں مقبول کرے"

مترجم نے اس کے ساتھ ہی تین گزارشات کی ہیں :

اوّل   دعا سے مجھے یاد کریں، بھول چوک کی جگہ اصلاح کر دیں۔

دوم: ترجمہ لفظی نہیں کیا کیونکہ اس سے مطلب واضح نہیں ہوتا۔

سوم: بعض مقامات پر اپنی طرف سے الفاظ کا اضافہ کیا ہے تاکہ مطلوب کی وضاحت ہو سکے، لیکن اس سے شیخ کے اقوال پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ جہاں ان کے اقوال میں زیادہ ابہام نظر آیا ہے حاشیہ میں واضح کر دیا۔ (۳۴)

ترجمہ کے مباحث :

اصل کتاب میں فصول مذکور ہیں لیکن نمبروں کی ترتیب نہیں اس لیے فاضل مترجم نے بھی اس اسلوب کو ترجمہ میں برقرار رکھا ہے۔ کتاب کے مباحث کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(ا)   تصوف کے آداب۔ (۳۵)

(ب)   مریدوں کے آداب۔ (۳۶)

فصول کے اہم عنوانات یہ ہیں :

صفات باری تعالیٰ کا بیان، اعتقادات کا بیان، فقر اختیاری تونگری سے افضل ہے، فقر اور تصوف دو مختلف چیزیں ہیں، دین کے فروع اور ان کے احکام، تصوف میں مشائخ کے اقوال اور آداب، مذاہب کے احکام، عمدہ خصلتوں کا بیان، بندگی کے مقامات، قلبی کیفیات و اذکار، طریقت کے اختلافات، علم کی بزرگی و فضیلت، گفتگو اور کلام کے آداب، خلاف شرع امور قبول نہ کیے جائیں، مریدوں کے ابتدائی آداب، نفس کی نگہبانی اور اخلاق کی معرفت، آداب مجلس، لباس کے آداب، کھانے پینے کے آداب، ناپسندیدہ امور سے اجتناب، سونے کے آداب، سماع کے آداب، نکاح کے آداب، دعا اور سوال کے آداب، بیماری اور مرض کے آداب، موت کے آداب، صبر و امتحان کے آداب، رخصت پر عمل کرنے کے آداب۔

ترجمہ کے نمایاں پہلو :

اردو ترجمہ کے بغور مطالعہ سے مندرجہ ذیل پہلو سامنے آتے ہیں :

ا۔ قرآنی آیات و احادیث کا متن :

فاضل مترجم نے کتاب میں وارد شدہ قرآنی نصوص اور احادیث مبارکہ جو بڑی کثرت سے استعمال ہوئی ہیں ان کا متن درج کر کے سلیس ترجمہ بھی دے دیا ہے جس سے اصل کتاب کا حسن برقرار ہے۔

۲۔ مختصر حواشی :

فاضل مترجم نے ہر صفحہ پر مختصر حواشی بھی دے دیئے ہیں جس سے تفہیم میں سہولت پیدا ہو گئی ہے۔

۳۔ زبان و بیان کا قدیم اسلوب۔

کتاب کا ترجمہ ۱۲۸۵ھ میں کیا ہوا ہے اردو زبان اب تک ارتقاء کے کئی مراحل طے کر چکی ہے لہذا ترجمہ کا اسلوب بھی وہی ہے مثلاً۔

''اللہ ہمیں بچوں سے ہماری قامت رہتی والو کی درگی پر پہنچاوی ظاہری باطنی برائیوں سی
بچاوی جو بہتی کھلی اپنی خوشیو کی طلب کی توفیق دی اور اس سے جو ہمی کتاب میں جمع کیا ہی
ہمیں اور سب مسلمانوں کو نفع بخشی''۔ (۳۷)

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے تقریباً سوا صدی قبل کیے جانے والے اس ترجمہ کا موازنہ آج کے جدید اردو تراجم سے کیا جائے تو بعض پہلوؤں سے مولانا کا ترجمہ نمایاں نظر آتا ہے۔ (۳۸)

تاہم ضرورت اس امر کی ہے کہ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے ترجمہ کو جدید اسلوب میں ڈھالا جائے اور عربی نصوص کی تخریج کی جائے۔ مولانا محمد مسعود عظیم کیرانوی کے ایک مضمون سے پتا چلتا ہے کہ مذکورہ رسالہ پر ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے تحقیق کام کیا ہے لیکن تاحال زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکا۔ (۳۹)

۴۔ التحفة الاثنا عشریه فی الرد علی الروافض۔ (۴۰)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے مذکورہ فارسی رسالہ کا اردو میں ترجمہ کیا لیکن بوجوہ مکمل نہ ہو سکا غیر مطبوع ہونے کی وجہ سے اس کا سراغ نہ مل سکا ہے۔ (۴۱)

(د) تقریظات۔

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے بعض کتب پر تقریظات بھی تحریر کیں ان میں سے دو کتب نمایاں ہیں۔ ان کا مختصر تعارف و تقریظات، بعض مسلکی تناظر میں دلچسپی کا باعث ہیں۔ ہر دو کتب جنکا باہم تعلق کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ انوار الساطعہ در بیان مولود و فاتحہ مؤلفہ: عبدالسمیع رام پوری،(۴۲)

اس کتاب کا محرک یہ ہوا کہ بعض مسائل مثلاً مولود خوانی، مدحت رسول ﷺ، قیام موقت ذکر رسول ﷺ، فاتحہ خوانی اور ایصال ثواب پر دہلی کے تین غیر مقلدین علماء نے فتویٰ دیا کہ یہ بدعات میں شامل ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے مدرسین نے بھی اس پر تصدیقی مہر ثبت کردی۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے یہاں تک شدت اختیار کی کہ ایصال ثواب کی بعض صورتوں کے علاوہ دیگر تمام امور کو گناہ قرار دیا۔(۴۳)

یہ فتویٰ جب مطبع ہاشمی (میرٹھ) سے چھپ کر شائع ہوا تو مولوی عبدالسمیع رام پوری نے اس کے رد میں رسالہ "انوار الساطعہ در بیان مولود و فاتحہ" لکھا اور اس ضمن میں مولانا رشید احمد گنگوہی اور دارالعلوم دیوبند کے بزرگ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے تقریظ لکھوائی اور اس سے ثابت کیا کہ حاجی امداد اللہ میلاد کی مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں اور ہندوستان میں نعتیہ اشعار حضور اکرم ﷺ کی مدح میں کہتے ہیں۔ اسی پر مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے بھی تقریظ لکھ کر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے موقف کی تائید کی۔

انوار الساطعہ، کے رد میں کئی رسائل تالیف ہوئے من جملہ ان رسائل کے ایک رسالہ کے مولانا خلیل احمد انبیٹھوی نے براہین قاطعہ علی ظلام انوار ساطعہ، کے نام سے لکھا۔ مولانا رشید احمد گنگوہی نے مذکورہ رسالہ کی تصدیق کرتے ہوئے اسے الدلائل الواضحہ علی کراھۃ المروج من المولود و الفاتحہ سے ملقب کیا اور انہی کے حکم پر اسکی تالیف ہوئی۔(۴۴) جس میں امکان کذب باری تعالیٰ، امکان نظیر حضور اکرم ﷺ اور بعض دیگر مسائل پر بھی بحث کی گئی ہے۔

۲۔ تقدیس الوکیل عن توہین الرشید و الخلیل مؤلفہ: غلام دستگیر قصوری،(۴۵)

جب مولانا غلام دستگیر قصوری کو مولانا خلیل احمد انبیٹھوی کے اس موقف کا پتہ چلا تو خود انہیں سمجھانے کی کوشش کی بعد ازاں مسائل مذکورہ پر ہر دو اصحاب کے درمیان نواب بہاولپور نواب محمد صادق خان عباسی کی زیر نگرانی بہاولپور میں شوال ۱۳۰۶ھ میں مناظرہ ہوا جہاں پر مولانا خلیل احمد انبیٹھوی تدریسی فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ اس مناظرہ کے حکم غلام فرید (چاچڑاں شریف) مقرر ہوئے۔

مولانا غلام دستگیر قصوری نے اس مناظرہ کی روئیداد بصورت کتاب قلمبند کی جس میں امکان کذب باری تعالیٰ، امکان نظیر حضور اکرم، بشریت علم نبوی، مجلس میلاد، فاتحہ وغیرہ کے مسائل پر تفصیلی بحث شامل ہے۔

جب یہ کتاب طبع ہو کر منظر عام پر آئی تو ایک فریق نے یہ تاثر دیا کہ یہ نظریات محض علماء برصغیر کے ہیں اور علماء عرب ان کے ہم نوا نہیں ہیں چنانچہ مولانا غلام دستگیر قصوری ۱۳۰۷ھ کو عازم بیت اللہ ہوئے بحری جہاز میں کتاب کے بعض حصوں کا

عربی میں ترجمہ کیا اور وہاں پر حج کے ایام میں علماء عرب سے تقریظات لکھوائیں۔ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے بھی کتاب مذکور پر چند صفحات اطور تقریظ کے لکھے۔ (۴۶)

اس تقریظ میں مولانا رشید احمد گنگوہی کے بعض معتقدات پر گرفت کی گئی ہے نیز اس کی کئی وجوہات مثلاً تعصب برتنا، شہادت امام حسینؓ کا ایام عشرہ میں تذکرہ کی حرمت، حضور اکرم ﷺ کی ولادت کو ہندوؤں کی رسم سے تعبیر کرنا، علماء دیوبند کو علماء حرم سے افضل سمجھنا اور براہین قاطعہ میں مولانا عبدالسمیع رام پوری کے خلاف درشت روی اختیار کرتے ہوئے انھیں کافر و مشرک گروانا درج ہیں۔ آخر میں شدت اور تعصب سے بچنے کی تلقین نیز مولف کتاب (مولانا غلام دستگیر قصوری) کے لیے جزائے خیر کی دعا کی گئی ہے اس تقریظ پر مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے دستخط بھی فرمائے اور تاریخ ۵ ذی القعدہ ۱۳۰۷ھ رقم کی ہے۔ اس تقریظ کی تائید و تصدیق مولوی نور، مدرس اول مدرسہ صولتیہ اور قاری عبدالرحمٰن اور قاری عبداللہ نے بھی دستخط و تواریخ کے ساتھ کی ہے اور لکھا ہے کہ مولانا کیرانوی نے یہ رسالہ اوّل تا آخر سنا اور خود یہ تقریظ لکھوائی۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت مولانا کی بینائی زائل ہو چکی تھی، یہ تقریظ ان الفاظ کے ساتھ پیش کی گئی ہے "مولانا الفضل والکمال والثنا، محی السنۃ، قاطع البدعۃ، حضرت مولوی محمد رحمت اللہ صاحب مہاجر مکہ معظمہ، پاسبان حرمین شریفین"۔ (۴۷)

فصل دوم: ازالۃ الاوہام، اعجاز عیسوی اور ازالۃ الشکوک کا جائزہ۔

ا۔ ازالۃ الاوہام (فارسی)

نام کتاب: ازالۃ الاوہام۔
مؤلف: محمد رحمت اللہ۔ (۴۸)
مطبع: سید المطابع۔
مقام اشاعت: کوچہ بلاقی بیگم، شاہجہان آباد (دہلی)۔
باہتمام: سید قوام الدین احمد۔
سن اشاعت: ۱۲۶۹ھ (۱۸۵۲ء)۔
صفحات: ۵۶۴

زیر نظر کتاب مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی پہلی باقاعدہ تالیف ہے۔ ابتدا اسے اردو میں لکھا تھا لیکن بعد میں فارسی زبان

میں تحریر کیا، خود لکھتے ہیں :

"یہ کتاب میں نے پہلے اردو میں لکھی تھی لیکن اہل اسلام کے اہل علم فارسی زبان سے زیادہ رغبت رکھتے تھے اس لیے مجبوراً ان کے اصرار پر اس کو فارسی زبان میں تبدیل کیا"۔ (۴۹)

کتاب کے حاشیہ پر مولانا سید آل حسن موہانی کی رد مسیحیت میں مشہور تالیف استفسار لکھی ہوئی ہے۔

پس منظر :

یہاں پر مختصر اطور پر کتاب کے پس منظر پر روشنی ڈالی جاتی ہے کیونکہ یہی وہ حالات جن میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی ؒ نے اپنی لسانی و قلمی صلاحیتوں کو مکمل طور پر اس میدان میں وقف کرنے کا فیصلہ کیا، خود لکھتے ہیں

"انگریزوں کے تسلط کے بعد ابتدا تو ان کے علماء (پادریوں) کی طرف سے مذہب کی اشاعت و ترویج کا کوئی سلسلہ نہ شروع ہوا۔ لیکن بعد ازاں انہوں نے اسلام کے خلاف رسائل و کتب لکھنے شروع کر دیے اور تبشیری سرگرمیاں سرعام جاری ہونے لگیں۔ مسلمانوں نے ان کی سرگرمیوں اور کتب و رسائل کو در خور اعتناء نہ سمجھا مگر جب یہ حد سے بڑھنے لگے اور عوام الناس اور خصوصاً جہلاء پر اس کے اثرات مرتب ہونے لگے تو علماء اسلام کا ان کی تردید کی طرف رجحان ہوا۔ میں گوشہ گمنامی میں تھا اور علماء کے زمرہ میں بھی میرا شمار نہ ہوتا تھا لیکن جب میں نے ان کی تقریروں اور تحریروں کو دیکھا اور میرے پاس بہت سے مطبوعہ رسالے پہنچے تو میں نے چاہا کہ اپنی قابلیت کے مطابق ان کی تردید کرنے کی کوشش کروں تو چند رسالے حقیقت اظہار کے لیے لکھے"۔ (۵۰)

مولانا رحمت اللہ کیرانوی ؒ نے انہی حالات کے پیش نظر اپنے استاذ شاہ عبدالغنیؒ کی فرمائش پر ازالۃ الاوہام کی ترتیب دینا شروع کر دی ابھی کتاب مکمل نہ ہوئی تھی کہ آپ تپ ولرزہ کے مرض میں مبتلا ہو گئے۔ (۵۱)

مسودہ کتاب مولانا نورالحسن کاندھلوی ؒ کی خدمت میں :

کتاب طبع ہونے سے قبل ہی دہلی میں اس کی کافی شہرت ہو گئی تھی اور اس کی تردید کرنے اور جواب لکھنے کی تیاری پادری ماسٹر رام چندر جیسے لوگ کرنے لگے تھے۔ اس پر مولانا نے یہ طے کیا کہ اس کی طباعت واشاعت سے پہلے کتاب کا مسودہ کسی لائق وفاضل کو دکھا دیا جائے تاکہ اس میں جو سقم ہوں وہ دور ہو جائیں چنانچہ نظر انتخاب مولانا نورالحسن کاندھلوی (۵۲) پر پڑی۔ کتاب کا جتنا مسودہ مکمل ہو چکا تھا ایک خط کے ساتھ مولانا کی خدمت میں روانہ کیا یہاں پر اس خط کی عبارت نقل کی جاتی ہے جس سے

دونوں بزرگوں کی شخصیات کے بعض پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔

"مخدام جناب حضرت مولانا ملوک علی صاحب [۵۳] بذریعہ عنایت نامہ وہم بوساطت زبانی آیندگان آں صوب ،رسالہ ازالۃ الاوہام، راکہ ازتالیفات کمترین خلائق است بارادہ طبع اوطلب می فرمایند وخشک جانی دبی جوہری احقر راگرچہ بعض اولی الابصار بخوبی واقف اند۔ لیکن بندگان مولینا مفخم بہ سبب این کہ این بے نصیب گاہی درمحفل فیض مشاکل شان استفادہ نہ برداشتہ ،وقوف کی ینبغی انکم استعدادی این ہیچ میرز ندارند۔

ازیں جہت انار ساں آں توقع بکارامت کہ مبادا جناب مولانا پس ملاحظہ اش خیال طلب کردہ وسجیہ رضیہ بزرگان راکارفرمودہ خطا ہارا پوشیدہ بقالب طبع درآرند بعد ش زلات وخطایاایں سراپاخطادست آویز بر مخالف عنید گردد، وازاکثر اشخاص سراوسیلہ چشم پیش داشتن شود این کار خوردن ،بہرحال شیوہ محمود علاوہ ازیں چند منصتران ماننل ماسٹر رامچندر وغیرہ را ارادہ بود آن بعد دستیابی نسخہ اش درال موجود۔ زیادہ تر احتیاط بکاربردن راوا جب می سازد۔

ودریں ضلع سوائے ذات مصدر حسنات دیگر کسائے نیست کہ دریں باب ازوانش استصلاحااستفسارے دریں باب ازدانش استصلا حا استفسارے دریں باب بعمل آید۔ لہذا اکثر اجزایش کہ بمقابلہ ونظر ثانی درآمدہ اند روانہ خدمت والاسی شوند بشرط فرصت للہ ولرسولہ نظرے برآن فرمائید وجائے کہ بعہست کوتاہی استعدادم خطائے سرزدشدہ اصلاح نمائید۔ واگر شومی طالع ام کل قابل محو باشد وبہ فحوائے لن یصلح العطار ما افسدہ الدھر۔ اصلاحش بغایت شاق بر ذات مقدس باشد، تاہم شرف اطلاعی بود کہ تن چناں اوراگم کنم کہ مانند عنقا احدے بعد ش خبر نامش نشود، واز پوستن کردن خلائق امنیتی بدست آید وخدا ورسول شاہد

است کہ ہر قدر اصلاحی وتکمیلی کہ از بندگان حضرت رو خواہد داد۔ برائے
مستمام ھمال قدر جاگاہ عشرت خواہد گشت اگرچہ جاہلاں بست
بل عالماں ایں زماں ہم ازیں امر رنجیدہ می شوند مگر زماں از زمرہ علماء ایں
زمانم وبحمداللہ نہ جاہل بقدر سطور آنحضرت می دانم گو در ظاہر تا آلاں ازیں
است مشرف نگشتہ۔ (۵۴)

(جناب والا کے خادم حضرت مولانا مملوک علی صاحب بذریعہ عنایت نامہ اور آنے والوں کی زبانی (پیام بھیج کر) وہ کتاب ازالۃ الاوہام جو اس کمترین خلائق کی تصنیف ہے شائع کرنے کے ارادہ سے طلب فرما رہے ہیں۔ میری بے صلاحیتی اور بے جوہری سے اگرچہ بعض اہل علم ودانش اچھی طرح واقف ہیں لیکن مولانا صاحب کی ذات گرامی (شاید کہ اس وجہ سے کہ ناچیز کو بھی ان سے فیض یاب ہونے کا موقع نہیں ملا) میری کم استعدادی سے واقف نہیں ہیں اس وجہ سے مجھے اس کتاب کو چھاپنے کے لیے بھیجنے میں تامل ہو رہا ہے کہ مولانا (مملوک علی) اس کو ملاحظہ کے بعد محض اپنی طلب کی بنا پر بزرگوں کی پسندیدہ عادات کے موافق خطاؤں کو نظر انداز فرما کر طبع کرا دیں اور بعد میں اس ناچیز مولف کی لغزشیں اور فروگذاشتیں سخت مخالفین (عیسائیوں) کے لیے ثبوت اور دستاویز بن جائیں اور بزرگوں کے سامنے میری نگاہیں نیچی اور شرمندگی کا ذریعہ بنیں۔ اہل علم کے سامنے ایسی رسوائی اٹھانا بھی بہر حال پسندیدہ شیوہ ہے مگر اس کے علاوہ اہم بات یہ ہے) کہ دہلی کے چند نصرانی ماسٹر رام چندر وغیرہ اس کتاب کے حاصل ہونے کے بعد اس کی تردید کا ارادہ دل میں رکھتے ہیں جس کی وجہ سے بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

اس ضلع میں جناب کی ذات مجمع حسنات کے علاوہ دوسرا کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس سے اس میں اصلاح طلب کی جائے لہذا اس کتاب کے اکثر اجزا جو مقابلہ اور نظر ثانی کے بعد مکمل ہو گئے ہیں خدمت عالی میں روانہ کیے جا رہے ہیں لطف فرما کر اللہ اور اس کے رسول کی خاطر اس پر اصلاحی نظر فرمائیں اور جس جگہ بھی میری نظر کوتاہی سے کوئی غلطی ہو گئی ہو اس کی اصلاح فرمائیں اور اگر میری بدبختی سے سب قابل محو ہو (کالعدم) ہو اور لن یصلح العطار ما افسدہ الدھر (جس کو زمانے نے خراب کر دیا ہو عطار اسکو ٹھیک نہیں کر سکتا) کے مصداق ہو اور اس کا درست وصحیح کرنا جناب والا کے لیے نہایت مشقت واذیت کا باعث ہو تو اس صورت میں بھی اطلاع سے نوازیں تاکہ (اس کے بعد) اس کتاب کو اس طرح سے گم کر دوں کہ عنقا کی طرح کوئی اس کے نام کے علاوہ نہ کچھ سنے اور نہ دیکھے اور مخلوق کی اذیت رسانی سے نجات ملے) اور خدا اور رسول گواہ ہے کہ جس قدر بھی اصلاح اور ترمیم حضرت عالی کی جانب سے ہو گی مجھ پریشان حال مشتاق کے لیے وہی سامان نشاط وعشرت ہو گی اگرچہ جہلاء محض بلکہ اس زمانے کے علماء بھی اس بات سے رنجیدہ خاطر ہوں گے مگر میں نہ اس زمانے کے گروہ علماء میں ہوں اور بحمد اللہ نہ جاہل محض ہوں بلکہ اپنے آپ کو آنحضرت کے شاگردوں میں سے ادنیٰ شاگرد کے برابر جانتا ہوں اگرچہ بظاہر اب تک اس دولت سے مشرف نہیں ہوا ہوں)۔

کتاب کے مباحث پر ایک نظر:

زیر نظر کتاب میں حضور اکرم ﷺ کی نبوت و معجزات پر مسیحی معترضین کا جواب دیا گیا ہے اگرچہ یہی مباحث کسی قدر تفصیل کے ساتھ آپ کی دیگر کتابوں میں بھی مذکور ہیں مگر مختصر طور پر اس کے استدلال کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

کید سوم، کے تحت مولانا کیرانویؒ نے مسیحی علماء کا یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ مسلمان معراج پر یقین رکھتے ہیں حالانکہ آسمان کا پھٹنا اور پھر جڑنا (خرق والتیام) محال ہے نیز اتنی طویل مسافت کا مختصر وقت میں طے کرنا کس طرح ممکن ہے؟ (۵۵)

اس کا جواب مولانا نے دو پہلوؤں سے دیا ہے اول یہ کہ بائبل کی عبارات اس امر پر شاہد ہیں کہ آسمان میں بطور معجزہ ایسا ممکن ہے مثلاً کتاب پیدائش میں ہے:

''اور پانی رک گیا اور سمندر کے سوتے اور آسمان کے دریچے بند کیے گئے''۔ (۵۶)

زبور میں ہے:

''افلاک را از بالا فرمان دادہ بود و دریچہ ہائے آسمان را باز کردہ بود'' (۵۷)

انجیل مرقس میں ہے:

''غرض خداوند یسوع ان سے کلام کرنے کے بعد آسمان پر اٹھایا گیا اور خدا کی داہنی طرف بیٹھ گیا''۔ (۵۸)

دوم جہاں تک اس واقعہ کا خلاف عقل ہونے کا تعلق ہے تو معجزات ہمیشہ خرق عادت ہی ہوا کرتے ہیں عقل کی میزان پر پرکھنا از روئے بائبل بھی خلاف ہے مثلاً پولوس قرنتیوں کے نام پہلے خط کے تیسرے باب میں لکھتا ہے

> ''اس جہاں کی حکمت خدا کے آگے بے وقوفی ہے چنانچہ لکھا ہے کہ وہ حکیموں کو ان ہی کی چالاکی میں پھنسا دیتا ہے اور یہ بھی کہ خداوند حکیموں کے خیال کو جانتا ہے کہ باطل ہیں''۔ (۵۹)

کید چہارم، کے تحت مسیحیوں کا یہ اعتراض کہ اگر شق القمر، کا معجزہ مبنی بر حق ہوتا تو صرف یہ کہ سب ہی اس کا مشاہدہ کرتے اور جملہ مذاہب کی تمام تواریخ میں درج ہوتا، کا جواب یوں دیتے ہیں کہ مندرجہ ذیل واقعات کا بائبل میں صراحتاً ذکر ہے لیکن کیا اس دور کے تمام لوگوں نے ان کا مشاہدہ کیا ہے اور تمام کتب میں یہ درج ہیں جب کہ اسکے برعکس ان کے وقوع پذیر ہونے میں کسی کو انکار نہیں۔ (۶۰)

۱۔ طوفان نوح کا برپا ہونا۔ (۶۱)

۲۔ آفتاب کا ٹھہرنا۔ (۶۲)

۳۔ سایہ کا پلٹ آنا۔ (۶۳)

۴۔ ستارہ کا ٹھہرنا۔ (۶۴)

۵۔ مصلوبیت مسیح کے وقت نشانات کا ظہور۔ (۶۵)

نیز معجزہ شق القمر، کو عرب میں بہت سے باشندوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور ہندوستان کی تاریخی کتب میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔ (۶۶)

مذکورہ کتاب کے اردو مترجم مولانا اکبر محمد نے کتاب پر جامع تبصرہ یوں کیا ہے

"اس کتاب کو دیکھنے کے لئے وہی شخص بے چین ہو گا جو کبھی مولانا کی دوسری تصنیفات کے ایک آدھ ورق پر نظر دوڑائی ہو اس کے تمام و کمال خوبی کے عوض مختصر یہ ہے کہ مولاناؒ نے ہر ایک مسئلہ کی دلیل اور ہر ایک سوال کا جواب اس بسط اور تفصیل سے لکھا ہے کہ کہیں دس دس، چالیس چالیس دلیلیں اور حوالے دے کر بھی بس نہیں کی۔ اچھی طرح سے دروغ گو کو اس کے گھر تک پہنچا دیا ہے اس خوبی اور اس بسط اور تفصیل سے اب تک کوئی تصنیف نہیں دیکھی گئی"۔ (۶۷)

مولانا محمد علی مونگیری رقمطراز ہیں:

"باوجود یہ کہ اس کو چھپے ہوئے ۷ برس ہو چکے مگر کسی نے ایک بحث کا بھی پورے طور پر جواب نہیں دیا"۔ (۶۸)

کتاب پر ایک ناقدانہ نظر:

اگرچہ زیر نظر کتاب مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی پہلی باضابطہ تالیف ہے۔ مگر استدلال کی وہ روانی، جو بعد کی تالیفات کا خاصہ ہے قدرے کم پائی جاتی ہے۔ تاہم دلائل کی کثرت، عقلی و نقلی استدلال کے علاوہ بائبل کا وسیع مطالعہ اس تالیف کا نمایاں وصف ہے۔

علاوہ ازیں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کتاب مذکورہ میں فرنگی زبانوں اور کتب سے اعتنا نظر نہیں آتا۔ اس سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ ان زبانوں اور کتب میں مہارت تدریجی اور بالواسطہ طور پر عمل میں آئی اور اس ضمن میں ڈاکٹر وزیر خان کے تعاون و کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

۲۔اعجاز عیسوی (اردو)

کتاب :	اعجاز عیسوی، الملقب مصلقہ تحریف۔
مؤلف :	مولانا رحمت اللہ کیرانوی۔
بہ اہتمام :	محمد امیر خان۔
مطبع :	مطبع منبعیہ واقعہ چھل بہ سمت محلہ اکبر آباد (آگرہ)۔ (۶۹)
سن طباعت :	۱۲۷۱ھ / ۱۸۵۴ء۔
صفحات :	۷۰۱۔ (۷۰)

کتاب کی لوح پر فارسی میں یہ قصیدہ تحریر ہے۔

نسخہ اعجاز چوں وحی فلک آمدہ ... کز کمالاتش خرد عیسوی اعجاز دید

عہد عتیق و جدید نقص ز عنوانش یافت ... جہ تحریف ازو کوئی باآخر رسید

سال شروعش بگفت حضرت روح اقدس ... مصقلہ تحریف در عہد عتیق و جدید ۱۸۵۳ء

زیر نظر کتاب مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے ۱۲۷۰ھ میں تالیف کی اور ایک سال بعد ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۴ء میں منصۂ شہود پر آئی۔ (۷۱)

ابتدائی تین صفحات میں فہرست مضامین بغیر نمبر صفحات کے ہے۔ فہرست کے ساتھ ہی متصل، فہرست علماء یہود و نصاریٰ بھی دے دی گئی ہے جن کے نام کتاب میں مذکور ہیں۔ گویا کہ یہ فرنگی ناموں کا اشاریہ ہے۔ تاہم یہ فہرست اردو کے طرز املاء (تلفظ) میں تحریر ہے۔

کتاب کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور حضور اکرمؐ کی ذات اقدس پر درود و سلام سے کیا ہے اور قرآن حکیم کی یہ آیت کتاب کے موضوع کی مناسبت سے تحریر کی ہے :

فویلٌ للذین یکتبون الکتٰب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عنداللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلاً۔ (۷۲)

مؤلفؒ نے کتاب کو ایک مقدمہ اور تین مقاصد میں تقسیم کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں :

"اس کتاب کو ہم نے ایک مقدمہ اور تین مقاصد اور ایک خاتمہ پر منقسم کیا ہے اور اس کا نام اعجاز عیسوی رکھا ہے اللہ تعالیٰ اس کو باسمی بنائے اور اس کے مولفؒ کا خاتمہ بخیر

کرے، اسے اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور اس تصنیف کا آغاز و اختتام ۱۲۷۰ھ میں ہوا"۔ (۷۳)

مقدمہ میں تمہیدی طور پر دو باتوں کی نشاندہی کی ہے اوّل تالیف کتاب کا سبب اور دوسرے کتاب کے اہم ماخذ۔ کتاب کا پس منظر واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ 'اگر پادری صاحب (فرقہ پروٹسٹنٹ) کے صرف کتابوں اور ان کے ترجموں کے بانٹنے اور سنانے پر ہی اکتفا کرتے تو مسلمانوں کو ان سے کوئی تعرض نہ ہوتا۔ لیکن جب انہوں نے ملت اسلامیہ کے بنیادی مآخذ کو اپنا نشانہ بنایا اور حضور اکرم ﷺ کی ذات مقدس پر اعتراضات کی بھرمار کی اور پھر یہ دعویٰ بھی کیا کہ اگر کوئی مسلمان ان اعتراضات کا جواب دینا چاہے، تو دے۔ نیز یہ ان (مسیحیوں) کے چند بڑے مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ تحریف (بائبل) کا ہے، باقی مسائل اس کی ذیل میں ہیں تو مناسب سمجھا کہ اس باب (مسئلہ) میں ایک مستقل رسالہ لکھا جائے تاکہ عہد قدیم و جدید کی صحیح کیفیت بیان کی جائے اور مسلمانوں کا موقف بیان کیا جائے"۔ (۷۴)

کتاب کے مرکزی موضوع تحریف کے حدود کار کا تعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں 'ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ کتب عہد عتیق و جدید میں تحریف معنوی اور لفظی دونوں طور میں آئی ہیں لیکن تحریف معنوی پر سرے سے نزاع ہی نہیں ہے اور دونوں ہی (مسلمان اور عیسائی) اس کے وقوع پذیر ہونے پر متفق ہیں البتہ تحریف لفظی پر اس کتاب میں بحث کی جائے گی'۔ (۷۵)

کتاب کے مآخذ کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

"دوئم جو کچھ اس رسالہ میں منقول ہو گا وہ مسیحیوں کے دونوں معتبر فرقوں یعنی پروٹسٹنٹ (Protestent) اور رومن کاتھک (کیتھولک Roman Catholic) کے مطابق ہو گا۔ ان میں یوسی بس (Euse Bius) کی تاریخ (بائبل)، (بائبل کی) تفسیر ہورن (Horne) مطبوعہ لندن ۱۸۲۲ء، تفسیر ہنری واسکاٹ (Henry And Scott) مطبوعہ لندن، تفسیر (بائبل) لارڈنر (Lordner) مطبوعہ لندن ۱۸۲۸ء، دس جلدیں)، تفسیر (بائبل) جارج ڈی آئیلی اور رچرڈ منٹ (D'oyly & Richard Mant) مطبوعہ لندن ۱۸۴۸ء، شامل ہیں۔ تاہم یہ اقتباس انگریزی زبان سے اردو محاورہ کے مطابق ماخوذ ہو گا"۔

سوئم یہ کہ ترجمہ کتب مقدسہ (بائبل) کا حسب ضرورت نقل کیا جائے گا یہ ترجمہ بھی جسے پروٹسٹنٹ فرقہ کے علماء نے مستند قرار دیا ہے۔ یہ استدلال اردو، فارسی، عربی کے علاوہ

انگریزی تراجم سے بھی ممکن ہو گا"۔(۷۶)

کتاب کے مباحث کا خلاصہ :

جیسا کہ مولفؒ نے خود اس امر کی صراحت کی کہ کتاب کو ایک مقدمہ اور تین مقاصد اور ایک خاتمہ پر تقسیم کیا ہے نیز خاتمہ سے پہلے ، کتاب کے دوسرے حصے میں 'میزان الحق' کے پہلے باب کی تیسری فصل کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ ذیل میں ان مباحث کا ایک جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

مقدمہ :

مقدمہ (۸۔۴۸) کو مولفؒ نے تین فصول میں تقسیم کیا ہے :

فصل اوّل (۸۔۱۹) :

اس میں مولانا کیرانویؒ نے عہد عتیق کی کتابوں کی تفصیل دی ہے، مولفؒ نے ان کتابوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔وہ کتب جنکی صداقت پر تمام مسیحی اسلاف کا اتفاق ہے ان کی تعداد ۳۸ ہے۔

۲۔جنکی صداقت کے بارے میں مسیحی علماء کا اختلاف ہے اس میں ۹ کتب شامل ہیں۔(۷۷)

فصل دوم (۱۹۔۳۶) :

مولف نے عہد نامہ جدید کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ وہ کتب جن کی صحت کو جمہور متقدمین نے تسلیم کیا ہے۔

۲۔ وہ کتب جنکی صحت میں علماء نصاریٰ اختلاف کرتے ہیں، ساتھ ہی ان کتب کی تدوین وانتخاب کے سلسلے میں مختلف مجالس (Councils) کے طریقہ کار پر تفصیلی بحث کی ہے۔(۷۸)

فصل سوئم (۳۸-۴۸) :

مولفؒ نے بائبل (عہد نامہ قدیم وجدید) میں تحریف کے نو اسباب کا ذکر کیا ہے۔ جن میں سے دو کا ذکر بطور نمونہ کے پیش کیا جاتا ہے :

۱۔دوسرے سبب کے تحت مولفؒ لکھتے ہیں :۔

> "بخت نصر (بنو کد نصر) کا یہودیوں پر زبردست حملہ ہوا جس میں یہودیوں کو تباہی وبربادی سے دوچار ہونا پڑا۔ ہیکل گرا دیئے گئے۔ بے شمار یہودی قتل کر دیے گئے۔ اور باقی ماندہ قیدی بنا لیے گئے۔اس وقت تک عہد عتیق کے جتنے پرانے نسخے موجود تھے۔اس حادثہ میں سب

ضائع ہوگئے"۔ (۷۹)

۲۔ تیسرے سبب کے تحت مولف رقمطراز ہیں :۔

"جب عزراء نے عہد عتیق کی کتابوں کو دوبارہ لکھا تو ۱۶۸ ق م میں انٹوکس Antiochus، (۸۰) کے دور حکومت میں یہودیوں کو ایک اور تباہی سے دوچار ہونا پڑا۔ اس حادثہ میں عزراء کے مدون شدہ نسخوں کے علاوہ عہد عتیق کی دوسری کتابوں کے بھی نسخے اس ظالم بادشاہ نے تلاش کر کے جلا دیے۔ ان کا تذکرہ مکابیوں کی پہلی کتاب کے باب ا میں بھی ملتا ہے۔

انٹوکس نے یروشلم کو فتح کر کے عہد عتیق کی کتابوں کے جتنے نسخے جہاں سے ملے پھاڑ کر جلا دیئے اور حکم دیا کہ جس کے پاس کوئی کتاب عہد عتیق کی نکلے گی۔ یا وہ شریعت (تورات) کی رسم بجا لائے گا اسے قتل کر دیا جائے گا چنانچہ ہر مہینہ اسکی تحقیق و تفتیش عمل میں آتی تھی اور جس کے پاس سے عہد عتیق کی کوئی کتاب برآمد ہو جاتی یا یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی کہ وہ رسم شریعت بجا لاتا ہے۔ اس شخص کو قتل کر دیا جاتا اور کتاب بھی تلف کر دی جاتی۔" (۸۱)

مقصد اوّل : حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پانچ کتابوں کی تفصیل (۴۹-۹۳)۔

مقدمہ کے تمہیدی مباحث کے بعد موئفؒ نے مقصد اوّل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتابوں کی تفصیل دی ہے۔ ان کتابوں سے مصنف کی مراد ہر دو قسم کی کتابیں شامل ہیں، جن پر علماء یہود کا اتفاق ہے یا اختلاف۔ مولانا کیرانویؒ نے اس مقصد کو چار فصول میں تقسیم کیا ہے۔ جن کا خلاصہ یہ ہے :۔

فصل اوّل (۸۱-۸۳)، مولفؒ نے اس فصل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ان کتابوں کا تذکرہ کیا ہے جو اسلاف کے نزدیک معتبر سمجھی جاتی تھیں مگر متاخرین نے ان میں سے بیشتر کو غیر معتبر قرار دے دیا اور اب وہ ناپید ہو چکی ہیں۔ (۸۲)

فصل دوم (۸۴-۹۹)، مولانا کیرانویؒ نے موجودہ تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف نہیں' کے تحت ۱۳ دلائل دیے ہیں، ان میں سے ایک دلیل یہ ہے :

"اور موسیٰ روئے زمین کے سب آدمیوں سے زیادہ حلیم تھا"۔ (۸۳)

اس فقرہ کے بارے میں پائل نواز کا قول ہے کہ یہ جملہ اس بات کا غماز ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اس کتاب کے مصنف نہیں

ہو سکتے کیونکہ متکبر سے متکبر انسان بھی اپنی تعریف میں ایسے الفاظ استعمال نہیں کیا کرتا، چہ جائیکہ موسیٰ علیہ السلام جیسا پیغمبر۔ لہٰذا یہ کہنا قرین قیاس ہے کہ اس کتاب کا مصنف موسیٰ علیہ السلام کا عقیدت مند کوئی دوسرا شخص ہی تھا۔ (۸۴)

مولانا کیرانوی یہاں پر ایک عقلی دلیل یہ دیتے ہیں کہ جو شخص کتاب زبور، کتاب نحمیاہ، کتاب یرمیاہ اور کتاب حزقی ایل کا مطالعہ کرے گا اس کو اس امر کا یقین ہو جائے گا کہ گذشتہ دور میں تصنیف و تالیف کا وہی طریقہ تھا جو آج مسلمانوں کے یہاں رائج ہے۔ دیکھنے والے کو فوراً پتہ چل جاتا تھا کہ مصنف خود اپنے ذاتی خیالات یا چشم دید واقعات بیان کر رہا ہے مگر تورات میں یہ صراحت کسی جگہ نہیں ہوتی جس سے معلوم ہوتا ہو کہ موسیٰ علیہ السلام خود اپنے حالات واقعات بیان کر رہے ہیں موسیٰ علیہ السلام کا ذکر جہاں بھی ہوا ہے عموماً غائب کے صیغے سے ہوا ہے مولفؒ نے صیغہ غائب کی بیسیوں مثالیں درج کر دی ہیں۔ (۸۵)

فصل سوئم: مولفؒ بائبل کے عبرانی، سامری اور یونانی نسخوں (۸۶) میں اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ان نسخوں میں اس قدر سنگین اختلاف ہے جس سے بائبل میں تحریف کے واقع ہونے میں ذرہ برابر شک وشبہ نہیں رہتا اس ضمن میں مولفؒ نے تطویل کے خوف سے محض تئیس اختلافات نقل کیے ہیں، سب سے بڑا اختلاف یہ ہے

۱۔ پیدائش حضرت آدم علیہ السلام سے طوفان نوح تک کے زمانے کے بارے میں ان تینوں نسخوں میں اس قدر سنگین اختلاف ہے جسکی کوئی معقول تاویل ممکن نہیں تحریف کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ آدم سے لیکر طوفان نوح تک کا زمانہ عبرانی نسخہ کے مطابق ۱۶۵۶ سال ہے۔ بیشتر یونانی نسخوں کے مطابق ۲۲۶۲ سال ہے اور ایک یونانی نسخہ ۲۲۴۲ سال بتاتا ہے اور سامری نسخہ کے مطابق ۱۳۰۷ سال ہے۔ غور کیجیے ان تینوں نسخوں میں ایک دو سال نہیں بلکہ سینکڑوں سال کا فرق موجود ہے جسمیں تطبیق ممکن نہیں ہے۔ (۸۷)

فصل چہارم: مولفؒ نے ایسی چودہ روایات کا تذکرہ کیا ہے۔ جن میں سے درج دو باتوں یا بیانات میں سے بہر حال ایک کو غلط ماننا پڑتا ہے مثلاً:

۱۔ میں تیرے ساتھ مصر کو جاؤنگا اور پھر تجھے ضرور لوٹا بھی لاؤنگا اور یوسف اپنا ہاتھ تیری آنکھوں پر لگائے گا۔ (۸۸)

مذکورہ فقرہ میں خدا کا یعقوب سے یہ وعدہ تھا کہ مصر سے تجھے ضرور لوٹا بھی لاؤنگا، لیکن واقعات نے اس جھوٹا ہونا ثابت کر دیا کیونکہ یعقوب کو واپس لوٹنا نصیب نہ ہوا۔ اور انہوں نے مصر میں ہی وفات پائی جسکی صراحت کتاب پیدائش ہی کے باب ۴۹ میں موجود ہے۔ (۸۹)

۲۔ کتاب پیدائش باب ۸ فقرہ ۴، ۵ اردو ترجمہ ۱۸۳۲ء یوں ہے:

"اور ساتویں مہینے کے سترھویں دن کشتی قردا کے پہاڑوں پر ٹھہری اور پانی دسویں مہینے تک

کھسیٹے چلے جاتے تھے اور دسویں مہینہ کے پہلے پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آئیں"۔ (۹۰)

ان دونوں فقروں میں کیسا سنگین اختلاف پایا جا رہا ہے کیوں کہ جب پہاڑوں کی چوٹیاں دسویں مہینہ میں نظر آنا شروع ہوئیں تو پھر ساتویں مہینہ میں آراراط کے پہاڑوں پر کشتی کا ٹھہر جانا کیونکر درست ہو سکتا ہے"۔ (۹۱)

مقصد دوم (۹۴-۲۴۰) : تورات کے علاوہ عہد نامہ عتیق کی دوسری کتابیں :

اس باب مقصد میں مولفؒ نے توریت (خمسہ موسوی) کے علاوہ دیگر کتابوں کی تاریخی واستنادی حیثیت پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس حصہ کو مولانا نے چار فصول میں تقسیم کیا ہے۔ جنکا خلاصہ یہ ہے

فصل اول۔ مولفؒ نے ان گمشدہ کتابوں کی فہرست دی ہے اور بائبل کے مشہور مفسرین کے حوالوں سے یہ بات ثابت کی ہے کہ یہ کتابیں پہلے عہد نامہ عتیق میں شامل تھیں مگر اب اہل کتاب نے انہیں گم کر دیا ہے اور اب انکا وجود بھی نہیں ہے۔ (۹۲)

فصل دوم۔ اس میں مولفؒ نے مذکورہ کتابوں کے بعض اقوال کا تذکرہ کیا ہے جنکو جمہور عیسائی علماء تسلیم کرتے ہیں مگر وہ اقوال کتابوں کے مصنفین یا واقعات کے مخالف ہوتے ہیں ایسی صورت میں عیسائی علماء بھی ان کو الحاقی تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں مثلاً کتاب امثال سلیمان علیہ السلام کے باب ۲۵ سے باب ۳۱ تک سات باب مولف کے بقول حضرت سلیمان کی تصنیف نہیں ہو سکتے بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی وفات کئی سو سال بعد ان کو شامل کیا گیا۔ اردو ترجمہ ۱۸۴۳ء 'لموئیل بادشاہ کے مثناہ کی باتیں جو اسکی ماں نے اوسے سکھلائیں' (۹۳)

عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۱ء کے مطابق 'کلمات لموئیل الملک الرویا التی ادبتہ فیھا امہ'

مصنف کے خیال میں مذکورہ بالا تراجم سے ثابت ہوتا ہے کہ باب ۳۰، ۳۱ الحاقی ہیں آجور اور لموئیل کے بارے میں کوئی نہیں جانتا کہ یہ کون لوگ تھے اور کس زمانے میں ہوئے۔ (۹۴)

فصل سوم۔ مولفؒ نے اس فصل میں عہد نامہ عتیق میں تحریف کے اکتیس شواہد (دلائل) پیش کیے ہیں جن میں سے دو شواہد یہ ہیں :

۱۔ زبور باب ۱۰۵ فقرہ ۲۸ میں ہے عبرانی نسخہ کے مطابق عبارت یہ ہے۔ اور انہوں نے اس کی باتوں سے سرکشی نہیں کی۔ اور یونانی نسخہ میں، انہوں نے اس قول کیخلاف کیا، گویا پہلے نسخہ میں نفی ہے اور دوسرے میں اثبات۔ (۹۵)

۲۔ (اکتیسواں شاہد) کتاب تواریخ ثانی باب ۱۳ فقرہ ۳ اردو ترجمہ ۱۸۴۲ء میں یوں ہے۔

'اور ابیاہ نے چار لاکھ جنگی مردوں کے لشکر سے جو منتخب جوانمرد تھے۔ جنگ کے لیئے صف باندھی اور یربعام نے بھی اس کے مقابلہ

میں آٹھ لاکھ چنے ہوئے بہادر لوگوں سے جنگ کے لئے صف باندھی۔ لیکن فقرہ ۱۷ یہ تعداد اس طرح بتاتا ہے' اور ابیاہ اور اس کے لوگوں نے ان کو بڑی خونریزی کے ساتھ قتل کیا سو اسرائیل کے پانچ لاکھ چنے ہوئے مرد کھیت آئے۔
ہورن (Horne) اپنی تفسیر میں کہتا ہے بہت سے قدیم لاطینی زبان کے نسخوں میں یہ تعداد' چار لاکھ' کی جائے' چالیس ہزار' اور 'آٹھ لاکھ' کی جائے' اسی ہزار' اور' پانچ لاکھ' کی جائے' پچاس ہزار' بتائی گئی ہے اور انہی نسخوں کی تعداد زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ ملاحظہ کیجئے کہ بائبل کا یہ مفسر اس مقام پر عبرانی نسخہ میں تحریف کا گمان رکھتا ہے۔(۹۶)

فصل چہارم۔ اس فصل میں مولانا کیرانوی نے 'روایات کا فساد' کے عنوان سے بائبل کی ان آیات کے غلط ہونے میں علماء نصاریٰ کے اعتراضات کو نقل کیا ہے جن میں سے بہر حال ایک قول کو غلط کہنا پڑتا ہے۔ مصنف نے ۶۵ ایسے فساد کا ذکر کیا ہے جن میں سے چند ایک ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

۱۔ (سات ہزار سوار یا سات سو سوار) کتاب تواریخ اول باب ۱۸ فقرہ ۴ مطبوعہ ۱۸۴۴ء اردو ترجمہ یہ ہے' اور داؤد لوس سے ایک ہزار رتھ اور سات ہزار سار تھی اور بیس ہزار پیادے اسیر کر لیے۔'

فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں ہے۔

'داود ایک ہزار ارابہ وہفت ہزار سوار وبست ہزار پیادے ازوے دستگیر کرد' لیکن کتاب سموئیل دوم باب ۸، فقرہ ۴ فارسی ترجمہ ۱۸۳۸ء میں یہ تعداد یوں لکھی ہے، داؤد ایک ہزار ارابہ وہفت صد سوار وبست ہزار پیادہ ازوے دستگیر کرد۔ مذکورہ فقرہ کا اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء یہ ہے:

اور داؤد نے اس کے ایک ہزار سات سوار اور ... الخ،

دیکھیے سات سو اور سات ہزار میں کتنا بڑا تفاوت ہے اور سموئیل کے اردو ترجموں سے رتھ کا لفظ ہی غائب ہے۔(۹۷)

۲۔ مردم شماری کے اعداد کتاب تواریخ اول باب ۲۱، فقرہ ۵ کا اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۴ء کے مطابق اس طرح ہے۔

"تب یوآب نے لوگوں کی حاضری داؤد کو دی اور سارے اسرائیل گیارہ لاکھ شمشیر زن اور یہوداہ چار لاکھ ستر ہزار شمشیر زن تھے"۔

کتاب سموئیل ثانی باب ۲۴، فقرہ ۹، اردو ترجمہ ۱۸۴۴ء یہ ہے:

"اور یوآب نے لوگوں کے شمار کی فرد بادشاہ کو دی، سو بنی اسرائیل آٹھ لاکھ شمشیر زن بہادر تھے اور بنی یہوداہ پانچ لاکھ جنگی تھے"۔

ان دونوں عبارتوں کا موازنہ کیجیے تو لاکھوں کا فرق نکلتا ہے اور ظاہر ہے کہ دونوں عبارتوں میں مذکورہ تعداد تو بیک وقت صحیح ہو نہیں سکتی تو یقیناً ایک کو غلط ماننا پڑیگا۔(۹۸)

۳۔ بیس سال یا تیس سال، کتاب سلاطین ثانی باب ۲۴ فقرہ ۲، عبرانی نسخہ کے مطابق عبارت یوں ہے 'اور جب وہ سلطنت کرنے لگا تو بیس برس کا تھا'۔

فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۸ء میں ہے 'اماز بوقت جلوس بست سالہ بود'۔ اور عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۸ء میں ہے 'وکان اماذیوم ملک ابن عشرین سنۃ' ہنری واسکاٹ کی تفسیر میں ہے کہ غالباً یہاں تیس کی جائے بیس کا لفظ لکھ دیا گیا ہے جیسا کہ اس کتاب کے باب ۱۸ فقرہ ۲ میں اسکی تصریح موجود ہے:

'اور جب وہ سلطنت کرنے لگا تو بیس برس کا تھا'۔(۹۹)

مقصد سوم (۳۸۴ - ۲۴۱) عہد نامہ جدید کی کتابیں

مولانا کیرانویؒ نے مقصد سوم میں عہد جدید کی کتابوں کی تفصیلات اور انکی تاریخی حیثیت پر اظہار خیال کیا ہے۔ اس میں بھی چار فصول قائم کی گئی ہیں۔ ذیل میں ان مباحث کا مختصر خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

فصل اول اس فصل میں مولفؒ نے عہد نامہ جدید اور مسیحیوں کی دیگر کتب کی تاریخی حیثیت پر ایک مختصر بحث کی ہے۔(۱۰۰)

مولفؒ نے تاریخ بائبل (عہد نامہ جدید) پر اس بحث سے دو اہم نتائج اخذ کیے ہیں

اول یہ کہ مسیحی علماء نے بددیانتی کا وطیرہ دوسری صدی عیسوی ہی سے شروع کر دیا تھا۔

دوم۔ ان جعل سازوں کو وقت مسیحی کے ستون، علماء کی سرپرستی حاصل تھی۔ مثلاً کورنتھ کے اسقف ڈایونیس نے ان کے بارے میں تبصرہ کیا ہے، جب لوگ میرے خطوط میں تحریف سے باز نہیں آتے تو کتب مقدسہ میں تحریف سے کیا خاک باز آئے ہوں گے۔(۱۰۱)

فصل دوم (۳۸۶-۴۰۵)۔

اس فصل میں مولانا کیرانویؒ نے عہد جدید میں الحاق اور تحریف کے دس شواہد پیش کئے ہیں۔ مولفؒ کے خیال میں عیسائی علماء خود الحاق و تحریف کا اعتراف کرتے ہیں مثلاً

انجیل متی باب ۲۷ کا فقرہ ۳۵، اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۲ء یہ ہے:

'اور انہوں نے صلیب پر کھینچ کر اس کے کپڑوں پر چٹھی ڈال کے بانٹ لیے تاکہ جو نبی کی معرفت کہا گیا تھا۔ پورا ہو کہ انہوں نے میرے کپڑے آپس میں بانٹ لئے اور میرے کرتے پر چٹھی ڈالی'۔

اس آیت میں تاکہ جو نبی کی معرفت کہا گیا تھا، پورا جملہ یقیناً الحاقی ہے۔ (۱۰۲)

۲۔ انجیل متی باب ۱۲، فقرہ ۳۵ اردو ترجمہ ۱۸۴۳ء میں یوں ہے

"اچھا آدمی دل کے اچھے خزانے سے اچھی چیزیں نکالتا ہے"۔

مصنف کے نزدیک اس عبارت میں 'دل کے' الفاظ الحاقی ہیں مشہور مفسر بائبل ہورن اپنی تفسیر کی جلد دوم کے ص ۳۳۰ پر لکھتا ہے۔ یہ لفظ ایک سو سات قلمی اور دفعہ مطبوعہ نسخوں کے علاوہ عربی و فارسی، قدیم روسی، اطالوی ترجموں میں موجود نہیں تھا۔ دراصل یہ لفظ انجیل لوقا باب ۶، فقرہ ۴۵ سے الحاق ہوا ہے۔ (۱۰۳)

۳۔ ساتواں شاہد انجیل متی باب ۶، فقرہ ۱۳، ۱۸۴۲ء کے اردو ترجمہ کی عبارت یوں ہے

"اور ہمیں آزمائش میں نہ ڈال بلکہ بدی سے بچا کیونکہ بادشاہت اور قدرت اور جلال تیرا ہمیشہ ہے، آمین" (۱۰۴)

اس فقرہ میں 'کیونکہ بادشاہت اور قدرت اور جلال تیرا ہمیشہ ہے آمین' الحاقی ہے۔ رومن کیتھولک والے اسکو الحاقی قرار دیتے ہیں لاطینی ترجمہ اور رومن کیتھولک کے تمام انگریزی ترجموں میں موجود نہیں ہے۔ اور نہ ہی ۱۶۷۱ء، ۱۸۳۱ء کے عربی ترجمہ میں ہے اسکی عبارت یوں ہے:

"ولا تدخلنا فی تجارب ونجنا من الشارفین"

اور ۱۸۳۹ء، ۱۸۴۴ء کے مطبع بایبٹ مشن کلکتہ کے مطبوعہ اور ترجمہ میں اس جملہ پر علیحدگی کا نشان [ ] لگا دیا گیا ہے۔ (۱۰۵)

فصل سوم: (۳۰۶۔۳۵۱)

مولف کے قول اناجیل میں اتنا شدید اختلاف ہے کہ تطبیق دینا بھی ناممکن ہے۔

اس ضمن میں مصنف نے اکیس شواہد بطور ثبوت پیش کیے ہیں جن میں سے ایک شاہد یہ ہے

۱۔ (پہلا شاہد دوسری غلطی) انجیل متی باب اول، فقرہ ۸، اردو ترجمہ ۱۸۴۲ء میں یوں ہے

"اور آسا سے یہوسفط اور یہوسفط سے یورام اور یورام سے عوزیاہ پیدا ہوا"۔

فارسی ترجمہ ۱۸۱۶ء، ۱۸۲۸ء، ۱۸۴۱ء، ۱۸۴۲ء میں یوں ہے۔ 'وآسا پدر یہو شافاط و یہو شافاط پدر یورام پدر عوزیا'۔

عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۶۷۱ء، ۱۸۲۱ء، ۱۸۳۱ء کے الفاظ ہیں:

'واسا ولد یوشافاط ویوشافاط ولد یورام ویورام ولد عوزیا'

فرقہ پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک کے تصدیق شدہ انگریزی ترجمہ بھی اسی کے مطابق ہیں۔ مولفؒ کے خیال میں اس فقرہ میں دو غلطیاں ہیں۔ اوّل فقرات بالا مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عزریاہ یوزیاہ یورام کا بیٹا ہے۔ حالانکہ حقیقتاً وہ بیٹا نہیں بلکہ پڑپوتے کا بیٹا ہے۔ درمیان میں تین پشتیں متی کے سہو کے سبب چھوٹ گئیں۔ چنانچہ اس امر کی صراحت کتاب تواریخ اوّل، باب ۳ فقرہ ۱۱، ۱۲ سے ہوتی ہے جس کا اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۲ء یوں ہے

"اس کا بیٹا یورام، اس کا بیٹا اخزیاہ، اس کا بیٹا یوآس، اس کا بیٹا امصیاہ، اس کا بیٹا عزریاہ، اس کا بیٹا یوتام

۱۸۳۱ء کے عربی ترجمہ کے مطابق مذکورہ آیت یوں ہے:

'وابن یوشافاط یورام وابن یورام باخوریا هوابن اخزیا ء هویوآس وابن یوآش امصیاه وابن امصیاه عزریاه وابن عزریا یوتام'

فارسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء اور انگریزی تراجم بھی اس فقرہ کے مطابق ہیں۔ یہ تینوں بادشاہ ہوئے ہیں ہر ایک کو سلطنت ورثہ میں ملی تھی۔

ثانیاً غلطی سے عزریاہ کی بجائے عوزیاہ یا عزیاہ لکھا گیا ہے حالانکہ اس کا نام 'عزریاہ' تھا جس کی صراحت کتاب تواریخ اوّل باب ۳، فقرہ ۱۲ اور کتاب سلاطین دوم فقرہ ۱۴ اور فقرہ ۲۱ سے ہوتی ہے۔ (۱۰۶)

فصل چہارم: (۴۵۲۔۵۳۷)

مذکورہ فصل میں مولفؒ نے تین اہم امور کی وضاحت فرمائی ہے۔

۱۔ انبیاء و حواریوں کی تمام تحریریں الہامی نہیں ہے۔ مولفؒ نے اس امر کے ثبوت میں کئی شواہد دیئے ہیں ایک یہ ہے۔ چوتھی شہادت کے تحت لکھتے ہیں۔ متی اور مرقس حالات لکھتے وقت باہم اختلاف کر جاتے ہیں اور جب یہ دونوں متفق ہو جائیں تو ان کے متفقہ قول کو لوقا پر ترجیح دی جائے گی۔

موصوفؒ کے خیال میں مذکورہ عبارت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ متی اور مرقس کی بعض تحریروں میں بعض مقامات پر معنوی اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔

۲۔ تینوں انجیلوں کا کلام الہامی نہیں ہے۔ اگر الہامی ہوتا ہے تو متی اور مرقس کے کلام کو ترجیح کیوں دی جاتی۔ (۱۰۷)

مصنفؒ نے اناجیل اربعہ کے الہامی نہ ہونے کے شواہد ترتیب سے عیسائی علماء اور ان کی تاریخی کتب کے حوالے سے پیش کیے ہیں۔ اس ضمن میں جن مفسرین اور کتب سے اعتناء کیا ہے ان میں رسالہ الہام، یوسفیس کی تاریخ، جیروم کی تاریخ، ہورن، لارڈنر اور واٹسن وغیرہ کی تصانیف میں شامل ہیں۔

۲۔ انبیاء و حواری گناہوں یہاں تک کہ بت پرستی اور شرک سے بھی معصوم نہیں۔ (۱۰۸)

۴۔ کرامت کا صدور اور محض روح القدس سے مستفیض ہونا نہ نبوت کی دلیل ہے اور نہ ایمان کی۔

خلاصہ بحث :

مولف ؒ نے خلاصہ بحث کے طور پر مقدمہ کتاب کی فصل دوم اور سوم، مقصد سوم کی چاروں فصلوں کے مطالعے سے یہ نتائج اخذ کیے ہیں :

۱۔ عیسائی علماء جن میں رچرڈ سمنٹ بطور خاص شامل ہیں کے مطابق انجیل متی، عبرانی زبان میں تھی صفحہ ہستی سے مٹ گئی ہے اب صرف اسکا یونانی ترجمہ باقی ہے۔

۲۔ مقدمہ کی تیسری فصل کے مطابق انجیل میں تحریف کا امکان بہت زیادہ اور آسان تھا۔

۳۔ ابتداء ہی سے جعل سازی شروع ہو گئی اور عہد جدید کی بہت سی کتابیں مولف ؒ کے مطابق، گم ہو گئیں۔

۴۔ انجیل کے مفسرین کے مطابق بہت سے مقامات پر الحاق ہو گیا ہے۔

۵۔ انجیل کے کاتبوں کی تحریر وہم اور غلطیوں سے پاک نہیں۔

۶۔ کتب مقدسہ کے مطابق انبیاء اور حواریین سے گناہ کبیرہ سرزد ہوئے۔

۷۔ کرامت اور معجزہ صدور نبوت کی دلیل نہیں بلکہ اہل ایمان کے نزدیک تو یہ ایمان کی بھی دلیل نہیں۔ (۱۰۹)

ان جامع نکات کے بعد مصنف ؒ بتاتے ہیں کہ 'ہمارے نزدیک انجیل صرف حضرت عیسیٰ کے اقوال کی حد تک ہے۔ البتہ ان اقوال میں بھی وہی قابل اعتبار ہوں گے جو کم از کم خبر واحد کے اصول کے مطابق ہوں اور ان کا وہی حکم ہوگا جو ہمارے ہاں احادیث احاد کا ہے'۔ (۱۱۰)

حصہ دوم : 'میزان الحق' کے باب اول کی تیسری فصل کا جواب۔

کتاب کے دوسرے حصے میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی ؒ نے پادری فانڈر کے میزان الحق میں وارد شدہ اعتراضات کا بالتفصیل جواب دیا ہے۔ ان میں نمایاں اعتراضات یہ ہیں :

۱۔ قرآن حکیم میں تحریف ہوئی ہے کیونکہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عثمانؓ نے الگ الگ جمع و تدوین قرآن کا فریضہ سرانجام دیا۔

۲۔ حضور اکرم ﷺ کے عہد میں ایک ہی آیت کو مختلف لوگوں نے مختلف انداز سے پڑھا۔

۳۔ اہل تشیع موجودہ قرآن پر یقین نہیں رکھتے۔

۴۔ کتب عہد عتیق و جدید تحریف سے پاک ہیں۔ خود اس بات کا ثبوت قرآن سے ملتا ہے۔ نیز مختلف نسخوں سے باہم مقابلہ و موازنہ کر کے دیکھا جا سکتا ہے۔ (۱۱۱)

ساتھ ہی مولفؒ نے پادری فانڈر کے ان اعتراضات کا بھی جواب دیا ہے جو اس نے سید آل حسنؒ کی مشہور تالیف، استفسار، پر وارد کیے ہیں۔

خاتمہ : (۴۸۰ـ۴۴۴)

کتاب کے خاتمہ میں مولفؒ نے مسیحی مذہب کی تاریخ اور بائبل کے مختلف نسخوں کا تعارف کراتے ہوئے پوری دلسوزی کے ساتھ مناجات کی ہیں۔

کتاب کے آخری صفحہ پر منشی ابوالحسن (مدرس اول فارسی، مدرسہ سرکار واقع دارالخلافہ اکبر آباد) کا تحریر کردہ قطعہ تاریخ طبع ہے:

این نسخہ دین پناہ اعجاز طراز — کز نصر من اللہ است عنوانش نکام

تفسیر بہ عرفون بہ ذہن عیود — کز بد لش حریف یا بد الزام

چوں طبیہ الختام او رہ پوشیدہ — میخواستش وہم بتاریخ نظام

دل سال تمام او زہاتف پرسید — گفتا کہ بود دلیل تحریف تمام

ولہ

دعوئ اعجاز عیسوی کہ دلیل — بہر تحریف از ونساری خوش

دل اعجاز را بدست آورد — فیض روح قدس بتارخش (۱۱۲)

۱۲۷۱ھ

کتاب کے نمایاں پہلو :

کتاب کے بغور مطالعہ سے مندرجہ ذیل پہلو نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔

۱۔ مولفؒ نے دستیاب لٹریچر سے خوب استفادہ کیا ہے اگرچہ مولانا فرنگی زبانوں سے زیادہ واقف نہ تھے تاہم اسلامی ادب کے ساتھ ساتھ جابجا بائبل کے مفسرین کے اقوال سے اعتناء اس کتاب کی نمایاں خوبی ہے۔

۲۔ بائبل کے مختلف تراجم کا حوالہ تقریباً سو الگ الگ سن طباعت کے ساتھ ملتا ہے۔ اس سے یہ اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں کہ مولانا کی اردو، فارسی، عربی اور انگریزی نسخوں کے اختلافات اور تحریفات پر گہری نظر تھی۔

۳۔ ہر موضوع پر دلائل کی کثرت پائی جاتی ہے اور اس میں یک گونہ تنوع بھی پایا جاتا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولفؒ کے پاس بے شمار شواہد موجود ہیں۔

۴۔ بائبل کے ان مفسرین اور ان کی تفسیروں اور مسلمہ تعبیرات سے استدلال کیا ہے جن پر مسیحی علماء کا اتفاق ہے۔

۵۔ مناظرانہ اسلوب کے ساتھ ساتھ مولفؒ پورے طور پر فریق مخالف کا ادب و احترام ملحوظ خاطر رکھتے ہیں اور ان سے ہمدردی و

خیر خواہی کا جذبہ کتاب کے لفظ لفظ سے عیاں ہے۔ تاہم ان خصوصیات کے علاوہ کتاب میں بعض مقامات پر تکرار بھی محسوس ہوتا ہے اور فرنگی الفاظ کا تلفظ اردو رسم الخط میں قاری کو قدرے اشتباہ میں ڈالتا ہے۔

کتاب کی قدرو قیمت کے بارے میں اہل علم کی آراء :

کتاب کی قدرو قیمت اور اہمیت کے بارے میں چند اہل علم کی آراء یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

۱۔ مولانا امداد صابری :

"اعجاز عیسوی میں تحریف عہد عتیق وجدید کے ہر پہلو اور ہر زاویے سے معقول، مدلل اور لاجواب بحث مولانا کیرانویؒ نے فرمائی ہے اور تمام ثبوت عیسائیوں کی مقدس اور تاریخی کتابوں سے دیئے ہیں اور تحریف کے سلسلے میں جو مواد اس کتاب میں دیا گیا ہے۔ وہ بڑی عرق ریزی اور بے پناہ کاوش وجستجو کا مرہون منت ہے جس سے عیسائیوں کی دنیا میں ایک تہلکہ مچ گیا تھا"۔ (۱۱۳)

۲۔ مولانا عبد القوی

"مولانا کیرانویؒ کی گراں قدر تصنیفات میں اعجاز عیسوی کو خاص درجہ حاصل ہے اس میں مولانا نے موجودہ بائبل (جس کی ترویج واشاعت میں عیسائی مبلغین دنیا کے ہر گوشے میں سرگرم نظر آتے ہیں اور اسے قرآن مجید کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں) پر تفصیلی نظر ڈال کر اس میں وقتاً فوقتاً ہونے والی تحریفات کو نہ صرف ظاہر کیا ہے بلکہ اس کی تمام تحریفات و اکاذیب کی دھجیاں بکھیر دی ہیں"۔ (۱۱۴)

۳۔ مولانا محمد تقی عثمانی :

"مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے اعجاز عیسوی میں بائبل کی تحریف کے موضوع پر تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے اگرچہ تحریف بائبل کا باب اظہار الحق میں بھی موجود ہے اور اس موضوع پر انہوں نے اپنی بعض دوسری کتابوں میں بھی مفصل بحثیں کی ہیں لیکن اعجاز عیسوی صرف اسی بحث کے لئے مخصوص ہے اور اس میں انہوں نے تحریف بائبل پر سب سے زیادہ شرح و بسط کے ساتھ بحث کی ہے اور اس لحاظ سے اس کتاب کی کوئی نظیر عربی، فارسی یا اردو میں موجود نہیں ہے بلکہ انگریزی زبان کی کسی کتاب میں بھی اتنے استقصاء کے ساتھ بائبل کے تضادات، غلطیوں اور تحریفات کا بیان میری نظر سے نہیں گزرا"۔ (۱۱۵)

اعجاز عیسوی، کے مباحث کا جواب دینے کی کوشش :

پادری جے۔ایل ٹھاکر داس نے 'اظہار عیسوی' کے نام سے مذکورہ کتاب کا دو جلدوں میں جواب دیا ہے جو ۱۸۸۱ء میں امریکن یونائیٹڈ پریسٹیرین مشن میں چھپا ہے۔اسی طرح پادری عماد الدین نے اپنی کتاب 'تحقیق الایمان' میں مذکورہ کتاب کے مقصد سوم کی چاروں فصلوں کا مختصر جواب دینے کی کوشش کی ہے تاہم یہ استدلال 'میزان الحق' سے ہی ماخوذ ہے اور کسی طرح بھی مولانا کے اسلوب کا مقابل قرار نہیں دیا جا سکتا۔(۱۱۶)

۳۔ازالۃ الشکوک (اردو)۔

کتاب :	ازالۃ الشکوک۔
مولفؒ	مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ۔
حسب فرمان :	ولی عہد مرزا فخر الدین۔
بہ اہتمام	شمس العلماء مولوی عبد الوہاب ویلوری، ابوالفضل ضیاء الدین محمد۔
مطبع	مطبع مجیدواقع آدیہ پادم گلی نمبر ۴ مدراس، مطبع احسن المطابع، مدراس۔
سن طباعت :	۱۳۲۶ھ
صفحات :	جلد اول : ۶۰۸۔
	جلد دوم : ۵۰۸۔

زیر نظر کتاب بنیادی طور پر مسیحیوں کے ۲۹ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے جو مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے ولی عہد جناب مرزا محمد فخر الدین کے حکم پر رمضان المبارک ۱۲۶۹ھ/ ۱۸۵۳ء میں تحریر کیے اور یہ دو جلدوں میں ۱۱۱۶ صفحات پر مشتمل ہیں۔

اگر چہ مذکورہ جوابات ۱۲۶۹ھ میں تحریر ہو گئے تھے لیکن کتاب میں جامناظرہ اکبر آباد (۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۴ء) کا تذکرہ ملتا ہے نیز مولانا کے اپنے ایک بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کتاب کی تکمیل ۱۲۷۱ھ میں ہوئی (۱۱۷) اور باوجود ان جوابات کے اعجاز عیسوی سے پہلے مکمل ہونے کے کتاب کی شکل میں اس کی طباعت بعد میں عمل میں آئی۔(۱۱۸) دونوں جلدوں کی تصحیح کا فریضہ مولانا رحمت اللہ کے شاگرد رشید شمس العلماء، مولانا عبد الوھاب ویلوری بانی مدرسہ باقیات الصالحات مدراس، نے ۱۲۸۸ھ میں سرانجام دیا پہلی جلد مولوی عبد الوہاب نے اپنے اہتمام اور صرفہ سے جبکہ دوسری جلد مولانا موصوف کے خلف ارشد مولانا

ابوالفضل ضیاءالدین محمد مہتمم مدرسہ مذکور نے طبع کرائی۔

کتاب کی غرض وغایت :

حمد ونعت اور مدح صحابہ کے بعد مولف" رقمطراز ہیں ۔ رحمت اللہ بن خلیل الرحمٰن قصبہ کرانہ کا رہنے والا بھائی مسلمانوں کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۲ء میں ایک قطعہ ۲۳ سوالوں کا جو دلی اور آگرہ وغیرہما میں مشتہر ہوا تھا میری نظر سے گزرا اور پھر انہیں سوالوں کو ہندی رسالہ کے آخر میں مندرج پایا اور معلوم ہوا کہ مسیحیوں کی علت غائی اشتہار سے یہ ہے کہ کوئی ان کا جواب لکھے اس پر میرے دل میں آیا کہ میں لکھوں لیکن جب دیکھا کہ وے سوال نئے نہیں بلکہ سائل نے انہی قدیم سوالوں کو جو میزان الحق اور پادریوں کے رسالوں میں مندرج ہیں نقل کرلیا ہے اور ان کے جواب خوبی ادا ہو چکے ہیں تو یہ دیکھ کر کہ ان کے علیحدہ جواب لکھنے کو فضول سمجھ کر چپ ہو رہا مگر ۱۲۶۹ھ میں دو امر باعث ہوئے کہ ان کا جواب لکھوں۔ ایک یہ کہ بعض عیسائیوں نے ان سوالوں میں اصلاح دے کر اور چھ سوال بڑھا کر جناب مستطاب مرزا محمد فخر الدین ولی عہد بہادر دام جلالہ کی خدمت بابرکت میں بھیجا اور جناب معظم الیہ نے مجھ سے درخواست کی کہ انکا جواب لکھوں اور ان کا امر ماننا پڑا۔ دوسرا یہ کہ میں نے سنا کہ وے حضرات پادری جو اس امر کی تنخواہ پاتے ہیں اور اس بات کی روٹی کھاتے ہیں کہ جاہلوں کو بھکادیں اور بھولے بھالوں کو پھسلادیں، شوروغل مچاتے ہیں کہ مسلمان لوگ جواب نہیں دے سکتے۔ پس ان دو امر کا لحاظ کر کے جواب کے لکھنے پر مستعد ہوا لیکن اس لحاظ سے کہ جناب ولی عہد بہادر کا ایما یہ تھا کہ انہیں ۲۹ سوالوں کا جواب لکھوں جنکو بعض عیسائیوں نے ان کی خدمت میں بھیجا ہے اور حقیقت میں ان کا جواب ان ۲۳ سوالوں مشتہرہ کا بھی بلا تفاوت جواب تھا تو انہی ۲۹ سوالوں کا جواب لکھا اور جو وے سوال بے ترتیب تھے تو میں نے ان کی ترتیب اس طرح کردی کہ جو معجزات سے تعلق رکھتے تھے ان کو ایک جا اور جو قرآن سے متعلق تھے ان کا ایک جا اور اسی قیاس پر اور جگہ پر ذکر کیا لیکن سائل کی عبارت میں کچھ تبدیلی عمل میں نہیں آئی بلکہ جیسی تھی ویسی ہی حرفاحرفا منقول ہوئی اور خدا کے فضل وکرم سے ۱۲۶۹ھ رمضان المبارک [۱۸۵۳ء] میں اس کی تحریر سے فراغت ہوئی اور فراغت کے بعد دلی میں اسکا چھپنا شروع ہوا لیکن جو اسی عرصہ میں میرا جانا اکبر آباد ہوا اور مہتمم کی کچھ سستی کے سبب اور کچھ اس سبب سے کہ مسودہ سے کاتب بعض جا اچھا نہ پڑھ سکتا تھا اکثر غلط چھپتا تھا میں نے یہ معلوم کر کے وہاں سے اس کا چھپنا ملتوی اپنی مراجعت پر رکھا اور اکبر آباد مجھ کو دو سبب سے کچھ عرصہ تک رہنا پڑا۔

ایک یہ کہ اس جا میں نے کتاب اعجاز عیسوی کو تحریف کے اثبات میں بہت ہی اچھی کتاب ہے اور ناظر کو بڑا فائدہ بخشتی ہے تالیف کی۔ دوم یہ کہ اس کی تالیف کے بعد میرا مباحثہ قسیس پادری فانڈر صاحب 'میزان الحق' کے مؤلف سے مجمع عام میں ٹھہر گیا اور یہ قرار پایا کہ جناب ڈاکٹر وزیر خاں صاحب میرے شریک اور پادری فرنچ صاحب میزان الحق کے مولف کے شریک رہیں اور دو روز متواتر مجمع عام میں وہ مباحثہ ہوا اور خدا کے فضل سے غلبہ ہماری طرف رہا جیسا کہ یہ حال ان لوگوں کے رسالوں سے

جو مباحثہ کے جلسوں میں شریک تھے اور انہوں نے مباحثہ کی تقریر کو اپنے دونوں کانوں سے سن کر ضبط کیا۔ کثر خلق پر ظاہر بھی ہو گیا ہے اور جب میں اکبر آباد سے دلی میں پھر آیا اور جواب کا چھپنا جو ملتوی تھا پھر مقرر ٹھہرا تو بعض احباب نے درخواست کی کہ ہمارے نزدیک یوں مناسب ہے کہ تم ابطال التثلیث کو جو اس کے مقدمہ کے امر تیسرے میں مبین ہے نکال کر اس کا رسالہ جداگانہ کر دو اور مواضع میں بقدر مناسب کے کچھ کچھ بڑھا دو اور پھر از سر نو اول سے چھپواؤ۔ پس ان کی درخواست کے موافق میں نے اس ابطال التثلیث کو اس سے نکال کر کچھ اس میں اور بسط کر کے اس کو رسالہ جداگانہ کر دیا اور نام اسکا احسن الاحادیث فی ابطال التثلیث رکھا اور جواب میں کہیں کہیں بقدر مناسب کے کچھ کچھ بڑھا کر از سر نو چھپوایا اور نام اس کا 'ازالۃ الشکوک' ہے اللہ اپنے فضل سے اس کو سب عام و خاص کی خاطر کا مقبول کیجئیو۔"(۱۱۹)

مقدمہ کتاب:

کتاب کے مقدمہ میں جو ۵۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ مولف نے مسیحی علماء کے تناظر میں چار امور کا تذکرہ کیا ہے

۱۔ ہر مذہب کا پیروکار اپنے مذہب کو سچا اور دوسرے کے مذہب کو جھٹلاتا ہے۔(۱۲۰)

۲۔ ہر ایک کو اپنے ہی مذہب کی طرفداری مطلوب ہوتی ہے اور ضروری نہیں یہ طرفداری حق پر مبنی ہو۔(۱۲۱)

۳۔ جس طرح پادری دوسروں کی عیب گیری کرتے ہیں اسی طرح ان کی بھی کی جاتی ہے۔(۱۲۲)

۴۔ میزان الحق کے مؤلف علوم اسلامی میں خاک مہارت نہیں رکھتے جس طرح کہ ان کا دعوی ہے۔(۱۲۳)

ان میں سے ہر ایک کی مولفؒ نے مناسب تشریح و توضیح کی ہے اور ہر ایک کے دلائل دیے ہیں۔ مقدمہ کے تیسرے امر میں ابطال التثلیث کا ذکر ہے جسکو مولف نے الگ رسالہ کی شکل میں طبع کرایا ہے۔

مسیحیوں کی طرف سے اٹھائے گئے ۲۹ سوالات:

مقدمہ کے بعد مولفؒ نے عیسائیوں کی طرف سے اٹھائے گئے سوالات نقل کرنے بعد ان کا ساتھ ساتھ جواب دیا ہے۔ ذیل میں ہم پہلے سوال نقل کرتے ہیں بعد ازاں ان میں کچھ سوالوں کے جواب بطور نمونہ تحریر کریں گے۔

۱۔ معجزات محمدی ﷺ کس طور سے ثابت ہوں گے آیا قرآن شریف سے یا اور کتب سے۔(۱۲۴)

۲۔ ثبوت ان کا قرآن ہی سے ضروری ہے کیونکہ معجزات اور انبیاء کے ان کتابوں سے ثابت ہیں۔(۱۲۵)

۳۔ وہ معجزات جو قرآن میں مذکور ہیں آیا وہ معجزات ہیں یا بطریق اظہار عظمت الٰہی کے مرقوم ہیں، اگر بطریق اخیر لکھے ہیں تو ان کو پیغمبر سے کیا تعلق ہے۔(۱۲۶)

۴۔ کوئی کتاب پیغمبر کے اصحاب کی تصانیف میں ایسی موجود ہے جس میں درباب معجزات کے کچھ لکھا ہو اگر ہے تو نام اسکا اور مصنف کا، اور یہ امر کہ فلاں جگہ وہ کتاب موجود ہے اور کتنے اشخاص نے اس بات میں کی ہے، بتاؤ۔ (۱۲۷)

۵۔ اگر اور راویوں نے اصحاب کے اقوال میں کچھ لکھا ہے تو یہ سن کر لکھا ہے یا ان کے کتب میں سے، اگر نقل امر میں ایسا ہی ہے تو ان کا لکھا کہاں ہے اور زمانہ راوی اور اقوال مذکورہ میں کیا تفاوت ہے۔ (۱۲۸)

۶۔ اگر شق القمر کو معجزہ قرار نہ دو تو کوئی اور معجزہ جو چند اشخاص کے روبرو واقع ہوا ہو قرآن یا حدیث سے ثابت کرو مگر اس میں یہ بات بھی ہو کہ راوی اس کا فلاں زمانے کا ہے یا یہ امر منقول ہے اور شاہد تھی اس کی فلاں امور کی ہیں۔ (۱۲۹)

۷۔ قرآن میں لکھا ہے کہ پیغمبر کو معجزات کے اظہار کے لئے نہیں بھیجا بلکہ محض وعظ کے لئے، اس صورت میں باوجود بے اختیاری کے ان سے اظہار معجزات کا کیونکر ہوا۔ (۱۳۰)

۸۔ یہ جو لکھا ہے روز ولادت پیغمبر کے آتش کدہ بجھ گیا، بت سب واژگوں ہو گئے یہ تحریر آیا کسی مخالف کی ہے یا موافق کی۔ (۱۳۱)

۹۔ شق القمر کس نے دیکھا اور جنہوں نے دیکھا آیا انہوں نے اپنی شہادت کو آپ قلمبند کیا یا وہ محض ناقل تھے اور دوسروں سے ان سے روایت کی ہے۔ (۱۳۲)

۱۰۔ اس کا کیا سبب ہے کہ انہوں نے خود نہ لکھا آیا وہ بے علم تھے۔ (۱۳۳)

۱۱۔ راوی اس کے کس عصر میں بعد پیغمبر کے تھے اس کے جواب میں زمانہ اس کا تحقیق کر کے لکھ دو۔ (۱۳۴)

۱۲۔ ان کی روایت کس طرح کی ہے کیا محض سنی ہوئی بات کو لکھا ہے۔ (۱۳۵)

۱۳۔ جامع قرآن فقط حضرت عثمانؓ ہیں یا ان سے سابق حضرت ابوبکرؓ بھی جامع ہوئے۔ (۱۳۶)

۱۴۔ قرآن میں منسوخ آیتیں کیوں ہیں۔ (۱۳۷)

۱۵۔ نسخ کا وعدہ کون سی آیات میں پایا جاتا ہے۔ (۱۳۸)

۱۶۔ قرآن اگلی کتب سماوی کے مخالف کیوں ہے۔ (۱۳۹)

۱۷۔ توریت اور انجیل کی تحریف کی دلیل کیا ہے۔ (۱۴۰)

۱۸۔ یہ تبدل (تحریف) کب ظہور میں آیا۔ (۱۴۱)

۱۹۔ قرآن سے ثابت ہے پیغمبر کے وقت تک کلام مجید سابق میں کچھ تحریف نہ ہوئی تھی بعد ان کے اگر ہوئی ہو تو ثابت کرو۔ (۱۴۲)

۲۰۔ کسی نے بچشم خود دیکھا کہ جبرئیل پیغمبر کے پاس وحی لاتا تھا۔ (۱۴۳)

۲۱۔ کتب تاریخ کی جن کا تواتر قرآن کی طرح ثابت ہو، اصلیت مانو گے یا نہیں۔ (۱۴۴)

۲۲۔ کتب مذکورہ اور قرآن کے اختلاف کی صورت میں کسے غلط کہو گے۔ (۱۴۵)

۲۴۔ جب قرآن اور تواریخ دونوں تواتر سے ثابت ہیں تو اب بتلایئے کہ دونوں میں شک کیا جائیگا یا تواریخ میں اقرار کیجئے گا کہ قرآن کے مصنف حالات قدیمہ سے آگاہ نہ تھے۔ (۱۴۶)

۲۵۔ اگر کوئی قرآن کو کلام اللہ تو مانے لیکن قرآن مروج کو جعلی اور محرف بتلاوے کیونکہ اس میں نامعقول باتیں پائی جاتی ہیں تو اس کا جواب کیا دیا جائیگا۔ (۱۴۷)

۲۶۔ جو شخص نبوت کا دعوی کرے اور ایک کتاب بنا کر کلام اللہ قرار دے اور کتب سابقہ متواترہ کو محرف کہے تو صدہا سال کے بعد اس کے معتقد کس وجہ سے تحقیق کریں گے کہ ان کی نبی والی کتاب اصلی ہے یا جعلی۔

۲۷۔ اس نبی کے قول سے معتبر تاریخوں کا اعتبار جاتا رہے گا یا قائم رہے گا یا دہریت پھیلے گی یا خدا پرستی۔ (۱۴۸)

۲۸۔ انبیاء اور کلام الٰہی کا انکار اس پر مبنی ہے کہ کتب سابقہ متواتر جعلی ہیں یا اس پر کہ ایسی کتابیں اصلی اور درست ہیں۔ (۱۴۹)

۲۹۔ ایک شخص بہت سی کرامات دکھاتا ہے اور کہتا ہے کہ دو سو برس سے ہندوؤں میں ذاتوں کا رواج پڑا ہے، اس صورت میں تاریخ اور تواتر کو باطل کہو گے یا اس شخص کو کاذب۔ (۱۵۰)

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے پہلے سوال کے جواب میں قرآن حکیم سے بیس تفصیلی اور دس اجمالی معجزات کا ثبوت میزان پر مسیحی علماء کے اعتراضات اور ان کے جوابات بڑی تفصیل اور شرح وبسط کے ساتھ تین سو صفحات میں پیش کئے ہیں۔ 'معجزات نبوی پر مولانا کی تالیف الگ طور پر 'ازالۃ الاوہام' ہے علاوہ ازیں دیگر تالیفات میں معجزات کے باب میں تفصیلی مباحث موجود ہیں۔ اس لئے یہاں زیادہ تفصیل میں جائے بغیر چند سوالات کے جوابات بطور نمونہ کے پیش کیے جاتے ہیں۔

پہلے سوال کی تمہید میں مؤلف لکھتے ہیں "معجزات محمدی قرآن شریف اور حدیث کی کتابوں سے ثابت ہیں لیکن قرآن شریف سے بعض تفصیلاً اور کل اجمالاً اور حدیث کی کتابوں سے سب تفصیلاً ثابت ہیں"۔ (۱۵۱) فاضل مصنف نے قرآن حکیم کی ان آیات (۱۷ مواضع) کی تفصیل دی ہے جن میں حضور اکرم ﷺ کے معجزات مذکور ہیں۔

بارہویں موضع، اذا جاء نصر اللہ والفتح۔۔۔الخ، کے تحت مؤلف رقمطراز ہیں آٹھویں سال ہجرت کے نصرت الٰہی سے مکہ فتح ہوا اور ہجرت کے نویں اور دسویں سال لوگوں کی دل کی دل، دین اسلام میں داخل ہونے لگے اور بنی اسد اور بنی فزارہ اور بنی مرہ اور بنی کنانہ اور بنی طے اور یمن و شام اور عراق والے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لائے۔ (۱۵۲)

آٹھویں سوال " یہ جو لکھا ہے کہ روز ولادت پیغمبر کے آتشکدہ منطفی ہو گیا اور بت سب واژگون ہو گئے یہ تحریر آیا کسی مخالف کی ہے یا موافق کی، کے تحت رقمطراز ہیں:

" موافق اور مخالف کے تحریر میں اب تک میں نے نہیں دیکھا لیکن مخالف کے نہ لکھنے سے ایسے امور کی بے اعتباری ثابت نہیں ہوتی بلکہ اگر صحیح طور سے موافق کی تحریر سے ثابت ہو جائے تو مخالف کے انکار کرنے سے بھی کچھ نہیں بگڑتا چہ جائیکہ اس کے نہ لکھنے کے، دیکھو نوح کے طوفان کا حادثہ، جو توریت کے موافق چالیس دن تک تخمیناً ممتد رہا تھا اور اسکی سے انسان سے فقط آٹھ نفر اور جانداروں سے فقط کشتی والے بچے تھے اور باقی سب جاندار فنا ہو گئے تھے اور اسی طرح یوشع کے معجزے سے آفتاب کا چار پہر تک وسط السماء میں ٹھہرا رہنا اور اشعیاء کے معجزے سے آفتاب کا پیچھے دس درجے ہٹ آنا، عہد عتیق کے کتابوں میں مصرح ہے اور ہندیوں، چینیوں، مجوسیوں اور ترکوں میں سے کسی مورخ نے نہیں لکھا۔ لیکن یہ سب باتیں مسلمہ ہیں۔۔۔ اور روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ ربیع الاول کے مہینے میں پیر کے دن صبح صادق کے طلوع کے وقت حضرت پیدا ہوئے اور ولادت کے وقت اور اس کے بعد بہت سے خوارق عجیبہ ظاہر ہوئے جنکی تفصیل سیر کی کتابوں میں ہے بعض ان میں سے یہ ہیں کہ شاہ ایران کے محل کے زلزلے سے چودہ کنگرے گر پڑے اور ساوے کی جھیل بالکل سوکھ گئی اور سماوے کا نالا جو ہزار برس سے خشک تھا بہہ نکلا اور فارس کا آتشکدہ جو ہزار برس سے روشن تھا بجھ گیا اور اس رات میں کعبے کے اندر جتنے بت تھے سب اوندھے منہ گرے۔ نقل ہے کہ جب اس زلزلے سے نوشیروان کے محل کے چودہ کنگرے گرے تو نوشیروان یہ حال دیکھ کر فکر مند ہوا اور کئی روز تک اس نے اپنے اندیشے سے کسی کو مطلع نہ کیا بالآخر اس نے اپنے مصاحبوں کو جمع کیا اور اس وقت اصطخر سے خبر پہنچی کہ فارس کا آتشکدہ بجھ گیا اور جب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ کنگروں کے گرنے اور اسکے بجھنے کا ایک ہی وقت تھا۔ اس بات سے نوشیروان کا حال زائد متغیر ہوا اور اس مجلس میں

کبردن کے قاضی القضاۃ نے اپنا خواب جو اس رات دیکھا تھا یوں بیان کیا کہ میں دیکھتا ہوں کہ سرکش اونٹ عربی گھوڑوں کو کھینچتے ہیں اور دجلے سے اتر کر پارس کے ملک کے شہروں میں پھیلے پڑے ہیں نوشیروان نے پوچھا ان حادثوں کا کیا نتیجہ ہوگا اس نے عرض کیا کہ عرب کے ملک میں کوئی نیا حادثہ ہوا ہے نوشیروان نے اس کے معلوم کرنے کو ہوشیار آدمی کاہنوں کی طرف بھیجا اور جب سطیح کی طرف جو اس وقت کاہدا کاہن تھا عبدالمسیح، نوشیروان کا قاصد آیا تو اس وقت سطیح مرض الموت میں تھا عبدالمسیح نے اسی وقت یہ حال بیان کیا۔ اس نے کہا جب تلاوت کرنیوالا پیغمبر عصا والا مبعوث ہو اور ساوے کی جھیل جاری ہو اور ساوے کا نالا سوکھ جائے اور فارس کا آتشکدہ بجھ جائے تو بابل، فارس والوں کا مقام اور شام کا ملک سطیح کی جائے آرام نہ ہوگا اور یہ کلام پورا کر کر مر گیا"۔ (۱۵۳)

ازالۃ الشکوک کی پہلی جلد میں ۱۲ سوالوں کے جوابات دیئے گئے ہیں ان سوالات کا تعلق آپ کے معجزات سے ہے۔ دوسری جلد میں سترہ سوالوں کا جواب دیا گیا ہے دوسری جلد سے بھی چند جوابات بطور نمونہ کے نقل کیے جاتے ہیں۔

انیسواں سوال "کیا قرآن کی رو سے ثابت ہے کہ پیغمبر کے وقت کے کلام مجید سابق (توریت و انجیل) میں کچھ تحریف ہوئی تھی بعد ان کے اگر ہوئی تو ثابت کرو"۔ اگرچہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے اس کا تفصیلی جواب مناظرہ اکبرآباد اور اپنی کتاب اعجاز عیسوی وغیرہ میں بھی دیا ہے۔ تاہم اس کتاب میں بھی اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں "قرآن کی بعض آیتوں میں تصریح ہے کہ محمد ﷺ سے پہلے بھی تحریف ہوئی، سورۃ البقرہ کی آیت میں ہے۔

"افتطمعون ان یومنوا لکم وقد کان فریق منھم یسمعون کلام اللہ ثم یحرفونہ من بعد ما عقلوہ وھم یعلمون"۔ (۱۵۴)

سو جب ان کے سلف کا یہ حال ہو تو ان سے تحریف کا ہونا کیا تعجب ہے اس میں دیکھو کہ اس بات کی تصریح ہے کہ اہل کتاب کے سلف کا ایک جتھہ تحریف کیا کرتا تھا اگر خلف بھی کریں تو کچھ تعجب نہیں۔ (۱۵۵)

ایک دلچسپ سوال عیسائیوں کی طرف یہ تھا جس کا بیسواں نمبر ہے "کسی نے بچشم خود دیکھا ہے کہ جبرئیل پیغمبر کے پاس وحی لاتا تھا اور اگر کسی نے دیکھا ہے تو گواہی اس کی کہاں ہے؟

جواب اول، تو دیکھنا کسی اور شخص کا جبرئیل یا اور فرشتے حامل وحی کو ضروری نہیں بلکہ اس امر میں اس نبی کا جس کی نبوت پکی دلیلوں سے ہوتی ہو فقط فرما دینا کفایت کرتا ہے۔ حزقیل کی کتاب کے پہلے باب میں اس وحی کے بیان میں جو پہلے نہر خابوز کے کنارے حزقیل پر اتری تھی۔۔۔ دیکھو یہ عجیب و غریب ماجرا، حزقیل کے سوا کسی اور شخص نے نہیں دیکھا اور یوحنا کے مشاہدات

میں اس قسم کی باتیں کثرت سے ملیں گے اور وہاں بھی یوحنا کے سوا کسی اور نے نہیں دیکھا، بلکہ حضرت موسیٰ کے سوا اور انبیاء پر ملا کیا پیغمبر تک اگر فرشتہ حامل وحی آیا ہے اس کو ان انبیاء کے سوا اتنا؟ کس نے دیکھا اور اس باب میں جیسا کہ ارشاد ان انبیاء کا تقریر یا تحریر کے ذریعے سے کافی تھا ایسا ہی ارشاد حضرت کا جبرئیل کے وحی لانے میں کافی ہے اور قرآن میں کئی مقامات پر اسکی صراحت موجود ہے۔

قل من کان عدوا لجبریل فانه نزله علی قلبک باذن الله (١٥٦)

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے :

قل نزله روح القدس من ربک بالحق. (١٥٧)

دوم یہ ہے کہ بہت اصحاب مثل حضرت عبداللہ بن عباسؓ، سعد بن وقاصؓ، عائشہ صدیقہؓ، نے جبرئیل کو آنحضرت کے پاس آتے دیکھا ہے اور ان کے دیکھنے کی روایات صحاح ستہ کی کتابوں میں اسناد صحیحہ سے مروی ہے اور اس بات کی تحقیق حدیث صحیح سند اور اعتبار کے قابل ہے۔ (١٥٨)

٢٦ واں سوال بھی عیسائیوں نے اپنے زعم میں ایسا کیا تھا کہ اس کا جواب مسلمان ہرگز نہ دے سکیں گے جو حسب ذیل تھا: جو شخص دعوی نبوت کرے اور کتاب بنادے یا کہے اور اس کو کلام اللہ قرار دے اور کتب سابقہ کو جو قرار واقعی تواتر سے ثابت ہوں محرف یا جعلی بتائے تو فرمایئے کہ صدہا سال کے بعد اس کے تابعین کس وجہ سے اس بات کی تحقیق کریں گے کہ ان کے نبی کے نام سے جو کتاب مشہور ہے وہ اصلی ہے یا جعلی، مولانا نے بہت مختصر الفاظ میں اس کا مسکت جواب یوں دیا، لکھتے ہیں .

> ''اس قول سے کتب سابقہ کو جو قرار واقعی تواتر سے ثابت ہوں سائل کی مراد اگر یہ ہے کہ ان کتابوں کی سند متصل ہے اور مصنف کے عہد سے آج تک تواتر کی راہ سے ہر ہر فقرہ اور ہر ہر لفظ کا ان کا منقول ہے اور برہان سے ثابت ہے کہ کسی طرح کی تحریف ان میں نہیں ہوئی تو ممکن نہیں کہ سچا نبی ایسی کتابوں کو جعلی اور محرف بتادے سو اس صورت میں ایسا فرض تو ایک لغو فرض ہے التفات کے قابل نہیں اور اگر مراد یہ ہے کہ فقط کسی شخص کی طرف نسبت اسکی مشہور ہو گئی ہو گو نفس الامر میں اسکی تصنیف ہو یا نہ ہو اور گو ہر ہر فقرہ اور ہر ہر لفظ اس کا تواتر کی راہ سے نہ منقول ہو بلکہ تحریف بھی اس میں ہر قسم کی یقیناً ہوئی ہو تو ممکن ہے کہ سچا نبی ایسی کتابوں کو محرف یا جعلی بتادے اس مفہوم کے ساتھ کہ بعض کتاب تو حقیقت میں اس مصنف کی تصنیف نہیں، جس کی طرف نسبت ہے اور بعض کتاب کو اس کی تصنیف ہے مگر پیچھے سے اس میں تحریف ہوئی ہے اور جب خارج سے یہ بات معلوم ہو اور

اس نبی کی نبوت بھی معجزات اور دلائل حقہ سے ثابت ہو تو پھر یہ بات یقینی اور واجب الاعتقاد ہو جائے گی۔ رہی اس نبی کی کتاب اگر اس کا حال یہ ہو کہ اس نبی کے عہد سے آج تک ہر ہر فقرہ اور ہر ہر لفظ اس کا تواتر کی راہ سے منقول ہو اور اس کے علاوہ یہ بات بھی ثابت ہو کہ غیر کا کلام اس میں نہیں مل سکتا اور خدا کا وعدہ اس کی حفاظت کا بھی ہے تو صدہا سال کے بعد کا کیا ذکر، ہزار سال کے بعد بھی نہایت آسانی سے ثابت کر سکیں گے اور اگر اس کتاب میں بھی تواتر دوسری قسم کا ہو تو حقیقت میں وہ بھی اس کی اصلیت کا اثبات نہ کر سکیں گے"۔ (۱۵۹)

دوسری جلد میں مذکورہ سوالات کے جوابات کے علاوہ مولف نے اکبر آباد کے دو مناظروں کے واقعات وحالات بھی تحریر کیے ہیں اور بڑے مناظرے سے جو اثرات مرتب ہوئے تھے اس کا بھی ذکر کیا ہے اور خاص طور پر چھوٹے مناظرے کا حال تو اس کتاب کے علاوہ کسی اور کتاب میں ملتا نہیں۔ (۱۶۰)

کتاب کے اسلوب کا ناقدانہ جائزہ:

کتاب کی زبان اور اسلوب قدیم طرز پر مشتمل ہے۔ تاہم مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی اس تالیف میں مندرجہ ذیل امور قابل ذکر ہیں:

۱۔ فرنگی زبانوں اور بائبل کے مستند مفسرین کے حوالے کثرت سے استعمال ہوئے ہیں البتہ فرنگی ناموں کا طرز املاء اردو میں ہے۔

۲۔ بائبل کے اردو، عربی، فارسی، اور انگریزی تراجم کے کئی طبعات (Editions) کے حوالے بکثرت پائے جاتے ہیں۔

۳۔ کتاب میں مولفؒ کی طرف سے جا بجا حواشی کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔

۴۔ ذیلی عنوانات صفحات کے حواشی پر درج کیے گئے ہیں۔

۵۔ بعض معجزات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

۶۔ مولف نے اپنی کتاب ازالۃ الاوہام، استفسار از سید آل حسن وغیرہ سے بھی استدلال کیا ہے۔

۷۔ میزان الحق، کے کئی مباحث کے جوابات بین السطور دیے گئے ہیں۔

۸۔ دلائل وشواہد کی دیگر تالیفات کی طرح یہاں بھی کثرت پائی جاتی ہے۔

۹۔ اسلوب جوالات کے مطابق الزامی، عقلی اور تحقیقی اختیار کیا گیا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ مذکورہ کتاب کو اردو کے نئے قالب میں ڈھالا جائے اور انگریزی کتابوں اور فرنگی ناموں کی تحقیق کی جائے۔

فصل سوم :اظہار الحق(عربی)

کتاب :	اظہار الحق۔
مولف :	مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ۔
بہ اہتمام :	دا عبداللہ بن احمد الفرید۔
طبع ونشر :	الادارۃ العامۃ للطبع و الترجمۃ،الریاض المملکۃ العربیۃ السعودیۃ.
سن طباعت :	۱۴۱۰ھ/۱۹۸۹ء۔
صفحات.	جلد اول :۲۵۱،جلد دوم ۳۷۷ جلد سوم : ۳۵۴،جلد چہارم :۳۱۶۔

رد مسیحیت و مطالعہ بائبل پر مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی آخری اور سب سے زیادہ معرکتہ الآراء کتاب 'اظہار الحق' ہے جو ایک طویل مقدمہ اور چھ ابواب پر مشتمل ہے۔اس کتاب میں اسلام اور مسیحیت کے مابین بنیادی اختلافی مسائل میں سے ہر ایک پر اس قدر مبسوط،مدلل اور فاضلانہ بحثیں کی گئی ہیں شاید ہی کسی بھی زبان میں اس موضوع پر اتنا مواد یک جا ہو،این۔پاول، کے خیال میں

> "The New Work(Izhr-ul-Haq)took up these issues and was more comperihensive the Rahmat Allah, earlier book on 'Tahrif',yet ten years..."

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے یہ کتاب قسطنطنیہ (ترکی) میں چھ ماہ کے قلیل عرصہ میں ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء میں تالیف کی کتاب کے آخر میں رقمطراز ہیں :

> "قد بدات فی تالیف هذا الکتاب سادس عشر من شهر رجب المنسلك فی سنه الف و مائتین و ثمانین من هجرة سید الانبیاء و المرسلین ﷺ (۱۶رجب ۱۲۸۰ھ) و فرغت عنه فی اخر ذی الحجه السنة فی المذکوره والحمدالله رب العالمین،وصار تاریخ ختمه تائید الحق ۱۲۸۰ھ برحمته الله"(۱۶۱)

تالیف کتاب کا پس منظر :

مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے کتاب کے مقدمہ میں سبب تالیف بتاتے ہوئے اس وقت (۱۸۵۴ء) کے ہندوستان کے حالات خصوصاً مسیحی تبشیری سرگرمیوں کا فروغ اور مسیحیت کے اسلام پر بڑھتے ہوئے اعتراضات اور ان حالات کے پیش نظر مولانا کا ردِ مسیحیت کی طرف متوجہ ہونا اور پادری فانڈر سے اکبر آباد مجمع عام میں مناظرہ کرنے کے بارے میں تفصیل سے بیان کیا ہے اگرچہ ان میں سے بعض حالات کا جائزہ دیگر کتب کی تالیف کے پس منظر میں لیا جا چکا ہے تاہم یہاں صرف 'اظہار الحق' کی تالیف کے خاص پس منظر پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد بہت سے علماء کرام، مکہ معظمہ کی طرف ہجرت کر گئے تو مولانا رحمت اللہ کیرانوی بھی اس قافلے میں شریک تھے۔ حرم کعبہ میں مولانا کا تعارف، شیخ العلماء سید احمد دحلان (مدرس مسجد حرام) سے ہوا تو انہوں نے مولانا کی علمی و تبحری شخصیت سے متاثر ہو کر نہ صرف مولانا کو مسجد حرام میں باقاعدہ درس کی اجازت مرحمت فرمائی بلکہ ان مسائل پر کتاب لکھنے کی فرمائش بھی کی جن پر مناظرہ ہوا تھا۔ (۱۶۲) بعد ازاں جب پادری فانڈر مناظرہ اکبر آباد میں شکست کھا کر ہندوستان چھوڑ کر چلا گیا اور قسطنطنیہ (ترکی) جا کر پھر تبلیغ شروع کر دی تو سلطان عبدالعزیز خاں کی خواہش پر مولانا رحمت اللہ کیرانوی کو مکہ سے قسطنطنیہ (ترکی) بلایا گیا تاکہ صورتحال واضح ہو۔ چنانچہ مولانا سلطان موصوف کے حکم سے جب (ترکی) پہنچے تو پادری فانڈر وہاں سے فرار ہو گیا۔ اس پر سلطان عبدالعزیز خان اور صدر اعظم خیر الدین پاشا کی خواہش تھی کہ مولانا عربی زبان میں ایک کتاب تالیف فرمائیں جس میں ان پانچوں مسائل پر محققانہ بحث کی گئی ہو جو اکبر آباد کے مناظرہ میں موضوع بحث بنے تھے۔ چنانچہ مولانا موصوف نے چھ ماہ کی مختصر مدت میں قیام ترکی کے دوران ہی یہ معرکۃ الآراء کتاب تالیف فرمائی۔ (۱۶۳) مولانا نے اظہار الحق کے مقدمہ میں تالیف کا سبب شیخ العلماء، سید احمد دحلان کے حکم کو قرار دیا تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں

> "العلامة السيد احمد بن زيني دحلان ، ادام الله فيضه الى يوم القيام ، وامرني ان اترجم باللسان العربي هذه المباحث الخمسة من الكتب التي الفته في هذا الباب" (۱۶۴)

صدر اعظم خیر الدین پاشا نے جب یہ دیکھا تو مولانا سے فرمایا کہ آپ نے تو یہ کتاب امیر المومنین کی خواہش پر لکھی ہے اس لیے اس میں امیر المومنین کا ذکر ہونا چاہیے تھا اس کے بجائے آپ نے مکہ معظمہ کے شیخ العلماء کا ذکر فرمایا ہے اس پر مولانا نے فرمایا

"اس خالص مذہبی خدمت میں کسی دنیاوی غرض و مقصد کا کوئی شائبہ نہ آنا چاہیے اس کے

علاوہ مکہ معظمہ میں خود شیخ العلماء مجھ سے ان حالات کے قلمبند کرنے کی خواہش کر چکے تھے اور ابتدائی مواد کی ترتیب کا کام بھی شروع کرا دیا تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کتاب کی تالیف کا اصل سبب شیخ العلماء ہیں کسی وجہ سے اگر وہ مجھے امیر مکہ تک نہ پہنچاتے تو میری رسائی یہاں تک نہ ہوتی اور اس خدمت کا موقع نہ ملتا"۔(۱۶۵)

مولاناؒ کی اس وضاحت سے ان کی صاف گوئی اور حقیقت پسندی کا اندازہ ہوتا ہے چنانچہ مولانا نے ان مباحث کو عربی زبان میں قلمبند فرمایا کیونکہ اہل عرب فارسی اور اردو سمجھنے سے قاصر تھے اور اس کا نام کتاب مکمل کرنے کے بعد تجویز کیا۔ محمد عبدالقادر خلیل ملکاوی لکھتے ہیں :

" وقد بدا تاليفه بمقد مته وابوابه و فصوله دون ان يسميه، ولما انتهى من تاليفه هداه الله لان يسميه : اظهار الحق"(۱۶۶)

کتاب کے اس پس منظر کو مزید سمجھنے اور مباحث کا تفصیلی جائزہ لینے کے لئے ضروری ہے کہ پادری فانڈر کی کتاب 'میزان الحق' کا قدرے تفصیل سے جائزہ لیا جائے۔

میزان الحق کا جائزہ :

اگرچہ قسیس اعظم، سی۔جی فانڈر Rev C G Pfander(۱۶۷) نے کئی تصنیفات مثلاً مفتاح الاسرار(۱۶۸) حل الاشکال(۱۶۹) اور طریق الحیات(۱۷۰) قلمبند کیں مگر ان کی تصنیفات میں جو شہرہ 'میزان الحق' کو حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کے کئی زبانوں میں متعدد ایڈیشن شائع ہوئے جس کا جواب دینے سے مسلمان بظاہر عاجز دکھائی دیتے تھے اور پادری فانڈر بطور خاص اپنی اس کتاب پر فخر کرتا تھا اور مسلمانوں کو اس کا جواب دینے کیلئے کہتا تھا پاول کے مطابق

"..he was in a position to egage in face to fase discuss with a Muslim"

ذیل میں کتاب کا مختصر جائزہ لیا جاتا ہے :

وجہ تسمیہ :

کتاب کا نام عربی، فارسی اور اردو میں میزان الحق، انگریزی میں "The Balance of the Truth" اور فرانسیسی میں "Wage Der Wahrheit" ہے۔ اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مصنف نے حق و صداقت کی شناخت و امتیاز کے لئے چھ اصول وضع کئے ہیں جن کو محک امتحان یا معیارات کا نام دے کر بطور میزان (Balance) کے پیش کیا ہے جن پر مصنف کے خیال

کے مطابق حقیقی و سچے الہام کو پہنچانا اور رہا پا جا سکتا ہے وہ معیارات یہ ہیں ۔۔

۱۔ ازلی نیک بختی کے حصول کے متعلق انسانی آرزوؤں کو پورا کرے۔

۲۔ ضمیر کی آواز کے موافق و مطابق ہونا چاہیے۔

۳۔ اللہ تعالی کی ذات کو عادل ہ پاک، جزا و سزا کا مالک، جیسی صفات سے متصف مانے۔

۴۔ عقل و فطرت کے مطابق ہو۔

۵۔ راہ نجات کی جانب ہدایت کرے اور اس میں اختلاف معنوی نہ ہو۔

۶۔ ایک ایسی ہستی کی نشاندہی کرے جو کامل انسانیت اور الوہیت کا مجموعہ ہو اور لوگ پہچان سکیں۔

چنانچہ مصنف کے خیال میں ان معیارات اور میزان پر دین اسلام اور دین عیسوی کو پرکھا جاسکتا ہے۔ (۱۷۱)

کتاب کے ماخذ :

پادری فانڈر نے اپنے پیش رو مسیحی مناددوں کی تحریرات سے خوب استفادہ کیا ہے چنانچہ پادری لی (Rev. Lee) کی کتاب عیسائیت اور اسلام کی مناظرانہ تحریریں "Controvertial Tracts on Christianity and Mahmme-danism" مطبوعہ کیمبرج، ۱۸۲۴ء اور پادری چارلس فاسٹر (Rev Charles Foster) کی تصنیف 'راز اسلام طشت از بام "Mahmmedanism Unveiled" مطبوعہ لندن، ۱۸۲۹ء سے کافی مواد حاصل کیا۔ میزان الحق کا خاص طور پر آخری اور تیسرا حصہ جو اسلام، پیغمبر اسلام اور قرآن پر بے تحاشا اعتراضات پر مشتمل ہے انہی سے ماخوذ ہے۔ افکار و خیالات کے بعض پہلوؤں میں جرمن مفکر ڈاکٹر اسپرنگر (Sprager) کی کتاب (Life of Mohammad) مطبوعہ ۱۸۵۰ء اور ولیم میور کی (Life of Mahomet) میں بھی بڑی حد تک اشتراک پایا جاتا ہے۔

نفس مضمون :

کتاب ایک مقدمہ یا دیباچہ اور تین ابواب فصول پر مشتمل ہے جن کی تقسیم یہ ہے۔

پہلا حصہ : عہد عتیق و انجیل کلام اللہ ہیں اور محرف و منسوخ نہیں۔ (۱۷۲)

دوسرا حصہ : مروجہ عہد عتیق و جدید وہی ہیں جو حضور اکرم ﷺ کے عہد میں تھیں اور جس کی شہادت قرآن نے دی ہے۔ (۱۷۳)

تیسرا حصہ : اسلام کے آخری الہام الٰہی ہونے کی تحقیق نیز قرآن کلام اللہ اور حضرت محمد خاتم النبیین اور رسول اللہ ہیں یا نہیں۔ (۱۷۴)

کتاب کے دیباچہ میں بعض نسخوں میں عمدہ عبارت کیساتھ قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ کے علاوہ عربی و فارسی کے اشعار

سے بھی اجتناب کیا گیا ہے اور اس امر کا مصنف نے شدید طور پر اظہار کیا ہے کہ تلاش و تحقیق کے حق میں ہر طرح کی مخالفت اور سخت کلامی سے گریز کرنا چاہیے اور نفرت والزام دہی سے دور رہنا چاہیے تاہم حیرت و تعجب اس امر پر ہوتا ہے مصنف دیباچہ ہی میں اپنے قائم کردہ اس اصول کی پابندی نہ کر سکے اور مقابل فریق کو 'جاہل و ناواقف' جیسے خطاب سے ہی کلام کا آغاز کر دیا۔(۱۷۵)

میزان الحق، کی طبعات:

سب سے پہلے کتاب انگریزی میں ۱۸۳۱ء میں ماسکو (روس) سے طبع ہوئی جب کہ چار سال بعد فارسی میں شوش (Shusyh) سے طبع ہوئی۔ جب کہ کلکتہ میں ۱۸۳۹ء میں طبع ہوئی۔ سب پہلا اس کا اردو ترجمہ مرزاپور سے ۱۸۴۳ء میں اور آگرہ میں ۱۸۵۰ء میں طبع ہوا۔ بعض علماء اسلام کے مدخلات و جوابات کے پیش نظر مصنف اور مسیحی علماء کی طرف سے ترمیم و اصلاح کا سلسلہ جاری رہا۔

سب سے پہلے پادری فانڈر نے اپنے قدیم نسخے میں ترمیم واصلاح کے بعد ۱۸۴۹ء میں فارسی اور ۱۸۵۰ء میں اردو میں اکبر آباد سے طبع کرایا۔ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے دونوں نسخوں میں ترمیم و تحریف کی نشاندھی کرتے ہوئے اس پر ایک مستقل رسالہ 'معدل اعوجاج المیزان' قلمبند کیا۔

مسیحی علماء کی روایتی عادت کے پیش نظر پادری فانڈر نے تیسری مرتبہ اصلاح و ترمیم کر کے کتاب فارسی زبان میں ترکی سے طبع کرائی ۳۲۶ صفحات پر مشتمل یہ نسخہ اپنے مصنف اور مطبع سے خالی ہے۔ بعد ازاں ڈاکٹر تسڈس (Dr Clair Tisdall) نے چوتھی مرتبہ 'میزان الحق' میں ترمیم واصلاح کا فریضہ سرانجام دیا اور مضامین کی غیر معمولی تقدیم و تاخیر کی جس سے سابقہ طباعتوں سے اس کا حجم کئی گنا بڑھ گیا۔ ڈاکٹر موصوف نے یہ نسخہ عربی میں ۱۹۲۳ء مصر سے طبع کرایا نیز عربی زبان میں ۱۸۷۴ء کا مطبوعہ نسخہ ۲۴۰ صفحات پر مشتمل بھی ملتا ہے۔

اردو میں 'میزان الحق' کا ایک نسخہ مطبوعہ ۱۸۹۲ء بھی ہے۔ مذکورہ نسخہ ۳۹۸ صفحات پر مشتمل ہے تاہم یہ بھی اپنے مصنف کے نام سے خالی ہے البتہ سرورق پر یہ عبارت مرقوم ہے 'پنجاب رلجس بک سوسائٹی (B R.B S) لاہور کے واسطے چرچ مشن کا مگرس پریس الہ آباد' میں چھپائی گئی بار دوم۔

راقم کے زیر مطالعہ اردو نسخہ مطبوعہ ۱۹۶۲ء ہے جو ۲۹۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس نسخہ کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ اس میں ۱۹۰۷ء اور ۱۹۰۹ء کے حوالے سے بعض واقعات تحریر کیے گئے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے مصنف کی وفات ۱۸۶۸ء کے بعد بھی ترمیم واصلاح کی مشق جاری ہے۔

۱۹۸۳ء مرکز الشبیبہ بازل سوئیسرا سے کتاب کئی زبانوں میں طبع ہوئی۔ ۴۸۲ صفحات پر مشتمل عربی طباعت جو تین اجزاء پر مشتمل ہے طبع سوم کے الفاظ درج ہیں تاہم اس پر بھی مطبع و سن طباعت مفقود ہے لیکن طباعت نہایت عمدہ ہے۔ اور سابقہ طبعات

کی نسبت اس میں وسیع پیمانے پر حذف اصلاح کی گئی ہے۔(۱۷۷)

مسلمان علماء کی طرف سے 'میزان الحق' کا جواب دینے کی کوششیں

اسی زمانے میں سید رحمت اللہ اور محمد کاظم علی کی خط وکتابت بھی پادری فانڈر سے ہوتی رہی جو ۱۸۴۲ء سے شروع ہو کر ۱۸۴۴ء یا ۱۸۴۵ء تک چلتی رہی۔ یہ سلسلہ اس وقت ختم ہو گیا جب فانڈر نے جواب دینے سے انکار کر دیا۔(۱۷۸)

تاہم علمی طور پر 'میزان الحق' کا جواب سب سے پہلے سید آل حسن نے اپنی تالیف 'استفسار' میں دیا جس کے نتیجے میں پادری فانڈر نے میزان الحق میں بعض ترمیم واصلاح بھی کیں۔ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے بھی بعض مباحث کا کہیں تفصیلاً اور کہیں اجمالاً جواب اپنی تصانیف ازالۃ الاوہام، اعجاز عیسوی اور ازالۃ الشکوک میں دیا ہے۔ علاوہ ازیں مولانا ابو المنصور ناصر الدین دہلوی نے 'میزان المیزان' کے نام سے ۱۶۰ صفحات پر مشتمل کتاب، مطبوعہ نصرت المطابع دہلی ۱۲۹۴ھ میں اس کا مناسب جواب دیا۔(۱۷۹)

ہندوستان ہی میں کیا موقوف دیگر ممالک اور زبانوں میں بھی اس کا تعاقب جاری رہا۔ چنانچہ جب مصر اور ترکی میں عربی میں کتاب طبع ہوئی تو شیخ علی بن عبداللہ البحرانی، نے اپنی کتاب 'لسان الصدق' اور شیخ عبدالرحمٰن الجزیری نے 'ادلۃ الیقین' میں اس کا جواب دیا۔

ترکی میں سب سے نمایاں کوشش نجف علی تبریزی کی ہے جس نے میزان الحق کے فارسی نسخہ کا جواب باقاعدہ ۴۹۵ صفحات کی ایک مستقل کتاب کی صورت میں دیا۔ اس کا نام 'میزان الموازین فی امر الدین، در جواب میزان الحق' ہے اس میں فاضل مصنف نے پانچ حصوں میں بحث در بحث جواب دیا تاہم اس میں کہیں پر بھی پادری فانڈر کا نام مذکور نہیں معلوم ہوتا کہ جو نسخہ ان کے پیش نظر رہا وہ مصنف کے نام کے بغیر شائع ہوا ہے۔(۱۸۰)

پادری فانڈر کی تصانیف کے جواب میں اس وقت تک جتنی کتابیں شائع ہوئیں ان میں سے چند ایک کو چھوڑ کر کسی میں بھی اس کے اعتراضات خصوصاً میزان الحق، کا مدلل اور شافی جواب موجود نہیں تھا بالآخر ۱۸۵۴ء میں پادری فانڈر اور مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے درمیان اکبر آباد، ۱۸۵۴ء میں مناظرہ ہوا جس میں پادری فانڈر لاجواب ہو کر آخری دن گھر بیٹھ رہا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کو ہندوستان سے ہجرت کے حجاز جانا پڑا۔ اور پادری فانڈر بھی یورپ واپس چلا گیا اسے لندن چرچ مشن نے قسطنطنیہ میں مسیحیت کی تبلیغ کے لیئے بھیجا اس سے مناظرہ کے لیئے سلطان عبدالعزیز خاں نے مولانا کیرانویؒ کو مکہ معظمہ سے قسطنطنیہ طلب کیا۔ اور پادری فانڈر ایک بار پھر مولانا سے مقابلہ کرنے کی بجائے واپس لندن چلا گیا۔ اور آخر کار سلطان عبدالعزیز خاں اور صدر اعظم خیر الدین پاشا کی خواہش پر مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے 'اظہار الحق' تالیف کی جس کے بعد مسیحی دنیا

میں بھی 'میزان الحق' کا اعتبار ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ (۱۸۱)

اظہار الحق کے مباحث کا جائزہ :

کتاب کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور درود سلام سے ہوتا ہے جس میں صراط مستقیم کے لیے دعا بھی ہے۔ اس کے بعد مولف ؒ کی طرف سے ابتدائی کلمات ہیں جسے دیباچہ یا پیش لفظ سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس مختصر دیباچہ میں مولف ؒ نے اس وقت کے ہندوستان کے حالات اور کتاب کا مختصر پس منظر بیان کیا ہے آخر میں لکھتے ہیں :

'وسمیته (اظهار الحق) ورتبته علی مقدمه وستة ابواب '۔

مقدمۃ الکتاب :

کتاب کا مقدمہ جو غیر معمولی طور پر طویل ہے کتاب کے سمجھنے کے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس میں مولف ؒ نے چند امور کا اہتمام کیا ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہیں :۔

۱۔ الزامی جوابات عیسائیوں کے مشہور فرقہ پروٹسٹنٹ کی کتابوں سے متعلق ہوں گے۔ فرقہ کیتھولک کی کتب سے استدلال بہت کم کیا جائے گا کیونکہ ہمارے پیش نظر عیسائیوں کے یہی علماء و کتب ہیں۔

۲۔ اوّل الذکر فرقہ کی کتب میں تغیر و تبدل کرنے کی طبعی عادت ہے اور اسے عام مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ (۱۸۲)

۳۔ مآخذ کتاب مندرجہ ذیل ہیں :۔

۱۔ خمسہ موسوی کا عربی ترجمہ جسکو ولیم واٹسن [William Watson] نے لندن میں طبع کیا ہے مطبوعہ ۱۸۴۸ء، جو نسخہ مطبوعہ روما ۱۲۶۴ھ کے بعد طبع کیا گیا۔

۲۔ عہد عتیق و جدید کی تمام کتب کا عربی ترجمہ جسکو ولیم واٹسن نے ۱۸۴۴ء میں طبع کیا۔

۳۔ عہد جدید [New Testament] کا ترجمہ عربی زبان میں بیروت میں ۱۸۶۰ء میں طبع ہوا۔

۴۔ بائبل کی تفسیر جو آدم کلارک [Adam. Clarke] نے لکھی اور ۱۸۰۱ء میں لندن سے طبع ہوئی۔

۵۔ بائبل کی تفسیر [Introduction to the Critical Study and Knoledge of the Holy Bible] جو ہورن [T H.Horne] نے لکھی اور ۱۸۲۲ء میں لندن میں تیسری بار طبع ہوئی۔

۶۔ ہنری اور اسکاٹ [Henry & Scott] کی تفسیر [A Commentry upon on the Holy Bible] مطبوعہ لندن ۱۸۲۷ء (چھ جلدیں)۔

۷۔ لارڈنر [N Londner] کی تفسیر لندن ۱۸۴۸ء، جو دس جلدوں میں ہے۔

۸۔ ہارسلے [S Horseley] کی تفسیر بائبل [Biblical Criticism on the first fourteen Historical

books of the Old Testament.] مطبوعہ ۱۸۲۰ء۔

۹۔ واٹسن [Watson] کی تفسیر بائبل [Explanatory and Practical To theHoly Bible] مطبوعہ ۱۸۴۸ء۔

۱۰۔ ڈی آئلی رچرڈمنٹ [Doyly &Richerd Mant] کی تفسیر بائبل جو لندن میں ۱۸۴۸ء میں طبع ہوئی۔

۱۱۔ پروٹسٹنٹ فرقہ کا بائبل ترجمہ انگریزی مہر شدہ مطبوعہ ۱۸۱۹ء، ۱۸۳۰ء، ۱۸۳۱ء، ۱۸۳۶ء۔

۱۲۔ عہد عتیق وجدید کا ترجمہ انگریزی جو رومن کیتھولک کا کیا ہوا ہے مطبوعہ ڈبلن ۱۸۴۰ء۔

۴۔ مسلمانوں کے نزدیک تمام انبیاء وکتب الہامی کا احترام کرنا از بس ضروری ہے۔ اگر غلطی سے کوئی ایسے الفاظ قلم سے صادر ہو جائیں تو مولفؒ کی بد اعتقادی پہ محمول نہ کیا جائے۔ البتہ ایسے نازیبا الزامات جو عیسائیوں کی طرف سے انبیاء کی طرف منسوب ہیں ان کا انکار کرنا ضروری ہے۔

۵۔ عیسائیوں کے مختلف فرقوں نے ایک دوسرے کی مخالفت میں جو الفاظ وکلمات استعمال کیے ہیں مولفؒ ان کے استعمال سے حتی الامکان دریغ کرے گا۔ ہاں اگر کوئی لفظ بلا ارادہ ایسا نقل کیا جو ان کی شان کے مناسب نہیں ہے تب بھی ہم ان سے چشم پوشی اور دعا کے طالب ہیں۔

۶۔ اگر ہم عیسائی ملحدین کے بعض اقوال نقل کریں تو اس سے منشاء یہ نہ لیا جائے کہ ہم ان اقوال کو پسند کرتے ہیں بلکہ ان اقوال کے نقل کرنے کی وجہ ان کے اعتراضات کو جو وہ اسلام پر کرتے ہیں، کو بے حقیقت ثابت کرنا ہے کیونکہ اسلام پر اعتراضات کے مقابلے میں خود ان کے فرقوں نے جو اعتراضات کئے ہیں وہ کہیں اس سے بدتر ہیں۔ ورنہ ہمارے نزدیک حضرت عیسٰی علیہ السلام کا منکر ایسا ہی ہے جیسے حضور اکرم ﷺ کا منکر۔

۷۔ علمائے فرقہ پروٹسٹنٹ کی عادت یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کی کتابوں میں سیاق وسباق سے نکال کر بعض کمزور اقوال نقل کر کے کہتے ہیں کہ سارا کلام ہی اس طرح ہے۔ ہمارے نزدیک غلطی اور بھول سے پاک ہونا صرف کلام الٰہی کے لئے مخصوص ہے۔ اگر عیسائی ہماری کسی کتاب کا جواب لکھیں تو دیانتداری سے پوری عبارت مد نظر رکھیں۔ (۱۸۴)

پادری فانڈر کے اقوال:

مندرجہ بالا سات امور کو واضح کرنے کے بعد مولف نے پادری سی۔ جی فانڈر کی مشہور کتب کا مختصر تعارف کروایا ہے اور ان میں سے ان اقوال کو نقل کیا ہے جن کی وضاحت زیر نظر کتاب میں بالبداہت کی گئی ہے تاکہ وہ مباحث مد نظر رہیں۔ ان میں میزان الحق سے چوبیس اقوال، حل الاشکال سے نو اقوال اور مفتاح الاسرار سے دو اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ یہاں بطور نمونہ چند اقوال نقل کیے جاتے ہیں۔

۱۔ قرآن اور مفسرین کا دعویٰ ہے کہ زبور نے توریت اور انجیل نے زبور کو منسوخ کردیا اسی طرح نزول قرآن سے انجیل منسوخ ہو گئی۔
۲۔ قانون نسخ اللہ تعالیٰ کی شان الوہیت کے خلاف ہے کیونکہ اس سے کامل الصفات کی نفی ہوتی ہے۔
۳۔ جب قانون نسخ ذات الٰہی کے منافی ہے تو پھر آیات کا تقتضاء یہ ہے کہ انجیل اور عہد عتیق کی کتابوں کے احکام رہتی دنیا تک قائم رہیں۔
۴۔ شیعہ اثناء عشریہ کا مسلک قرآن حکیم کی بابت یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن کو جلادیا تھا۔
۵۔ ہمارا عقیدہ نبی کی نسبت یہ ہے کہ پیغمبر اور حواریوں سے اگرچہ تمام کاموں میں بھول چوک اور سہو نسیان واقع ہو سکتا ہے مگر تبلیغ و تحریر کے دائرے میں وہ معصوم ہیں۔
۶۔ اگر ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ وہ آیت صحیح ہے کہ محمد ﷺ نے واقعی ایک مٹی کی مٹھی بھر کر دشمن کی طرف پھینکی تھی تب بھی اس سے معجزہ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔
۷۔ جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہو گئے تو آپ نے عربوں کا ایک لشکر ایران کی طرف بھیجا اور یہ حکم دیا کہ اگر ایرانی لوگ دین محمدی ﷺ کو خوشی قبول کرلیں تو بہتر ورنہ پھر ان کو جبر اور بزور قوت قرآن کا معتقد اور محمد ﷺ کا تابع بنایا جائے۔
۸۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ خدا تین اشخاص ہیں یا ایک شخص ہے بلکہ ہم کہتے ہیں تینوں اقنوم وحدت میں ہیں اور تین اقنوم اور تین اشخاص میں اتنا ہی فرق ہے جس قدر آسمان اور زمین کے درمیان۔
۹۔ کتب مقدسہ کی تحریف کسی زمانے میں بھی ممکن نہیں تھی کیونکہ بالفرض کوئی شخص اگر اس حرکت کا قصد کرتا تو چونکہ کتب مقدسہ کے نسخے قدیم زمانہ سے موجود تھے اس لیے اسی وقت اس کا پتہ چل جاتا۔ (۱۸۵)

مولفؒ نے مختصر طور پر مناسب حال اپنے اور پادری فانڈر کے درمیان ہونے والے مناظرہ کی روداد بھی مختصراً بیان کردی ہے اور علماء مسیحیت کی نفسیات کا تجزیہ کرتے ہوئے ان کی چند عادات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مثلاً

اول عادت تو یہ ہے کہ وہ تحریف کی بابت یوں سوال کرتے ہیں کہ کس نے تحریف کی؟ کس زمانے میں کی؟ کس غرض سے کی؟ تحریف شدہ الفاظ کیا ہیں؟ گویا کہ وہ تحریف کو مستعمد ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

دوم، عادت یہ ہے وہ ان الفاظ کو پکڑ لیتے ہیں جو بتقاضہ بشریت مخالف کے قلم سے ان کے حق میں یا ان کے اہل مذہب کے حق میں نکل جاتے ہیں اور استدلال کے طور پر صاحب کشف الاستار کے بعض اقوال کو نقل کرتے ہیں۔

سوم عادت یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات کا ترجمہ اور تفسیر اپنی رائے کے مطابق کرتے ہیں اور اسی پر اصرار کرتے ہیں نیز اظہار علم و فضل کے لیے کئی تفسیری قاعدوں کا ذکر کرتے ہیں موفؒ نے اس ضمن میں ان کی کتب اور مناظرہ سے کئی مثالیں بیان

فرمائی ہیں۔(۱۸۶)

مقدمہ کے آخر میں مولفؒ نے کتابوں کے حوالوں کے متعلق لکھتے ہیں" میں نے جن علماء اور کتابوں کے نام نقل کیے ہیں وہ انگریزی کتابوں سے لیے ہیں جو مجھ تک پہنچ سکی ہیں یا پھر فرقہ پروٹسٹانٹ کے ترجموں سے یا ان کے فارسی، عربی یا اردو کے رسائل سے اور ناموں کی گڑبڑ دوسرے حالات سے بھی زیادہ ہوئی ہے جیسا کہ ان کی کتابوں کے ناظرین سے یہ بات مخفی نہیں ہے لہذا اگر کوئی نام کسی دوسری زبان میں مشہور نام کے مخالف پائیں تو اس سلسلے میں میری عیب جوئی نہ فرمائیں۔(۱۸۷)

مولفؒ نے کتاب کو مندرجہ ذیل مباحث میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا باب : بیان و تفصیل کتب عہد قدیم و جدید۔

دوسرا باب : بیان و تفصیل اثبات تحریف کتب عہد قدیم و جدید۔

تیسرا باب : بیان و تفصیل اثبات نسخ کتب عہد قدیم و جدید۔

چوتھا باب : بیان و تفصیل ابطال تثلیث۔

پانچواں باب : قرآن حکیم کا معجزہ و کلام اللہ ہونا۔

چھٹا باب اثبات نبوت محمد ﷺ اور پادریوں کے اعتراضات کی تردید۔

اب ہم ذیل میں ہر باب کے اہم پہلوؤں کا اختصاراً جائزہ لیتے ہیں۔

پہلا باب : عہد نامہ قدیم و جدید کی کتب کی تفصیلات :

مذکورہ بحث (باب) کو مولفؒ نے مزید چار فصلوں میں تقسیم کیا ہے جنکی تفصیل یہ ہے :-

پہلی فصل۔ کتابوں کے نام اور انکی تعداد۔

دوسری فصل۔ عہد نامہ عتیق و جدید کی سند اہل کتاب سے مفقود ہے۔

تیسری فصل۔ بائبل اختلافات اور غلطیوں سے لبریز ہے۔

چوتھی فصل۔ اہل کتاب کا یہ دعویٰ محال ہے کہ بائبل الہامی ہے۔

پہلی فصل میں مولفؒ نے عہد نامہ عتیق و جدید کی کتب کی تقسیم اور انکی تعداد کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے، لکھتے ہیں :-

"اعلم انهم يقسمون الكتب الى قسمين قسم منها يدعون الله وصل اليهم بواسطة الانبياء الذين كانوا قبل عيسىٰ عليه السلام، وقسم منها يدعون انه كتب بالالهام بعد عيسىٰ عليه السلام، فمجموع الكتب من القسم الاول يسمى بالعهد العتيق ومن القسم الثاني بالعهد الجديد ومجموع العهدين

یسمیٰ (بیبل) وهذا لفظ یونانی بمعنی الکتاب"۔ (۱۸۸)

پھر مولفؒ نے ہر دو حصوں کی مزید دو حصوں میں تقسیم کی ہے۔ ایک وہ قسم جنکی صحت پر تمام قدماء مسیحین متفق ہیں۔ دوسری قسم جنکی صحت میں اختلاف ہے۔ (۱۸۹)

تیسری فصل میں مولفؒ نے بائبل کے اختلافات اور غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔ مولفؒ نے اس ضمن میں اس فصل کے دو حصے کیے ہیں۔ پہلے حصہ میں مولفؒ نے ۱۲۵ اختلاف اور دوسرے حصے میں ۱۰۹ اغلاط کی نشاندہی کی ہے۔ (۱۹۰)

مذکورہ فصل کے دوسرے حصہ میں مولفؒ نے بائبل کی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے جن میں سے دو غلطیاں یہ ہیں۔

۱۔ کتاب تواریخ ثانی باب ۳، فقرہ ۴ میں یوں ہے:

> "اور گھر کے سامنے کے اسارے کی لمبائی گھر کی چوڑائی کے مطابق بیس ہاتھ اور اونچائی ایک سو بیس ہاتھ تھی۔ اس میں ایک سو بیس ہاتھ غلط ہے کیونکہ کوٹھڑی کی اونچائی صرف تیس ہاتھ تھی جیساکہ سلاطین اول باب ۶، فقرہ ۲ میں اسکی صراحت موجود ہے۔ پھر چھت کی بلندی بیس ہاتھ کیونکر ہو سکتی ہے آدم کلارک نے اپنی تفسیر کی جلد ۲ میں صاف لکھا ہے کہ یہ غلط ہے اور سریانی اور عربی مترجمین نے تحریف کی اور لفظ ایک سو اڑا دیا اور کہا کہ اسکی اونچائی بیس ہاتھ ہے"۔ (۱۹۱)

۲۔ انجیل متی باب ۲۶، فقرہ ۶۴ میں یہودیوں سے ہمکلام ہونے کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول یوں بیان کیا گیا ہے

> "اس کے بعد تم ابن آدم کو قادر مطلق کی داہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے"۔

یہ بھی اس لیے غلط ہے کہ یہودیوں نے مسیح علیہ السلام کو کبھی بھی آسمانی بادوں سے آتا ہوا نہیں دیکھا وفات سے پہلے نہ اس کے بعد۔ (۱۹۲)

چوتھی فصل میں مولفؒ نے اہل کتاب کے اس دعویٰ کی تردید کی ہے کہ عہد عتیق یا جدید الہامی کتابیں ہیں اور انمیں درج شدہ تمام واقعات الہامی ہیں مثلاً۔

(الوجہ الخامس) کے تحت مولفؒ نے ہورن (Home) کا یہ اقتباس دیا ہے وہ اپنی تفسیر کی جلد اول مطبوعہ ۱۸۲۲ء میں لکھتا ہے۔

> "اگر ہم یہ مان لیں کہ پیغمبروں کی بعض کتابیں معدوم ہو چکی ہیں تو کہنا پڑے گا کہ یہ کتابیں الہام سے لکھی ہی نہیں گئی تھیں۔ آگسٹائن نے قوی دلائل سے یہ بات ثابت کر دی ہے اور کہا ہے میں نے بہت سی چیزوں کا ذکر سلاطین یہود اسرائیل کی کتابوں میں پایا ہے مگر ان کی

وضاحت ان کتابوں میں نہیں ملی بلکہ ان کی توضیح کا حوالہ دوسرے پیغمبروں کی کتابوں پر دیا گیا ہے اور بعض مقامات پر ان پیغمبروں کے نام بھی ذکر کیے گئے ہیں" (۱۹۳)

جلد اوّل کے ضمیمہ میں ہورن (Horne) مزید لکھتا ہے۔:

"جب یہ کہا جاتا ہے کہ کتب مقدسہ خدا کی طرف سے وحی کی گئی ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہر لفظ اور پوری عبارت الہام الٰہی ہے بلکہ مصنفین کے محاورات کے اختلاف اور ان بیانات کے اختلاف سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو اس بات کی اجازت دی گئی تھی کہ اپنی طبیعت اور عادت کے مطابق اور اپنی اپنی سمجھ کے موافق لکھیں اور علم الہام اسی طرح استعمال کیا گیا جس طرح رسمی علوم استعمال کیے جاتے ہیں یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ ہر وہ بات جو انہوں نے بیان کی ہے وہ الہام کی جاتی تھی یا ہر وہ حکم جو بیان کرتے ہیں وہ الہام کردہ ہے"۔ (۱۹۴)

(الوجہ التاسع) کے تحت مولفؒ نے واٹسن (Watson) کا حوالہ دیا ہے لکھتے ہیں واٹسن نے اپنی کتاب رسالۃ الہام کی جلد ۳ میں جو کہ ڈاکٹر بلسن (Dr Bilson) کی تفسیر سے ماخوذ ہے میں تصریح کی ہے کہ لوقا کی انجیل کا الہامی نہ ہونا اس مضمون سے خود ظاہر ہو رہا ہے جو اس نے اپنی انجیل کے دیباچہ میں لکھا ہے۔ (۱۹۵)

مولفؒ نے باب اوّل کی چار فصول کے بعد ایک عمومی بحث، مختصر مگر جامع اس حوالے سے کی ہے کہ مسلمانوں کا ان کتب کے بارے میں کیا عقیدہ ہے، لکھتے ہیں:

"مسلمانوں کا موقف یہ ہے کہ توریت اور انجیل حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے ہی دنیا سے مفقود ہو چکی تھی۔ آجکل اس نام سے جو دو کتابیں موجود ہیں ان کی حیثیت محض ایک تاریخی کتاب کی ہے جن میں سچے اور جھوٹے دونوں قسم کے واقعات جمع کر دیے گئے ہیں۔ یہ بات ہم ہرگز ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ اصل توریت و انجیل محمد ﷺ کے دور میں موجود تھیں پھر بعد میں ان کے اندر تحریف کر دی گئی۔ رہے پولس کے خطوط وغیرہ تو اگر ہم ان بھی لیں کہ یہ خطوط واقعتاً اسی کے ہیں تب بھی ہمارے نزدیک وہ قابل قبول نہیں ہیں کیونکہ ہمارے نزدیک وہ ان جھوٹے لوگوں میں سے ایک شخص ہے جو پہلے طبقے میں نمایاں تھے عیسائیوں کے نزدیک وہ کتنا ہی مقدس کیوں نہ ہو۔ جہاں تک حواریوں کا تعلق ہے ہم ان کے حق میں نیک گمان رکھتے ہیں لیکن ان کی نسبت ہم انہیں نبی ہونے کا خیال نہیں

رکھتے ان کے اقوال کی حیثیت ہمارے نزدیک مجتہدین، صالحین کے اقوال کی سی ہے جس
میں غلطی کا احتمال ہے"۔ (۱۹۶)

دوسرا باب: بائبل میں تحریف کا اثبات:

اس باب میں مولفؒ نے تحریف کی اقسام اور بائبل میں اس کے اثبات پر بحث کی ہے اس کو تین مقاصد (فصول)
میں بیان کیا ہے:

مقصد اول۔ تحریف لفظی کا ثبوت، الفاظ کی تبدیلی کی شکل میں۔

مقصد دوم۔ الفاظ کی زیادتی کی صورت میں۔

مقصد سوم۔ حذف الفاظ کی شکل میں۔

مقصد اول میں مصنف نے اپنے موقف کی تائید میں ۳۵ شواہد (دلائل) پیش کیے ہیں۔

تین دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ کتاب سموئیل ثانی، باب ۲۴، فقرہ ۱۳ میں لفظ سات سال لکھا ہوا ہے جبکہ تواریخ اول، باب ۲۱، فقرہ ۱۲ میں لفظ تین سال ہے یقینی طور پر ان میں سے ایک غلط ہے۔ آدم کلارک (Adam Clarke) سموئیل کی مذکورہ عبارت کے تحت لکھتا ہے:

"کتاب تواریخ میں تین سال کا لفظ آیا ہے نہ کہ سات سال، اور یونانی نسخہ میں تواریخ کی
طرح تین سال لکھا ہے یہی عبارت بلاشبہ درست و صحیح ہے"۔ (۱۹۷)

۲۔ کتاب سموئیل ثانی، باب ۱۵، فقرہ ۸ میں لفظ 'آرام' استعمال ہوا ہے جو یقیناً غلط ہے صحیح لفظ 'ادوم' ہے مفسر آدم کلارک نے پہلے تو یہ فیصلہ کیا کہ یہ یقیناً غلط ہے پھر کہتا ہے کہ اغلب یہ ہے کہ کاتب کی غلطی ہے"۔ (۱۹۸)

۳۔ کتاب مکاشفہ باب ۸، فقرہ ۱۳ میں یوں کہا گیا ہے۔

"پھر میں نے ایک فرشتہ اڑتے ہوئے دیکھا، عربی ترجمہ 'ثم رايت ملكاً طائرا'"۔

کریباخ کہتا ہے کہ فرشتہ کا لفظ غلط ہے صحیح لفظ 'عقاب' ہے۔ (۱۹۹)

مقصد دوم میں مولفؒ نے تحریف لفظی کو الفاظ کی زیادتی کی شکل میں بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں مولفؒ نے ۴۵ شواہد دیے ہیں جن میں سے چند شواہد درج ذیل ہیں۔

۱۔ کتاب پیدائش باب ۳۶، فقرہ ۳۰ میں یوں کہا گیا ہے۔

"یہی وہ بادشاہ ہیں کہ جو ملک ادوم پر پیشتر اس کے اسرائیل کا کوئی بادشاہ ہو مسلط تھے"۔

مولف کے نزدیک اس عبارت کا موسیٰ کا کلام ہونا ممکن نہیں اس لیے کہ یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ بات کہنے والا اس دور کا کوئی اور شخص ہے جبکہ بنی اسرائیل کی سلطنت قائم ہو چکی تھی اور ان کا پہلا بادشاہ ساؤل ہوا جو موسیٰ علیہ السلام سے ۳۵۶ سال بعد گزرا ہے۔ آدم کلارک اپنی تفسیر کی جلدوں میں اس عبارت کے ذیل میں کہتا ہے کہ

> "میرا غالب گمان ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ فقرہ نہیں لکھا ہے اور نہ وہ فقرات جو اس کے بعد فقرہ ۳۹ تک ہیں بلکہ یہ فقرات در حقیقت کتاب تواریخ کے پہلے باب کے ہیں اور قوی گمان جو یقین کے قریب ہے کہ یہ فقرات توریت کے صحیح نسخہ کے حاشیہ پر لکھے ہوئے تھے ناقل نے اس کو متن میں شامل کر دیا"۔

غرض اس مفسر نے یہ اعتراف کر لیا کہ یہ نو فقرات الحاقی ہیں اور اس کے اس اعتراف کی بنا پر یہ بات لازم آگئی ہے کہ ان کی کتابوں میں تحریف کی صلاحیت تھی، کیونکہ یہ نو فقرات باوجود اس کے توریت کے نہ تھے اس میں داخل ہو کر تمام نسخوں میں پھیل گئے۔ (۲۰۰)

۲۔ یوحنا کے پہلے خط باب ۵، فقرہ ۸ میں یوں کہا گیا ہے

> "اس لیے کہ آسمانوں میں گواہی دینے والے تین ہیں باپ، کلمہ اور روح القدس اور یہ تینوں ایک ہیں اور زمین میں گواہی دینے والے بھی تین ہیں روح، پانی اور خون اور یہ تینوں ایک ہی بات پر متفق ہیں"۔

ان دونوں فقرات میں اصل عبارت محققین کے خیال میں صرف اس قدر تھی 'اور گواہی دینے والے تین ہیں روح، اور پانی اور خون اور یہ تینوں ایک ہی بات پر متفق ہیں'۔ (۲۰۱) معتقدین تثلیث نے یہ عبارت بڑھادی 'آسمان میں گواہی دینے والے تین ہیں باپ' کلمہ اور روح القدس اور یہ تینوں ایک ہیں اور زمین ۔۔۔ الخ۔

پادری فانڈر اور مولفؒ کے درمیان جو مناظرہ ہوا تھا اس میں پادری موصوف نے اقرار کیا تھا کہ یہ عبارت تحریف شدہ ہے اور جب ان کے ساتھی نے یہ دیکھا کہ اب دوسری عبارتیں پیش کرے گا جن میں تحریف کا اقرار کرنا پڑے گا تو دوسری عبارتیں پیش کیے جانے سے پہلے ہی انہوں نے اعتراف کر لیا کہ میں کہ میں اور میرا ساتھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ سات یا آٹھ مقامات پر تحریف واقع ہوئی ہے۔ (۲۰۲)

۳۔ کتاب اعمال، باب ۸، فقرہ ۳۷ میں ہے

> "پس فلپس نے کہا کہ اگر تو دل و جان سے ایمان لائے تو بپتسمہ لے سکتا ہے اس نے جواب میں کہا میں ایمان لاتا ہوں کہ یسوع مسیح خدا کا بیٹا ہے"۔ (۲۰۳)

یہ آیت الحاقی ہے جس کو کسی تثلیث پرست نے اس جملہ کی خاطر کہ "میں ایمان لاتا ہوں کہ یسوع مسیح خدا کا بیٹا ہے شامل کردیا ہے" کریسباخ اور شولز دونوں اس آیت کے الحاقی ہونے کے معترف ہیں۔ (۲۰۴)

باب مذکورہ کے مقصد سوم میں مولفؒ نے تحریف لفظی الفاظ حذف کرنے کی شکل میں کو ثابت کیا ہے اس ضمن میں فاضل محقق نے دس شواہد اور دلائل اور علماء پروٹسٹنٹ کی طرف سے اٹھائے گئے پانچ مغالطوں کے جوابات بالتفصیل دیئے ہیں۔ چند دلائل یہ ہیں :

۱۔ کتاب پیدائش، باب ۷، فقرہ ۱۷ عبرانی نسخہ میں یوں ہے کہ 'اور چالیس دن تک زمین پر طوفان رہا' (۲۰۵) اور یہی جملہ بہت سے لاطینی نسخوں اور یونانی ترجموں میں اس طرح ہے 'اور طوفان چالیس شب وروز زمین پر رہا'۔

ہورن (Horne) اپنی تفسیر کی جلد ایک میں کہتا ہے کہ ضروری ہے کہ لفظ شب کا اضافہ عبرانی متن میں کیا جائے۔ (۲۰۶)

۲۔ کتاب خروج، باب ۶، فقرہ ۲۰ میں اس طرح کہا گیا ہے کہ 'اس سے ہارون اور موسیٰ پیدا ہوئے' اور سامری اور یونانی ترجمہ میں اس طرح ہے کہ 'پھر اس سے ہارون و موسیٰ اور ان کی بہن مریم پیدا ہوئے'۔ (۲۰۷)

اس میں 'ان کی بہن' عبرانی نسخہ میں حذف کردیا گیا ہے۔ آدم کلارک سامری اور یونانی نسخوں کی عبارت نقل کرنے کے بعد کہتا ہے کہ بعض بڑے محقیقین کا خیال ہے کہ یہ لفظ عبرانی متن میں موجود تھا۔ (۲۰۸)

۳۔ کتاب اعمال، باب ۱۶، فقرہ ۷، میں یوں کہا گیا ہے 'پھر روح نے انہیں جانے نہیں دیا'۔

کریسباخ اور شولز کہتے ہیں کہ صحیح یوں ہے 'پھر ان کو یسوع کی روح نے اجازت نہیں دی' اب دونوں کے اقرار کے مطابق یسوع حذف کردیا گیا ہے پھر یہ لفظ ۱۶۷۱ء، ۱۸۲۱ء میں عربی ترجمہ میں شامل کیا گیا ہے اور ان دونوں کی عبارت اس طرح ہے کہ "مگر یسوع کی روح نے انہیں جانے نہیں دیا"۔ (۲۰۹)

تیسرا باب : نسخ کا ثبوت۔

تیسرے باب میں مولانا کیرانوی نے بائبل میں نسخ کا اثبات کیا ہے۔ اس ضمن میں نسخ کا مفہوم اور شریعت اسلام میں اسکی ضرورت واہمیت کا ذکر تمہیدی طور پر کیا ہے۔ مولفؒ کے خیال میں کتب سابقہ کے بہت سے احکام مثلاً جھوٹی قسم، قتل، لواطت، چوری، جھوٹی شہادت، پڑوسی کے مال میں خیانت وغیرہ کی حرمت اور والدین کی تعظیم وغیرہ ہماری شریعت میں بھی باقی رکھے گئے ہیں لہٰذا یہ احکام ہرگز منسوخ نہیں ہیں۔ البتہ ہم عہد عتیق وجدید کی کتابوں پر عمل کرنے سے منکر ہیں تو وہ محض اتصال سند کے نہ ہونے اور تحریف کے واقع ہونے کے سبب سے ہے۔ (۲۱۰)

مولفؒ نے نسخ کا ثبوت دو حصوں میں کیا ہے۔

قسم اول: مختلف شرائع میں نسخ کا ثبوت۔
قسم دوم: ایک ہی شریعت میں نسخ کا ثبوت۔
اب ہم اختصاراً ہر دو قسموں کی مثالیں بیان کرتے ہیں۔

قسم اوّل:

اس حصے میں مصنف نے ۲۱ مثالیں سابقہ شریعتوں سے نسخ کی پیش کی ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

مثال ۱ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں بھائی اور بہنوں کے درمیان شادیاں ہوئیں جیسا کہ کتاب پیدائش سے ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ بھی ان کی علاتی بہن تھیں جیسا کہ کتاب پیدائش، باب ۲۰، فقرہ ۱۲ سے ثابت ہوتا ہے۔ 'اور فی الحقیقت وہ میری بہن بھی ہے کیونکہ وہ میرے باپ کی بیٹی ہے اگرچہ میری ماں کی بیٹی نہیں پھر وہ میری بیوی ہے'۔

حالانکہ بہن سے نکاح کرنا خواہ وہ حقیقی ہو یا باپ یا ماں شریک ہو مطلقاً حرام اور زنا کے برابر ہے چنانچہ کتاب احبار، باب ۱۸، فقرہ ۹ میں کہا گیا ہے کہ 'تو اپنی بہن کے بدن کو چاہے وہ تیرے باپ کی بیٹی ہو چاہے تیری ماں کی اور خواہ وہ گھر میں پیدا ہوئی ہو خواہ کہیں اور بے پردہ نہ کرنا' کتاب استثنا باب ۲۷، فقرہ ۲۲ میں کہا گیا ہے 'لعنت اس پر جو اپنی بہن سے مباشرت کرے خواہ وہ اس کے باپ کی بیٹی ہو خواہ ماں کی اور سب لوگ کہیں آمین'۔

اب اگر آدم علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کی شریعتوں میں اس قسم کے نکاح کو جائز نہ مانا جائے تو تمام انسانوں کا زنا کی اولاد ہونا اور شادی کرنے والوں کا زانی ہونا واجب القتل اور ملعون ہونا لازم آتا ہے پھر انبیاء کرام کی شان میں ان باتوں کا کیونکر تصور کیا جا سکتا ہے اس سے لامحالہ طور پر یہ ماننا پڑے گا ایسا نکاح دونوں کی شریعت میں جائز تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ (۲۱۱)

مثال ۲: موسوی شریعت میں جائز تھا کہ ہر شخص اپنی بیوی کو کسی بھی وجہ سے طلاق دے سکتا ہے اور یہ بھی جائز تھا کہ اس مطلقہ سے پہلے شوہر کے گھر سے نکلتے ہی دوسرا شخص فوراً نکاح کر سکتا تھا۔ جسکی تصریح کتاب استثناء، باب ۲۴، فقرات ۱، ۲ میں موجود ہے۔ (۲۱۲) حالانکہ شریعت عیسوی میں سوائے زنا کے ارتکاب کے عورت کو طلاق دینے کی اور کوئی معقول وجہ تسلیم نہیں کی گئی

اسی طرح شریعت عیسوی میں مطلقہ سے نکاح کرنا زنا کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ انجیل متی، باب ۱۹، فقرہ ۱۵ میں تصریح ہے کہ جب فریسی (یہودی علماء) نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اس مسئلہ میں اعتراض کیا تو ان کے جواب میں آپ نے فرمایا:

> "موسیٰ نے تمہاری سخت دلی کے سبب سے تم کو اپنی بیویوں کو چھوڑ دینے کی اجازت دی
> مگر ابتداء سے ایسا نہ تھا اور میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے
> سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے اور جو کوئی چھوڑی

ہوئی سے بیاہ کرے وہ بھی زنا کرتا ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس حکم میں دو مرتبہ نسخ واقع ہوا، ایک مرتبہ شریعت موسوی میں پھر دوبارہ شریعت عیسوی میں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی کبھی کوئی حکم محض بندوں کے حالات کے تقاضوں کی بنا پر جاری ہوتا ہے اگر وہ واقع میں اچھا نہ ہو۔ (۲۱۳)

مثال ۳ عبرانیوں کے نام خط کے باب ۸، فقرہ ۷ میں پولس رقمطراز ہے

"اگر پہلا عہد بے نقص ہوتا تو دوسرے عہد کے لئے موقع نہ ڈھونڈا جاتا، پھر فقرہ ۱۳ میں ہے جب اس نے نیا عہد کیا تو پہلے کو پرانا ٹھہرایا اور جو چیز پرانی اور مدت کی ہو جاتی ہے وہ مٹنے کے قریب ہوتی ہے"۔

اس قول میں اس امر کی تصریح ہے کہ توریت کے احکام عیب دار اور فرسودہ ہونے کی وجہ سے منسوخ ہونے کے لائق ہیں، ڈی آئلی اور رچرڈ منٹ کی تفسیر میں آیت ۱۳ کی شرح میں پائل کا قول یوں نقل کیا گیا ہے:

"یہ بات خوب اچھی طرح صاف اور واضح ہے کہ خدا کی مرضی یہ ہے کہ پرانے اور ناقص کو جدید اور عمدہ پیغام کے ذریعہ منسوخ کر دے، اس لئے یہودی مذہب کو منسوخ کرتا ہے اور عیسوی مذہب کو اس کے قائم مقام بناتا ہے"۔ (۲۱۴)

قسم دوم ایک شریعت میں نسخ کا ثبوت۔

مولف نے نسخ کی دوسری قسم میں ۱۲ مثالیں پیش کی ہیں جن میں دو مثالیں یہ ہیں

۱۔ خدا نے ابراہیم کو اسحاق کے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا، پھر اس حکم کو عمل میں آنے سے قبل منسوخ کر دیا جس کی تصریح کتاب پیدائش باب ۲۲ میں موجود ہے۔ (۲۱۵)

۲۔ انجیل متی باب ۱۰، فقرہ ۵ میں یوں کہا گیا ہے:

"ان بارہ کو یسوع نے بھیجا اور ان کو حکم دے کر کہا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا"۔

انجیل متی کے باب ۱۵ میں مسیح کا قول خود اپنے حق میں اسطرح لکھا ہے

"میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی اور پاس نہیں بھیجا گیا"۔

ان فقرات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ اپنے رسولوں کو صرف بنی اسرائیل کی طرف بھیجا کرتے تھے۔ انجیل مرقس باب ۱۶، فقرہ ۱۵ میں ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

"تم تمام دنیا میں جا کر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو"۔

لہٰذا پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔ (۲۱۶)

چوتھا باب: ابطالِ تثلیث۔

مولفؒ نے اس باب کو ایک مقدمہ اور تین فصول میں تقسیم کیا ہے جو کہ درج ذیل ہیں:۔

مقدمہ۔ بارہ باتیں جو مقصد تک پہنچنے کے لیئے سامان بصیرت ہیں۔

پہلی فصل۔ تثلیث عقل کی کسوٹی پر۔

دوسری فصل۔ تثلیث، اقوال مسیح علیہ السلام کی روشنی میں۔

تیسری فصل۔ تثلیث، انجیل کی کسی بھی آیت سے ثابت نہیں۔

باب کے مقدمہ میں مولفؒ نے ۱۲ امور کو واضح کیا ہے، جنکا خلاصہ یہ ہے

۱۔ عہد عتیق کی کتب اس امر پر دال ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ازلی و ابدی ہے، اسکی ذات شواہد اور مثالوں کی محتاج نہیں۔

۲۔ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت حرام ہے جسکی تصریحات توریت میں جا بجا ملتی ہیں۔

۳۔ عہد عتیق میں بے شمار آیتوں میں خدا تعالیٰ کے لیے اعضاء انسانی کا ذکر ملتا ہے بلکہ مکانیت بھی ثابت کی گئی ہے۔

۴۔ بعض اوقات الفاظ کے مجازی معانی مراد ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس دیگر اشیاء مثلاً فرشتوں، انسانوں، شیطانوں بلکہ غیر ذوالعقول پر بھی خدا کا اطلاق بائبل میں جا بجا کیا گیا ہے۔

۵۔ بائبل میں مجاز اور مبالغہ کا استعمال بکثرت ہوا ہے۔

۶۔ حضرت عیسیٰ کے کلام میں بکثرت اجمال پایا جاتا ہے، جنکی وضاحت مسیحؑ نے کر دی اس کو تو لوگ سمجھ گئے اور جنکی صراحت نہ کر سکے وہ بیانات مجمل ہی رہے۔

۷۔ کبھی کبھی انسانی عقل بعض چیزوں کی ماہیت اور انکی پوری حقیقت کا ادراک کرنے سے قاصر رہتی ہے۔

۸۔ جب دو باتوں میں تعارض پیش آ جائے اور کوئی تاویل ممکن نہ ہو تب دونوں کو ساقط کرنا ضروری ہے۔

۹۔ عدد چونکہ 'کم' کی ایک قسم ہے اسلئے کبھی بھی قائم بالذات نہیں ہو سکتا بلکہ ہمیشہ قائم بالغیر ہوتا ہے یعنی تین کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔

۱۰۔ ہمارے اور عیسائیوں کے درمیان نزاع اور اختلاف اس وقت پیدا ہوتا ہے جب عیسائی حضرات تثلیث و توحید دونوں کے حقیقی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

۱۱۔ عقیدہ تثلیث کی تشریح و توضیح میں عیسائی فرقوں کا اختلاف پایا جاتا ہے۔

۱۲۔ سابقہ امتوں میں سے حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت موسیٰ تک کوئی بھی عقیدہ تثلیث کا قائل نہ تھا عہد نامہ عتیق اس پر گواہ ہے۔ (۲۱۷)

مقدمہ باب کے بعد مولفؒ نے پہلی فصل میں عقلی دلائل کی بنیاد پر عقیدہ تثلیث کا رد کیا ہے۔ اس ضمن میں مولفؒ نے سات دلائل پیش کیے ہیں۔

دوسری فصل میں فاضل مولفؒ نے حضرت عیسیٰ کے اقوال کی روشنی میں عقیدہ تثلیث کا ابطال ثابت کیا ہے۔ اس ضمن میں بارہ مسیحؑ کے اقوال پیش کیے ہیں۔

مذکورہ باب کی تیسری اور آخری فصل میں مولفؒ نے الوہیت مسیح پر نصاریٰ کے دلائل کا تجزیہ پیش کیا ہے اس ضمن میں چھ دلائل بالتفصیل دیے ہیں۔

پانچواں باب: قرآنِ حکیم کا کلام الٰہی ہونا۔

اس باب میں مولفؒ نے چار فصول قائم کی ہیں جنکی ترتیب یہ ہے

پہلی فصل: ان کی امور کی تفصیلات جو قرآن حکیم کے کلام اللہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

دوسری فصل: قرآن حکیم پر بعض پادریوں کے اعتراضات۔

تیسری فصل: احادیث کی صحت کا ثبوت۔

چوتھی فصل: احادیث پر بعض عیسائی علماء کے شبہات کا تجزیہ۔

مذکورہ باب کا خلاصہ یہ ہے:

پہلی فصل میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے ان امور کا تذکرہ کیا ہے جو قرآن حکیم کے کلام اللہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ اگرچہ یہ اعجازی خصوصیات تو بے شمار ہیں مگر مولفؒ نے حواریوں کی تعداد کے موافق بارہ وجوہات نقل کی ہیں۔ مثلاً

۱۔ قرآن حکیم بلاغت کے اس معیار پر ہے جسکی مثال انسانی کلام میں نہیں ملتی۔ اس ضمن میں مولفؒ نے چھ دلائل اور بلاغت قرآنی کے کئی نمونے پیش کیے ہیں۔

۲۔ قرآن حکیم کا اسلوب ترکیب، آیات کا مربوط ہونا اور علم بیان کے دقائق اور عرفانی حقائق پر مشتمل ہونا۔ اس سلسلے میں مولفؒ نے متعدد مثالوں سے اس مضمون کو واضح کیا ہے۔

۳۔ قرآن حکیم آنے والے واقعات کی ان پیش گوئیوں پر مشتمل ہے جو سو فی صد درست ثابت ہوئیں۔ مولفؒ نے اس ضمن میں ۲۲ پیشین گوئیوں کا حوالہ دیا ہے نیز میزان الحق کے مولف کی طرف سے بعض پیشین گوئیوں پر اٹھائے گئے اعتراضات کا تجزیہ بھی کیا ہے۔

۴۔ قرآن حکیم ماضی کی خبریں پوری صداقت سے پیش کرتا ہے اور جن امور میں قرآن حکیم نے دیگر کتب کی مخالفت کی ہے تو یہ مخالفت ارادی طور پر ہوئی ہے کیونکہ یہ کتب اصل شکل میں موجود نہ تھیں۔

۵۔ قرآن حکیم نے منافقین کی مخفی اور پوشیدہ حالتوں کو واضح کر دیا ہے۔

۶۔ قرآن حکیم تمام علوم کا جامع ہے خواہ وہ اہل عرب کے یہاں رائج نہ تھے۔

۷۔ قرآن حکیم کے مضامین و مطالب میں اختلاف و تضاد نہیں ہے۔

۸۔ قرآن حکیم کا قیامت تک باقی و محفوظ رہنا مسلم ہے۔

۹۔ قرآن حکیم کی تلاوت سے دل اچاٹ نہیں ہوتا بلکہ تکرار سے ہر مرتبہ ایک نیا کیف محسوس ہوتا ہے۔

۱۰۔ قرآن کریم وعدے اور دلیل کا جامع ہے۔

۱۱۔ قرآن حکیم کا یاد اور حفظ کرنا آسان ہے۔ اس کے مقابلے میں انجیل کے حافظ نہ ہونے کے برابر ہوں گے۔

۱۲۔ قرآن کریم کی تلاوت کے وقت جو خشیت اور ہیبت پیدا ہوتی ہے وہ اسی کا خاصہ ہے۔ (۲۱۸)

اس فصل کے خاتمہ پر مولف نے تین فوائد بتائے ہیں:

اول اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو حالات کے مطابق معجزات عطا کیے۔

دوم: قرآن حکیم ایک دم نازل نہ ہونے کی وجہ، حفاظت، تدریج احکام اور تقویت قلب تھا۔

سوم: قرآن حکیم میں تکرار کی وجہ اس کا اعجاز اور اسلوب تبلیغ تھا۔ (۲۱۹)

دوسری فصل میں فاضل مولف نے قرآن حکیم پر عیسائی علماء کے اعتراضات کا جائزہ لیا ہے۔ (۲۲۰)

تیسری فصل میں مولف نے احادیث کی صحت کا ثبوت پیش کیا ہے نیز اس ضمن میں انہوں نے اپنے دلائل کو تین فائدوں کی صورت میں بیان کیا ہے وہ یہ ہیں۔

۱۔ زبانی روایات بھی قابل اعتماد ہو سکتی ہیں اس امر کے شواہد بائبل میں بھی موجود ہیں۔

۲۔ زبانی باتیں اکثر یاد رہتی ہیں بشرطیکہ اہتمام کے ساتھ یاد کی جائیں۔

۳۔ تدوین حدیث کی تاریخ کا مختصر جائزہ۔ (۲۲۱)

چوتھی فصل میں مولف نے احادیث پر پادریوں کے پانچ اعتراضات پیش کر کے ان کے تفصیلی اور تحقیقی جواب دیے ہیں۔ (۲۲۲)

چھٹا باب : نبوت محمدی ﷺ کا اثبات اور پادریوں کے اعتراضات کا رد۔

یہ زیر نظر کتاب کا آخری اور کسی حد تک طویل و ضخیم باب ہے اس کو مولفؒ نے دو فصول میں تقسیم کیا ہے۔

پہلی فصل : حضور ﷺ کی نبوت کا اثبات۔

دوسری فصل : عیسائی علماء اور پادریوں کے اعتراضات کا رد۔

ذیل میں ہم ہر دو فصول کا خلاصہ پیش کرتے ہیں :

پہلی فصل میں مولفؒ نے چھ مسلک بیان فرمائے ہیں یعنی چھ مختلف انداز سے آپ کی رسالت کو ثابت کیا گیا ہے۔ ہر مسلک کا خلاصہ یہ ہے :

پہلا مسلک ۔ مولفؒ نے اس حصے میں حضور اکرم ﷺ کے "معجزات کا ذکر کیا ہے ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(ا) حضور اکرم ﷺ کی دی گئی زمانہ ماضی یا مستقبل کی صحیح خبریں یا پیشین گوئیاں۔ (۲۲۳)

(ب) آپ ﷺ کے عملی معجزات جنکی تعداد مولفؒ کے نزدیک ایک ہزار سے زائد ہے۔ (۲۲۴)

دوسرا مسلک ۔ حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی میں جو بلند اخلاق اور بہترین اوصاف ، عملی و علمی کمالات جمع کر دیے گئے ہیں یہ اوصاف اجتماعی حیثیت سے پیغمبروں کے علاوہ کسی دوسرے انسانی فرد میں اکٹھے نہیں ہو سکتے اس بنا پر ان کا اجتماع حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی میں آپ کی نبوت کی یقینی دلیل ہے آپ کے اخلاق عالیہ کا اقرار بعض غیر مسلموں مثلاً اسپاں ہمس اور جارج سیل نے بھی کیا ہے۔ (۲۲۵)

تیسرا مسلک ۔ آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت خدا کی طرف سے مقرر کردہ ہے اس ضمن میں دین اسلام پر پادریوں کے تمام اعتراضات رد ہو جاتے ہیں۔ (۲۲۶)

چوتھا مسلک : آپ ﷺ کی تعلیمات کی اشاعت جس تیزی سے ہوئی اور قلیل مدت میں دین اسلام جس تیزی سے مشرق و مغرب میں پھیلتا چلا گیا یہ سب تائید الہی سے ہوا۔ یہ آپ ﷺ کی حقانیت و صداقت کی روشن دلیل ہے۔ (۲۲۷)

پانچواں مسلک : آپ ﷺ کا ظہور ایک ایسے زمانے میں ہوا جبکہ لوگ امن و آشتی سے کوسوں دور تھے آسمانی مذاہب تحریف کا شکار ہو چکے تھے۔ انسان ضلالت و گمراہی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے شایان شان یہ بات نہیں کہ ایسی سخت ضرورت کے وقت بھی وہ کسی ایسی جلیل القدر ہستی کو دنیا میں اپنا رسول بنا کر نہ بھیجے وہ ذات محمد بن عبداللہ ﷺ کی تھی۔ (۲۲۸)

چھٹا مسلک ۔ اس حصے میں مولفؒ نے کتب سماویہ میں حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری کی بشارتیں جمع کر دی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ

خاصی طویل بحث ہے سب سے پہلے آٹھ تمہیدی باتیں ان بشارات سے پہلے بتائی ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں :-

۱۔ اکثر اسرائیلی پیغمبروں نے حوادث اور پیش آنے والے اہم واقعات کی خبر دی ہے تو یہ بات ناممکن ہے کہ حضور اکرم ﷺ جیسی عظیم ہستی کی خبر نہ دی جاتی۔

۲۔ بشارت کے لیے مفصل اور بالکل واضح ہونا ضروری نہیں ہے۔ جیسا کہ سابقہ کتب کی پیشین گوئیاں وارد ہوئی ہیں۔

۳۔ اہل کتاب کو مسیح اور ایلیاہ کے علاوہ ایک اور نبی کا انتظار تھا۔

۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام خاتم الانبیاء نہ تھے۔

۵۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارتوں کو یہودی نہیں مانتے تھے۔

۶۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی متعدد پیشین گوئیاں عہد جدید میں موجود ہیں اور بعض پیشین گوئیاں عہد جدید کے مولفین کی ہیں۔ جن میں سے بعض یقینی طور پر غلط اور بعض محرف ہیں۔ البتہ یہ تمام پیشین گوئیوں کو مسیح پر چسپاں کیا جاتا ہے۔

۷۔ اہل کتاب خواہ اگلے ہوں یا پچھلے ان کی یہ عام عادت ہے کہ وہ اپنے تراجم میں ناموں کا بھی ترجمہ کر دیتے ہیں۔ یہ بہت بڑی خرابی ہے۔

۸۔ پولس کا عیسائیوں کے نزدیک حواری کا رتبہ ہے مگر ہمارے نزدیک وہ معتبر شخص نہیں ہے بلکہ اس نے حقیقی عیسائیت کو مسخ کر ڈالا۔ (۲۲۹)

مذکورہ بالا آٹھ تمہیدی باتوں کے بعد مولفؒ نے حضور اکرم ﷺ کے بارے میں کتب سابقہ عہد قدیم و جدید سے اشارہ پیشین گوئیاں نقل کی ہیں۔ (۲۳۰)

دوسری فصل میں فاضل مولفؒ نے آنحضرت ﷺ کی رسالت مبارکہ پر عیسائیوں کی طرف سے وارد شدہ اعتراضات اور ان کے جوابات نقل کیے ہیں۔ (۲۳۱)

کتاب کے آخر میں مولفؒ نے کتاب کا تاریخی نام تائید الحق برحمۃ اللہ ۱۲۸۰ھ تحریر کیا ہے اور اس قرآنی دعا پر کتاب کا خاتمہ کیا ہے۔

"ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا أو أخطأنا ربنا ولا تحمل علینا اصراً کما حملته علی الّذین من قبلنا ربنا ولا تحمّلنا مالا طاقة لنا به واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین"۔ (۲۳۲)

اظہار الحق کی امتیازی خصوصیات :

اگر چہ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی تمام تصنیفات و تالیفات اسلام اور مسیحیت کے مناظرانہ پس منظر میں تحریر کی گئیں ہیں لیکن ان تالیفات میں جو منفرد اور امتیازی، مقام اظہار الحق کو حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں ہے۔ڈاکٹر محمد حمید اللہ رقمطراز ہیں ۔

''اس کتاب کو ایک صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، کی تالیف کے زمانے میں عیسائی لٹریچر اسلامی زبانوں (اردو، عربی، فارسی، ترکی) میں بہت کم تھا اور جو بھی تھا وہ زیادہ تر عیسائی مشنریوں کی غرضمندانہ تحریروں پر مشتمل تھا اور مسلمانوں میں مسیحیت کی تبلیغ و ترویج کے لیے تالیف ہوا تھا۔ عیسائی اہل علم کی اندرونی تحقیق و تفتیش فرنگی زبانوں میں تو تھی لیکن اسلامی زبانوں میں اس کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا تھا۔ خود فرنگی زبانوں سے مسلمانوں کم ہی واقف تھے۔ مسلمان علماء اس سے بھی کم تر''۔

اس کے باوجود مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے جو کتاب استنبول (ترکی) میں بیٹھے بیٹھے لکھ ڈالی اس سے بہتر تو کیا اس کے برابر بھی اب چودہ صدی ہجری کے اواخر کے فاضل سے فاضل مسلمان اہل علم و قلم لکھنے کے اپنے آپ کو ناقابل پاتے ہیں اس سے بڑی اور کیا کرامت ہو گی۔ (۲۳۳)

ذیل میں کتاب کے نمایاں پہلوؤں پر ایک نظر ڈالتے ہیں :۔

ا۔ مدافعانہ کی بجائے جارحانہ پہلو :

سید ابو الحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں :

''مولفؒ نے دفاعی موقف کے بجائے حملہ آور ہونے کا موقف اختیار کیا ہے اور یہ موقف بہت ہی کارآمد ہوتا ہے کہ حریف کو دفاعی پوزیشن میں ڈال دیا جائے اور اس کو مجبور کیا جائے کہ وہ ملزم کے کٹہرے میں کھڑا ہو اور وہ اپنی صفائی پیش کرے، پہلے علماء نے اس بات کو محسوس نہیں کیا تھا اور تورات و انجیل اور قرآن کو ہم پلہ سمجھ کر گفتگو کرتے تھے اس طرح ان قدیم صحیفوں کو وہ اہمیت حاصل ہو جاتی تھی جسکے حقیقتاً وہ مستحق نہ تھے۔ حالانکہ خود حاملین تورات و انجیل یہ تسلیم نہیں کرتے کہ قرآن کی طرح بغیر کسی تغیر و تبدل کے آسمانی صحیفوں کا امتیاز ان میں پایا جاتا ہے''۔ (۲۳۴)

مزید لکھتے ہیں :۔

''شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ نے بہت مناسب قدم اٹھایا تھا کہ اپنی

کتاب الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح میں جارحانہ موقف اختیار کیا تھا کیونکہ اہل تحقیق علماء کے نزدیک تورات وانجیل کی حیثیت دوسرے تیسرے درجہ کی احادیث وسیرت کی کتابوں سے زیادہ نہیں ہے اور نہ ان صحیفوں کی ثابت شدہ سند ہے۔ ان صحیفوں کو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد مختلف مرحلوں میں مرتب کیا گیا ہے ان میں کچھ حضرت مسیح کے اقوال ہیں اور کچھ ان کے معجزات کا بیان ہے اور کچھ ان کے اخلاق واعمال کا ذکر ہے۔ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے بہت گہرائی کے ساتھ ان صحیفوں کا مطالعہ کیا تھا اور اس کی تہ کو پہنچ گئے تھے (۲۳۵)

۲۔ احترام فریق:

اگرچہ آپ کی جملہ تالیفات بالعموم اور اظہار الحق بالخصوص مناظرانہ اسلوب میں لکھی گئیں ہیں مگر آپ نے فریق مخالف کا خواہ وہ مناظرہ کا میدان ہو یا قلم کا پورا پورا احترام کیا ہے، ڈاکٹر محمد حمید اللہ رقمطراز ہیں۔

> "مولفؒ نے ہر جگہ اپنے قلم کو معین مخالف کے متعلق سب وشتم سے پاک رکھا ہے چاہے اس معین عیسائی مولفؒ نے کتنی ہی گندہ دہنی کیوں نہ کی ہو (اگرچہ غیر معین اور عام طور پر مولانا مرحوم نے بارہا ان مشنریوں کی بد دیانتی کا ذکر کر کے یہاں تک کہا ہے کہ وہ ان کی طبیعت اور سرشت میں داخل ہے اور ناقابل اصلاح مگر معین شخص کے متعلق کبھی یہ نہیں کہا ہے۔ (۲۳۶)

خود مولفؒ ایک جگہ لکھتے ہیں:

> "۔۔۔ مگر چونکہ اس قسم کے الفاظ ناشائستہ ہیں اس لیے میں ان کے حق میں کبھی استعمال نہیں کرونگا خواہ وہ ایسے الفاظ یا اس قسم کے دوسرے الفاظ علماء اسلام کی شان میں کتنے ہی استعمال فرماتے رہیں۔ (۲۳۷)

۳۔ بنیادی مآخذ سے استفادہ:

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے جن حالات میں کتاب تالیف کی اس پس منظر کو ذہن میں رکھا جائے اور پھر کتاب کے مآخذ ومصادر پر ایک نظر ڈالی جائے تو یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ مولفؒ نے بالکل بنیادی مآخذ کو سامنے رکھا ہے اور بقول ڈاکٹر حمید اللہ "اس کی تالیف کے زمانے میں عیسائی لٹریچر اسلامی زبانوں میں بہت کم تھا۔۔۔ خود فرنگی زبانوں سے مسلمان کم ہی واقف تھے مسلمان علماء

اس اس سے بھی کم ان حالات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ ساتھ ہی مولفؒ اس امر کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ یہ کتابیں ان ممالک میں جن پر انگریزوں کا تسلط ہے بڑی کثرت سے ملتی ہیں جس کسی کو شک ہو نقل کو اصل کے مطابق کر سکتا ہے۔ (۲۳۸)

۴۔ مطالعہ میں وسعت و گہرائی :

کتاب کے مطالعہ سے اس بات کا اندازہ کرنا قطعی مشکل نہیں ہے کہ مولفؒ کی نظر حالات واقعات کے علاوہ جدید قدیم علوم پر بہت گہری ہے۔ مثلاً ایک جگہ مولفؒ لکھتے ہیں ۔

"پادری ڈاکٹر کیٹ نے منکرین مسیح کے رد میں ایک کتاب انگریزی زبان میں لکھی ہے جسکا ترجمہ پادری مریک نے فارسی زبان میں کیا ہے۔ اس کا نام 'کشف الآثار فی قصص نبی اسرائیل' رکھا ہے یہ کتاب دارالسلطنت ایڈبرگ میں ۱۸۴۶ء میں طبع ہوئی۔ ہم اسکی عبارت کا ترجمہ نقل کرتے ہیں صفحہ ۷۰ پر لکھتا ہے .. 'نیز طامس نیوٹن نے کتب مقدسہ کی پیشگوئیوں پر ایک ایک تفسیر لکھی ہے یہ تفسیر ۱۸۰۳ء میں لندن میں چھپی ہے۔ اس تفسیر کی جلد ۲، ص ۶۳، ۶۴ میں وہ کہتا ہے"۔ (۲۳۹)

پوری کتاب میں جا بجا اس طرح کی تفصیلات موجود ہیں۔ جس سے مولفؒ کے مطالعہ کی وسعت اور گہرائی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

۵۔ دیگر زبانوں سے استفادہ :

یہ بات تو محقق ہے کہ مولفؒ عربی، اردو اور فارسی میں تحریر و تقریر پر مکمل قدرت رکھتے ہیں جسکا بین ثبوت انکی تینوں زبانوں میں تالیفات ہیں۔ تاہم انگریزی زبان کے سلسلے میں ان کی معاونت ڈاکٹر وزیر خاں نے کی ہے مولانا نے ان کے تراجم سے استفادہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں اظہار الحق اور دیگر کتب میں دیگر زبانوں مثلاً عبرانی، سریانی، یونانی وغیرہ کا تذکرہ بھی ملتا ہے، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولفؒ کو ان زبانوں میں درک حاصل تھا۔ مثلاً مولفؒ کے یہ بیانات ملاحظہ ہوں ۔

"کتاب خروج کے باب ۱۲، آیت ۴۰، عبرانی نسخے میں اسطرح ہے اور سامری اور یونانی نسخے میں یوں ہے۔ یہ جملہ عبرانی نسخوں میں موجود نہیں ہے اور صحیح وہی ہے جو یونانی نسخے میں ہے"۔ (۲۴۰)

۶۔ شواہد و دلائل کی کثرت :

مولفؒ اظہار الحق کے مطالعہ اور وسعت کا اندازہ کتاب کے سرسری مطالعہ سے ہو سکتا ہے۔ جب بھی کسی مسئلہ پر شواہد

ودلائل دیتے ہیں تو اس کثرت سے دیتے ہیں کہ مخالف کو انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور بقول مولانا نور محمد ۔

"مولانا نے ہر ایک مسئلہ کی دلیل اور ہر ایک سوال کا جواب اس بسط اور تفصیل سے لکھا ہے
کہ کہیں دس بیس، چالیس چالیس دلیلیں اور حوالے دیکر بھی بس نہیں کی اور اچھی طرح
دروغ گو کو اس کے گھر تک پہنچ دیا ہے"۔ (۲۴۱)

مثال کے طور بائبل کے اختلافات میں الفصل الثالث فی بیان ھذہ الکتب مملوۃ من اختلافات و الا غلاط '
میں مولف نے ۱۲۵ اختلاف کا ذکر کیا ہے۔ اور اغلاط ۱۱۰ بتائی ہیں۔ اسی طرح الباب الثانی فی اثبات تحریف' میں تبدیلی کے
۳۵ دلائل اور کمی کے ۲۰ دلائل نقل کئے ہیں۔ یہی حال پوری تالیف کا ہے۔ دلچسپ پہلو یہ ہے کہ ہر بحث پر مولف کہتے ہیں کہ '
ہمارے پاس بے شمار دلائل ہیں ان میں سے کچھ پیش خدمت ہیں'۔ مزید براں ان دلائل میں تنوع پایا جاتا ہے۔ مثلاً شواہد، النوع
، الوجہ، الغلط، اختلاف، وغیرہ کے نام دیے ہیں۔

۷۔ کتاب کا عمومی اسلوب :

اگر چہ کتاب کا مجموعی اسلوب مناظرانہ ہے مگر بہ غور مطالعہ کرنے سے استدلال کے مندرجہ ذیل پہلو سامنے
آتے ہیں۔

(ا) الزامی استدلال :

کتاب میں الزامی انداز بکثرت پایا جاتا ہے۔ اور یہی وہ اسلوب ہے جس میں فریق مخالف دفاعی موقف اختیار
کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اسکی دو مثالیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں ۔

۱۔ جہاد پر وارد شدہ اعتراضات کے جواب میں مولف نے شرائع سابقہ سے اثبات کرتے ہوئے بائبل سے دسوں حوالے نقل کر
دیے ہیں۔ (۲۴۲)

۲۔ مسیحی علماء نے حضور اکرم ﷺ پر تعدد ازواج کا الزام لگایا اس اعتراض کی مولف نے چار صورتیں بتائی ہیں۔ اسکے جواب میں
مولف نے جو پہلی بات بتائی وہ یہ کہ سابقہ شریعتوں میں ایک سے زائد شادی کرنا جائز تھا، مثلاً حضرت ابراہیم کی بیویوں کا ذکر
، حضرت یعقوب، جدعون، حضرت داؤد وغیرہ کی کئی کئی بیویاں بائبل سے ثابت ہیں"۔ (۲۴۳)

(ب) عقلی استدلال :

الزامی جوابات کے ساتھ عقلی استدلال بھی کتاب میں بہت پایا جاتا ہے۔ مثلاً تثلیث کا عقیدہ عقل کی کسوٹی پر۔ مولف
نے اس ضمن میں دس دلائل دیے ہیں ایک دلیل یہ ہے :

"اگر عیسائیوں کے قول کے مطابق خدا کی ذات میں ایسے تین اقنوم مان لیئے جائیں جو حقیقی امتیاز کے ساتھ ممتاز ہیں تو اس سے قطع نظر اس سے خداوں کا کئی ہونا لازم آتا ہے یہ بات بھی لازم آئے گی کہ خدا کوئی حقیقت واقعیہ نہ ہو بلکہ محض مرکب اعتباری ہو"۔ (۲۴۴)

سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں :

"حضرت کیرانویؒ نے عقیدہ تثلیث کو عقل کی کسوٹی پر پرکھ کر اس کا علمی تجزیہ کر کے دکھایا کہ کوئی صاحب ذوق اسکو تسلیم نہیں کرتا"۔(۲۴۵)

(ج) تحقیقی استدلال :

مولانا کیرانویؒ نے بڑے کو رجارانہ اسلوب کے ساتھ ساتھ خالص تحقیقی اسلوب بھی اختیار کیا ہے۔ اس انداز تحقیق کی باریکیوں پر مولفؒ کو داد تحسین دیئے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔ اول تو مولفؒ نے کتاب کا حوالہ دینے کا پورا اہتمام کیا ہے۔ مثلاً، میزان الحق مطبوعہ ۱۸۴۹ء زبان فارسی باب ۲، فصل ۳، صفحہ ۲۲۷، ۲۳۸، حل الاشکال، مطبوعہ ۱۸۴۷ء باب ۴، صفحہ ۵۱ (۲۴۶)

ولیم میور، تاریخ کلیسا، مطبوعہ ۱۸۴۸ء، باب ۳ پادری تھامس، مرأۃ الصدق، مطبوعہ، ۱۸۵۱ء، صفحہ ۱۸۰، ۱۸۱ وغیرہ۔

اسی طرح کسی مسئلہ کی تحقیق کرتے ہیں تو اسکے تمام پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہیں۔ اور اس پر تحقیق کا حق ادا کر دیتے ہیں مثلاً عقیدہ تثلیث کے باب میں، مقدمہ باب (جسمیں مولف نے بارہ اہم باتیں تحریر کی ہیں)، عقلی بنیادوں پر، عقیدہ تثلیث اقوال مسیح کی روشنی میں، نصاری کے دلائل کا تجزیہ"۔(۲۴۷)

۸۔ اخذ نتائج کا اہتمام :

فاضل مولفؒ اپنے دلائل و شواہد کا بڑی عمدگی سے تجزیہ کرتے ہیں اور اہم نتائج قارئین کے سامنے لاتے ہیں جس سے فیصلہ تک پہنچنے میں آسانی ہوتی ہے۔ مثلاً لکھتے ہیں "آدم کلارک کے اعتراضات سے حاصل ہونے والے عظیم نتائج، اس ضمن میں مولفؒ نے سات اہم باتیں اخذ کی ہیں۔

۹۔ واضح اور سادہ اسلوب :

فاضل مولفؒ نے اپنی تالیف میں واضح سادہ اور عام فہم انداز اپنایا ہے۔ چنانچہ سید ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں :

"مولانا کیرانویؒ نے زیادہ جزئیات سے بحث نہیں کی ہے کیونکہ اس میں بحث و مباحثہ اور چوں چرا کی گنجائش رہتی ہے مولانا نے صاف نظر آنے والی اور آسانی سے سمجھ میں آنے والی باتیں ذکر کی ہیں جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ مثلاً انہوں نے بائبل میں ایک

دوسرے سے متضاد باتوں کو نکال دکھایا ہے کہ کوئی الہامی کتاب جس میں تحریف نہ ہوئی ہو
اس طرح کی متضاد باتوں کا مجموعہ نہیں ہو سکتی اس طرح کی ایک سو آٹھ کھلی ہوئی غلطیوں کو
انہوں نے دکھایا ہے۔ یہ باتیں ایسی ہیں جیسے ریاضی کے فارمولے ہوتے ہیں دو اور دو چار کی
طرح جس کے نتائج سب کے سامنے ہیں دوسرے کھلی ہوئی تحریف کے نمونے ہیں جہاں
الفاظ کے اضافے ہیں۔ کہیں کمی ہے کہیں تشریحی جملے ہیں اس طرح یہ کتاب ایک آسمانی
صحیفہ کا درجہ حاصل ہی نہیں کر سکتی"۔ (۲۴۸)

۱۰۔ حقانیت اسلام کا اثبات:

مولفؒ نے جہاں عیسائیوں کی کتب و عقائد کو بے بنیاد ثابت کر دیا ہے وہاں اسلام کی حقانیت کو ہر طرح سے کھول دیا ہے۔ چنانچہ ابوالحسن علی ندویؒ کے قول:

"حضرت کیرانویؒ نے صرف یہی نہیں کیا کہ عیسائیت کے عقائد اور ان کے صحیفوں
کی حقیقت کھول کر دکھا دی ہے بلکہ قرآن کریم پر جو ان کے اعتراضات رہے ہیں اسکا بھی
تشفی بخش جواب دیا اور دکھایا کہ قرآن کریم کے کتاب اللہ ہونے میں کوئی شک کی گنجائش
نہیں ہے اس سلسلے میں عیسائیوں کے پیدا کردہ شبہات کا جواب دیا اور اسی سلسلہ میں
رسول اللہ ﷺ کی سیرت مقدسہ، معجزات کو بیان کیا اور آپ کے حق میں انبیاء سابقین
نے جو بشارتیں دی ہیں ان میں سے اٹھارہ بشارتوں کا ذکر کیا"۔ (۲۴۹)

۱۱۔ مولف کا استحضار:

زیر نظر تالیف میں مولانا کیرانویؒ کے استحضار کی داد دینا پڑتی ہے۔ مولفؒ نے اپنی دیگر تصانیف مثلاً ازالۃ الاوہام، اعجاز عیسوی، ازالۃ الشکوک اور معدل اعوجاج المیزان کا جابجا حوالہ دیا ہے۔ مزید براں مولفؒ کا پادری فانڈر سے مشہور مناظرہ کا بھی اسمیں احوال موجود ہے۔ علاوہ ازیں مسیحی علم الکلام کے تناظر میں دیگر کتب مثلاً استفسار، کشف الاستار وغیرہ کا بھی تعارف کرایا ہے اور بعض مقامات پر ان سے استدلال بھی کیا ہے۔

کتاب کے قابل توجہ پہلو:

کتاب کے ان پہلوؤں کا تذکرہ کرنے کے بعد اس کے بعض قابل توجہ پہلوؤں پر بھی مختصر بحث کی جاتی ہے۔ ہماری یہ بحث زیادہ تر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ایک مضمون سے ماخوذ ہے۔ جس کے اہم نکات یہ ہیں

ا۔ تحریف بائبل اور تراجم:

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں :۔

"البتہ ایک چیز سے مجھ ناچیز کو اتفاق نہ ہو سکا وہ یہ کا مولفؒ نے بارہا اس امر سے استدلال کیا ہے کہ تورات وانجیل کے اردو، فارسی اور عربی تراجم ہر وقت بدلتے ہیں اور کبھی کچھ اور کبھی کچھ ترجمہ کیا جاتا ہے۔

میں ادب سے گذارش کرونگا کہ اعتراض ترجموں پر نہیں ہونا چاہیے بلکہ اصل کو دیکھنا چاہیے۔ انجیل (عہد جدید) کی موجودہ اصل یونانی ہے اگر یونانی متن آئے دن بدلا جاتا رہے تو وہ تحریف ہو گی لیکن اگر صرف انگریزی، فرانسیسی وغیرہ ترجموں کی عبارتیں بدلتی رہتی ہیں تو وہ ناگزیر ہیں قرآن مجید کے مستند اردو تراجم شاہ عبدالقادر، شیخ الہند، مولانا مودودی وغیرہ کو لے کر مقابلہ کیجئے سو فیصد صورتوں میں الفاظ ہی میں نہیں۔ مفہوم بھی یکساں نہیں۔ یہ مترجمین کی انفرادی فہم کا معاملہ ہے۔ ان کے تراجم کا وبال اصل عربی قرآن مجید پر نہیں پڑتا کیونکہ وہ چودہ سال سے نہیں بدلا اس لیے انجیل اور تورات کے تراجم کا اختلاف اگر اس بناپر ہے کہ وہ اصل یونانی یا عبرانی کے مفہوم کے سمجھنے میں اختلاف کے باعث ہے تو اس سے استدلال درست نہیں"۔ (۲۵۰)

ڈاکٹر موصوف کا تحریف بائبل میں مذکورہ نقطہ نظر جاہے تاہم اس رائے سے راقم دو وجوہ کی بناپر اختلاف کی جسارت کرتا ہے۔

اولاً مولف کا یہ کہنا کہ ہمارا مسیحیوں سے تحریف معنوی میں کوئی اختلاف نہیں اس کو تو وہ بھی تسلیم کرتے ہیں اور ہم بھی ہمارا ان سے اختلاف تحریف لفظی میں ہے۔ اور یہ تراجم ہی میں ہوتی ہے کیونکہ مسیحیوں میں متداول کتب یہی تراجم ہیں اور کوئی مسیحی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ جہاں تک اصل یونانی متن کا تعلق ہے تو اس کو الا ماشاءاللہ کسی نے دیکھا ہو یا اس سے استفادہ ممکن ہو۔ اسلیے عوام الناس میں اعتبار مروجہ تراجم ہی کا کیا جائے گا۔

ثانیاً جہاں تک ڈاکٹر موصوف قرآن حکیم کے متن کے ساتھ موازنے کا تعلق ہے تو یہ موازنہ سرے سے غلط ہے کیونکہ مسلمانوں کا ایمان ویقین اس قرآن حکیم پر ہے جو دفتین میں عربی نصوص کے ساتھ مرقوم ہے۔ جہاں تک قرآن حکیم کے دیگر زبانوں میں تراجم کا تعلق ہے تو اس سے تفہیم آیات میں تو مدد لی جا سکتی ہے ایمان واعتقاد ان تراجم پر ہرگز ضروری نہیں۔

۲۔ انگریزی تلفظ کا مسئلہ :

محمد حمید اللہ لکھتے ہیں :

"اصل کتاب عربی میں ہو یا ترکی میں الفاظ پر اعراب نہیں ہوتا خاص کر صدی بھر پہلے کی نشریات میں اسی طرح فرنگی اور اجنبی ناموں اور لفظوں کا صحیح تلفظ معلوم ہونا دشوار ہو جاتا ہے۔ مزید در اں عربی میں پ، چ، ژ، گ نہیں نہ ٹ، ڑ، ڈ، ں، ھ، ے۔ جب نام کو معرب کیا جاتا ہے تو وہ اصل سے دور ہو جاتا ہے ایک مزید پیچیدگی اس سے یہ ہو جاتی ہے کہ فرانسیسی، جرمن، اطالوی وغیرہ ناموں کی اگر انگریزی کے طور پر تلفظ کریں تو وہ اکثر نا قابل شناخت ہو جاتے ہیں سونے پہ سہاگہ اور طباعت کی غلطیاں کچھ کی کچھ کر دیتی ہیں۔ (۲۵۱)

مزید لکھتے ہیں۔

"اصل عربی کے ایک اور تکلیف دہ پہلو کی طرف بھی اشارہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مولانا رحمت اللہ کو غالباً انگریزی نہیں آتی تھی اور ان کے مددگار مسلمان کی نظر اسلامی ادبیات اور ثقافتی میراث پر کافی نہ تھی نتیجہ یہ ہوا ہے کہ خالص اسلامی چیزیں فرنگی لباس میں نظر آئیں تو ناموں اور راویوں میں بارہا امتیاز نہیں ہوا ہے مثلاً شہر انطاکیہ کو انطوخ لکھا ہے۔ موسیٰ بن میمون کو ممانی ویز، مانی کو تو مانی لکھا ہے لیکن نہ سمجھے کہ مانی کیز کو مانوی لکھنا چاہیے۔ بارہا سریا لکھا ہے جو یا تو سوریا ہونا چاہیے تھا یا شام۔ محفل نائس بھی اصلاح طلب ہے فرانسیسی شہر میں Nice کو چاہے نائس کہہ لیں لیکن پادریوں کا مشہور اجتماع (Nicee) ہے یا (Nicea) نیسے آ میں ہوا تھا جو فرانس کا نہیں ترکی کا مشہور شہر ہے استانبول کے قریب۔ مولانا مرحوم شہر آرام سے واقف ہیں لیکن وہاں کی بولی کو عرامائی لکھتے ہیں حالانکہ آرامی میں ہونا چاہیے"۔ (۲۵۲)

۳۔ کتابوں کے نام میں یکسانیت کا فقدان .

کتاب میں کہیں کہیں بائبل کی ترتیب کے برعکس ترتیب بھی نظر آتی ہے اگرچہ ایسا بہت کم ہوا ہے۔ تاہم بعض کتابوں کے نام میں یکسانیت اختیار نہیں کی گئی مثلاً کبھی مولف کتاب تکوین لکھتے ہیں اور کبھی خلیقہ۔ (۲۵۳)

۴۔ایک ہی فرقہ کی تردید:

اظہار الحق میں موصوفؒ نے زیادہ تر پروٹسٹنٹ (Protestent) فرقے کی تردید میں لکھا ہے کیونکہ ان کے بقول ہندوستان میں ان کی اکثریت ہے۔دیگر فرقوں کا ضمناً تذکرہ موجود ہے البتہ ہدف فرقہ پروٹسٹنٹ کو ہی بنایا گیا ہے۔ دوسرے فرقوں مثلاً کیتھولک اور ارتھوڈیکس کے عقائدو نظریات کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے۔ (۲۵۴)

اظہار الحق کا جواب دینے کی کوششیں:

اظہار الحق کے جواب یاد میں پروٹسٹنٹ پادریوں کی ایک جماعت نے ۶ ضخیم جلدوں میں ایک کتاب الھدایۃ کے نام سے عربی میں لکھی جو خفیہ طور پر مصر میں چھپی اس پر مطبع یا مقام اشاعت درج نہیں تھا۔ایران کے ایک عالم نے اس ضخیم کتاب کا نہایت محکم ردود جلدوں میں الھدی الی دین المصطفی کے نام سے لکھا جو لبنان میں طبع ہوا جس کا جواب پادریوں کی ایک متحدہ جماعت نے قلمی رسالہ کی صورت میں مخفی طور پر ایران کے مصنف کو بھیجا لیکن ان ایرانی عالم نے اس کے جواب میں بظاہر خاموشی اختیار کرلی۔ لیکن نہایت اور تدبیر کے ساتھ ایک مختصر کتاب یا جامع رسالہ التوحید والتثلیث کے نام سے شائع کیا جو لبنان میں طبع ہوا پادری اس رسالہ کی تاب نہ لا سکے اور ان ایرانی کے دشمن ہو گئے۔

اسی دوران پادریوں کی ایک جماعت نے ایک کتاب نہایت شان کے ساتھ ،میزان الحق ،فی الدیانتہ المسیحیہ، کے نام سے شائع کی جس کا مدلل رد علی بن عبد اللہ بن علی البحرانی (۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) نے ،لسان الصدق علی میزان الحق، کے نام سے کیا اس خاموش اور تصنیفی جنگ کے دوران بیروت کے ایک عالم علامہ شیخ محمد نے ایک سخت کتاب ،الوثیقہ فی الدیانۃ النصرانیہ ،(نصرانیت میں مت پرستی) کے نام سے لکھی جسکی عیسائی تاب نہ لا سکے اور چراغ پا ہو کر انہوں نے لبنان کے کتب خانوں اور مکتبوں پر کھلم کھلا چھاپے مارے اور جہاں بھی اس کتاب کی موجودگی کا شبہ ہو سکتا تھا اسکو نہیں چھوڑا حتی کہ جس پریس میں چھپی تھی اسکو بھی جلا دیا۔اظہار الحق ،پر علمی رد عمل کے یہ واقعات ۱۳۰۰ھ سے ۱۳۴۰ھ تک رونما ہوئے۔ (۲۵۵)

علاوہ ازیں اردو میں بھی اظہار الحق کا جواب دینے کی کوششیں کی گئی۔ چنانچہ پادری فانڈر (م ۱۸۶۸ء) کی کتاب میزان الحق ،مطبوعہ ۱۹۶۲ء میں اظہار الحق کی پہلی اشاعت مطبوعہ ،۱۲۸۴ھ/۱۸۶۸ء کے بعض مباحث کا جواب دیا گیا ہے۔ (۲۵۶) یہ جواب پادری موصوف نے وفات کے بعد لکھا ہے یا کسی اور نے ؟اس پر مولانا کیرانویؒ کی پیشین گوئی صادق آتی ہے :۔

"ان التبدیل والاصلاح بمنزلۃ الامر الطبیعی لفرقۃ البروتسانت،ولذالک اذا طبع کتاب من کتبھم مرۃ اخری یقع غالباً فیہ تغیر کثیر بالنسبۃ الی المرۃ

تاخيرها . وحصل هذا الامر من عادات هولاء القسيس" (۲۵۷)

(تغیر و تبدل اور اصلاح کرتے رہنا فرقہ پروٹسٹنٹ کے لئے ایک امر طبعی بن گیا ہے اس لئے آپ دیکھیں گے کہ جب کبھی ان کی کوئی کتاب دوسری بار طبع ہوتی ہے اس میں پہلے کی نسبت بے شمار تغیر و تبدیل پایا جاتا ہے یا تو بعض مضامین بدل دیئے جاتے ہیں یا گھٹا، بڑھا دیئے جاتے ہیں یا کسی بحث کو مقدم یا موخر کر دیا جاتا ہے۔۔۔ گویا یہ بات ان پادریوں کی عادت بن گئی ہے)۔

حواشی و تعلیقات (باب سوم)

(۱) تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ایک مجاہد معمار، ص ۲۸؛ آثار رحمت، ص ۳۸۲۔

(۲) ازالۃ الشکوک، ج ۱، ص ۶۔

(۳) البحث الشریف، ص ۲۰۔

(۴) نفس مصدر، ص ۲۔

(۵) محمد تقی عثمانی نے بائبل سے قرآن تک کے مقدمہ میں مذکورہ رسالے کا نام اوضح الاحادیث فی ابطال التثلیث لکھا ہے۔ ڈاکٹر محمد عبدالقادر خلیل ملکاوی کے بقول یہ طابعین کے تصرفات کے نتیجہ میں فرق پیدا ہوا ہے۔ (محمد عبدالقادر ملکاوی، ص ۱۹)۔

(۶) ازالۃ الشکوک، ج ۱، ص ۶۔

(۷) ایک مجاہد معمار، ص ۲۸؛ آثار رحمت، ص ۳۸۲۔

(۸) محمد عبدالقادر ملکاوی، ص ۲۱۔

(۹) رسالہ کے آخر میں مولف لکھتے ہیں۔ وقد حصل لی الفراغ اوائل جمادی الاخر سنۃ الف و مائتین واحد وثمانین من ہجرۃ سید الاولین والآخرین محمد ﷺ واصحابہ اجمعین فی دار السلطنۃ اسلام بول صینت عن الآفات وحمیت من سوء الحدثان والتقلبات (التنبیہات، ص ۳۲)۔

(۱۰) التنبیہات، ص ۳،۲۔

(۱۱) نفس مصدر، ص ۴۔

(۱۲) نفس مصدر، ص ۷۔

(۱۳) نفس مصدر، ص ۱۰۔

(۱۴) نفس مصدر، ص ۱۲۔

(۱۵) نفس مصدر، ص ۱۳۔

(۱۶) نفس مصدر، ص ۱۴۔

(۱۷) نفس مصدر، ص ۱۵۔

(۱۸) نفس مصدر، ص ۱۶۔

(۱۹) نفس مصدر، ص ۱۷۔

(۲۰) نفس مصدر، ص ۱۹۔

(۲۱) نفس مصدر، ص ۲۳۔

(۲۲) نفس مصدر، ص ۲۵۔

(۲۳) اجازت کے لیے ملاحظہ ہو۔ مکتوب محمد مسعود سلیم (ناظم مدرسہ صولتیہ) بنام الدکتور برکات عبدالفتاح دویدار، مکۃ المکرمۃ بتاریخ ۱/۳/۱۹۷۸ء۔ مذکورہ تحقیق و تعلیق ۱۰۰ صفحات پر مشتمل ہے جس میں مختصر طور پر مولفؒ کے حالات و خدمات کے ساتھ ساتھ مصادر شریعت پر عمدہ بحث ہے۔ مطبعۃ السعادۃ سے ۱۹۷۸ء میں طبع ہوئی ہے۔

(۲۴) عربی کتب میں 'البردق' اور فارسی و اردو کتب میں 'بُروق' لکھا ہوا ہے۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے ایک مجاہد معمار، ص ۲۸؛ آثار رحمت، ص ۳۸۳؛ عبدالقادر ملکاوی، ص ۱۹؛ اکبر مجاہد، ص ۳۱؛ بائبل سے قرآن تک، ص ۲۱۳۔

(۲۵) نور افشاں، ۳۰: ۱۲ جولائی ۱۸۸۴ء میں یہ مضمون شائع ہوا ہے۔

(۲۶) ایک مجاہد معمار، ص ۲۸؛ آثار رحمت، ص ۳۸۳؛ بائبل سے قرآن تک، ص ۲۱۳۔

(۲۷) ایک مجاہد معمار، ص ۲۸؛ آثار رحمت، ص ۳۸۴؛ عبد القادر ملکاوی، ص ۲۰۔

(۲۸) ایک مجاہد معمار، ص ۲۸؛ آثار رحمت، ص ۳۸۴۔

(۲۹) آثار رحمت، ص ۳۸۶؛ دروس من ماضی التعلیم، ص ۱۰۰۔

(۳۰) کتاب کی مقبولیت و اہمیت کے پیش نظر اب تک متعدد تراجم کیے جا چکے ہیں۔ مولوی عطا حسین مرحوم کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے خواجہ بندہ نواز گیسو دراز نے اصل کتاب کی عربی شرح بھی لکھی تھی لیکن اب وہ مفقود ہے تاہم شرف الدین یحییٰ منیری کی شرح پائی جاتی ہے۔ فارسی ترجمہ مولوی عطا حسین (مطبوعہ حیدر آباد) نے شائع کیا ہے مزید دیکھیے۔ سہروردی، ضیاء الدین، آداب المریدین، مترجم عبدالباسط، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۸۰ء، ص ۷، ۸۔

(۳۱) شیخ ضیاء الدین ابو النجیب عبدالقاہر سہروردی (۴۹۰ھ۔ ۵۶۳ھ) بغداد کی ایک بستی سہرورد میں پیدا ہوئے سلسلہ نسب بارہ واسطوں سے حضرت ابوبکر صدیق تک پہنچتا ہے 'مفتی عراقین' ان کا لقب تھا۔ مدرسہ نظامیہ میں بھی مدرس رہے بعد ازاں بغداد ہی میں ایک مدرسہ اور رباط قائم کی۔ امام غزالی کے مریدوں میں سے تھے (آداب المریدین، مترجم مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، ص ۳؛ مترجم عبدالباسط، ص ۷)۔

(۳۲) آداب المریدین (مولانا رحمت اللہ، مترجم) ص ۴۔

(۳۳) نفس مصدر ص ۴۔

(۳۴) نفس مصدر، ص ۳۔

(۳۵) نفس مصدر، ص ۵-۲۳۔

(۳۶) نفس مصدر، ص ۲۳-۸۰۔

(۳۷) نفس مصدر، ص ۸۰۔

(۳۸) مثال کے طور پر موازنے کے لیے ملاحظہ ہو سہروردی، ضیاء الدین، آداب المریدین، (مترجم محمد عبدالباسط)۔

(۳۹) مسعود شمیم کیرانوی، حاجی امداد اللہ اور مدرسہ صولتیہ، الاشرف (کراچی) ۵ ۱، ۲، جولائی اگست، ۱۹۹۱ء، ص ۶۔

(۴۰) مولانا کے سوانح نگاروں نے اس رسالہ کا تذکرہ بہت کم کیا ہے دیکھیے۔ ایک مجاہد معمار، ص ۲۷، ۲۸۔

(۴۱) آثار رحمت، ص ۳۸۶۔

(۴۲) عبدالسمیع رامپوری کے مختصر حالات یہ ہیں رام پور، منہیاراں، ضلع سہارن پور کے رہنے والے مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے شاگردوں میں سے تھے اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے مریدوں میں سے تھے۔ آپ ایک عرصہ تک شیخ الٰہی بخش کے مدرسہ بمقام میرٹھ، میں درس دیتے رہے۔ بیدل آپ کا تخلص تھا شعر خوب کہتے تھے 'حمد باری' کے مصنف ہیں نعتیہ کلام بھی شائع ہو چکا ہے۔ ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۱ء میں فوت ہوئے (تقدیس الوکیل، ص ۷، بیس مرداں حق، ص ا۔

(۴۳) انوار ساطعہ، ص ۵۳، ۵۵۔

(۴۴) رسالہ کے سرورق پر یہ الفاظ مندرج ہیں بامر جناب مولانا رشید احمد گنگوہی مطبوع ہاشمی۔

(۴۵) مولانا غلام قصوری کے مختصر حالات یہ ہیں: 'مولانا غلام دستگیر ہاشمی، قریشی، صدیقی، قصوری، محلہ چلہ بیباں اندرون موچی گیٹ لاہور میں پیدا ہوئے والد کا نام حسن بخش صدیقی تھا۔ والدہ غلام محی الدین قصوری، خلیفہ شاہ غلام علی مجددی دہلوی کی ہمشیرہ تھیں اسی طرح مولانا کو غلام محی الدین کا شاگرد، خواہر زادہ، داماد اور مرید باصفا اور خلیفہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپ کے معاصر میں مولانا نور احمد لاہوری، مولانا محمد بجوی، غلام قادر بھیروی، احمد رضا خان بریلوی، پیر مہر علی شاہ اور مولانا محمد بخش حلوائی شامل تھے۔ آپ نے ۱۵ کے قریب کتب و رسائل تحریر کیے ان میں نمایاں طور پر تحفہ دستگیریہ بجواب اثنا عشریہ، عمدۃ البیان فی اعلان مناقب النعمان، تخریج عقائد نوری جواب نغمہ طنبوری (پادری عماد الدین) اور تقدیس الوکیل ہیں۔ آپ کی تالیفات میں مناظرانہ رنگ غالب ہے، مولانا غلام دستگیر اپنی تالیفات کی اشاعت کے لیے اہل خیر سے تعاون حاصل کرتے اور کتب بلا قیمت تقسیم کرتے اس ضمن میں انہوں نے پنجاب کے طول و عریض دورے کیے۔ انجمن حمایت اسلام (لاہور) کے شعبہ تصنیف و تالیف نے مولانا کی خدمات سے بھرپور فائدہ اٹھایا (تقدیس الوکیل، مقدمہ؛ تذکرہ علماء پنجاب)۔

(۴۶) تقدیس الوکیل، ص ۳۱۵ - ۳۲۳ (یہ تقاریظ بطور ضمیمہ کتاب میں شامل کی گئی ہیں کتاب ۱۳۰۸ھ میں مکمل ہوئی

اور ۴۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۴۷) نفس مصدر، ص ۳۹۰۔

(۴۸) دیگر تالیفات کے برعکس زیر نظر کتاب میں کرانوی/کیرانوی، کی نسبت مرقوم نہیں ہے۔

(۴۹) ازالۃ الاوہام، ص ۲۔

(۵۰) نفس مصدر، ص ۳، ۴، Muslims and Missionaries, P 226

(۵۱) امداد صابری نے تذکرۃ الاولیاء کے حوالے سے تالیف کتاب کو کرامت کے طور پر بیان کیا ہے، لکھتے ہیں "آپ کے اس مرض کا علاج آپ کے برادر کلاں حکیم علی اکبر نے کیا مگر کوئی افاقہ نہ ہوا اور بہت کمزور ہو گئے نیز بیٹھنے سے بھی معذور ہو گئے تمام خاندان میں تشویش پیدا ہو گئی والدہ کے برعکس دیگر اعزہ کسی اور طبیب سے معالج کے خواہاں تھے۔ ایک روز فرمایا کہ "میں نماز ظہر پڑھتا ہوں کوئی آگے سے منہ نکلے نماز ہی میں آپ بے ہوش ہو گئے تھوڑی دیر بعد ہوش آیا تو رو رہے تھے ان کے بھائی حکیم علی اکبر نے سمجھا کہ زندگی سے مایوس ہو گئے ہیں اس پر آپ نے فرمایا خدا کی قسم اگرچہ صحت کی کوئی علامت نہیں ہے لیکن ان شاء اللہ میں تندرست ہو جاؤں گا۔ میرے رونے کی وجہ بیماری نہیں بلکہ یہ ہے کہ میں نے اس وقت خواب میں دیکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ مع شیخین کے تشریف لائے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا رئیس المجاہدین یا رئیس المعالجین اور حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا بر حق لک فی رسول اللہ قال کذا و کذا یعنی اے نوجوان خوشخبری ہو کہ تیرے حق میں رسول اللہ نے ایسا کہا اگرچہ تالیف ازالۃ الاوہام مرض کا باعث بنی ہے تو یہی شفا کا باعث بنے گی چنانچہ اس کے بعد آپ روبصحت ہو گئے اور جو اوراق منتشر تھے سات ماہ کے عرصے میں ان کو درست کیا۔ تذکرہ اولیاء ہند، ج ۲، ص ۳۲۱؛ آثار رحمت، ص ۱۲۸)۔

(۵۲) مولانا محمد نور الحسن کاندھلوی (۱۲۲۷ھ/۱۸۱۲ء - ۱۲۸۵/۱۸۶۸ء) مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے ہم عمر بزرگوں میں سے ہیں ان کے مختصر حالات یہ ہیں "محمد نور الحسن بن مفتی الٰہی بخش کاندھلوی تھانہ بھون میں پیدا ہوئے۔ اصل نام محمد میاں تھا لیکن نور الحسن کے نام سے معروف ہوئے حفظ قرآن اور ابتدائی علوم کی تکمیل کے بعد دہلی آ گئے۔ قیام مدرسہ شاہ محمد اسحاق میں ہوا۔ دہلی کالج میں امتحان میں ممتاز رہے قیام دہلی ۱۸۲۹ء تا ۱۸۳۴ء تک رہا۔ اسی دوران محدث دوراں حضرت شاہ محمد اسحاق کی ذات بابرکات کے علاوہ جامع العلوم مفتی صدر الدین آزردہ اور امام المنطقیین مولانا محمد فضل حق خیر آبادی سے بھرپور استفادہ کیا موخر الذکر دونوں اساتذہ سے نیاز مندی یہاں تک بڑھ گئی کہ ہر معاملہ میں ان سے مشورہ فرماتے تھے۔ دہلی کے علاوہ سہارن پور میں بھی مولانا فضل حق خیر آبادی سے اکتساب کیا اور دورہ حدیث دوبارہ پھر ۱۸۴۰ء میں دہلی میں مکمل کیا۔ مولانا نور الحسن زمانہ طالب علمی ہی سے اپنی اخلاقی پابندی، دینی ذوق و مزاج، علمی صلاحیت اور محنت و علوے استعداد کی وجہ سے اپنے استادوں کی نگاہوں میں مقرب و محبوب بن گئے تھے مفتی صدر الدین

اور مولانا فضل حق خیر آبادی جب بھی کوئی کتاب لکھتے تو سب سے پہلے مسودہ مولانا نور الحسن کے مطالعہ کے لیے بھیجتے یہاں تک کہ غزل اور قصیدہ میں بھی اصلاح لیتے تھے۔ سر سید احمد خان نے جب انجیل کی تفسیر (تبیین الکلام) لکھی تو اس کا مسودہ مع ایک خط کے مولانا نور الحسن کی خدمت میں روانہ کیا آپ کے اسی علمی مقام کے پیش نظر مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے بھی اپنی کتاب کا مسودہ آپ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ کے چار بیٹے ہوئے دوسرے بیٹے مولانا حکیم محمد ابراہیم، مولانا انعام الحسنؒ (م ۱۴۱۶ھ / ۱۹۹۵ء) امیر تبلیغی جماعت کے دادا تھے۔ (حالات مشائخ کاندھلہ، ص ۱۸۴، کاندھلوی، نور الحسن راشد (مرتب) سہ ماہی، احوال و آثار (کاندھلہ، ضلع مظفر نگر) جلد ۲، ۳، ۴ (اپریل تا دسمبر ۱۹۹۶ء تا جنوری تا دسمبر ۱۹۹۷ء، ص ۱۰۳-۱۱۹)۔

(۵۳) مولانا مملوک علی نانوتوی (م ۱۲۶۷ھ) دہلی کالج میں مدرس تھے اور مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور سر سید احمد خان کے استاد تھے۔ (بیس بڑے مسلمان، ص ۱۲۶)۔

(۵۴) مجموعہ مکتوبات مفتی صدر الدین آزردہ، مولانا فضل حق خیر آبادی وغیرہ بنام مولانا نور الحسن، مرتبہ و مکتوبہ مولانا محمد سلیمان خاں، مولانا نور الحسن صاحب، ورق ۵۹۔ ب تا ۶۰۔ ب بحوالہ احوال و آثار، ص ۱۰۸، ۱۰۹، آثار رحمت، ص ۱۲۸، ۱۲۹۔

(۵۵) مذکورہ اعتراض کے تفصیلی جواب کے لیے ملاحظہ ہو۔ مقالہ ھذا باب ہفتم، فصل سوم۔

(۵۶) پیدائش، ۸: ۲۰-۱۔

(۵۷) زبور، ۷۸: ۲۳۔

(۵۸) مرقس، ۱۶: ۱۹۔

(۵۹) کرنتھیوں اوّل، ۳: ۱۹۔

(۶۰) مذکورہ اعتراض کے تفصیلی جواب کے لیے ملاحظہ ہو۔ مقالہ ھذا باب ہفتم، فصل سوم۔

(۶۱) تفصیلات ملاحظہ ہو: کتاب پیدائش، باب ۲۹۔ ۸۔

(۶۲) یشوع، ۱۰: ۱۲-۱۳۔

(۶۳) سلاطین دوم، ۲۰: ۸-۱۱؛ یسعیاہ، ۳۸: ۱-۹۔

(۶۴) متی، ۲: ۹۔

(۶۵) متی، ۳: ۱۷، ۲۷: ۵۱؛ مرقس، ۱۵: ۳۸؛ لوقا، ۲۳: ۴۴، ۴۵۔

(۶۶) ازالۃ الاوہام، بحوالہ آثار رحمت، ص ۳۳۷-۳۴۴۔

(۶۷) اخبار منشور محمدی (بنگلور)، ۲۵ رجب ۱۳۰۳ھ۔

(۶۸) آثار رحمت، ص ۱۳۲۔

(۶۹) دوسری مرتبہ مطبعہ رضویہ دہلی ۱۲۹۲ھ میں طبع ہوئی (ایک مجاہد معمار، ص ۲۸)۔

(۷۰) مولانا محمد سلیمؒ نے مذکورہ کتاب کے صفحات کی تعداد ۲۰۰ بتائی ہے جو کہ درست نہیں دیکھئے ایک مجاہد معمار، ص ۲۸۔

(۷۱) مولانا محمد سلیم نے یہاں تالیف کا سن ۱۲۶۹ھ بتایا ہے جو مؤلف کے بتائے ہوئے سن کے مطابق غلط ہے، دیکھئے اعجاز عیسوی (مقدمہ)، ص ۱۔

(۷۲) البقرہ، ۲: ۷۹۔

(۷۳) اعجاز عیسوی، ۳۔

(۷۴) نفس مصدر، ص ۲۔

(۷۵) نفس مصدر۔

(۷۶) نفس مصدر ص ۳۔

(۷۷) نفس مصدر، ص ۸، ۹، عہد عتیق کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو 'مقالہ ھذا، مقدمہ۔

(۷۸) نفس مصدر، ص ۱۹، عہد جدید کی کتب کی تفصیلات دیکھئے مقالہ ھذا، مقدمہ۔

(۷۹) نفس مصدر، ص ۲۰۔

(۸۰) انطاکس (Antiochus) ایشیاء قریب کا مشہور بادشاہ، جس نے ۱۶۸ ق۔ م میں یروشلم پر قبضہ کرکے اس کو تباہ کردیا اور بنو کدنصر کی یاد تازہ کردی۔ مکابیوں کی پہلی کتاب میں اس کے حملہ کی داستان تورات کے جلائے جانے کا واقعہ تفصیل سے مذکور ہے، ملاحظہ ہو 'مکابیوں اوّل، باب اوّل۔

(۸۱) اعجاز عیسوی، ص ۳۰۔

(۸۲) تفصیلات دیکھئے: مقالہ ھذا، مقدمہ۔

(۸۳) گنتی، ۱۲: ۳۔

(۸۴) اعجاز عیسوی، ص ۵۵۔

(۸۵) نفس مصدر، ص ۵۶۔

(۸۶) تفصیلات ملاحظہ ہوں: مقالہ ھذا، مقدمہ۔

(۸۷) اعجاز عیسوی، ص ۶۰۔

(۸۸) پیدائش، ۳۶: ۳۔

(۸۹) اعجاز عیسوی، ص ۷۲۔

(۹۰) موجودہ اردو تراجم میں فقرہ کی جائے آرارط کا فقرہ کور ہے دیکھئے: کتاب مقدس، مطبوعہ ۱۹۹۰ء، ۱۹۹۸ء،
پیدائش ۸ ۴، ۵۔

(۹۱) اعجاز عیسوی، ص ۷۰۔

(۹۲) گم شدہ کتب کی مکمل تفصیل ملاحظہ ہو مقالہ ھذا، مقدمہ۔

(۹۳) امثال، ۲۱:۱۔

(۹۴) اعجاز عیسوی، ص ۸۰، پادری، جی۔ ٹی منیلی (G T Menely) لکھتے ہیں "ہمیں آجور اور لموئیل کے بارے میں جنھوں نے ان کتابوں کی تدوین کی کچھ بھی معلوم نہیں۔ (ہماری کتب مقدسہ، ص ۲۱۷)۔

(۹۵) اعجاز عیسوی، ص ۸۲۔

(۹۶) نفس مصدر، ص ۸۵۔

(۹۷) نفس مصدر، ۸۸۔

(۹۸) نفس مصدر، ص ۹۰۔

(۹۹) نفس مصدر، ص ۹۵۔

(۱۰۰) تفصیل کے لیے دیکھئے: مقالہ ھذا، مقدمہ۔

(۱۰۱) اعجاز عیسوی، ص ۹۸۔

(۱۰۲) نفس مصدر، ۹۹۔ موجودہ اردو انگریزی تراجم میں یہ جملہ حذف کر دیا گیا ہے ملاحظہ ہو کتاب مقدس، مطبوعہ ۱۹۹۲، ۱۹۹۵۔

(۱۰۳) اعجاز عیسوی، ص ۱۰۰۔

(۱۰۴) موجودہ ترجمہ یہ ہے "اور ہمیں آزمائش میں نہ لا بلکہ برائی سے بچا [کیونکہ بادشاہ اور قدرت اور جلال ہمیشہ تیرے ہی ہیں آمین]۔

(۱۰۵) اعجاز عیسوی، ص ۱۰۲۔

(۱۰۶) اعجاز عیسوی، ص ۱۵۰۔

(۱۰۷) نفس مصدر، ص ۱۹۰۔

(۱۰۸) نفس مصدر، ۱۹۲۔ تفصیل کے لیے دیکھئے مقالہ ھذا، مقدمہ۔

(۱۰۹) اعجاز عیسوی، ص ۳۵۰-۳۵۵۔

(۱۱۰) نفس مصدر، ص ۳۸۰، اس ضمن میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا بھی یہی موقف ہے دیکھئے۔ خطبات بہاولپور، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، ۱۴۰۱ھ، ص ۶، ۷ نیز دیکھئے Muslims and Missionaries,P258

(۱۱۱) اعجاز عیسوی، ص ۳۸۵۔۴۲۱، ان مباحث کی تفصیلات ملاحظہ ہوں مقالہ ھذا، باب ہفتم، فصل اول۔

(۱۱۲) اعجاز عیسوی، ص ۷۰۱۔

(۱۱۳) آثار رحمت، ص ۲۷۰۔

(۱۱۴) دریاآبادی، عبدالقوی، حکیم، مولانا رحمت کیرانوی اپنی تصنیف اعجاز عیسوی کی روشنی میں، ذکر وفکر (دھلی)، ۴، ۵، ۶، ستمبر، اکتوبر ۱۹۸۸ء، ص ۷۹-۸۵۔

(۱۱۵) محمد تقی عثمانی، ص ۱۰، (پیش لفظ)۔

(۱۱۶) تحقیق الایمان، ص ۵-۲۰، پادری موصوف 'اعجاز عیسوی' کی بابت رقمطراز ہے 'ڈاکٹر وزیر خاں نے ثبوت تحریف میں ایک کتاب اعجاز عیسوی چند انگریزی کتابوں سے، جسکی عبارت مولوی رحمت اللہ نے درست کی تالیف کی ہے راقم نے اس کو بھی غور سے دیکھا ہے۔۔۔ اس کا جواب تفصیلی جدا لکھا جاتا ہے۔ (نفس مصدر، ص ۶)۔

(۱۱۷) ازالۃ الشکوک، ج ا، ص ۹ (حاشیہ)۔

(۱۱۸) مولانا محمد سلیم نے کتاب کا سن تالیف ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۴ء قرار دیا ہے مذکورہ سن ہجری، مذکورہ سن عیسوی کے مطابق درست نہیں ہے نیز کتاب مذکورہ کو اعجاز عیسوی سے پہلے درج کیا ہے، دیکھئے ایک مجاہد معمار، ص ۲۷، ۲۸۔

(۱۱۹) ازالۃ الشکوک، ج ا، ص ۴-۷۔

(۱۲۰) نفس مصدر، ص ۷-۱۰۔

(۱۲۱) نفس مصدر، ص ۱۰-۱۷۔

(۱۲۲) نفس مصدر، ص ۱۷-۲۷۔

(۱۲۳) نفس مصدر، ص ۲۷-۳۰۔

(۱۲۴) نفس مصدر، ص ۵۳۔

(۱۲۵) نفس مصدر، ص ۳۰۰۔

(۱۲۶) نفس مصدر، ص ۵۶۱۔

(۱۲۷) نفس مصدر، ص ۵۶۵۔

(۱۲۸) نفس مصدر۔

(۱۲۹) نفس مصدر۔

(۱۳۰) نفس مصدر۔
(۱۳۱) نفس مصدر، ص ۲۰۳۔
(۱۳۲) نفس مصدر، ص۲۰۵۔
(۱۳۳) نفس مصدر، ص۲۰۶۔
(۱۳۴) نفس مصدر، ص ۲۰۷۔
(۱۳۵) نفس مصدر۔
(۱۳۶) آثار رحمت، ص۳۳۸۔
(۱۳۷) نفس مصدر، ص۳۴۹۔
(۱۳۸) نفس مصدر۔
(۱۳۹) نفس مصدر، ص۳۵۰۔
(۱۴۰) نفس مصدر۔
(۱۴۱) نفس مصدر، ص۳۵۱
(۱۴۲) نفس مصدر۔
(۱۴۳) نفس مصدر، ص۳۵۲
(۱۴۴) نفس مصدر۔
(۱۴۵) نفس مصدر،۳۵۳
(۱۴۶) نفس مصدر۔
(۱۴۷) نفس مصدر۔
(۱۴۸) نفس مصدر، ص۳۵۴
(۱۴۹) نفس مصدر۔
(۱۵۰) نفس مصدر۔
(۱۵۱) ازالۃ الشکوک، ج ۱، ص ۵۳۔
(۱۵۲) نفس مصدر، ص۹۶۔
(۱۵۳) نفس مصدر، ص ۲۰۳-۲۰۵۔
(۱۵۴) البقرۃ، ۲:۷۵۔

(۱۵۵) ازالۃ الشکوک، ج ۲، ص ۴۸۱۔

(۱۵۶) البقرۃ، ۲:۹۷۔

(۱۵۷) النحل، ۱۰۲۔

(۱۵۸) ازالۃ الشکوک، ج ۲، ص ۴۹۱۔

(۱۵۹) نفس مصدر، ص ۴۹۳۔

(۱۶۰) آثار رحمت، ص ۳۶۰۔

(۱۶۱) اظہار الحق (مخطوطہ)، ج ۱، ص ۱۲۸۔

(۱۶۲) مناظرۂ اکبر آباد کی تفصیلات ملاحظہ ہوں مقالہ ھذا، باب چہارم۔

(۱۶۳) اظہار الحق، ج ۱، ص ۶، ۷، ایک مجاہد معمار، ص ۳۵، آثار رحمت، ص ۳۵۷، نیز دیکھیے۔ Muslims and Missionanes,P294

(۱۶۴) اظہار الحق، ج ۱، ص ۷، ۸۔

(۱۶۵) محمد عبدالقادر ملکاوی، ص ۴۵، ایک مجاہد معمار، ص ۳۵۔

(۱۶۶) المناظرۃ الکبری، ص ۳۸۶، اظہار الحق، ج ۱، ص ۸ (حاشیہ)۔

(۱۶۷) پادری فانڈر کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو مقالہ ھذا باب چہارم، فصل اول۔

(۱۶۸) پادری فانڈر کا مختصر کتابچہ جو انہوں نے ۱۲۵۲/۱۸۳۷ء میں تحریر کیا اور ۱۸۴۳ء میں اردو میں طبع ہوا جبکہ مفتاح الاسرار جدید فارسی میں ۱۸۵۰ء میں طبع ہوا تاہم راقم الحروف کے پاس مفتاح الاسرار کا جو نسخہ ہے وہ فارسی میں ۳۲۶ صفحات پر مشتمل لندن، ۱۸۶۱ء کا مطبوعہ ہے جس کی لوح پر یہ عبارت تحریر ہے "اوست ثالثہ بتصحیح و تہذیب جدید مطبوعہ گردید، در شہر لندن، سنہ ۱۸۶۱ء، مسیحیہ" یہ تین ابواب میں منقسم ہے۔ پہلا باب عہد عتیق و انجیل منسوخ و منسوف نہیں ہیں (تین فصول پر مشتمل ہے) دوسرا باب "کتب عہد عتیق و جدید کی تعلیمات" (اس میں دو فصول ہیں)، تیسرا باب حضور اکرم ﷺ اور قرآن حکیم پر اعتراضات پر مشتمل ہے آخر میں چند حکایات ہیں اسلوب میزان الحق سے ملتا ہے نیز اس میں پادری موصوف نے حضرت عیسیٰ کی الوہیت اور حقانیت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مصنف اس بات پر خاص زور دیا ہے کہ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ کی جو صفات بیان کی گئی ہیں وہاں کی الوہیت کی مظہر ہیں۔ (مفتاح الاسرار، ص ۵)

(۱۶۹) حل الاشکال کا پورا نام، حل الاشکال فی حواب الاستفسار، اور حل الاشکال فی جواب کشف الاستار ہے کیونکہ پادری فانڈر نے اپنی اس کتاب میں سید آل حسن اور سید محمد ہادی کی کتب کا جواب دیا ہے۔ ۳۰۳

صفحات پر مشتمل یہ کتاب امریکن مشن پریس لکھنؤ سے ۱۸۴۷ء میں طبع ہوئی ہے۔(حل الاشکال،ص،قاموس الکتب (اردو)ج ا،ص ۷۹۷)۔

(۱۷۰) طریق الحیات، ۲۲۷ صفحات پر مشتمل یہ کتاب، سکندرہ عرفان پریس آگرہ سے ۱۸۴۸ء میں اور راقم الحروف کے پاس نسخہ ۱۹۲ صفحات پر مشتمل لندن سے، فارسی میں ۱۸۶۱ء میں طبع ہوئی ہے۔ یہ کتاب تین فصول پر مشتمل ہے جسمیں مصنف نے مسیحیت کے نقطہ نظر سے گناہ کی اصلیت یا حقیقت اور حضرت عیسی علیہ السلام کی شہادت کے ذریعے 'طریقہ نجات' پر بحث کی ہے۔ اس طرح یہ کتاب میزان الحق، کا تتمہ ہے(طریق الحیات، ص، غلام محی الدین، سید، پادری سی۔جی۔فانڈر، ذکرو فکر (دہلی) ۴، ۶،۵، ستمبر، اکتوبر، ۱۹۸۸، ص ۸۸، نیز دیکھئے Muslims and Missionaries,P144.

(۱۷۱) میزان الحق(بار دوم)، ۱۹۶۲ء ص ۲۸-۳۱۔

(۱۷۲) نفس مصدر، ص ۳۱۔

(۱۷۳) نفس مصدر، ص ۱۳۹۔

(۱۷۴) نفس مصدر، ص ۲۷۷۔

(۱۷۵) نفس مصدر، ص ۲۹۔

(۱۷۶) المناظرۃ الکبری، ص ۱۰۲-۱۱۰، محمد عبد القادر ملکاوی، ص ۲۵-۲۹۔

(۱۷۷) غلام محی الدین، سید، پادری سی۔جی۔فانڈر، ذکرو فکر (دہلی) حوالہ مذکورہ، ص ۸۸، ۸۹۔

(۱۷۴) نفس مصدر، ص ۸۹۔

(۱۷۵) دہلوی، ناصر الدین، میزان المیزان، نصرت المطابع، دہلی، ۱۲۹۴ھ، قاموس الکتب (اردو)، ج ۱، ص ۸۲۵۔

(۱۷۶) تبریزی، نجف علی، میزان الموازین فی امر الدین، (طبع چہارم)، در مطبع عامرۃ (ترکی) طبع کردہ شد ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء۔

(۱۷۷) غلام محی الدین، سید، پادری سی۔جی۔فانڈر، ذکرو فکر (دہلی) حوالہ مذکور، ص ۹۰۔

(۱۷۹) اظہار الحق، ج ا، ص ۹، ۱۰ (مقدمہ)۔

(۱۹۰) نفس مصدر ص ۱۱، ۱۲، Muslims and Missionaries,P231,232 نیز مولانا محمد تقی عثمانی نے اظہار الحق کے اردو ترجمہ میں رومن کیتھولک کے انگریزی ترجمہ کا سن ۱۹۴۰ء درج کردیا ہے جو بداہتاً غلط ہے علاوہ ازیں رچرڈ منٹ کی تفسیر بائبل کا تذکرہ بھی کتاب کے ماخذ میں نہیں کیا۔ دیکھئے. بائبل سے قرآن

تک، ج۱، ص ۲۳۰۔

(۱۸۴) اظہار الحق، ج۱، ص ۱۳-۲۰ (مقدمہ)۔

(۱۸۵) نفس مصدر، ص ۲۵-۵۹۔

(۱۸۶) نفس مصدر، ص ۸۶-۸۸۔

(۱۸۷) نفس مصدر، ص ۹۵۔

(۱۸۸) نفس مصدر، ص ۹۸۔

(۱۸۹) نفس مصدر، ۹۹-۱۰۸، نیز بائبل کے مکمل تعارف کے لیے دیکھئے مقالہ ھذا، مقدمہ۔

(۱۹۰) اظہار الحق، ص ۱۰۷۔

(۱۹۱) نفس مصدر، ج۲، ص ۲۵۹۔

(۱۹۲) نفس مصدر، ج۲، ص ۳۴۶۔

(۱۹۳) نفس مصدر، ص ۳۵۶۔

(۱۹۴) نفس مصدر۔

(۱۹۵) نفس مصدر۔

(۱۹۶) نفس مصدر۔

(۱۹۷) اردو ترجمہ کیتھولک مطبوعہ ۱۹۵۸ء میں 'تین برس' اور پروٹسٹنٹ ترجمہ مطبوعہ ۱۹۹۰ء میں 'سات برس' کے الفاظ ہیں دیکھئے: (سموئیل دوم، ۲۴: ۱۳)۔

(۱۹۸) اظہار الحق، ج۲، ص ۳۴۶۔

(۱۹۹) اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۹۰، ۱۹۹۵ میں لفظ 'عقاب' ہی ہے۔ انگریزی ترجمہ مطبوعہ ۱۹۵۲ء میں فرشتہ کو Eagle سے بدل دیا گیا ہے، دیکھئے: (The Holy Bible, Revised Standerd Version)۔

(۲۰۰) اظہار الحق، ج۲، ص ۳۶۷، ۳۶۸۔

(۲۰۱) اردو ترجمہ کیتھولک مطبوعہ ۱۹۵۸ء میں الحاقی عبارت اس نشان [ ] کے ساتھ موجود ہے جبکہ پروٹسٹنٹ تراجم مطبوعہ ۱۹۹۰، ۱۹۹۵ء میں یہ عبارت درست کر کے لکھ دی ہے دیکھئے (یوحنا کا پہلا عام خط، ۵: ۸)

(۲۰۲) اظہار الحق، ج۲، ص ۳۹۸۔

(۲۰۳) نفس مصدر۔

(۲۰۴) اردو تراجم مطبوعہ ۱۹۹۰، ۱۹۹۵ء میں مذکورہ فقرہ شک کی علامت [ ] کے ساتھ درج ہے نیز کیتھولک ترجمہ ۱۹۵۸ء میں

مذکورہ فقرہ کو متن کی بجائے حاشیہ میں لکھ دیا گیا ہے، دیکھئے (رسولوں کے اعمال، ۸: ۳۷)۔

(۲۰۵) موجودہ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ تراجم عبرانی نسخہ کے مطابق ہیں، دیکھئے (کتاب مقدس، پیدائش، ۷: ۱۷)۔

(۲۰۶) اظہار الحق، ج ۲، ص ۵۲۳۔

(۲۰۷) حذف کی یہ تبدیلی کیتھولک بائبل اردو ترجمہ مطبوعہ ۱۹۵۸ء میں بھی موجود ہے، چنانچہ اس میں عبارت یوں ہے:
"ہارون اور موسیٰ اور مریم ان کی بہن" اور پروٹسٹنٹ اردو و انگریزی تراجم پہلی عبارت کے مطابق ہے دیکھئے:
(کتاب خروج، ۶: ۲۰)۔

(۲۰۸) اظہار الحق، ج ۲، ص ۵۲۹۔

(۲۰۹) اردو تراجم میں اب تصحیح کر دی گئی ہے، دیکھئے (رسولوں کے اعمال، ۱۵: ۷)۔

(۲۱۰) اظہار الحق، ج ۳، ص ۶۴۴، ۶۴۵۔

(۲۱۱) نفس مصدر، ج ۳، ص ۶۴۸، ۶۴۹۔

(۲۱۲) پوری عبارت یوں ہے "اگر کوئی مرد کسی عورت سے بیاہ کرے اور پیچھے اس میں کوئی ایسی بیہودہ بات پائے جس سے اس عورت کی طرف اس کی التفات نہ رہے تو وہ اس کا طلاق نامہ لکھ کر اس کے حوالے کرے اور اسے اپنے گھر سے نکال دے"۔
(استثناء، ۲۴: ۱، ۲)۔

(۲۱۳) اظہار الحق، ج ۳، ص ۶۵۲۔

(۲۱۴) نفس مصدر، ص ۶۶۴۔

(۲۱۵) ذبح کرنے کا حکم، پیدائش، ۲۲: ۲، اور ذبح نہ کرنے کا حکم، پیدائش، ۲۲: ۱۲، میں ہے۔

(۲۱۶) اظہار الحق، ج ۳، ص ۶۷۴، ۶۷۵۔

(۲۱۷) تفصیلات ملاحظہ ہوں: اظہار الحق، ج ۳، ص ۶۷۸-۷۱۹۔

(۲۱۸) مزید دیکھئے: اظہار الحق، ج ۳، ص ۷۷۵-۸۲۱۔

(۲۱۹) تفصیلات ملاحظہ ہوں: اظہار الحق، ج ۳، ص ۸۲۱-۸۲۸۔

(۲۲۰) قرآن حکیم پر مسیحی علماء کے اعتراضات کے لیے دیکھئے مقالہ ھذا، باب ہفتم، فصل اول۔

(۲۲۱) اظہار الحق، ج ۳، ص ۸۹۱-۹۱۶۔

(۲۲۲) احادیث مبارکہ پر مسیحی علماء کے اعتراضات کے لیے دیکھئے مقالہ ھذا، باب ہفتم، فصل دوم۔

(۲۲۳) تفصیلات دیکھئے: اظہار الحق، ج ۴، ص ۱۰۰۰-۱۰۲۱۔

(۲۲۴) مزید ملاحظہ ہو: اظہار الحق، ج ۴، ص ۱۰۲۲-۱۰۷۴۔

(۲۲۵) نفس مصدر، ص ۱۰۷۳۔

(۲۲۶) نفس مصدر، ص ۱۰۷۴۔

(۲۲۷) نفس مصدر۔

(۲۲۸) نفس مصدر، ص ۱۰۷۶۔

(۲۲۹) مزید ملاحظہ ہو اظہار الحق، ج ۴، ص ۱۰۷۶-۱۱۱۲۔

(۲۳۰) حضور اکرم ﷺ کی پیشین گوئیوں کیلئے ملاحظہ ہو 'مقالہ ھذا، باب ہفتم، فصل سوم۔

(۲۳۱) حضور اکرم ﷺ کی ذات مبارک پر مسیحی علماء کے اعتراضات کے لیے دیکھئے 'مقالہ ھذا، باب ہفتم، فصل سوم۔

(۲۳۲) البقرۃ، ۲:۲۸۶۔

(۲۳۳) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، حضرت مولانا اللہ کیرانوی کی کتاب، اظہار الحق اور اس کا اردو ترجمہ، البلاغ (کراچی)، ۷ ۳ (مئی ۱۹۷۲ء)، ص ۲۰۔

(۲۳۴) ندوی ابوالحسن علی، سید، اظہار الحق اور اس کے مولف مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، (اردو ترجمہ عبداللہ عباس ندوی، ذکر و فکر (دہلی)، حوالہ مذکور، ص ۲۱۔

(۲۳۵) نفس مصدر۔

(۲۳۶) محمد حمید اللہ ڈاکٹر، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی کتاب اظہار الحق اور اس کا اردو ترجمہ، حوالہ مذکور، ص ۲۴۔

(۲۳۷) اظہار الحق، ج ۱، ص ۸۵ (مقدمہ)۔

(۲۳۸) نفس مصدر، ج ۱، ص ۱۲ (مقدمہ)۔

(۲۳۹) نفس مصدر، ج ۲، ص ۳۲۴۔

(۲۴۰) نفس مصدر، ج ۳، ص ۸۷۰۔

(۲۴۱) اخبار منشور محمدی (بنگلور) حوالہ آثار رحمت، ص ۳۳۶۔

(۲۴۲) مزید دیکھئے اظہار الحق، ج ۴، ص ۱۲۵۶-۱۳۰۰۔

(۲۴۳) تفصیلات کے لیے دیکھئے اظہار الحق، ج ۴، ص ۱۳۱۹-۱۳۵۰۔

(۲۴۴) اظہار الحق، ج ۲، ص ۲۵۲۔

(۲۴۵) ندوی ابوالحسن علی، سید، حوالہ مذکور، ص ۲۲۔

(۲۴۶) اظہار الحق، ج ۱، ص ۲۵۔

(۲۴۷) نفس مصدر، ج ۳، ص ۶۸۴۔

(۲۴۸) ندوی، ابوالحسن علی، سید، حوالہ مذکور، ص ۲۲۔

(۲۴۹) نفس مصدر۔

(۲۵۰) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، حوالہ مذکور، ص ۲۴۔

(۲۵۱) نفس مصدر، ص ۲۳۔

(۲۵۲) نفس مصدر، ص ۲۵۔

(۲۵۳) نفس مصدر۔

(۲۵۴) نفس مصدر، ص ۲۶۔

(۲۵۵) آثار رحمت، ص ۳۸۳۔

(۲۵۶) ملاحظہ ہو میزان الحق، (باردوم) پنجاب رلیجس بک سوسائٹی لاہور، ۱۹۶۲ء، ص ۸۸، ۱۳۹۔

(۲۵۷) اظہار الحق، ج ۱، ص ۹، ۱۰ (مقدمہ)۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

باب چہارم

فنِ مناظرہ میں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی خدمات

فصل اول:

برصغیر میں مسلم۔ مسیحی مناظرے کا مختصر تاریخی جائزہ۔

فصل دوم:

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کا تاریخی مناظرہ اکبر آباد، ۱۸۵۴ء۔

فصل اول: بر صغیر میں مسلم۔ مسیحی مناظرے کا مختصر تاریخی جائزہ۔

مولانا کیرانوی کی فن مناظرہ میں خدمات کا جائزہ لینے سے قبل مناسب ہوگا کہ مناظرہ کی تعریف اور بر صغیر میں مسلم۔ مسیحی مناظرے کی تاریخ کا ایک جائزہ پیش کیا جائے۔

مناظرے کی تعریف:

"المناظرة . هي المباحثة والمجادلة والمباراة في الادلاء بالحجج ، والمناظر المجادل المحاجّ ، وهو نظير خصمه لانه صار مثله في المخاطبة ،وعلم آداب المناظرة: علم يبحث فيه عن كيفية ايراد الكلام بين المناظرين ،او كيفية ايراد الحجج و رفع الشبه، والمناظر : اما مجيب يحفظ و ضعاً او سائل يهدم وضعاً، وقد تكون المناظرة سرية انفرادية أو علانية على ملاء من الناس وقد تكون تحريرية كتابية او تقريرية لسانية بالمشافهة"۔ (۱)

(مناظرہ، دلائل وبراہین کے ساتھ مباحثہ، مجادلہ اور مقابلہ کا نام ہے۔ مناظر، مجادل اور دلائل بیان کرنے والا ہے اور وہ مقابل کے مماثل ہے کیونکہ وہ مخاطب یا کلام کرنے میں اپنے مقابل کی طرح ہے۔ علم آداب المناظرہ، وہ علم ہے جس میں مقابل اشخاص کے درمیان گفتگو وکلام کی کیفیت، دلائل بیان کرنے اور شبہات کو رفع کرنے کے بارے میں بحث ہو۔ مناظر وہ شخص ہے جو تحریر و تقریر کے ذریعے بالمشافہ مناظرہ کے اصولوں کی رعایت و حفاظت کرتا ہے)۔

مسیحی منادا اور انکی کتب:

بر صغیر میں برطانوی تسلط کے بعد مسیحی منادوں کے لئے میدان بالکل صاف تھا اور انہیں پوری طرح حکومتی سرپرستی حاصل تھی۔ مسیحی تبلیغ واشاعت کے لئے سب سے پہلا قدم تو یہ اٹھایا گیا کہ بائبل کے تراجم مختلف زبانوں میں کرانے کا اہتمام کیا گیا اور انیسویں صدی عیسوی میں چھاپہ خانہ کی آمد کی وجہ سے اس میں غیر معمولی تیزی آگئی۔ علاوہ ازیں مسیحی علماء و پادریوں نے اسلام بانی اسلام اور قرآن حکیم پر رکیک حملے کئے اور اس ضمن میں رسالوں اور کتابوں کا گویا ایک سیلاب امڈ آیا۔ مولانا کیرانوی رقم طراز ہیں:

"الّفوا الرّسائل والكتب في ردّ اهل الاسلام و قسموهما في امصار بين العوام"۔ (۲)

وہ اپنے مذہب کی برتری، حقانیت اور اشاعت کے لئے یہ بھی ضروری سمجھتے تھے کہ اسلام بانی اسلام اور قرآن حکیم کے

بارے میں شکوک و شبہات پیدا کر کے ہندی مسلمانوں کو تبدیلی مذہب پر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔ ان کو انگریزی حکومت کی پشت پناہی اس وجہ سے بھی حاصل تھی کہ بر صغیر پر نہ صرف سیاسی تسلط قائم رکھا جائے بلکہ یہاں کے لوگوں کو مسیحی بنا کر مذہبی اعانت بھی حاصل کی جائے تاکہ ایک مضبوط، مستحکم اور پائیدار نظام حکومت کی بنیادیں رکھی جا سکیں۔

یہاں پر مختصر طور پر نمایاں مسیحی مناظروں کے حالات اور ان کی کتب کا اختصار اً جائزہ لیا جاتا ہے۔

قسیس اعظم، سی. جی. فانڈر. (Rev. Carl Golttlub Pfander):

پادری، کارل جی. فانڈر، جن کو ہندوستان میں قسیس اعظم کا خطاب دیا گیا ۱۸۰۳ء میں وانٹم برگ (جرمنی) میں پیدا ہوئے۔[۳] جرمنی ہی میں الہیاتی تعلیم حاصل کی۔ پادری فانڈر بارہ سال تک جرمن کے مسیحی مناد کی حیثیت سے روس کے صوبہ جارجیا (Georgia) میں قلعہ شوش (Shushy) میں مقیم رہا۔ جہاں سے وہ اکثر ایران کا دورہ بھی کیا کرتا تھا، ایک دوبار اس نے بغداد تک کا سفر بھی کیا تھا۔ ایران میں آمد و رفت کے نتیجے میں ۱۸۳۱ء میں اس نے فارسی زبان میں خاصی مہارت حاصل کر لی تھی۔ اس کے علاوہ آرمینیا کے رہنے والے ایک مسلمان لڑکے کو، جسے ڈاکوؤں نے پکڑ کر غلام کی حیثیت سے فروخت کر دیا تھا اس نے مسیحی بنا لیا تھا اور اس سے وہ اپنی فارسی انشاء پردازی میں مدد لیا کرتا تھا۔ ۱۸۳۳ء میں جرمن کی ایک ایک دوشیزہ صوفیہ ریوس سے شادی کی۔ جبکہ ڈاکٹر عبدالقادر ملکاوی نے پادری فرنچ کے حوالے سے یہ تحریر کیا ہے کہ وہ اپنی بیوی کی وجہ سے فرقہ کیتھولک کو چھوڑ کر پروٹسٹنٹ فرقہ میں شامل ہو گیا تھا۔[۴] ۱۸۳۶ء میں روسی حکومت کی غیر ملکیوں کے اخراج کی پالیسی کے زیر اثر اسے روس چھوڑنا پڑا۔ ۱۸۴۰ء میں بائبل کمیٹی سے علیحدگی اختیار کر لی اور چرچ مشنری سوسائٹی نے اسے قبول کر لیا۔ ۱۸۴۱ء میں اس نے ہندوستان میں مسیحی مناد کی حیثیت سے کام شروع کیا اور آگرہ میں محلہ عبدالمسیح میں سکونت اختیار کر لی۔ ہندوستان آنے سے قبل ہی اس نے اپنی مشہور تالیف 'میزان الحق' انگریزی و فارسی میں تحریر کر لی تھی یہاں آکر اس نے اردو زبان بھی سیکھی بعد ازاں اس کا اردو ترجمہ بھی کر کے مسلمانوں کے علمی حلقہ تک وسیع کیا۔ پادری فانڈر کے کہنے پر ہی ولیم میور William Muir (لیفٹیننٹ گورنر ممالک آگرہ و اودھ) نے اپنی مشہور کتاب 'Life of Mahomet' چار ضخیم جلدوں میں ۱۸۶۱ء شائع کی جس میں پادری موصوف کے خیالات کی عکاسی بخوبی ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔[۵]

پادری فانڈر نے اسلام اور مسیحی تناظر میں مندرجہ ذیل کتابیں تالیف کیں۔

۱۔ میزان الحق۔

۲۔ مفتاح الاسرار۔

۳۔ طریق الحیات۔

۴۔ شجر زندگانی۔

۵۔ مراسلات

اس کی جملہ تصنیفات خصوصاً میزان الحق میں اسلام، پیغمبر اسلام اور قرآن حکیم کے خلاف جس قدر زہر اگلا گیا ہے اردو ادب میں شاید ہی اس نوع کی کوئی اور کتاب ہو۔ یہی کتاب برصغیر میں مسیحی۔ مسلم مناظرہ کا نقطۂ آغاز ہے، پاول، کے خیال میں:

"The Mizanul Haq was the book on Christanity which the Missionaries and the Indian Ulama as the starting point of the controvercy between them" (6)

علاوہ ازیں اس نے آگرہ، دہلی اور پشاور میں مناظرے بھی کیے۔ کہا جاتا ہے کہ عبداللہ آتھم، پادری صفدر علی اور پادری عمادالدین وغیرہ نے اسی کی وجہ سے مسیحیت قبول کی۔

مسلمان علماء میں سے جن کے ساتھ تحریری یا تقریری مناظرہ کرنے کا پتہ چلتا ہے ان میں سید آل حسن، سید رحمت علی، مفتی نور اللہ کوپاموی، محمد کاظم علی، سید علی حسینی، ڈاکٹر وزیر خاں اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی شامل ہیں۔ موخر الذکر دونوں اصحاب سے مناظرہ کی تفصیلی روداد آنے والے صفحات میں بیان کی جائیگی۔ ۱۸۵۷ء کے بعد فانڈر واپس یورپ چلا گیا وہاں سے لندن کے چرچ مشن نے مسیحیت کی تبلیغ کے لیے قسطنطنیہ بھیج دیا۔ سلطان عبدالعزیز خاں نے مولانا رحمت اللہ کیرانوی کو قسطنطنیہ طلب فرمایا اور ایک بار پھر پادری فانڈر واپس یورپ آگیا۔ ۱۸۶۸ء میں انگلستان میں وفات پائی۔ پادری فانڈر کے بارے میں سر ولیم نے لکھا ہے 'وہ اپنے عہد میں اہل اسلام سے مناظرہ کرنے والوں میں لائق ترین انسان تھا'۔ (۷)

پادری عمادالدین (۱۸۳۰ء۔۱۹۰۰ء):

خواجہ الطاف حسین حالی کے ہم وطن اور ہم عصر عمادالدین پانی پتی نے ۱۸۶۶ء میں امرتسر میں بپتسمہ لیا اور مولوی سے پادری بن گئے۔ کلکتہ اور لاہور میں پادری کے عہدہ پر فائز رہے۔ کنٹربری کے لاٹ پادری نے علامۃ الالٰہیات، ڈی۔ ڈی۔ (Doc-tor of Divinity) کی ڈگری دے کر ان کا اعزاز بڑھایا۔ (۸)

پادری فانڈر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دین عیسوی کی ترویج اور اسلام کی تردید میں چالیس کے قریب چھوٹی بڑی کتب تالیف کیں۔ پادری عمادالدین نے بھی بعض مسلمان علماء سے مناظرے کیئے۔ ان کی تصانیف میں پادری فانڈر کے خیالات کا بھرپور عکس پایا جاتا ہے۔ (۹)

پادری عمادالدین کی اہم کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ آثار قیامت۔ مطبوعہ ۱۸۷۷ء۔

۲۔ تاریخ محمدیؐ۔ کرسچن نالج سوسائٹی، پنجاب پریس امرتسر، ۱۸۷۱ء، صفحات ۳۱۲ (حضور اکرمؐ کی ذات اقدس پر ناروا اعتراضات کیے گئے ہیں)۔

۳۔ تحقیق الایمان۔ مطبع آفتاب پنجاب لاہور، طبع اول، ۱۸۶۸ء (اس میں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی تالیف اعجاز عیسوی کے بعض مباحث کا جواب دیا گیا ہے)۔

۴۔ تعلیقات۔ پنجاب رلجس بک سوسائٹی لاہور۔

۵۔ حقیقی عرفان۔ مطبع نور، لاہور ۱۸۶۸ء۔

۶۔ عقوبت الضالین۔ پنجاب رلجس بک سوسائٹی لاہور

۷۔ غایت التحقیق۔ عباسی کتب خانہ کراچی۔

۸۔ کتاب کوائف الصحائف۔ مشن پریس الہ آباد، ۱۸۸۷ء۔

۹۔ مکاشفات۔ مطبوعہ ۱۸۷۰ء۔

۱۰۔ نغمہ طنبوری۔ پنجاب رلجس بک سوسائٹی لاہور

۱۱۔ حیات المسلمین۔ مطبوعہ لاہور، ۱۸۶۶ء۔

۱۲۔ ہدایت المسلمین۔ مطبع نور لاہور، ۱۸۶۸ء (مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی بعض تالیفات کا جواب ہے)۔ (۱۰)

مسیحی مناظرانہ ادب :

اس دور کے دیگر پادریوں کے حالات زندگی تطویل کا باعث ہوں گے تاہم ان کی ترویج مسیحیت اور اسلام، پیغمبر اسلام اور قرآن حکیم کے خلاف معاندانہ کتب کی تفصیلات مفید ہوں گی جو درج ذیل ہیں :۔

۱۔ اسمتھ پادری۔ رسالہ تحقیق دین حق، ابن سی عرفان پریس، الہ آباد، ۱۸۳۳ء صفحات ۹۲۔

۲۔ اکبر مسیح۔ تاویل القرآن، پنجاب رلجس بک سوسائٹی لاہور، صفحات ۶۹۔

۳۔ آگسٹس رلوحند۔ دینی و دنیاوی تاریخ کا مجموعہ، مشن پریس الہ آباد، ۱۸۷۴ء، صفحات ۴۰۰۔

۴۔ ایل۔ جے ایچ پادری۔ ابطال دین محمدی مقابلہ دین عیسوی، پرسبڑین مشن پریس لکھنؤ، ۱۸۵۴ء۔

۵۔ این۔ ایم۔ ویری، پادری۔ آئینہ قرآن، امریکن مشن پریس لدھیانہ، ۱۸۸۱ء۔

۶۔ این۔ ایم۔ ویری، پادری۔ النبی المعصوم، امریکن مشن پریس، بمبئی ۱۸۸۵ء۔

۷۔ ٹھاکر داس، پادری۔ سیرت مسیح و محمد، عدم ضرورت القرآن، رسالہ اظہار عیسوی۔

۸۔ ٹی۔ جے اسکاٹ۔ تصدیق الکتاب علم النبی عقلی، امریکن مشن پریس لدھیانہ، ۱۸۷۴ء۔

۹۔ جان راجرس۔ تفتیش الاسلام۔

۱۰۔ سجے۔ ولس پادری۔ رسالہ افزائش و زوال دین محمدیؐ، مشن پریس الہ آباد، ۱۸۳۹ء۔

۱۱۔ رجب علی پادری۔ شریف المسیحین، آئینہ اسلام، امریکن مشن پریس لکھنؤ ۱۸۶۷ء۔

۱۲۔ سلطان احمد۔ ہفوات المسلمین، انبالہ پرخنگ پریس دھلی، ۱۹۰۰ء۔

۱۳۔ سلطان محمد، پادری۔ وید قرآن اور بائبل کی دعائیں، ایم کے خاں لاہور، ۱۹۲۷ء۔

۱۴۔ سلطان مرزا آغا۔ کتاب التعریق والتحریف فی الاسلام، جمال پرخنگ پریس دھلی۔

۱۵۔ شیو پرشاد (مترجم)۔ شہادت قرآنی پر کتب آسمانی، امریکن مشن پریس لدھیانہ، ۱۸۸۲ء، صفحات ۲۴۲ (ولیم میور کی کتاب کا اردو ترجمہ)۔

۱۶۔ صفدر علی پادری۔ نیاز نامہ، مشن پریس الہ آباد، مواعظ عقبیٰ، مطبوعہ آگرہ ۱۸۸۶ء۔

۱۷۔ ماسٹر رام چندر پادری۔ تحریف القرآن، سفیر ہند پریس، امرتسر، ۱۸۷۸ء، صفحات ۲۵۷، مسیح الدجال، سفیر ہند پریس امرتسر، ۱۸۷۳ء۔

۱۸۔ ولسن جان پادری۔ مسلمانی دین کا رد، مشن پریس بمبئی، ۱۸۳۳ء۔

۲۰۔ ولیم راجس۔ رسالہ تلخیص الکتب، مشن پریس لدھیانہ، ۱۸۷۲ء۔

۲۱۔ یولس سنگھ، پادری۔ کلید آدم، امریکن مشن پریس لدھیانہ۔ (۱۱)

ان کتب کے علاوہ مندرجہ ذیل اخبارات و رسائل بھی مسیحی سرگرمیوں کے لئے وقف تھے۔

۱۔ صدر الاخبار (آگرہ) ۱۸۳۶ء۔

۲۔ خیر خواہ ہند (مرزاپور) ۱۸۳۷ء۔

۳۔ خیر اخواہ خلق (سکندرہ) ۱۸۶۲ء۔

۴۔ مواعظ عقبیٰ (دھلی) ۱۸۶۷ء۔

۵۔ حقائق عرفان (امرتسر) ۱۸۶۸ء۔

۶۔ مخزن مسیحی (الہ آباد) ۱۸۶۸ء۔

۷۔ کوکب عیسوی (لکھنؤ) ۱۸۶۸ء۔

۸۔ کوکب ہند (لکھنؤ) ۱۸۶۹ء۔

۹۔ شمس الاخبار (لکھنؤ) ۱۸۶۹ء۔

۱۰۔ نور افشاں (لدھیانہ) ۱۸۷۳ء۔ (۱۲)

مسیحی مناد علی الاعلان مسلمانوں کو چیلنج کرتے پھرتے کہ اسلام، پیغمبر اسلام اور قرآن پر معنی اعتراضات کا جواب دو۔
انھی حالات کی طرف سید ابوالحسن علی ندوی یوں اشارہ کرتے ہیں:

> ''عوام اور سادہ لوح لوگ تو الگ رہے خود علماء کرام کو عیسائیت کی پوری حقیقت معلوم نہیں تھی ان کو بائبل کے عہد قدیم، عہد جدید، ان کی شرحوں اور تفسیروں سے واقفیت نہیں تھی۔۔۔ عیسائیوں کے ان ناروا حملوں کا مقابلہ کرنے کی کوئی تیاری انھوں نے نہیں کی تھی یہ حملے ان کے لئے ایسے تھے جیسے کسی نے اچانک رات کی تاریکی میں ان کے گھر پر شب خون مارا ہو''۔ (۱۳)

مسلمان متکلمین اور ان کی کوششیں:

ان حالات میں بھی اللہ کے نیک بندوں کی کمی نہ تھی جنھوں نے ایسے پر آشوب دور میں دفاع اسلام کا فریضہ سر انجام دیا۔
امداد صابری لکھتے ہیں:

> ''اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اور ان کے پیروکاروں، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمد علی مونگیری، مولانا شرف الحق صدیقی مولانا ابوالمنصور دھلوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری وغیرہ حضرات کی جدو جہد اور ان کے قلم و زبان نے عیسائی مشنریوں کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا''۔ (۱۴)

ذیل میں انھی علماء کے مختصر حالات اور ان کی تحریری و تقریری کاوشوں کا مختصر اجائزہ لیا جاتا ہے۔جنھوں نے رد مسیحیت کے میدان میں نمایاں خدمات سر انجام دیں۔

ا۔ سید آل حسن موہانیؒ (۱۸۷۲ء-۱۸۷۲ء)

مولانا آل حسن موہانی قصبہ موہان ضلع آنؤ کے رہنے والے تھے۔سلسلہ نسب حضرت امام موسیٰ کاظم تک پہنچتا ہے۔
تعلیم وتربیت کے بعد منصفی کے عہدے پر فائز رہے۔بعد ازاں دھلی اور مراد آباد میں وکالت بھی کرتے رہے مولانا حسرت موہانی کے پڑنانا تھے۔
برصغیر میں رد مسیحیت کے ضمن میں مولانا سید آل حسن کو جا طور پر اولیت وافضلیت کا درجہ حاصل ہے، چنانچہ امداد صابری لکھتے ہیں،

"مولانا آل حسن نے پادری فانڈر کی کتاب میزان الحق مطبوعہ ۱۸۴۳ء اور پادری اسمتھ کی کتاب 'دین حق' مطبوعہ ۱۸۴۳ء کے جواب میں ۱۲۵۹ھ میں 'استفسار' کے نام سے ایک کتاب طبع کرائی جو بڑے سائز کے آٹھ سو صفحات پر مشتمل تھی۔ یہ کتاب تحقیق و معلومات اور دلائل و براہین کے اعتبار سے کتب رد نصاریٰ میں افضلیت کا درجہ رکھتی ہے۔" (۱۵)

مولانا آل حسن کو مناظرے میں خاص ملکہ حاصل تھا لیکن آپ کو غصہ بہت جلد آجاتا تھا اسی لئے تقریری مناظرہ سے احتراز کرتے تھے۔ اسی بنا پر آپ کا تحریری مناظرہ پادری فانڈر سے ۲۲ جولائی ۱۸۴۴ء سے ۴ فروری ۱۸۵۴ء تک جاری رہا۔ ان مراسلوں کی تعداد گیارہ ہے جو فریقین کی جانب سے سوال و جواب کی صورت میں لکھے گئے۔

ان مراسلوں میں دو باتوں کا نہایت اہتمام نظر آتا ہے ایک طرف فریق مخالف کا ادب و احترام اور دوسرے حضور اکرم ﷺ سے محبت و عقیدت۔ مثال کے طور پر ۷ اگست ۱۸۴۴ء کے ایک مکتوب میں پادری فانڈر کو لکھتے ہیں

"صاحب والا مناقب عالی مناصب، زاد مناقبکم"

گرامی نامہ آپ کا مع میزان الحق اور مفتاح الاسرار اور طریق الحیات، معرفت لیدلے صاحب کے مجھے ملا، میں سرفراز ہوا ـ ـ ـ مجھ سے مباحثہ کرنے کی جو شرطیں ہیں وہ پہلے طے کیجئے

(۱) ہمارے پیغمبر ﷺ خدا کا نام یا لقب تعظیم سے لینا اگر منظور نہ ہو تو اس طرح لکھئے 'تمہارے نبی یا مسلمانوں کے نبی اور مینہ افعال کے یا ضمائر جو ان کے متعلق آویں تو بصیغہ جمع میں لکھیے جیسا اہل زبان بولتے ہیں۔ ورنہ ہم سے بات چیت نہ کی جائے گی اور نہایت رنج ہوگا"۔ (۱۶)

مولانا سید آل حسن نے عیسائیوں پر جو اعتراضات استفسار کی صورت میں کیے تھے انکی تعداد اٹھارہ ہے۔ مولانا کیرانوی نے اس تالیف سے خاطر خواہ استفادہ کیا ہے اور نہ صرف یہ کہ آپ کی ہر کتاب میں اس کے جابجا حوالے ملتے ہیں بلکہ اپنی پہلی تالیف ازالۃ الاوہام کے حاشیہ پر اسے نقل کیا ہے۔ اگرچہ اس زمانہ میں ڈاک و تار کا انتظام نہیں تھا اس کے باوجود مولانا آل حسن کی علمی قابلیت اور مذہبی خدمات کا شہرہ پورے ہندوستان میں پھیل گیا۔ آپ کی تصنیف کی بابت امداد صابری لکھتے ہیں

"آج تک عیسائیوں کی طرف سے اس ضخیم و مدلل کتاب کا جواب کجا صرف ایک بحث کا بھی پورے طور پر جواب نہیں دیا جا سکا۔ پادری فانڈر نے حل الاشکال میں اس کا جواب دینے کی

کوشش کی ہے لیکن اس کو کسی طرح بھی اس کا جواب قرار نہیں دیا جا سکتا"۔ (۱۷)

آپ کی دیگر تصنیفات میں کتاب مرغوب در ماخذ جوابات نصاریٰ، رسالہ نجات اخروی، ۹ اشعار، ترجمہ ارشادات عیسوی شامل ہیں۔

۲۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (۱۲۴۸ھ-۱۲۹۷ھ):

حجۃ الاسلام، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، دارالعلوم دیوبند کے بانی اور مولانا کیرانویؒ کے ہم عصر تھے۔ (۱۸) آپ نے بھی باطل فرقوں خصوصاً نصاریٰ، آریہ کی تردید اور دین حق کی ترویج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ نے 'مقدمہ انتصار الاسلام' میں انہی کلامی مسائل پر بحث کی ہے۔ آپ کے نمایاں مناظرے مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ چاند پور کے مذہبی اجتماع میں مباحثہ:

شاہ جہان پور سے پانچ میل کے فاصلے پر چاند پور نامی قصبہ تھا، جس میں ۱۸۷۶ء میں مذہبی جلسہ بنام 'میلہ خداشناسی' مقرر کیا، مسلمانوں، مسیحیوں اور ہندوؤں کا باہمی مباحثہ طے پایا، لالہ جی کمال ہوشیاری سے باہر ہو گئے۔ اصل گفتگو مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان ہوئی۔ عیسائیوں کی طرف سے دیگر پادریوں کے علاوہ فرنگی پادری نولس بھی تھے جو چوٹی کے مناظر تھے۔ مسلمانوں کی طرف سے مولانا قاسم، مولانا محمود الحسن اور ابو المنصور دہلوی تھے۔ پہلے دن پادری نے گفتگو کی دوسرے دن مولانا نے حقانیت اسلام پر وہ دلائل دیے کہ پادری باہم کہتے تھے کہ ہم مغلوب ہو گئے۔ (۱۹)

۲۔ شاہجہان پور کا اجتماع:

اس مناظرہ کے دو سال بعد ۱۸۷۸ء میں اہل اسلام اور باطل فرقوں کا مباحثہ طے ہوا جس میں پنڈت دیانند سرسوتی، منشی اندرمن، پادری جی۔ ٹی اسکاٹ اور پادری نولس نے حصہ لیا، یہاں بھی لالے وقت کی نزاکت سے فائدہ اٹھا گئے، اصل گفتگو مولانا قاسم اور پادریوں کے درمیان ہوئی، مولانا نے ایسے 'عقلی و نقلی دلائل دیے کہ پادریوں سے کوئی جواب نہ بن پڑا، منشی پیارے لال نے کہا، 'مولانا قاسم کا حال کیا بیان کیجئے ان کے دل پر علم کی دیوی بول رہی تھی'۔ (۲۰) علاوہ ازیں مولانا قاسم نے ایک پادری تاراچند سے بھی مناظرہ کیا۔

۳۔ آریہ سماج کے فتنہ کا مقابلہ:

سوامی دیانند سرسوتی جو اپنے منطقیانہ اور فلسفیانہ استدلالات کی وجہ سے مشہور تھا۔ مسیحیوں کی طرز پر اسلام کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا اور مسلمانوں کی مرتد بنانے کی مہم چلائی۔ مولانا نے باوجود علالت و ضعف کے ۱۸۷۸ء میں رڑکی اور میرٹھ میں اس پنڈت کا بھرپور مقابلہ کیا اور اسلام کی حقانیت پر ایسے دلائل و براہین دیے کہ پنڈت بھی حیران رہ گئے۔ (۲۱) پنڈت

سرسوتی نے بزعم خود اسلام پر گیارہ اعتراضات کیئے جن میں سے دس کے جوابات انتصار الاسلام میں گیارہویں کا مفصل جواب تحفہ نما میں دیا ہے۔ سید سلیمان ندوی رقم طراز ہیں

> "آریوں کے دیانند سرسوتی کے مقابلہ کے لیے خاص طور پر مولانا محمد قاسم صاحب کا ظہور بھی تائید غیبی ہی کا نشان ہے اور پھر جس طرح عقائد حقہ کی اشاعت اور رد بدعات کا اہم کام مولانا محمد قاسم اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور اس جماعت کے دیگر مقدس افراد کے ذریعے انجام پایا اس کے آثار باقیہ اب بھی ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ (۲۲)

۳۔ مولانا ابو المنصور، ناصر الدین دھلوی (۱۸۲۳ء - ۱۹۰۳ء):

مولانا سید ناصر الدین کا اصل وطن قصبہ سید آباد عرف درائی پور تھا۔ مگر ان کے والد سید محمد علی ناگ پور ریذیڈنسی میں منشی تھے۔ مروجہ علوم اپنے والد اور دادا سے حاصل کئے بعد ازاں کچھ عرصہ نواب جہانگیر خاں رئیس بھوپال کی مصاحبت میں رہے۔ اس کے علاوہ عمر بھر کوئی ملازمت نہ کی اور ہمہ تن تصنیف و تالیف اور تبلیغ میں مصروف رہے۔ زندگی کا ایک حصہ انہوں نے دھلی میں گزارا اسی کے باعث دھلوی کہلوائے اور یہیں فوت ہوئے۔ (۲۳)

مولانا ابو المنصور دھلوی کی مندرجہ ذیل کتب مطالعہ مسیحیت کے حوالے سے یادگار ہیں۔

۱۔ نوید جاوید نصرت المطابع دھلی، ۱۲۹۶ھ، صفحات ۶۳۲، (اسلام پر ان اعتراضات کا جواب ہے جو از روئے عقل کیے جاتے ہیں)

۲۔ عقوبت الضالین ۔ نصرت المطابع دھلی، ۱۸۶۵ء صفحات ۱۹۶، (پادری عماد الدین کی کتاب ہدایت المسلمین کا جواب ہے جو مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی اعجاز عیسوی کی تردید میں تالیف کی گئی ہے)۔

۳۔ لحن داؤدی ۔ میمور پریس دھلی، ۱۲۸۹ھ، صفحات ۳۲، (پادری عماد الدین اور مجتہد لکھنوی کے درمیان تحریری مناظرہ ہوا جسے پادری نے نغمہ طنبوری کے نام سے مرتب کیا۔ مجتہد لکھنوی مولانا ابو المنصور نے نغمہ طنبوری کا جواب لحن داؤدی، تحریر کیا)۔

۴۔ تصحیح التاویل ۔ (پادری عماد الدین کی تفسیر مکاشفات پر تنقید و تبصرہ ہے۔

۵۔ استیصال نصرت المطابع دھلی ۱۲۹۱ھ، صفحات ۶۷، (پادری رام چندر کے رسالہ مسیح الدجال پر محاکمہ ہے)۔

۶۔ اعزاز قرآن ۔ پادری رام چندر کے رسالہ اعجاز قرآن پر تنقید و تبصرہ ہے)

۷۔ انعام عام : مطبع فاروقی دھلی، ۱۲۹۳ھ، صفحات ۴۸، پادری رجب علی کے رسالہ آئینہ اسلام کا جواب ہے)۔

۸۔ افحام الخصام نصرت المطابع دھلی، ۱۲۹۳ھ، صفحات ۱۲۸، پادری راجرز کی تالیف تفتیش الاسلام کا جواب ہے)۔

۹۔ میزان المیزان نصرت المطابع دہلی، ۱۲۹۴ء، صفحات ۱۲۰، (مولانا ابو المنصور نے اس کتاب میں پادری فانڈر کی تالیف میزان الحق کا جواب دیا ہے)۔

۱۰۔ مصباح الابرار نصرت المطابع دہلی، (پادری فانڈر کی تالیف مفتاح الاسرار کا جواب ہے)۔

۱۱۔ رقیمۃ الوداد، نصرت المطابع دہلی، ۱۲۹۷ھ، صفحات ۷۴، (پادری صفدر علی کے رسالہ نیاز نامہ کا جواب ہے)۔

۱۲۔ حرز جان: پادری عبداللہ آتھم کے رسالہ اصلیت قرآن کا جواب ہے)۔

۱۳۔ تبیان (پادری صاحبان کے بارہ سوالوں کا جواب ہے)۔

۱۴۔ احسن الدلیل فی معلومات توریت و انجیل۔

۱۵۔ تشویش القسیس رسالہ اصل و افزائش و زوال دین محمدی کا جواب ہے

۱۶۔ طبیہ تنقیح البیان۔ (۲۴)

۴۔ مولانا عبدالحق حقانی: (۱۸۴۹ء-۱۹۱۷ء):

فن مناظرہ میں خاص ملکہ حاصل تھا اسی وجہ سے 'امام المناظرین' کہلوائے۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تبلیغی شعبہ قائم کیا بعد ازاں مسیحی مشنریوں کا جواب دینے کے لئے خاص خاص مسلمانوں کو اکٹھا کیا چنانچہ ۱۹۱۳ء میں مولانا ہی کے زیر صدارت 'انجمن حمایت اسلام' قائم ہوئی۔

تالیفات مولانا نے مناظرہ کے میدان میں خاص طور پر رد نصاریٰ میں بہت سے کتب و رسائل تصنیف کئے جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:۔

۱۔ البیان فی علوم القرآن۔ یہ تفسیر حقانی کا ضخیم مقدمہ ہے جس میں نہ صرف قرآنی علوم کی مبادیات پر بحث کی گئی ہے بلکہ اس دور کے تہذیبی اور کلامی مسائل پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

۲۔ فتح المنان المعروف بہ تفسیر حقانی انیسویں صدی کی ابتداء ہی سے ایک طرف عیسائیوں نے اسلام اور قرآن کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ شروع کر دیا اور دوسری طرف سائنسی ترقیوں سے مرعوب ہو کر بعض لوگوں کا خیال تھا کہ قرآن سائنسی تعلیمات کے خلاف ہے۔ چنانچہ آپ نے اس تفسیر میں ان دونوں پہلوؤں سے بالخصوص اور دیگر کلامی مباحث سے بالعموم اعتناء کیا ہے۔

۳۔ تحریف القرآن مطبع مجتبائی دہلی، ۱۲۹۵ھ، صفحات ۲۰، (ماسٹر رام چندر کے رسالہ تحریف القرآن کا جواب ہے)۔

۴۔ احقاق حق۔

۵۔ شہاب ثاقب۔

۶۔ عقائد الاسلام (۲۵)

۵۔ مولانا سید محمد علی مونگیری(۱۸۴۶ء۔۱۹۲۷ء)

ندوۃ العلماء کے بانی، محمد علی مونگیری کی علمی اور فقہی بصیرت کا اعتراف حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے بھی کیا ہے۔ ۱۸۹۳ء میں ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی جو نہ صرف ہندوستان میں بلکہ پورے عالم اسلام کا ایک منفرد ادارہ تھا۔ (۲۶)

کمالات محمدیہ، سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا کو عیسائیت کے خطرہ کا علم اس وقت ہوا جب مدرسہ علی گڑھ کے دو طالب علم پادری عمادالدین کے پیدا کردہ شکوک و شبہات کا شکار ہو گئے۔ آپ نے انہیں دلائل سے قائل کر لیا اور مولانا آل حسن کی تالیف 'استفسار' کا مطالعہ تجویز کیا۔ (۲۷)

مسیحیوں کے خلاف اسلام پر پروپیگنڈے کا جواب دینے کے لئے ۱۸۷۳ء میں ایک اخبار 'منشور محمدی' بھی جاری کرایا۔ جس طرح اللہ تعالی نے مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے لیے معاون و مددگار ڈاکٹر وزیر خاں کو کھڑا کیا اسی طرح مولانا محمد علی کے لیے شیخ مولا بخش کو کھڑا کر دیا۔ شیخ مولا بخش نے اس امر کا صاف اعتراف کیا ہے کہ جو کچھ ہے سب مولانا کا فیض اور برکت ہے مزید لکھتے ہیں:

> "مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے بعد علماء میں سے بجز مولانا ممدوح کے کسی کو کامل توجہ اس طرف نہیں ہوئی مولانا ممدوح کی تحریر میں بڑی خوبی یہ ہے کہ جواب تحقیقی، ایسی عمدگی اور مہذبانہ طور سے ہوتا ہے کہ ہر ایک صاحب حق کو اس سے تسلی ہو جاتی ہے"۔ (۲۸)

رد عیسائیت میں مولانا کی مندرجہ ذیل کتب ہیں:

۱۔ مرآۃ الیقین یہ کتاب مولانا کی سب سے پہلی تالیف ہے۔ پادری عمادالدین کی کتاب 'ہدایت المسلمین' کا رد ہے۔

۲۔ ترانہ حجازی۔ یہ کتاب ۱۸۷۸ء میں شائع ہوئی۔ پادری عمادالدین کی کتاب 'نغمہ طنبوری' کے جواب میں ہے۔ اس میں جہاد کا اسلامی تصور، نبوت محمدی کا ثبوت، عصمت انبیاء اور قرآن مجید کا توریت وانجیل سے ماخوذ نہ ہونا ثابت کیا ہے۔

۳۔ آئینہ اسلام یہ کتاب مولانا کے قیام حیدر آباد کے دوران ۱۸۸۰ء میں شائع ہوئی۔ اس میں پادری صفدر علی کے 'نیاز نامہ' کا جواب ہے۔

۴۔ دفع التعلیقات: مطبع نامی کانپور ۱۲۸۲ھ صفحات ۱۷۴ پادری عمادالدین کی کتاب تعلیقات کے جواب پر مشتمل ہے۔

۵۔ پیغام محمدی مطبع رحمانیہ مخصوص پور ۱۳۰۸ھ صفحات ۳۲۳، مولانا کی مشہور اور معرکۃ الاراء کتاب ہے جسے مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی تالیف 'اعجاز عیسوی یا اظہار الحق' سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ یہ کتاب مولانا نے پادری ٹھاکر داس کی کتاب 'عدم ضرورت قرآن' اور پادری صفدر علی کے نیاز نامہ کے جواب میں لکھی ہے۔ (۲۹)

مولانا سید محمد علی کی تالیفات کی ایک خاص بات یہ ہے کہ وہ مسیحیوں کے مستند ماٰخذ کے حوالہ سے رد کرتے ہیں ان کا تاریخی مطالعہ اس موضوع پر وسیع معلوم ہوتا ہے۔ دوسری طرف ان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ رد عیسائیت پر ہی اکتفا نہ ہو بلکہ اسلام کو ان کے سامنے دلنشین اور علمی طریقہ پر پیش کیا جائے اور مثبت پہلوؤں کو بھی اچھی طرح سامنے لایا جائے۔ (۳۰)

۶۔ مولانا شرف الحق صدیقی دھلوی (۱۸۶۷ء - ۱۹۳۶ء).

مولانا شرف الحق دھلوی، معروف مورخ امداد صابری کے والد گرامی ہیں، دہلی کے محلہ چوڑیوالاں میں پیدا ہوئے۔ مولانا رحیم بخش سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ اگرچہ ابتداء ہی سے مطالعہ مسیحیت اور مناظرہ میں دلچسپی تھی لیکن اپنے استاذ مولانا الطاف حسین حالی کے کہنے پر پہلے تعلیم کی تکمیل اور اس کے بعد مناظرانہ شوق کی تسکین کا مشورہ دیا۔ چنانچہ مولانا شرف الحق دار العلوم دیوبند گئے وہاں مولانا محمد یعقوب نانوتوی، مولانا محمود الحسن اور مولانا سید احمد سے استفادہ کیا۔ دورہ حدیث مولانا رشید احمد گنگوہی سے کیا۔ (۳۱)

مولانا شرف الحق کو زبانوں کی تحصیل سے خصوصی دلچسپی تھی۔ بچپن ہی میں ہندی اور سنسکرت سیکھ لی۔ مولانا عبدالحکیم افغانی سے پشتو اور مولانا ابو نجیر سے ترکی زبان سیکھی۔ پادریوں سے گفتگو اور مطالعہ مسیحیت کے سلسلہ میں عبرانی اور یونانی زبانوں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ ایک یہودی عالم سے مل کر دونوں زبانیں سیکھیں۔ (۳۲)

مولانا کیرانوی سے استفادہ :

۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء میں مولانا شرف الحق پہلی بار حج کے لئے مکہ معظمہ گئے وہاں پر مولانا رحمت اللہ کیرانوی، اگرچہ ان کی بینائی زیادہ اچھی نہ تھی تاہم ان سے علمی استفادہ کیا اور مولانا نے انھیں مناظرہ کی باقاعدہ اجازت تحریری سند کی صورت میں دی۔ (۳۳)

پادریوں سے مناظرے :

مولانا شرف الحق نے پادریوں سے درج ذیل مناظرے کئے ۔

۱۔ مناظرہ غازی پور ۸ مارچ ۱۸۸۵ء کو پادری ای۔ پیٹرک، پرنسپل مشن سکول غازی پور سے مناظرہ ہوا۔ موضوع گفتگو حضور اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت کی حقانیت تھا۔ (۳۴)

۲۔ مناظرہ دہلی کیمبرج مشن کے پادری جارج الفرڈ لیفرائے اور پادری چپلاٹن سے ۱۸۹۱ء میں مناظرہ ہوا۔ بائبل کی تحریف، اور اختلافات مناظرے کے موضوع تھے۔

۳۔ مناظرات حیدر آباد ۱۸۹۲ء میں پادری ایم۔ جی گولڈ سمتھ کے ساتھ مولانا شرف الحق کو متعدد بار گفتگو کا موقع ملا۔

۴۔ مناظرہ پونہ۔ ۱۸۹۳ء کو چرچ مشنری کے پادری جی۔ اسال سے مولانا شرف الحق کا مباحثہ ہوا ابنیت مسیح الوہیت مسیح مناظرے کے موضوع تھے۔ (۳۵)

تصنیف و تالیف:

مولانا شرف الحق کی کتابوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اولاً مناظروں کی روداد میں ثانیاً مستقل بالذات تحریریں۔

پہلے حصے میں چار کتابیں ہیں۔

۱۔ مناظرہ غازی پور۔ اردو اور انگریزی میں الگ الگ شائع ہوا۔

۲۔ البحث الجلیل باثبات التعارض النبوۃ والتحریف فی الانجیل المعروف بہ مباحثہ دھلی، مطبع انصاری۔

۳۔ حیدرآباد میں خدمت دینی، اکمل المطابع دھلی۔

۴۔ براہین الہیہ المعروف بہ مباحثہ پونا، اکمل المطابع دھلی۔

۵۔ استیصال دین عیسوی، مطبع جلالی الہ آباد۔

۶۔ ترجمہ انجیل برنباس۔

۷۔ تحفۃ المشہور لاعلاء کلمۃ الحضور المعروف بہ دینی مناظرہ ہمیرپرہ، دھلی، ۱۸۹۳ء۔ (۳۶)

۷۔ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ (۱۸۶۸ء۔ ۱۹۴۸ء):

ابوالوفا، مولانا ثناء اللہ امرتسری نے دارالعلوم دیوبند اور کانپور سے علوم کی تکمیل کی۔ خود لکھتے ہیں

> "کانپور سے فارغ ہوتے ہی میں اپنے وطن پنجاب پہنچا۔ مدرسہ تائید الاسلام امرتسر میں کتب درسیہ نظامیہ کی تعلیم پر مامور ہوا۔ طبیعت میں تجسس زیادہ تھا اس لیے ادھر ادھر سے ماحول کے مذہبی حالات دریافت کرنے میں مشغول رہتا میں نے دیکھا کہ اسلام کے سخت مخالف بلکہ سخت ترین مخالف عیسائی اور آریہ گروہ ہیں انہی دنوں قریب میں ہی قادیانی تحریک بھی پیدا ہو چکی تھی جس کا شہرہ ملک میں پھیل چکا تھا۔ (۳۷)

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے مسیحیت' آریہ سماج اور قادیانیت کی تردید میں اپنے قلم و زبان کو استعمال کیا۔ یہاں ان کے مطالعہ مسیحیت کا جائزہ لیا جاتا ہے لکھتے ہیں:

> "دوران تلاش سب سے پہلے قابل توجہ کتاب پادری ٹھاکر داس کی 'عدم ضرورت قرآن' پر پڑی جس کے جواب میں نے تقابل ثلاثہ (توراۃ' انجیل اور قرآن) تحریر کی۔ علاوہ ازیں

میں نے متعدد کتابیں ان کے جواب میں لکھیں جن کے مجموعے کا نام جوابات نصاریٰ (مطبوعہ امرتسر ۱۹۶۰ء) ہے۔ یہ کتاب پادری برکت اللہ کی تین کتب توضیح القرآن، مسیحیت کی عالمگیری اور دین فطرت، کا جواب ہے۔ (۳۸)

مولانا ثناء اللہ کو تصنیف و تالیف کے علاوہ مباحثہ و مناظرہ سے خاص دلچسپی تھی، ابن حجیہ کی کتاب الحقل، کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"جو عالم اپنے زمانے کے ملحدین اور مبتدعین کو جواب نہ دے وہ عالم نہیں، یہی علم الکلام ہے۔" (۳۹)

مسیحیوں سے آپ کے مندرجہ ذیل مناظرے مشہور ہوئے:

۱۔ مناظرہ لاہور ۱۹۱۰ء میں پادری جوالا سنگھ سے مناظرہ ہوا۔ پادری موصوف نے اپنی شکست کا اعتراف کیا اور پورا ایک عیسائی خاندان مسلمان ہو گیا۔

۲۔ مناظرہ ہوشیارپور ۱۹۱۶ء میں یہ مناظرہ بھی جوالا سنگھ سے ہوا۔

۳۔ مناظرہ گوجرانوالہ ۱۹۲۶ء میں پادری سلطان محمد پال سے مسئلہ توحید پر ہوا۔

۴۔ مناظرہ حافظ آباد ۱۹۲۶ء میں پادری سلطان محمد پال مناظر تھے جب وہ بے بس ہو گئے تو پادری عبدالحق کو بادہ بھی مات کھا گئے مناظرہ کا موضوع تھا "توحید اور الوہیت مسیح"۔

۵۔ مناظرہ الہ آباد ۱۹۳۵ء میں یہ مناظرہ بھی عبدالحق سے ہوا، موضوع الوہیت مسیح تھا اس نے مناظرہ میں یہاں تک کہہ دیا 'ہم الوہیت مسیح کے قائل نہیں'۔ (۴۰)

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"اسلام اور پیغمبر کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی اور قلم اٹھایا، اس کے حملے کو روکنے کے لیے ان کا قلم شمشیر بے نیام ہو تا تھا اور اسی مجاہدانہ خدمت میں انہوں نے عمر بھر کر دی"۔ (۴۱)

مسلمانوں کا مناظرانہ ادب:

مزید مسلمانوں متکلمین کے حالات طوالت کا باعث ہوں گے اختصاراً مطالعہ مسیحیت پر مشتمل ان کتب کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

ابوالحسن (مترجم) تائید محمد ﷺ و القرآن (اردو ترجمہ Applogy for Muhammad and Quran).

کتب خانہ اسلامیہ پنجاب لاہور، ۱۲۸۷ھ۔

ابو رحمت حسین   قرآن کی حقیقت کا جواب، مفید عام سیالکوٹ، فیض عام پریس میرٹھ، ۱۸۹۲ء۔

احسن اللہ، محمد   محاکمہ ہدایت المسلمین، مطبوعہ دہلی، ۱۸۸۱ء۔

احمد حسین عظیم آبادی سید۔   اعزاز عیسوی، (پادری ٹھاکرداس کے رسالہ اظہار عیسوی کا جواب)۔ (۳۲)

احمد سلطان مرزا   رد هفوات المسلمین۔ انوار المطابع لکھنو، صفحات ۸۸۔

احمد علی، مولوی۔   دعوت الحق، مطبع گلشن لاہور (کفارہ مسیح کا بطلان)۔

اختر علی۔   فلاح المسلمین، مطبوعہ دہلی ۱۸۹۲ء۔ (قرآن حکیم کی صداقت بیان کی گئی ہے)۔

اشرف علی، تھانوی   کثرت الازواج لصاحب معراج، مطبع مجتبائی دہلی واشرف العلوم دیوبند، ۱۳۵۰ھ۔

اکرام اللہ گوپاموی، تعلیم محمدی، ہفوات عمادیہ، تحریف اناجیل، امیر المطابع آگرہ، (پادری عمادالدین کی کتاب کے جوابات ہیں)

الہ دیا، لدھیانوی: رسالہ رد نصاری، مطبوعہ، ۱۸۸۶ء۔

انور حسین، ابوالخیر   پیغام محمدی ہو کٹوریہ پریس بدایون، صفحات ۳۲۵ (اس میں تثلیث نصاریٰ کو غلط ثابت کر کے تعلیم اسلام کی خوبی بیان کی گئی ہے)

چراغ علی، مولوی: تعلیقات، مطبع صادق لکھنو، ۱۸۷۲ء (پادری عمادالدین کی کتاب تاریخ محمدی کا جواب ہے)۔

حالی، مولانا الطاف حسین، خواجہ: تریاق مسموم (مطبوعہ ۱۸۶۷ء) تاریخ محمدی پر منصفانہ رائے، مطبوعہ ۱۸۷۲ء (پہلی کتاب میں ہدایت المسلمین کا رد اور دوسری میں تاریخ محمدی پر تبصرہ کیا ہے)۔

حسن علی   رسالہ تائید الاسلام، نظامی پریس کانپور، (اسلام پر عیسائیوں کے اعتراضات کے جوابات)۔

سلامت اللہ، مولوی   انصارتی جواب الاستفسار، نظامی پریس کانپور، ۱۲۹۹ھ، صفحات ۹۳۔

سلامت اللہ، مولوی   اظہار الاسلام، مطبع فیض بریلی، ۱۸۷۴ء، صفحات، ۹۸، (اس میں وہ مناظرہ جو مولوی صاحب اور الطاف مسیح سے رائے بریلی میں ہوا جس پر وہ مشرف بہ اسلام ہوئے)۔

سید احمد خان   خطبات احمدیہ (۱۸۷۰ء) جواب امہات المومنین، تجارتی پریس علی گڑھ، صفحات ۳۶۔

سید جلیل۔   تحقیق التاویل فی تاویل الاناجیل، مطبوعہ دہلی۔

سید محمد ہجرت پوری   تنزیہ القرآن، مفید عام آگرہ، ۱۸۷۷ء صفحات ۵۶۴، (پادری عمادالدین نے ہدایت المسلمین میں قرآن پاک پر جو اعتراضات کئے تھے ان کے مدلل جوابات دئے گئے ہیں)۔

ظہیر الدین، احمد: رسالہ عمادیہ، مطبع فیض الکریم، مدراس۔

عباس علی۔ خلاصہ صولت الضیغم علی اعداو ابن مریم، مطبع سکین سکندر آباد، ۱۳۳۲ھ۔

علی محمد، لکھنوی محن دلودی، مطبع حسینی لکھنؤ، ۱۲۸۹ھ، صفحات ۶۴۔ (عمادالدین کی کتاب نغمہ طنبوری کا جواب)۔

غلام اللہ، مولوی مجموعہ تحقیق الکلام فی ولادت مسیح علیہ السلام، مطبع مصطفائی، دہلی ۱۳۰۰ھ۔

غلام حسین، لکھنوی انتصار الاسلام، گلزار محمد پریس لاہور، (۲ حصے)۔

غلام دستگیر قصوری، ہاشمی مخرج عقائد نوری، مطبع سوسائٹی بریلی، ۱۸۸۰ء صفحات ۸۰، (پادری عمادالدین کی کتاب نغمہ طنبوری کا جواب ہے)۔

غلام دستگیر قصوری: تحریف قرآن کا جواب، مطبوعہ ۱۸۹۱ء۔

غلام نبی، امرتسری۔ عصمت الانبیاء، رسالہ رد نصاریٰ؛ حقیقت اصلیت جہاد، تحقیق الاسلام، معجزات محمدیہ، تصدیق اسلام، مطبع ریاض ہند، امرتسر۔

فتح علی، حاری تصدیق الاسلام مباحثہ نصاریٰ، لائٹ پریس بنارس، ۱۲۸۷ھ، صفحات ۳۰۔

فخر الدین نقوی: المنسب معروف بہ تحقیقات محمدی مطبع کریمی مدراس ۱۳۲۸ھ، صفحات ۴۷۔

فیروز الدین لاہوری۔ رد عیسویت، مطبوعہ لاہور ۱۸۷۵ء، صفحات ۱۵۰؛ اغلاط انجیل، مطبوعہ لاہور ۱۹۰۲ء، صفحات ۱۵۰؛ الوہیت مسیح اور تثلیث کا رد، مطبوعہ ۱۳۱۱ھ؛ تقدیس الرسول عن طعن الجہول ۱۳۱۱ھ۔

محمد ابراہیم، مولوی۔ تحریف بائبل، مسلم مشنری الہ آباد (اس میں انجیل کی تحریف پر یورپ کے اکابر کے اقوال جمع کیے گئے ہیں)۔

محمد ادریس، کاندھلوی: احسن الحدیث فی ابطال التثلیث، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۳۴۶ھ۔

محمد انیس، اکبر آبادی اعجاز مسیح، امیر المطابع، آگرہ، ۱۸۷۲ء۔

محمد بشیر، سہوانی۔ الحق الصریح فی حیوۃ المسیح، مطبوعہ ۱۳۰۹ھ؛ استفسارات؛ صمصام بشیر، مطبوعہ ۱۳۱۱ھ۔

محمد حسین امروہی۔ ہشت کو نسل معروف بہ دربہا، مطبع رضوی دہلی، ۱۲۹۱ھ۔

محمد شاہ لکھنوی: اجوبہ عجیبہ، نولکشور لکھنؤ، ۱۲۸۷ھ۔

محمد شاہ پنجابی: مدار الحق، مطبوعہ دہلی ۱۸۶۳ء۔

محمد علی مراد آبادی۔ کشف الاوہام، تائید الفرقان (محبوب مسیح کے رسالہ مرآۃ القرآن کا جواب ہے)

محمد ہادی علی۔ کشف الاستار، رد نصاریٰ، مطبوعہ ۱۲۴۲ھ، ۱۲۶۵ھ۔

محمد یوسف، رانده میری۔ دعوت الاسلام، نصرت المطابع دہلی۔

محمود حسین، مولوی: ادلہ کاملہ، مطبوعہ کانپور، ۱۸۷۷ء، صفحات ۳۶۔

مرزا مغل بیگ۔ شہادت الاسلام، نصرت المطابع دہلی، ۱۲۰۳، صفحات ۳۲۴۔

مولا عشق کانپوری۔ مراسلات مذہبی، مطبع نامی کانپور، ۱۸۸۸ء صفحات ۲۴۸ دلائل قویہ درائے اثبات نبوت محمدیہ۔
مؤیدالدین، مولوی استبصار در جواب حل الاشکال رد نصاری، مطبع منعمیہ اکبرآباد، ۱۲۲۷ھ۔
نوراللہ، گوپاموی، مفتی۔ خط پادری فانڈر کے نام مطبع النور آگرہ، ۱۸۵۵ء۔
وزیرخان، اکبرآبادی مباحثہ مذہبی، مطبع منعمیہ اکبرآباد، ۱۲۷۰ھ، خطوط، مطبع نورافشاں آگرہ، ۱۸۵۶ء۔
ولی اللہ، لاہوری۔ احاث ضروری، مطبع مصطفائی لاہور، ۱۲۸۸ھ: صیانت الانسان فی رد تحقیق الایمان، مطبوعہ لاہور ۱۸۷۲ء۔ (۴۳)

فصل دوم: مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کا تاریخی مناظرہ:

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے مناظرانہ و متکلمانہ کردار کا اندازہ ان کے مشہور تاریخی مناظرے، مناظرہ اکبرآباد ۱۸۵۴ء سے کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ پاول (A A Powell) کے نزدیک برصغیر میں یہ سن مسلم۔ مسیحی مناظرے کا نقطہ عروج ہے۔

> "The year 1854, thus marked both the climax and the conclusion of the first phase of prolonged face- to-face encounter between Evangelical missionaries and Indian Muslims" (44)

سب سے پہلے مختصراً مناظرے کا پس منظر، شرائط اور پھر مناظرے کی روداد تحریر کی جاتی ہے۔

پس منظر:

ہندوستان میں پادریوں کی یک طرفہ کوشش اور بے پناہ تبلیغی جدوجہد اور خاص طور پر علماء کرام کی خاموشی سے مشنریوں کے کام کا تقریباً ہر ہندوستانی پر خاص طور پر جہلاء کے طبقے پر کافی اثر ہونے لگا تھا۔ پادری علماء کی خاموشی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے اور عوام میں پروپیگنڈہ کرتے پھرتے تھے کہ ہمارے مذہب کی حقانیت کا رعب اور اثر اتنا ہے کہ ہندوستانی عالم ہمارے اعتراضوں کا جواب دینے اور اپنے مذہب کی صداقت کو ثابت نہیں کر سکتا۔ ان حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

''دوسری طرف مولانا اللہ کیرانویؒ اپنی حریف کے برعکس ایسی قوم کے فرد تھے جو شکست

خوردہ بھی تھی اور شکستہ دل بھی اور آزمائش کے سنگین ترین وقت سے گذر رہی تھی۔ اسکو اپنے ماضی کا بھی ہوش نہیں تھا۔ اس کے نزدیک اسلاف کے مجاہدانہ کارنامے قصہ پارینہ تھے جو اس کی سیاسی پسپائی اور اقتصادی بدحالی کا مداوا نہیں بن سکتے تھے۔ اور اس ذہنی پسپائی کے نتیجہ میں خود دین اسلام کی صداقت و حقانیت پر یقین میں کمزوری بلکہ کھوکھلا پن " چھا تھا۔ انگریز اس کو اپنا حریف اور حقیقی دشمن سمجھتے تھے اور اچھی طرح جانتے تھے کہ ایشیاء اور افریقہ میں کہیں بھی ان کے دین و تہذیب کو علمی محاذ پر چیلنج کر سکتا ہے تو وہ صرف مسلمان ہیں۔ اس لیے ان کا سارا زور مسلمانوں کی حوصلہ مندیوں کو مٹانے اور ان کی معنوی قوت کمزور کرنے پر صرف ہو رہا تھا۔ یورپ کی مشنریاں پوری آزادی کے ساتھ حکومت وقت کی سرپرستی اور کفالت میں شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں اپنے جال بچھائے ہوئے تھیں۔ ہزاروں کی تعداد میں عیسائی مبلغین ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے۔ سینکڑوں ناخواندہ اور نیم تعلیم یافتہ افراد اہل ہند فاتح قوم کا مذہب اختیار کر رہے تھے اور ان کی ظاہر شان و شوکت، حکومت و قوت کمزور ناخواندہ اشخاص کے نزدیک حقانیت کی دلیل تھی۔ (۴۵)

کچھ اسی طرح کے حالات کا نقشہ مولوی محمد سعید (مہتمم مدرسہ صولتیہ) نے یوں کھینچا ہے

" یہ وہ وقت تھا جبکہ ہندوستان میں اسلامی شان و شوکت و سلطنت کا آفتاب غروب ہو رہا تھا۔ اور شاہانہ مغلیہ کی آخری یادگار بہادر شاہ ظفر مرحوم زوال سلطنت کا پر حسرت منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ جمنا کے پر سکون بہاؤ میں انقلاب زمانہ کی نیرنگیوں کو بہتے ہوئے دیکھا کرتے تھے۔ مگر اغیار کی ان ریشہ دوانیوں کی کوئی تدبیر ان کے پاس نہ تھی اور انگریزی رسوخ و اقتدار کا سیلاب قلعہ کی سنگین دیواروں سے ٹکرا رہا تھا۔ جس کی پر آشوب آواز سے بادشاہ مرحوم خوفزدہ تھے۔ اس پر آشوب زمانہ میں جامع مسجد کی سیڑھیوں پر عصر اور مغرب کے درمیان ایک مسیحی فاضل پادری فانڈر عوام الناس کے سامنے عیسائی مذہب کی خوبیوں اور بزعم خود اسلامی کمزوریوں پر تقریر کیا کرتا تھا۔ پادری فانڈر خود تمانہ تحابلہ انگلینڈ سے اس کے ساتھ مسیحی مشنریوں اور پادریوں کی ایک بڑی جماعت تھی جو اس امر کا بیڑا اٹھا کر ہندوستان آئی تھی کہ مسیحیت کی تبلیغ و اشاعت ہندوستان میں اس طرح کرے کہ اسلامی

سلطنت کے زوال اور مغلوبی کے ساتھ اسلام بھی مغلوب ہو اور عیسائیوں کے غلبے اور اقتدار کے ہمدوش عیسائی مذہب بھی ہندوستان کی نرم واثر پذیری زمین میں جڑیں چھوڑ دے۔ گو اسلامی حکومت کا چراغ ٹمٹما رہا تھا مگر اس سیاسی اضمحلال کے باوجود زوال رسیدہ دھلی باکمال مشاہیر اور اہل علم اور فن سے خالی نہ تھی لیکن اس دور کے علماء کو اگرچہ اپنی دینی و مذہبی علوم میں کامل دستگاہ و تبحر تھا مگر دوسرے مذاہب کی مذہبی کتابوں پر نہ انکی نظر تھی اور نہ انکی چنداں ضرورت۔ معلوم نہیں کن وجوہ سے اس مسیحی فاضل کی طرف علماء نے توجہ نہیں کی اور علماء اسلام کے سکوت نے پادری فانڈر کے حوصلے اس قدر بڑھائے کہ اس نے جسارت و دلیری کے ساتھ صداقت و حقانیت اسلام پر زبردست حملے اور اعتراض شروع کر دیے اور ببانگ دہل علماء اسلام کو مناظرہ کی دعوت دی۔"(۳۶)

انہی ایام میں مولانا کیرانویؒ دہلی میں 'ازالۃ الاوہام' کی طباعت کے لیے پہنچے اسوقت آپ کی ڈاکٹر وزیر خان سے ملاقات ہوئی ڈاکٹر وزیر خان نے آپ کو آگرے نے مدعو کیا آپ آگرے پہنچے اور سرائے جہلی میں مقیم ہوئے آگرے میں پادری فانڈر بھی رہتے تھے۔ انہوں نے شہر والوں کو پریشان کر رکھا تھا۔ علی الاعلان کہتے پھرتے تھے کہ کوئی ہماری 'میزان الحق' کا جواب دے اور ہم نے جو اسلام پر اعتراضات کیے ہیں اسکا رد کرے'۔

جب شہر میں مولانا کی آمد کی اطلاع ہوئی تو شہر کے وکلاء اور رئیس آپ سے ملاقات کرنے کے لیے آئے انہوں نے آپ سے التجا کی کہ آپ پادریوں سے مقابلہ کریں۔ مولانا کی پرانی خواہش تھی لیکن اجنبی شہر ہونے کی وجہ سے مولانا نے غریب الوطنی کا اظہار کیا جس پر ان لوگوں نے آپ سے مکمل تعاون کرنے کا وعدہ کیا اور ڈاکٹر وزیر خان نے بھی مناظرہ کی تیاری کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔

چھوٹا مناظرہ اکبر آباد :

یہ مناظرہ پادری فرنچ (Thomas Walpy French 1825-91) کے بنگلہ پر پادری موصوف اور پادری کئی (William Kay 1820-86) سے ہوا۔ مولانا کیرانویؒ ربیع الآخر ۱۲۷۰ھ میں ڈاکٹر وزیر خان کے ہمراہ پادری صاحب کے پاس پہنچے اس کا ذکر 'پہلا مباحثہ مذہبی' میں یوں کیا گیا ہے۔

"جاننا چاہیے کہ گفتگوئے سابق سے وہ گفتگو مراد ہے جو پادری فرنچ صاحب کے بنگلہ پر پادری موصوف اور پادری کئی اور (رحمت اللہ صاحب کے ساتھ) میرے اور جناب محمد وزیر خان کے سامنے ہوئی تھی اور میں نے اس گفتگو کا ایک جدا رسالہ چھپوا لیا ہے"۔

اس مناظرہ کی روداد مولانا کیرانوی ؒ کی اپنی زبانی بیان کی جاتی ہے

"دونوں پادری صاحبان یہ جانتے تھے کہ کوئی ہم میں سے انگریزی زبان نہیں سمجھتا اس وجہ سے پادری کئی صاحب نے پادری فرنچ صاحب کو انگریزی میں کہا اس امر میں ان کو مدعی رکھیو اور تم معترض بنو اور تحریف کا ثبوت ان سے طلب کرو۔ ڈاکٹر وزیر خان نے کہا کہ کوئی قاعدہ مقرر کیا جائے تاکہ اس کو دونوں فریق تسلیم کر لیں اور اسی کے مطابق تحریف کا ثبوت پیش کیا جائے۔ پادری صاحب نے اس کا کوئی جواب نہ دیا مگر یہی کہا کہ تحریف ممکن نہیں تھی کیونکہ توریت کا نسخہ موسیٰ کا لکھا ہوا بخت نصر کے عہد تک محفوظ تھا اور بڑی احتیاط کے ساتھ صندوق میں رکھا گیا تھا، جو بھی بادشاہ تخت نشین ہوتا وہ اس کو اپنا دستور العمل ٹھہراتا تھا ایسی حالت میں تحریف کیونکر ہوتی۔ میں نے کہا وہ کون سے صندوق میں محفوظ تھا، کیا اس صندوق میں جس میں دو لوحیں رکھی ہوئی تھیں۔ پادری نے کہا کہ ہاں میں نے کہا اس میں تو حضرت سلیمان کے عہد میں بھی نہ تھا۔ اس پر سن کر دونوں صاحبوں نے تعجب کے طور پر دریافت کیا کہ کس دلیل سے کہتے ہو میں نے کہا کتاب اول سلاطین کے آٹھویں باب میں ہے۔ بولے کس جگہ۔ میں نے اس باب کا درس ۹ نکال کر دکھایا جس کی یہ عبارت تھی۔

"اور صندوق شہادت کے اندر ان دو لوحوں کے سوا کچھ نہ تھا جنہیں موسیٰ نے وریب پر اس میں رکھا۔" (۴۷)

اس عبارت کو پڑھ کر دونوں پادری خاموش ہو گئے پھر فرنچ صاحب نے کہا کہ خیر یہ ایک ہلکی سی بات ہے اور اس سے تحریف ثابت نہیں ہوتی میں نے کہا میں نے بھی اس کو اثبات تحریف کے لئے پیش نہیں کیا بلکہ آپ کے کہنے پر یہ عبارت پڑھی تھی کہ وہ نسخہ موسیٰ والا بخت نصر کے عہد تک تھا۔ تحریف کی دلیلیں تو اور ہیں۔

پادری فرنچ نے کہا، سلیمان کے باپ داؤد نے گواہی دی ہے کہ ان کے پاس خدا کا کلام تھا اور اس کو پڑھتے تھے ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ کس جگہ ان کے کلام میں ہے کہ یہ سارا مجموعہ توریت کا جو اب پایا جاتا ہے، ان کے پاس تھا۔ ہم تو اس مجموعے کے متعلق کلام کرتے ہیں اور کہتے ہیں اولاً عہد عتیق اور جدید کی کتابوں کی سند متصل نہیں ملتی۔ ثانیاً الحاق بھی ان میں یقیناً ہوا ہے ثالثاً ان میں غلط روایات بھی ہیں اور اکثر روایات مختلف بھی پائی جاتی ہیں مثل روایات احاد کے۔ پادری صاحب نے کہا ان کی سند کتب اسناد میں لکھی ہوئی ہے۔ میں نے کہا زیادہ تو نہیں آپ اس وقت مجھے کتاب ایوب اور نشید الانشاد کی سند دکھلائیے، اس کا بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

نال منوں کی اور عہد جدید کا ذکر کرنے لگے اور کہا ہر مشائخ کے کلام سے اس کی سند ملتی ہے ۔ میں نے کہا یوسی بیس (Euscbius) اپنی کتاب 'تاریخ کلیسا' میں لکھتا ہے کہ نامہ یعقوب، نامہ یہود، نامہ پطرس دوئم، نامہ دوئم سوئم یوحنا اور مشاہدت پر قدماء کو گفتگو تھی اور بعضوں نے سرلیس (Cyrillas) کی تصنیف بتایا ہے۔ (۴۸)

پادری صاحب نے کہا کہ تاریخ یوسی بیس کو جانے دیجئے اور مشاہدات کی سند دیجئے۔ دونوں پادری آپس میں انگریزی زبان میں گفتگو کرنے لگے اس کے بعد بولے سب کلیسا نے اس کو تسلیم کیا ہے۔ ڈاکٹر وزیر خان صاحب نے کہا کلیسا آپ کے نزدیک کس چیز سے عبارت ہے، اگر تمام قدما عیسائیوں سے ہیں تو غلط ہے اور اگر کونسل کارتیج (CARTHAGE) سے ہے تو تسلیم ہے۔ مگر وہ اس کو الہامی نہیں مانتے تھے اور قطع نظر اس سے کونسل والوں نے تو کتاب ایوب (JUDITH) کتاب حکمت (WIS-DOM) اور مقابین کی دونوں کتابوں کو اور کتاب توریت (TOBET) اور کتاب ایکلیزیاسٹیکس اور کتاب باروق (BARUCK) کو بھی الہامی مانا تھا اور تم ان کو الہامی نہیں مانتے ہو پادری صاحب نے کہا اس کونسل سے آگے کونسل نیسے آ (NICEA) میں بھی اس کو الہامی مانا گیا تھا۔

ڈاکٹر وزیر خان نے کہا کونسل نیسے آ (NICEA) میں اس کا ذکر بھی نہیں آیا تھا۔ بلکہ اسکے بارے میں تین قول ہیں ۔

(۱) ایکسو ہمو (ECCE HOMO) لکھتا ہے کہ کونسل والے سب جھوٹی اور سچی کتابیں ایک مذبح پر رکھ کر نماز اور دعا میں مشغول ہو گئے تاکہ جھوٹی نیچے گر جائیں اور سچی کتابیں اوپر رہ جائیں۔

(۲) لارڈنر (Lardner) نے لکھا ہے کہ اس کونسل میں کتابوں کا ذکر نہیں اور جو تھیوڈورٹ (Theodoret) کی سند لاتے ہیں کہ کتابیں میز پر رکھی گئی تھیں اسکی کوئی سند نہیں۔

(۳) رومن کیتھولک کہتے ہیں کہ اس کونسل میں کتاب ایوب (Judith) الہامی ٹھہرائی گئی تھی۔

آپ ان تینوں اقوال میں سے کس کو مانتے ہیں اس کا بھی جواب نہیں دیا بلکہ یہ بولے ہم دکھلاتے ہیں اور دونوں صاحب اٹھے اور کتاب ڈھونڈنے لگے، ڈاکٹر صاحب نے فرمایا اگر تکلیف ہو تو جانے دیجئے پھر بیٹھ گئے۔ کہا نہیں ہم ابھی دکھا دیتے ہیں۔ کئی صاحب تلاش کے بعد وہیں کی کتاب لائے مگر کونسل نیسے آ. کی جگہ کونسل لوڈیسیا (Loadicia) کا حال نکال کر پیش کیا اور تماشہ یہ کہ اس میں لکھا تھا کہ اس کونسل میں مشاہدات خارج ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا یہ تو ہمارا عین قول ہے۔ اس پر شرمندہ ہو کر خاموش ہو گئے۔ پھر کہا اور مشائخ کے کلام میں اسکی سند پائی جاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا پہلے کس نے لکھا ہے، پادری صاحب نے کئی صاحب سے انگریزی میں دریافت کیا اور کلیمنٹ (Clement) کا نام لیا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ لارڈنر کے لکھنے کے مطابق کلیمنٹ کی ایک چٹھی پائی جاتی ہے اور اس چٹھی میں کئی جگہ مضمون انجیل سے ملتا ہے، جس کو عیسائی کہتے ہیں کہ اس نے انجیل سے ان مضمونوں کو نقل کیا گیا ہوگا۔ اولاً ہم اس کو نہیں مانتے کہ اس نے انجیل سے نقل کیا ہو کیونکہ اس میں صریح حوالہ

نہیں۔ جائز ہے کہ وہ مضمون بطور روایات زبانی کلیمنٹ تک پہنچے ہوں اور اگر بہ تقدیر مان بھی لیں تو پھر اس میں انجیل کا حوالہ نہیں اور اس قدر سے تواتر ثابت نہیں ہوتا۔

پادری نے کہا تمہارے قرآن کا کیا حال ہے ؟ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ قرآن کے لفظوں کا تو کیا ذکر اس کے حرکات بھی بتواتر منقول ہیں۔ دونوں پادریوں نے کہا کہ قرآن کے بارے میں ہم کلام نہیں کرتے اور سند کے متعلق کلام منقطع ہوا (۴۹)

ہارن (Horne) کی تفسیر جلد دوئم نسخہ ۱۸۲۲ء کے صفحہ ۳۹۹ میں جو عبارت درج ہے اس کو ان دونوں (رحمت اللہ کیرانوی ؒ و ڈاکٹر وزیر خاں) نے دکھایا جس کا مضمون یہ ہے کہ ان فقروں میں معلوم ہوتا ہے کہ عبری (عبرانی نسخہ) محرف ہے ملاکیا کتاب کے ۳ باب کا پہلا درس، ملاکیا کی کتاب کے ۵ باب کا دوسرا درس، ۱۶ زبور کا ۸ ویں درس سے ۱۱ درس تک، کتاب عاموس کے ۹ باب کا ۱۱ اور ۱۲ درس، ۴۰ زبور کا ۶ درس سے ۸ درس تک، ۱۱۰ زبور کا ۳ درس۔

پادری کئی نے دیکھ کر کہا ہاں ہارن لکھتا ہے عبری میں ان مواضع میں خراب کی گئی، پادری فرنچ صاحب نے کہا ہارن صاحب گو اپنے وقت میں بہت اچھے تھے مگر ان کو عبرانی نہیں آتی تھی اور کئی صاحب عبری خوب جانتے ہیں اور ہارن صاحب کے بعد اور لوگ بھی ان سے زائد ہوں گے۔

اس پر میں نے ہنری اور اسکاٹ (Henry & Scott) سے دو موضع کا نشان دیا کہ ان میں عبری کی تحریف کا اقرار ہے فرنچ صاحب نے کہا ہنری اور اسکاٹ گو بڑے مفسر تھے مگر اب معلوم ہوا ہے کہ ان کو عبری نہیں آتی تھی۔ میں نے کہا ان مفسروں کا قول آپ کے نزدیک سند نہیں تو ان کے اقرار کے سوا اور مواضع ظاہر کرتا ہوں۔ میں نے کتاب اول اخبار الایام کے ۲۱ باب کا ۱۲ درس جو کتاب ۲ سموئیل کے ۲۴ باب کے ۱۳ درس کے صریح مخالف ہے، پیش کیا۔ اس کو تو سنتے ہی کئی صاحب نے مباحثہ ختم کیا اور دعائیہ جملوں پر ختم کیا، اور فرنچ صاحب سے انگریزی میں کہا صاحب فرماتے ہیں ہم تمہاری ملاقات سے بہت خوش ہوئے اور یہ بھی کہا کہ ہم نے توریت اور انجیل اور زبور اور قرآن کو بڑے غور سے دیکھا اور تینوں کے شروع میں خدا کی صفتیں ایک ہی طرح پائی جاتی ہیں۔ مگر قرآن میں وہ بات نہیں۔ ڈاکٹر صاحب بیٹھ گئے اور فرمایا، قرآن کا جو ذکر آپ کرتے ہیں تو سنئے انجیل میں خدا کی پاکی کا وہ حال جو قرآن میں نہیں ہے یہ ہے کہ "تین خدا ہیں ایک آسمان پر رہا، دوسرا مریم کے رحم میں رہ کر مکان مخصوص سے نکلا اور زندگی بھر کھاتا پیتا رہا اور تیسرا خدا کبوتر کی شکل میں، اس دوسرے خدا پر اترا" اسکے بعد کئی صاحب رخصت ہوگئے، میرا ارادہ بھی رخصت ہونے کا تھا فرنچ صاحب نے کہا ٹھہرو میں آتا ہوں، وہ آئے تو بات چیت کے بعد مذہب کا ذکر آگیا، ڈاکٹر صاحب نے سامنے سے انجیل اٹھا کر متی کی انجیل کے پہلے باب کا ۱۷ درس پیش کیا کہ اسکو دیکھئے، فرنچ صاحب نے دیکھ کر فرمایا۔ دین عیسوی کے منکر اس کو بہت پیش کیا کرتے ہیں اور اس میں البتہ کچھ مشکل ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا اس کی توجیہ فرمایئے پادری صاحب نے کہا ممکن ہے کاتب سے عدد میں غلطی ہو گئی ہو گی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا اور سنئے متی عوزیاہ کو یورام کا بیٹا لکھتا ہے۔ حالانکہ تین پشتیں ان کے بیچ میں

گزری ہیں۔ ۱۔ اخذیاہ، ۲۔ یواس، اور ۳۔ امصیاہ، اور مزید لکھتا ہے یوکنیاہ یوشیاہ کا بیٹا ہے حالانکہ وہ پوتا ہے مزید لکھتا ہے۔ یوکنیاہ کے بھائی ہیں حالانکہ عہد عتیق میں اس کا ایک بھائی بھی مذکور نہیں اور تحریر کرتا ہے کہ زروبابل، سیالتی ایل کا بیٹا ہے حالانکہ وہ اس کا بھتیجا ہے نہ بیٹا بلکہ وہ اخزیاہ کا بیٹا ہے۔ جو شلتائیل کا بھائی ہے۔ پادری صاحب نے کہا کہ جائز ہے کہ ان لوگوں نے ان کی میراث پائی ہو جن کے بیٹے لکھے گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا اخذیاہ، یواس اور امصیاہ، تینوں بادشاہ گزرے ہیں اور انہوں نے کئی کئی سال سلطنت کی ہے سو یہ توجیہ اس میں جاری نہیں ہو سکتی اور جب ایک نصب نامہ میں اتنی غلطیاں ہوں تو ساری کتاب کو کیا قیاس کیا جائے گا۔ شاید متی نے عہد عتیق نہ پڑھا ہوگا جو ایک نصب میں اتنی غلطیاں کر گیا۔

جب ہم چلنے کے لئے کھڑے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے کہا آپ کا نام کیا ہے؟ پادری صاحب نے کہا فرنچ، ڈاکٹر صاحب نے کہا، اگر میں کہوں کہ فرنچ صاحب کی عمر جو یہاں کھڑے ہیں اس وقت ۲۲ برس کی ہے اور مولوی صاحب کہیں ۴۲ برس کی ہے تو یہ دونوں باتیں کیا سچی ہوں گی یا جھوٹی۔ پادری صاحب نے کہا ہم ایمان کھو ئیں گے ایسی بات تو بہت مشکل ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا اگر ایسی بات کتاب مقدس میں نکل آئے تو آپ اس کو کیا کہئے گا۔ پادری صاحب بولے کہاں ہے، ڈاکٹر صاحب نے میری طرف اشارہ کیا میں نے کتاب دوم اخبار الایام کے ۲۲ باب کے ۲ ورس اور کتاب دوم سلاطین کے ۸ باب کے ۲۶ ورس کی عبارت دکھائی اول میں جلوس کے وقت (سلطنت کے ملنے کے وقت) (اخزیاہ) کی عمر ۴۲ برس کی اور دوسری میں ۲۲ برس لکھی ہے اس پر پادری صاحب نے انگریزی بائبل میں دیکھا اور کہا یہ غلطی عدد میں ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا جب بہت سی غلطیاں اسمیں ثابت ہو گئیں تو پھر کونسی دلیل ہے کہ اس ایک مقصود میں غلطی نہ ہو اور ہم نے کتب مقدس میں سو سے زائد غلطیاں نکال دی ہیں اور آپ سے قرآن میں پانچ جگہ بھی ایسی نہیں نکل سکتیں پھر کیوں ایمان نہیں لاتے۔ پادری صاحب نے کہا یہ بڑی بات ہے اور اسی پر گفتگو ختم ہوئی، چونکہ عصر کا وقت تنگ ہو گیا تھا میں رخصت ہوا"۔ (۵۰)

تاریخی مناظرہ اکبر آباد (۱۸۵۴ء):

اس ربانی اور چھوٹے مناظرے میں پادریوں کو شکست تو ہو گئی تھی اور انہوں نے اپنے طریقوں اور جوابوں سے شکست تسلیم بھی کر لی تھی۔ لیکن یہ بات گھر تک رہی عوام میں نہیں پھیلی۔ عوام میں کیسے پھیلے اور وہ کیسے یقین کریں کہ دونوں پادری مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اور ڈاکٹر وزیر خان کی بحث سے ریچ ہو گئے تھے۔ اس لئے مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے کوشش کی آئندہ مناظرہ عام پبلک میں ہو تاکہ دنیا دیکھے اور سنے۔ نیز مولانا کی خواہش یہ بھی تھی کہ وہ فنڈر سے مناظرہ کریں۔ مولانا رقمطراز ہیں:

> "میں نے ہندوستان کے سب سے بڑے پادری جو علمائے مسکین میں ممتاز حیثیت کا مالک اور میزان کا مصنف تھا اس سے خواہش ظاہر کی وہ میرے ساتھ مجمع عام میں مناظرہ کرے

تاکہ حق واضح ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ علمائے اسلام نے ان رسائل کی تردید اسلئے نہیں کی کہ وہ عاجز تھے بلکہ جواب دینے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے"۔ (۵۱)

چنانچہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی پادری موصوف کو ایسے مناظرہ پر آمادہ و تیار کرانے کیلئے اپنے دوست مولوی امیر اللہ صاحب، میر مختار راجہ صاحب (بنارس) کے پاس پہنچے کیونکہ مولوی موصوف پادری فانڈر کے بھی اچھے شناسائی تھے۔ دونوں پادری فانڈر کے مکان پر گئے تاکہ مناظرہ کے لئے گفتگو کریں لیکن پادری اپنے مکان پر نہ ملے چنانچہ ۲۳ مارچ ۱۸۵۴ء سے حضرت مولانا کیرانوی نے پادری موصوف سے خط و کتابت شروع کی جو چند روز تک جاری رہی۔ اس مذہبی مراسلت کا سلسلہ مولانا کے آخری خط مورخہ ۱۸ اپریل ۱۸۵۴ء پر ختم ہوا۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی پادری فانڈر سے مناظرہ کی شرائط کے لئے خط و کتابت

فریقین میں سے ہر ایک کی طرف سے ۹،۹ خط تحریر کیے گئے جنکی تفصیل یہ ہے۔

پہلا خط مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی طرف سے، ۲۳/۶/۱۲۷۰ھ، ۲۳ مارچ ۱۸۵۴ء۔

پہلا خط پادری فانڈر کی طرف سے، ۲۳ مارچ ۱۸۵۴ء۔

دوسرا خط مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی طرف سے، ۲۴/۶/۱۲۷۰ھ، ۲۴ مارچ ۱۸۵۴ء۔

دوسرا خط پادری فانڈر کی طرف سے، ۲۵ مارچ ۱۸۵۴ء۔

تیسرا خط مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی طرف سے، ۲۶ مارچ ۱۸۵۴ء۔

تیسرا خط پادری فانڈر کی طرف سے ۲۷ مارچ ۱۸۵۴ء۔

چوتھا خط مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی طرف سے، ۲۸/۶/۱۲۷۰ھ، ۲۸ مارچ ۱۸۵۴ء۔

چوتھا خط پادری فانڈر کی طرف سے، ۲۸ مارچ ۱۸۵۴ء۔

پانچواں خط مولانا کیرانوی کی طرف سے، ۳۰ مارچ ۱۸۵۴ء۔

پانچواں خط پادری فانڈر کی طرف سے، ۳۰ مارچ ۱۸۵۴ء۔

چھٹا خط پادری فانڈر کی طرف سے، ۳۱ مارچ ۱۸۵۴ء۔

چھٹا خط مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی طرف سے، ۲/۷/۱۲۷۰ھ، یکم اپریل ۱۸۵۴ء۔

ساتواں خط پادری فانڈر کی طرف سے، ۳ اپریل ۱۸۵۴ء۔

ساتواں خط مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی طرف سے، ۵/۷/۱۲۷۰ھ ۳ اپریل ۱۸۵۴ء۔

آٹھواں خط پادری فانڈر کی طرف سے، ۵ اپریل ۱۸۵۴ء۔

آٹھواں خط مولانا کیرانوی کی طرف سے، ۱۶ اپریل ۱۸۵۴ء۔

نواں خط پادری فانڈر کی طرف سے، ۱۷ اپریل ۱۸۵۴ء۔

نواں خط مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی طرف سے، ۹/۷/۰۷ ۱۲ھ، ۱۸ اپریل ۱۸۵۴ء۔ (۵۲)

یہ مراسلت فارسی زبان میں ہوئی ہر خط کے نیچے مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے اردو اور پادری فانڈر کے انگریزی میں دستخط مع تاریخ کے درج ہیں۔ ذیل میں ایک خط بطور نمونہ کے یہاں نقل کیا جاتا ہے جس سے دونوں کا انداز و اسلوب، گفتگو کی نوعیت ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

پادری فانڈر کا دوسرا خط مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے نام:

"جناب مولوی صاحب الاسناقب عالیہنا صب سلامت نامہ نامی بجواب دیا نامہ ام رسیدہ موضع حالات گردید مضامین مندرجہ صوت اسان ہر ایدرفت بندہ بریں امر رضا مندم کہ انجانبین دو دو کس دخیل مباحثہ باشد چیرمین اگر نہ باشد نہ باشد پس بطرف سامی بودن ڈاکٹر صاحب قبول و منظور و بطرف خودم پادری فرنچ صاحب بہادر تجویز کردہ ام مگر پادری صاحب موصوف امروز برسم تبدیل ہوا بعلیگڑھ وغیرہ تشریف منہبر دو بوجہ دو ہفتہ باز خواہد آمد ان شاء اللہ تعالیٰ جلسہ مباحثہ منعقد خواہد گردید وازانجاکہ ہنگامہ انعقاد ہمچو حابسات چنانکہ عادت است اکثر شائقین و سامعین مجتمع مشبوندپس بس از جانبین صاحبان وشمر یان کہ حاضر وقت خواہند بود کسی داور مباحثہ مدخل نمی تواند نمدہاں اگر سختی یالفظی مناسب و لائق بذہن کسی بگذرد واظہار عوض کردان منوعش نخواہد بہمرود نہ دخل درمباحثہ کہ ابن در کان دو دو کسان مقررہ منصر خواہد حامد۔

فقط الراقم بندہ کسیس فنڈر، مرقوم ۵ مارچ ۱۸۵۴ء، دستخط بزبان انگریزی۔" (۵۳)

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا خط پادری فانڈر کے نام (ساتواں خط)۔

"جناب پادری صاحب والا مناصب زبدہ کشیشان نامدار عمدہ علماء مسیحیان ذوی الاقتدار سلامت عنایت نامہ عطوفت آگین متضمن

بقبول بودن تقدیم بحث تثلیث بر بحث نبوت بدیں شرط کہ
ستمام تا اختتام مباحثہ درتوجہ کما ینبغی مصروف واردومظنون بودن
تشریف آوری سامی درہفتہ اوّل دربارہ بعد از بودن یوم مصلوبیت جناب
مسیح دراں ہفتہ و درہفتہ ہائی مابعد سہ یا بعد بار نزول عاطفت بشمول
فرمودہ کاشف مافیہا گردید عاطفت فرمایا ستمام شرط سامی را قبول
کردہ انشاء اللہ تعالیٰ انفرام از مباحثہ تثلیث مباحثہ درنبوت حسب
ارشاد تو جمی مصروف خواہد است اوتا حنیکہ ازجانب سامی عذر
بوقوع ناید عذر نخواہد مباحثہ مگر چون وطن شمان چہار سال عرصہ دکا
روبندہ مسافر است ودرہفتہ اولین عذر والا ہر پیدا کردہ امیدے چناں دارو اگر
ہر روز تشریف آوری سامی صورت نہ بندہ سے ہفتہ ہائے بعد کم از چہار
اوزسرائے ادمی کا رمقرر نشود زیادہ۔
نیاز محررہ رحمت اللہ ۵ رجب ۱۲۷۰ھ، مطابق ۱۴ اپریل ۱۸۵۴ء ۔ دستخط اردو"(۵۴)

مولانا رحمت اللہ اور پادری فانڈر میں خط و کتابت جاری تھی کہ مشنریوں میں اس مناظرہ کے ہونے سے کھلبلی مچ گئی تھی۔ مناظرہ کے اسباب کیا تھے اور مناظرہ سے قبل مسیحیوں کو اپنی کتاب میزان الحق پر کیا گھمنڈ تھا اور اس وقت کے مسلمانوں کے خیالات کی پستی اور مسیحیوں سے مرعوبیت کی کیا حالت تھی۔ اس کا نقشہ خود مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے یوں کھینچا ہے

"ان وجوہات کا بیان کرتا ہوں کہ جس کے سبب یہ مباحثہ وقوع ہوا۔

اوّل۔ یہ کہ روز بروز شور و غل پادریوں کا بڑھتا چلا جاتا تھا اور زبانی فریاد کرتے تھے کہ مسلمانوں سے ہمارا جواب نہیں بن پڑتا اور اپنے رسالوں کے آخر میں ایسی ایسی باتیں بھی چھاپنے لگے تھے اس پر میں نے چاہا کہ اپنے مقدور کے موافق میں بھی ہاتھ پاؤں ہلاؤں شاید اللہ کچھ ثمرہ نیک دیوے۔

دوم یہ کہ جس عیسائی سے ملاقات ہوئی اور اس سے کچھ تذکرہ آیا اس کی تقریر سے یہی معلوم ہوا کہ میزان الحق کی کمال میں ایسی ہے کہ گویا الہام سے لکھی گئی ہے اور مسلمان اس کے جواب سے عاجز ہیں اور اگر ان کو کہا جاتا کہ یہ بات غلط ہے۔ 'میزان الحق' کا کیا ذکر اس کے مصنف سے بھی مسلمانوں کو کچھ خوف نہیں سو وہ کہتے تھے کہ جب تم کو اس سے پالا پڑے تب جانو۔

سوم یہ کہ جب میں ایک تقریب سے اکبر آباد اوّل اوّل عازم ہوا تو چلتے وقت ماسٹر رام چندر صاحب کہ مجھ سے محبت رکھتے تھے اور کچھ عرصہ سے عیسائیت کا دم بھر کے پادریوں سے بھی زائد تعصب میں قدم بڑھا کر رکھتے تھے اور 'میزان الحق' نے

ہوئے معتقد تھے کہا اگر اتفاق ہو تو آپ پادری فانڈر صاحب سے ملیے گا۔ سوان کی تقریر سے بھی وہی بات سمجھی گئی۔ شاید انہیں یہ گمان ہو کہ پادری صاحب سے کچھ اس کو بھی ہدایت ہو جائے گی۔

چہارم یہ کہ جب میں اکبر آباد پہنچا تو بعض بعض کو مذہب پہلا اگر ان کو سمجھایا گیا تو انہوں نے یہی کہا۔ اگر تمہارے پاس ہوتے ہیں تو تم ہم کو قائل معقول کر دیتے ہو اور اگر کسی اچھے پادری کے پاس جاتے ہیں تو وہ بھی ہم کو لاجواب کر دیتا ہے، تو اب ہم کس طرح سمجھیں کہ تم ہی حق پر ہو اور وہ باطل پر یا بالعکس بلکہ ہم تو حیرت کے دریا میں ڈوبے ہوئے ہیں ہاں اگر مقابلہ منہ در منہ ہو جائے تو ہماری یہ حیرانی بکلی رفع ہو جائے گی۔ (۵۵)

مناظرہ کی تیاری:

اس مناظرہ سے قبل جو زبانی اور چھوٹا مناظرہ ہوا تھا اس سے مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور ڈاکٹر وزیر خان کی عیسائیوں میں دھاک بیٹھ گئی تھی اور اس سے یہ لوگ متاثر و خوف زدہ ہو گئے تھے جس کی وجہ سے انہوں نے تقریری مناظرہ کی تیاری زور و شور سے کی اور اس کو کامیاب کرنے کے لیے تمام ذرائع استعمال کیے جس کا ذکر مولانا رحمت اللہ نے ازالۃ الشکوک میں یوں کیا ہے:

> "اول خط کی تحریر کے دن سے مباحثہ کے جلسے اول کے دن تک ۱۸ دن کی مدت گزر گئی اور جو وہ مسئلے جن میں بحث ہونے والی تھی پہلے ہی دن پادری صاحب کو معلوم ہو گئے تھے اور پہلے مباحثہ چھوٹے کا نسخہ چھپا ہوا بھی پادری صاحب کی نظر سے گزر گیا تھا اور اس سے اور اسی طرح اپنے شریک سے ان کو نسخ اور تحریف کے مقدمہ میں ہماری اکثر، تیں معلوم بھی ہو گئی تھیں سو انہوں نے اٹھارہ دن کی مدت میں اکبر آباد کے سب پادریوں اور اہل علم اپنے مذہب کے اتفاق سے اپنے نزدیک خوب ہی اس امر کو منقح کر لیا تھا اور جوڑ توڑ کرنا سو سب کر رکھا تھا"۔ (۵۶)

حاشیہ پر مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے پادری فانڈر کے ایک ملازم کی گفتگو جو پادری صاحب اور ان کے ساتھی مناظرہ کی تیاری کے سلسلے میں کر رہے تھے نقل کی ہے، لکھتے ہیں:

> "ایک مسلمان، پادری صاحب کا نوکر تھا وہ ہر روز مجھ سے آکر اطلاع دیتا تھا رات دن پادری صاحب کی کوٹھی پر پادریوں کا مجمع رہتا ہے اور یہ صورت رہتی ہے کہ اگر ایک گیا دوسرا آیا اور کتابوں کو بہت دیکھتے ہیں اور آپس میں گفتگو ہوتی رہتی ہے لیکن جو انگریزی میں ہوتی ہے وہ سمجھ میں نہیں آتی پھر اس بات سے ذکر اس میں لفظ محمد یوسف کا یا محمد کا یا تمہارا نام

سنتے ہیں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یقیناً اس بات کا چرچا ہے اور کہتا تھا کہ پادری صاحب کی میم بھی اکثر مجھ سے پوچھا کرتی ہے کہ تم کو معلوم ہے کہ یہ مولوی کہاں سے آیا ہے کہ پادری صاحب کو بڑا فکر ہے اور بڑی محنت میں پڑ گئے ہیں اور رات دن یہی مشورہ اور کونسل ہے اور اسی نیت سے انہوں نے حکام کو اس مجلس میں شریک کیا تھا کہ انکا رعب رہے"۔ (۵۷)

مولانا رحمت اللہ اور پادری فانڈر کی اس باہمی مراسلت (۵۸) کے نتیجے میں مندرجہ ذیل شرائط طے پائیں:۔

تاریخ و دن: ۱۰، ۱۱ اپریل ۱۸۵۴ء بروز پیر اور منگل۔ (۵۹)

وقت مباحثہ: صبح ساڑھے چھ بجے تا آٹھ بجے۔

مقام: محلہ عبدالمسیح (آگرہ)۔

فریق و معاونین: مولانا رحمت اللہ کیرانوی (فریق اول)، ڈاکٹر وزیر خان (معاون)۔
قسیس اعظم، سی، جی فانڈر (فریق دوم)، پادری فرنچ (معاون)۔

موضوعات: نسخ بائبل۔
تحریف بائبل۔
تثلیث اور الوہیت مسیح۔
اثبات نبوت محمدیؐ۔

مذکورہ پہلے تین مسائل پر فریق اول اعتراض اٹھائے گا اور فریق ثانی جواب دے گا۔ اور آخری مسئلہ پر فریق ثانی اعتراض اٹھائے گا اور فریق اول جواب دے گا۔

حکم: کسی خاص فرد کو حکم مقرر نہیں کیا گیا۔ بلکہ دونوں طرف سے معززین اور سرکاری حکام ہی مجلس مباحثہ میں نظم و ضبط اور حکم کے فرائض سرانجام دیں گے۔ (۶۰)

مناظرہ کا پہلا دن:

مناظرہ کا پہلا اجلاس طے شدہ شرائط کے مطابق شروع ہوا۔

مناظرہ کے اہم شرکاء:

اس معرکۃ الآراء مناظرہ کے چند خصوصی شرکاء فریقین کی جانب سے مندرجہ ذیل تھے۔ عوام الناس میں ان کے علاوہ ہر مکتبہ فکر کے لوگ تھے۔

۱۔ مسٹر اسمتھ، حاکم صدر دیوانی۔
۲۔ مسٹر کرسچن سکنڈ، صدر صوبہ بورڈ۔
۳۔ مسٹر ولیم، مجسٹریٹ علاقہ فوج۔
۴۔ مسٹر لیڈلی، ترجمان حکومت۔
۵۔ پادری ولیم گلین۔
۶۔ مولوی امیر اللہ، مختار راجہ (بنارس)۔
۷۔ مولوی فیض احمد بدایونی، سررشتہ دار صدر بورڈ۔
۸۔ مولوی قمر الاسلام (امام جامع مسجد آگرہ)۔
۹۔ مولوی منصور احمد۔
۱۰۔ مفتی حافظ ریاض الدین۔
۱۱۔ مولوی محمد عبداللہ الشہید کرلوی۔
۱۲۔ حافظ ولی حسن۔
۱۳۔ محمد جعفر علی قادری۔
۱۴۔ سید وزیر الدین بن شرف الدین۔
۱۵۔ عبداللہ اکبر آبادی (اسسٹنٹ مترجم) حکومت۔
۱۶۔ منشی خادم علی، مہتمم مطلع الاخبار۔
۱۷۔ محمد سراج الحق بن فیض احمد۔ (۲۱)

ان میں سے موخر الذکر صحافی تھے اور مناظرہ کو سرکاری اور عوامی سطح پر قلمبند کرنے کا اہتمام کیا گیا تھا۔

روداد مناظرہ:

پہلے دن کے مناظرہ کی کارروائی:

سب سے پہلے پادری فانڈر نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا

"یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ مناظرہ کیوں کر منعقد ہوا یہ مولانا رحمت اللہ کی سعی و کوشش اور خواہش کا نتیجہ ہے اس سے فائدہ کی صورت میرے نزدیک نظر نہیں آتی۔ میری تمنا یہ ہے کہ دین عیسوی کی حقیقت مسلمانوں کے سامنے رکھوں۔ مباحثہ کے عنوان، نسخ و

تحریف، الوہیت وحیات مسیح، تثلیث اور رسالت محمدی ﷺ طے ہوئے ہیں"۔ (۶۴)

(اس تشریح کے بعد پادری فانڈر بیٹھ گئے اور مولانا کیرانوی نے نسخ و تحریف پر فاضلانہ گفتگو فرمائی)۔

ا۔ بحث نسخ:

مولانا رحمت اللہ مولانا نے پادری موصوف کی تصنیف 'میزان الحق' کی فصل دوئم کے باب اول کی عبارت جو صفحہ ۱۴ میں ہے پڑھی 'قرآن اور اس کے مفسر دعویٰ کرتے ہیں کہ جس طرح زبور کے آنے سے توریت اور انجیل کے آنے سے زبور منسوخ ہوئی اس طرح انجیل بھی قرآن کے نزول ہونے سے منسوخ ہو گئی'۔

مولانا نے مزید فرمایا کہ قرآن مجید اور مفسرین سے جو یہ دعویٰ منسوب کیا گیا ہے غلط ہے۔ قرآن مجید میں اور نہ تفسیروں میں کوئی ایسا ذکر ہے بلکہ اس کے برعکس سورۃ البقرہ کی آیت ۸۷ ,ولقد آتینا موسی الکتب، کی تفسیر کے نیچے 'فتح العزیز' میں اس طرح مرقوم ہے:

"اور حضرت موسیٰ کے بعد پے بعد دیگرے ہم نے اور رسولوں کو بھیجا جو حضرت یوشع، حضرت شمعون، حضرت سموئیل، حضرت داود، حضرت سلیمان، حضرت اشعیاء، حضرت ارمیاہ، حضرت یونس، حضرت عزیر، حضرت حزقیل، حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ وغیرہ چار ہزار آدمی تھے اور یہ سب موسیٰ کی شریعت پر گزرے ہیں اور انکے بھیجنے کا مقصد موسیٰ کی شریعت کے احکام جاری کرانا تھا۔ جس میں بنی اسرائیل کی سستی اور کاہلی کی وجہ سے مندرج اور علماء بد تحریفوں کی وجہ سے متغیر ہو چلے تھے، سورۃ النساء آیت ۱۶۳ واتینا داود زبورا، کی تشریح 'تفسیر حسینی' میں اس طرح کی گئی ہے 'ہم نے داود کو کتاب دی جس کا نام زبور ہے وہ کتاب جو جناب الٰہی کی حمد و ثنا مشتمل اور امر و نواہی سے خالی تھی بلکہ داود کی شریعت وہی توریت کی شریعت تھی۔۔۔"

اسی طرح مسلمانوں کی دوسری کتابوں میں صراحت لکھا ہے۔

پادری فانڈر: تم انجیل کو منسوخ سمجھتے ہو یا نہیں۔

مولانا رحمت اللہ: بلاشبہ ہم انجیل کو ان معنوں سے جنکا اظہار کیا جاوے منسوخ جانتے ہیں مگر آپ کا یہ دعویٰ دونوں جگہ غلط ہے۔

پادری فانڈر: میں نے یہ بات مسلمانوں سے سنی ہے۔

مولانا رحمت اللہ یہ انصاف کے خلاف ہے کہ کسی مسلمان کی سنی ہوئی بات قرآن مجید اور مفسرین کے ذمہ ڈال دیں۔

پادری فانڈر: خیر۔

مولانا رحمت اللہ : نسخ کے وہ معنی جو اصطلاح میں رائج ہیں اور اس کے محل کو (یعنی اس بات کو کہ نسخ کہاں کہاں واقع ہوتا ہے) آپ نے اسلامی کتاب دیکھی ہے یا نہیں۔

پادری فانڈر . آپ فرمایئے۔

مولانا رحمت اللہ : میرے نزدیک نسخ صرف اوامر و نواہی کیلئے ہے چنانچہ تفسیر معالم التنزیل میں ہے

"النسخ انما یعترض علی الاوامر و النواهی دون الاخبار"

جسکا حاصل یہ ہے کہ نسخ قصص واخبار میں نہیں ہوتا بلکہ صرف اوامر نواہی میں آیا کرتا ہے سو ہم لوگ خبروں اور قصوں میں ہرگز نسخ کے قائل نہیں ہیں اور نہ امور عقلیہ قطعیہ میں جیساکہ خدا موجود ہے نسخ جائز جانتے ہیں۔

(مولانا نے عالمانہ و فاضلانہ طریقے سے نسخ کی تشریح تمثیلات کے ساتھ پیش کیں پادری غور سے سنتا رہا۔ آپ نے اچھی طرح ذھن نشین کروایا)

پادری فانڈر : آپ کے نزدیک تمام انجیل منسوخ ہے ؟

مولانا رحمت اللہ : ذیل کے احکام کی موجودگی میں تمام انجیل کو منسوخ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ مرقس کے ۱۲باب کے ۳۰،۳۱ورس میں ہے "اور تو خداوند کو جو تیرا خدا ہے اپنے سارے دل سے اور اپنی ساری جان سے اور اپنی ساری عقل سے اور اپنے سارے زور سے پیار کر، اول حکم یہی ہے اور دوسرا جو اسکی مانند ہے یہ کہ تو اپنے پڑوسی کو اپنے برابر پیار کر ان سے بڑا کوئی اور حکم نہیں ہے"۔

پادری فانڈر : انجیل ہرگز منسوخ نہیں ہو سکتی کیونکہ لوقا کے ۱۲ویں باب کی ۳۳ آیت میں مسیح کا یہ قول ہے "آسمان اور زمین ٹل جائیں گے لیکن میری باتیں نہ ٹلیں گی"

ڈاکٹر وزیر خان : یہ حکم عام نہیں بلکہ پیشین گوئی کے بارے میں ہے جس کا ذکر سابقہ آیت میں جناب مسیح نے فرمایا ہے اسکے معنی یہ ہیں کہ اگر بالفرض آسمان و زمین ضائع ہو جائیں پر میری باتیں اس پیشگوئی کی بات ہرگز زائل نہ ہو سکے گی۔

پادری فانڈر : نہیں عام ہے۔

ڈاکٹر وزیر خان : ڈاکٹر صاحب نے ڈوالی اور رچرڈمنٹ (D'oyly &Richardmant) کی تفسیر کی وہ عبارت جو متی کے ۲۴ باب کے ۳۵ ورس کی شرح کے ذیل میں لکھی ہے دکھائی کیونکہ ورس مذکور لوقا کے ۲۱باب کے ۳۳ ورس کے مطابق ہے۔ اس عبارت کا ترجمہ یہ ہے۔

بشپ پیرس(Bishop Paris) کہتا ہے کہ اس کی مراد یہ ہے کہ میری پیشگوئیاں یقیناً پوری ہوں گی۔ اور ڈین اسٹائن ہوپ کہتا ہے "کہ اگرچہ آسمان اور زمین اور سب چیزوں کی نسبت تبدیلی کے قائل نہیں ہیں تو یہ

ایسی استواو نہیں جیسی میری پیشگوئیاں ان چیزوں کی بابت استواہ ہیں وہ سب مٹ جائیں گی پر میری بہ تمیں ان پیشین گوئیوں کی بابت ہرگز نہ بدلیں گی اور جو بات کہ اب میں نے بیان کی ہے اس کا ایک شوشہ مطلب سے تجاوز نہ ہو گا"۔

پادری فانڈر : ان مفسرین کی تحریریں میرے دعوے کے خلاف نہیں ہیں کیونکہ مفسر یہ نہیں کہتے کہ یہ پیشین گوئیاں زائل نہیں ہوں گی اور باقی سب زائل ہو جائے گا۔

ڈاکٹر وزیر خان : یہاں اس بات کا لکھنا درس سے کیا علاقہ رکھتا ہے جو مفسر اس کی تصریح کرتا۔

پادری فانڈر : یہ عام ہے۔

ڈاکٹر وزیر خان : ہم اپنے دعوے کے ساتھ گواہ پیش کر رہے ہیں اور آپ بغیر گواہ کے مدعی ہیں۔

(پادری صاحب نے اس کا بھی جواب نہیں دیا)

پادری فانڈر : پطرس کے پہلے خط کی ۲۳ ورس میں لکھا ہے "تم نہ تخم فانی سے بلکہ اس سے جو غیر فانی ہے یعنی خدا کے کلام سے جو ہمیشہ زندہ اور باقی ہے از سر نو پیدا ہوئے" (۶۳) اس فقرہ کے مطابق خدا کا کلام دائمی ہے منسوخ نہیں ہوتا۔

مولانا رحمت اللہ : ایسی ہی کچھ اشعیاہ کے باب ۴۰ کے ۸ ورس میں بھی ہے اور آپ نے اسکو بھی میزان الحق میں جناب پطرس کی عبارت کے ساتھ نقل کیا ہے اس کی عبارت یہ ہے "گھاس پژمردہ اور پھول افسردہ ہو سکتا ہے لیکن ہمارے خدا کا کلام ابد تک قائم ہے" (۶۴) اس فقرہ کے بعد آپ پر لازم ہو جاتا ہے کہ کسی بھی امر و نہی کو منسوخ نہ سمجھیں حالانکہ توریت کے سینکڑوں حکم عیسائی مذہب میں منسوخ ہو گئے ہیں۔

پادری فانڈر : توریت تو منسوخ ہے لیکن ہم توریت کے بارے میں اس وقت بحث نہیں کر رہے۔

مولانا رحمت اللہ : متی کے ۵ باب، ۱۸ ورس میں اس قول کے مطابق جناب مسیح نے توریت کے حق میں یہی فرمایا ہے "کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین نہ ٹل جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت کا ہرگز نہ مٹے گا جب سب کچھ پورا نہ ہو۔ اسکے باوجود توریت کے احکام منسوخ ہو گئے"۔

پادری فانڈر : اب میری بحث توریت کے بارے میں نہیں ہے۔

ڈاکٹر وزیر خان : کیوں آپ کی بحث کا تعلق توریت سے نہیں حالانکہ ہم توریت و انجیل کو ایک سمجھتے ہیں اور جناب کے میزان الحق کے فصل دوئم میں اس طرح لکھا ہے "انجیل و عہد عتیق کی کتابیں کسی وقت بھی منسوخ نہیں ہوئی ہیں۔ (۶۵)

پادری فانڈر : ہاں اس جگہ تو میں نے لکھا ہے مگر اس وقت ہماری بحث صرف انجیل پر ہے۔

ڈاکٹر وزیر خان: حواریوں کے عہد میں احکام توریت کے منسوخ ہونے کے بعد چار چیزوں کو حرام کیا تھا۔ بتوں کی قربانیاں، خون، جانوروں کا گلا گھونٹ کر کھانا اور زنا۔ اور اب زنا کے سوا ان چیزوں کی حرمت بھی باقی نہیں رہی۔ پس انجیل میں بھی نسخ ہوا ہے۔

پادری فانڈر: ان چیزوں کی حرمت ہمارے علماء میں مختلف فیہ ہے۔ بعض علماء ان چیزوں کی حرمت کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں اور بعض نہیں اور ہم بتوں کی قربانیوں کو اب تک حرام جانتے ہیں۔

مولانا رحمت اللہ: پولوس مقدس رومیوں کے ۱۴ باب کے ۱۴ ورس میں یوں فرماتے ہیں "مجھے خداوند یسوع سے معلوم ہوا۔ میں نے یقین جانا کہ کوئی چیز آپ ناپاک نہیں۔ لیکن جو اس کو ناپاک جانتا ہو اسکے لیئے ناپاک ہے۔"(۶۶)

پھر طیطس کے پہلے باب کی ۱۵ ورس میں لکھا ہے "پاک لوگوں کے لئے سب کچھ پاک ہے اور ناپاک لوگوں کے لیئے کچھ پاک نہیں (۶۷) اور ان سب باتوں سے ان چیزوں کا حلال ہونا معلوم ہوتا ہے۔

پادری فانڈر: انہی آیات کی وجہ سے بعض علماء ان اشیاء کے حلال ہونے کا فتوی دیتے ہیں۔

مولانا رحمت اللہ: جناب مسیح کا حکم اولا متی کے باب ۱۰ کے ۵، ۶ ورس میں حواریوں کے بابت یوں ہے "ان بارہ کو یسوع نے یہ فرما بھیجا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں نہ جانا بلکہ پہلے اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جاؤ اور پھر ان لوگوں کے حق مرقس کے ۱۶ ویں باب کے ۱۵ ویں ورس میں یہ حکم لکھا ہے کہ "تمام دنیا میں ہر ایک مخلوق کے سامنے انجیل کی منادی کرو"۔ گویا دوئم حکم نے اول کو منسوخ کر دیا۔

پادری فانڈر۔ خود مسیح نے حکم اول کو منسوخ فرمایا۔

مولانا رحمت اللہ: یہ صحیح ہے کہ مسیح نے موقوف کیا مگر یہ تو ثابت ہوا کہ نسخ کلام مسیح میں جائز ہے۔ اس موقع پر پادری فانڈر کی ایک اور کتاب کا جو میزان الحق میں تھی ذکر کیا جس میں مسلمانوں سے مہمل خیالات منسوب کئے گئے تھے۔ عبارت یہ تھی:

"اس دعوی کا باطل ہونا کہ گویا قرآن کے ظاہر ہونے سے انجیل اور پرانے عہد کی کتابیں منسوخ ہو گئیں دو وجہ سے ثابت ہے، اول وجہ یہ کہ نسخ مان لینے سے دو نقص لازم آتے ہیں اول یہ کہ گویا خدا کا ارادہ یہ ہوا کہ توریت کو دے کر ایک اچھا اور فائدہ مند کام کرے پر نہ ہو سکا۔ پھر اس کے بعد بہتر زبور دی جب اس سے مطلب نہ نکلا تو اس کو بھی منسوخ کر کر کے انجیل دی جب اس سے بھی فائدہ نہ ہوا آخر قرآن سے مقصد پورا کیا۔ خدا کی پناہ جب کبھی ایسا خیال دل میں لایا جائے تو خدا کی حکمت و قدرت باطل ہو گئی۔ بلکہ خدا ایک بادشاہ اور نا سمجھدار اور ناتواں آدمی کی مانند ہو گا کیونکہ ایسا امر صرف آدمی کی ناقص ذات میں ہو سکتا ہے نہ خدا کی کامل ذات میں ثانیاً اگر وجہات

نہیں کہہ سکتے تو منسوخ ہونے کے قاعدے سے یہ لازم آتا ہے کہ خدا نے چاہا کہ ناقص چیز جو مطلب کو نہ پہنچا دے دیوے اور بیان کرے۔ پھر کیونکر ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسے جھوٹے اور ناکارہ خیال خدا کی قدیم ذات و کامل صفات کے حق میں کرے، مولانا موصوف نے فرمایا کہ دونوں نقص نسخ کے اصطلاحی معنی کی رو سے مسلمانوں پر نہیں بلکہ عیسائیوں اور پولوس مقدس پر ہیں کیونکہ وہ عبرانیوں میں فرماتے ہیں باب ۸ آیت ۷ 'پس اگلا حکم اسلئے کمزور بے فائدہ تھا، اٹھ گیا۔

اسی باب کے درس ۱۳ میں ہے، کیونکہ اگر وہ پہلا عہد بے عیب نہ ہوتا تو دوسرے کے لیے جگہ کی تلاش نہ ہوتی اور جب اس نے کہا تو پہلے کو پرانا ٹھہرایا پر وہ جو پرانا اور ادنیٰ ہے مٹنے کے نزدیک ہے۔ پس یہاں مقدس پولوس احکام توریت کو ضعیف، بے مصرف اور منسوخ فرماتے ہیں اور توریت کو پرانا عیب دار بتاتے ہیں۔

پادری فانڈر : یہ سنا اور خاموش ہو گئے اور جواب کچھ نہیں دیا۔

مولانا رحمت اللہ : یہ چند صفحات نسخ کے بارے میں جو 'میزان الحق' میں لکھے ہیں وہ اس قابل ہیں کہ اس کو اپنی اس کتاب سے نکال دیں۔ (۶۸)

پادری فرنچ : ہم سابقہ گفتگو میں کہہ چکے ہیں کہ توریت کے وہی احکام جس کا تعلق حضرت مسیح کی نشانیوں سے تھا منسوخ ہو گئے ہیں اور اس کا نسخ مناسب تھا کیونکہ مسیح نے ان کو کامل کر دیا تھا۔ البتہ مسیح کے حق میں جو پیشین گوئیاں تھیں وہ منسوخ نہیں ہوئی تھیں یہ کہہ کر پادری فرنچ نے انجیل اٹھا کر عبرانیوں کے ۱۰ باب کی یہ عبارت پڑھی '

''شریعت جو آنے والی نعمتوں کی پرچھائیں ہے اور ان چیزوں کی حقیقی صورت نہیں ان قربانیوں سے جو وہ ہر سال ہمیشہ گزارتے ان کو جو وہاں آتے ہیں کبھی کامل نہیں کر سکتی نہیں تو وہ قربانی گزرنے سے باز آتے کیونکہ عبادت کرنے والے ایک بار پاک ہو کے آگے کو اپنے تئیں گنہگار نہ جانتے پر قربانیاں ہر سال گناہوں کی یاد دلاتی ہیں کیونکہ ہو نہیں سکتا کہ بیلوں اور بکریوں کا لہو گناہوں کو مٹاوے، اس لئے وہ دنیا میں آتے ہوئے کہتا ہے کہ قربانیاں اور نذر کو تو نے نہ چاہا پر میرے لیئے ایک بدن تیار کیا سوختنی قربانی اور ان قربانیوں سے جو گناہ کے لیئے بھی راضی نہ ہوا''۔ (۶۹)

توریت کی اس آیت اور دوسری کتابوں کے اشارہ حضرت مسیح سے متعلق تھے مسیح کے آنے کے بعد تمام کی انہوں نے تکمیل کر دی اور انجیل میں کسی طرف اشارہ نہیں ہے جس کے آنے سے انجیل منسوخ ہو جائے۔

ڈاکٹر وزیر خان : اگر ہم تسلیم کرلیں کہ مسیح کی آمد سے احکام توریت مکمل ہو گئے تو وہ احکام جو مسیح سے کلی موقوف ہو گئے ہیں ان کو لازمی منسوخ کہنا پڑے گا۔

پادری فرنچ: وہ کون سا حکم ہے؟

ڈاکٹر وزیر خان: مثل حکم ذبح جو قوانین کے سترھویں باب (۷۰) میں لکھا تھا استثنا کے باب ۱۲ اور س ۱۵، ۲۰ اور ۲۲ کی وجہ سے منسوخ ہو گیا، اس کے بعد ہارن (Horne) کی عبارت پیش کی جس میں لکھا ہے کہ فلسطین کے داخلہ سے قبل مصر میں جانے سے چالیسویں برس یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

پادری فرنچ: یہ سن کر خاموش ہو گئے۔

ڈاکٹر وزیر خان: اس وقت یہ ثابت ہوا کہ کلام الٰہی میں نسخ محال نہیں۔ چنانچہ تمام پادری علی الخصوص 'میزان الحق' کے مصنف پادری فانڈر کا دعویٰ تھا کہ نسخ کلام الٰہی میں محال ہے۔ جب اس صورت میں نسخ کا امکان پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ نسخ کا وقوع انجیل میں آنحضرت ﷺ کی رسالت ثابت ہونے کے بعد آشکارا ہو جائے گا۔

پادری فانڈر نسخ کی گفتگو ختم ہوئی، اب تحریف کی بحث کی جائے گی۔ (اس کے بعد تحریف پر بحث کا آغاز ہوا)۔ (۷۱)

۲۔ بحث تحریف:

مولانا رحمت اللہ: تحریف کی شکل متعین کرنی چاہی کہ لفظی ہو یا معنوی، طے نہ ہو سکا تو مولانا نے فرمایا جسٹین شہید کا جب طریقوں سے مناظرہ ہوا تو اس نے چند پیشین گوئیوں کا ذکر کیا اور دعویٰ کیا کہ یہودیوں نے کتب مقدس سے خارج کر دیا ہے اس سلسلہ میں مولانا نے عیسائیوں کے مستند مفسرین و محققین اور مستند کتب واٹسن، بیلر جیمس، ہارن ہوائی نیکر اور ڈاکٹر کلارک وغیرہ کی کتابوں کے حوالے مذکورہ جسٹن کے دعوے کی تائید میں پیش کر کے فرمایا تو جسٹن کے دعوے کو سچا کہئے یا جھوٹا۔ اگر سچے ہیں تو ہماری بات درست ہے، اگر جھوٹے تھے تو افسوس کا مقام ہے کہ عیسائیوں کے بڑے بڑے مقتدر رہنما اس قدر دروغ گو تھے کہ خود اپنی طرف سے چند پیشین گوئیوں کو گھڑ کر ان کو کلام الٰہی کا جزو قرار دیا۔

پادری فانڈر: جسٹن بھی تو ایک آدمی تھا اس سے سہو ہوا۔

مولانا رحمت اللہ اس سے سہو نہیں ہوا ما بعد قدیم جمہور علماء اس سے متفق ہیں۔

پادری فانڈر. عہد عتیق کے بارے میں مسیح نے گواہی دی ہے دوسری گواہیوں کے مقابلہ میں ان کی شہادت زیادہ معتبر ہے اور وہ یہ ہے

(۱) کیونکہ اگر تم موسیٰ پر ایمان لاتے تو مجھ پر ایمان لاتے اس لیئے کہ اس نے میرے حق میں لکھا ہے۔ (۷۲)

(۲) 'موسیٰ اور نبیوں کی وہ باتیں جو سب کتابوں میں اس کے حق میں ہیں شروع سے ان کے بیان

کیں۔ (۷۳)

(۳) اس نے اس سے کہا کہ وہ موسیٰ اور نبیوں کی نہ سنیں گے تو اگر مردوں میں سے کوئی اٹھے تو اسکی نہ مانیں گے۔ (۷۴)

ڈاکٹر وزیر خان : آیتوں سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتابیں اس وقت موجود تھیں نہ کہ لفظ بہ لفظ درست تھا۔ پیلی کی سند پادری فانڈر نے "حل الاشکال" میں لکھی ہے اور اس کو اسناد کی کتابوں میں شمار کیا ہے وہ اقرار کرتا ہے کہ شہادت مسیح سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتابیں اس زمانہ میں موجود تھیں اس سے ہر لفظ اور ہر جملہ کی تصدیق نہیں سمجھی جا سکتی۔

پادری فانڈر : میں پیلی کو اس وقت نہیں مانوں گا۔

ڈاکٹر وزیر خان : تعجب ہے کہ آپ اس کی کتاب کو معتبر کتاب تسلیم کرتے ہیں، اگر اس کو مستند نہیں جانتے تو ہم آپ کی بات یہاں تسلیم نہیں کرتے اور یہاں وہی پیلی کا قول ہمارا اقویٰ ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا دیکھئے یعقوب اپنے خط کے پانچویں باب میں یوں لکھتا ہے کہ تم نے ایوب کے صبر کو سنا ہے اور خداوند کے مطلب کو جانتے ہو۔ (۷۵) اس پر بھی کسی نے اس کتاب کے الہامی اور صادق ہونے کو نہیں مانا مثلاً سارے اگلے پچھلے اہل کتاب کے علماء تو اس امر پر نزاع رکھتے ہیں کہ ایوب محض ایک فرضی نام تھا یا کوئی شخص سابقہ زمانہ میں ہوا بھی ہے۔ ربی میمانی ڈیز جو یہودیوں کے بڑے علماء میں ہے اور لیکلرک (Leclerc)، میکائیس، سملر اور بشپ اسٹاک وغیرہ عیسائیوں کے عالم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ایوب صرف فرضی نام ہے اور اسکی کتاب محض ایک افسانہ ہے۔

پادری فانڈر : ہمارے نزدیک ایوب ایک شخص ہے اور اگر مسیح کی شہادت میں اسکی کتاب بھی داخل ہے تو الہامی ہو گی۔

ڈاکٹر وزیر خان : پولوس تمیتھیس کے دوسرے خط میں یانیس اور یمبریس کا موسیٰ سے مخالفت کر کے ان کے ساتھ مقابلہ کرنے کا حال لکھتا ہے معلوم نہیں اس نے یہ بات کون سی جعلی اور غیر الہامی کتاب سے لکھی ہے صرف کسی کتاب سے کچھ نقل کر دینا منقول عنہ کے الہامی ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔

پادری فانڈر : جعلی کتاب میں ہمارا کلام نہیں ہم نے تو پرانے عہد کی کتابوں کی تصدیق کے لئے مسیح کا قول بیان کیا جب تک انجیل محرف قرار نہ پائے۔ مسیح کی گواہی اس بات کے لئے کافی ہے۔

مولانا رحمت اللہ : ہمارا کلام ساری بائبل پر ہے یہ بات منفصلہ نہیں ہے آپ اسکے ایک جزو کو مسلمانوں کے سامنے بطور دلیل پیش کرتے ہیں اول تو آپ کا مطلب مسیح کی گواہی سے نہیں نکلتا، دوسرے اس سے استدلال کرنا لغو اور بے جا ہے۔ جب تک اس مجموعہ میں تحریف کا نہ ہونا اور دلیلوں سے ثابت نہ ہو ہم اسکی بات کو سند نہیں مانیں گے۔

پادری فانڈر ہم نے پرانی کتابوں کے متعلق مسیح کی گواہی بیان کر دی، اب تم کو چاہیے کہ انجیل میں تحریف ثابت کرو۔

ڈاکٹر وزیر خان : اگرچہ آپ کا کہنا درست نہیں ہے لیکن اگر آپ انجیل میں تحریف دیکھنے کے مشتاق ہیں تو ملاحظہ کیجیے اور انجیل اٹھا کر متی کے پہلے باب کا ۱۷ درس پڑھیے "سب پشتیں ابراہام سے داؤد تک چودہ پشتیں ہیں اور داؤد سے بابل کے اٹھ جانے تک چودہ پشتیں ہیں اور بابل کے اٹھ جانے سے مسیح تک چودہ پشتیں ہیں"۔ پادری صاحب کو مخاطب کر کے ڈاکٹر صاحب نے کہا فرمایئے دوسرے طبقہ میں کون سے نام پر چودہ پشتیں ہوتی ہیں۔

پادری فانڈر : ہمیں اس سے کچھ مطلب نہیں ہے آپ یہ بتلایئے کہ تمام نسخوں میں ایسا ہی پایا جاتا ہے یا نہیں۔

ڈاکٹر وزیر خان : اب کے نسخوں میں تو موجود ہے اور خدا جانے اگلے نسخوں میں تھا یا نہیں لیکن اس کے غلط ہونے میں تو شک نہیں ہے۔

پادری فانڈر : غلط ہونا اور بات ہے اور تحریف اور۔

ڈاکٹر وزیر خان : اگر انجیل الہامی ہے اور الہام میں غلطی ممکن نہیں تو اس صورت میں بے شک یہیں تحریف ہوئی ہے اور اگر الہامی نہیں ہے تو ایک اور مطلب نکلا۔

پادری فانڈر تحریف اس وقت ثابت ہو گی جب تم کوئی ایسی عبارت دکھلاؤ جو اگلے نسخوں میں نہ ہو اور اب کے نسخوں میں پائی جاتی ہو۔

ڈاکٹر وزیر خان : یوحنا کے پہلے خط کا پانچویں باب کا ۷، ۸ درس پیش کیا۔

پادری فانڈر یہاں دو ایک جگہ تحریف ہوئی ہے۔

(اس موقع پر مسٹر اسمتھ نے جو پادری فرنچ صاحب کے پاس بیٹھے تھے، پادری فرنچ سے انگریزی میں معلوم کیا، کیا بات ہے پادری فرنچ نے جواب دیا کہ یہ لوگ ہارن اور دوسرے مفسروں کی کتاب سے چھ سات مقام جن میں تحریف کا اقرار ہوا ہے نکال کے سند کے طور پر دکھلا رہے ہیں)۔

پادری فرنچ . پادری موصوف نے ڈاکٹر وزیر خان سے کہا کہ پادری فانڈر بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ سات آٹھ جگہ تبدیلی اور تحریف ہوئی ہے۔

(مولوی قمر الاسلام صاحب جامع مسجد آگرہ نے منشی خادم علی خان مہتمم مطبع اخبار سے فرمایا کہ تم لکھو پادری صاحب آٹھ جگہ تحریف ہونے کا اقراری ہے)

پادری فانڈر : ہاں بہت اچھا ہے لکھئے اور مزید کہا اتنی تعداد میں تحریف ضروری ہے لیکن کتب مقدسہ میں اس سے نقصان نہیں ہوا ہے پادری موصوف نے کہا دو مسلمان اور دو معزز عیسائی انصاف کریں اور پھر مفتی ریاض الدین کی طرف متوجہ ہو کر بار بار فرما رہے تھے کہ آپ انصاف کیجئے۔

مفتی ریاض الدین جس وثیقہ میں ایک جگہ جعل ثابت ہو جائے تو وہ وثیقہ قابل اعتبار نہیں رہتا کجا کہ سات آٹھ جگہ۔

(وقت کافی ہو چکا تھا پادری صاحب کے ایماء پر پہلے روز کی کارروائی دوسرے دن کیلئے ملتوی کر دی گئی)۔ (۷۶)

مناظرہ کا دوسرا دن:

دوسرے دن منگل کو، ۱۲ رجب ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۱ اپریل ۱۸۵۴ء کو صبح جلسہ مناظرہ پھر منعقد ہوا جس میں پہلے دن کے اہم حکام اور علماء کے علاوہ مندرجہ ذیل افراد مزید شریک ہوئے۔

۱۔ مولوی امیر علی شاہ۔
۲۔ سید صفدر علی شکوہ آبادی۔
۳۔ پنڈت جگل کشور۔
۴۔ مولوی کریم اللہ خان بھیکم پوری۔
۵۔ سید حافظ حسین۔
۶۔ حافظ خدا بخش۔
۷۔ ڈاکٹر انعام اللہ گوپاموی۔
۸۔ مفتی انعام اللہ ساحر۔
۹۔ قاضی باقر علی خان ہمدانی۔
۱۰۔ راجہ بلوان سنگھ کاشی۔
۱۱۔ مولوی سید مدد علی تپش۔
۱۲۔ مرزا زین العابدین عابد۔
۱۳۔ ڈاکٹر مکند لال۔
۱۴۔ حکیم فرزند علی گوپاموی۔
۱۵۔ سید تفضل حسین۔
۱۶۔ ڈاکٹر وزیر الدین فرخ آبادی۔
۱۷۔ حکیم جواہر لال۔
۱۸۔ خلیفہ گلزار علی اسیر۔

۱۹۔ غلام قطب خان باطن۔
۲۰۔ مولوی سراج الاسلام امام مسجد پیڈیکار۔ (۷۷)

پہلے دن کے مناظرہ کا قدرتی طور پر چرچا خوب ہو گیا جس کی وجہ سے دوسرے دن کی حاضری پہلے دن سے دگنی تھی یعنی ہزار کے قریب تعداد تھی، ساڑھے چھ بجے کارروائی شروع ہوئی۔

پادری فانڈر: (کھڑے ہوئے، ہاتھ میں اپنی کتاب، میزان الحق، تھی فصل اول میں سے قرآن مجید کی چند آیات پڑھنی شروع کیں، چونکہ آیات درست نہیں پڑھ رہے تھے اس لئے قاضی القضات نے فرمایا کہ حضرت ترجمہ پر ہی اکتفا کریں۔ لفظ کی تبدیلی سے معنی بدل جاتے ہیں)۔

پادری فانڈر: مجھ کو معاف فرمائیں یہ میری زبان کا قصور ہے، اس کے بعد یہ آیات پڑھیں

(۱) وقل امنت بماانزل الله	آپ کہہ دیجئے اللہ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں میں بے شک ایمان لاتا ہوں
من كتاب وامرت لا عدل بينكم	اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ تمہارے درمیان عدل رکھوں۔
	اللہ ہمارا مالک بھی ہے اور تمہارا بھی مالک ہے۔
الله ربنا وربكم لنا اعمالنا ولكم اعمالكم لا حجة بيننا وبينكم (۷۸)	ہمارے اعمال، ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہماری تمہاری کچھ بحث نہیں۔
(۲) ولا تجادلوا اهل الكتاب الا بالتي هي احسن الا الذين ظلموا منهم وقولوا امنا بالذي انزل الينا وانزل اليكم والهنا والهكم واحد ونحن له مسلمون۔ (۷۹)	اور تم اہل کتاب کے ساتھ بجز مہذب طریقہ کے مباحثہ نہ کرو ہاں ان میں جو زیادتی کرے ان سے کہو ہم اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئیں اور ان کتابوں پر بھی جو تم پر نازل ہوئیں ہمارا تمہارا معبود ایک ہی ہے ہم تو اسی کی اطاعت کرتے ہیں۔
(۳) اليوم احل لكم الطيبات وطعام الذين	آج تمہارے لئے حلال رکھی گئیں ہیں جو کتاب والے ہیں ان کا ذبیحہ تم کو حلال ہے۔
اوتو الكتاب حل لكم وطعامكم حل لهم۔ (۸۰)	اور تمہارا ذبیحہ ان کو حلال ہے۔
(۴) وهم يتلون الكتاب۔ (۸۱)	اور وہ پڑھتے رہیں کتاب۔

(۵) انزلت التوراة و الا نجیل من قبل هدی للناس (۸۲) خدا نے توریت اور انجیل آگے سے اتاری تھیں کہ لوگوں کی ھادی رہیں۔

ان آیتوں میں کتاب اور اہل کتاب کا ذکر ہے اہل کتاب سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں جس سے معلوم ہوا کہ محمدؐ کے زمانہ میں توریت وانجیل موجود تھی اور مسلمان اس کو تسلیم کرتے تھے اور اس کو دین کا ہادی سمجھتے تھے محمد ﷺ کے زمانہ میں اس کے اندر تحریف نہیں ہوئی تھی۔

مولانا رحمت اللہ : ان آیتوں سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ سابقہ زمانہ میں خدا کا کلام نازل ہوا تھا اس پر ایمان لانا چاہیے توریت وانجیل میں سابقہ نازل شدہ کتابیں ہیں اور محمد کے زمانہ میں موجود تھیں اگرچہ محرف تھیں ان آیات سے ہرگز یہ بات ثابت نہیں ہوتی بلکہ جا بجا قرآن مجید میں اہل کتاب کے تحریف کرنے کا ذکر ہے اور حدیث شریف میں ہے

لا تصدقوا اھل الکتاب و لا تکذبوا (۸۳) یعنی اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب۔

پادری فانڈر : احادیث کا حوالہ مت دیجئے بلکہ قرآنی آیات دلیل میں پیش کیجئے۔

مولانا رحمت اللہ : قرآن سے ہی یہ چیزیں ہمیں معلوم ہوئیں جس کا اقرار آپ نے میزان الحق میں صاف طور پر کیا ہے۔

پادری فانڈر : سورۃ البینہ کی آیات سے مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ محمدؐ کے زمانہ سے قبل انجیل میں تحریف نہیں ہوئی اس کے بعد میزان الحق کے پہلے باب کی تیسری فصل کی یہ عبارت پڑھی، چنانچہ سورۃ البینہ میں ہے "

لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین منفکین حتی تاتیھم البینة رسول من اللہ یتلو ا صحفاً مطھرة فیھا کتب قیمه و ما تفرق الذین اوتو الکتاب الامن بعد ما جاء تھم البینة (۸۴)

(جو لوگ اہل کتاب اور مشرکوں میں سے کافر تھے وہ باز نہ آنے والے تھے جب تک کہ ان کے پاس واضح دلیل نہ آتی یعنی اللہ کا رسول جو ان کو پاک صحیفے پڑھ کر سنا دے جس میں درست مضامین لکھے ہوئے ہوں اور جو اہل کتاب تھے وہ اس واضح دلیل آنے کے بعد مختلف ہو گئے حالانکہ ان لوگوں کو بھی یہی حکم ہوا تھا)۔

ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے حضور اقدس ﷺ کے ظہور کے بعد اپنی کتابوں میں تحریف کی ظہور سے قبل نہیں۔ اس کے بعد کہا کہ مصنف کتاب استفسار، جو انتہائی مشہور ہیں اور ان کو ہر شخص جانتا ہے کہ وہ مولوی آل حسن ہیں انہوں نے اپنی کتاب کے صفحہ ۴۴۳ میں آیت کی اس طرح تشریح کی ہے "نبی سابق الانتظار کے اعتقاد رکھنے سے جدا یا اس کے اعتقاد رکھنے میں مختلف و متفرق نہیں ہوئے مگر جب نبی آیا ان معنوں کی راہ سے البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ نبی آخر الزماں کی بشارتوں میں اسکے ظہور کے زمانے تک کچھ

تحریف و تبدیلی نہیں ہوئی۔

مولانا رحمت اللہ : ان آیات کا ترجمہ جمہور مفسرین نے اس طرح کیا ہے اور شاہ عبدالقادر نے بھی یہی طرز اختیار کیا ہے۔

'نہ تھے وہ لوگ جو منکر ہوئے کتاب والے یعنی (یہودی اور مسیحی) اور شرک والے (یعنی بت پرست) باز آنے والے اپنے دین اور بری رسموں اور عقیدوں سے مثل عدم اعتقاد نبوت جناب مسیح کے جیسا یہود کو تھا اور اعتقاد تثلیث کے جو عیسائیوں کو تھا اور ان کی مانند ان کے جب تک نہ پہنچی ان کو کھلی بات ایک رسول اللہ ﷺ کا پڑھنا ورق پاک اس میں لکھی کتابیں (یعنی سورتیں) اور نہیں پھوٹے وہ جن کو ملی کتاب یعنی اپنے دین اور رسموں اور عقیدوں سے اس طور پر کہ بعضوں نے ان کو چھوڑ کر اسلام قبول کیا اور بعضے تعصب سے انہیں پر قائم رہے مگر جب کہ آچکی ان کو کھلی بات (یعنی رسول اللہ ﷺ اور قرآن)'۔

شاہ عبدالقادر صاحبؒ پہلی آیت کے ترجمہ کے آخری حاشیہ میں لکھتے ہیں:

'حضرت ﷺ سے پہلے سب دین بگڑ گئے تھے ہر ایک اپنی غلطی پر مغرور، اب چاہیے کہ کسی حکیم یا ولی یا کسی بادشاہ عادل کے سمجھائے راہ پر آویں سو ممکن نہ تھا جب تک ایسا رسول نہ آوے عظیم القدر ساتھ کتاب اللہ کے اور مدد قوی کے کئی برس میں ملک کے ملک ایمان سے بھر گئے۔

ان آیات کا ماحصل صرف اس قدر ہے کہ مشرکین اہل کتاب اپنے افعال شنیعہ سے باز نہیں آئے جب تک ان کے پاس عظیم القدر رسول نہیں آیا ان کے آنے کے بعد بھی اہل کتاب کی مخالفت محض تعصب ہے جا اور عناد کی وجہ سے ہوئی۔ رہا صاحب استفسار کی عبارت اس کو غلط اور بدنیتی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے انہوں نے خود اس ترجمہ و خیال کا جواب دیا ہے، جواب ملاحظہ ہو:

'اس استدلال سے درصورتیکہ صحیح اور درست کیا جائے، اتنا ہی ثابت ہے، صرف نبی کے لئے جو اظہار تیں تھیں ان میں تحریف و تبدیلی نہیں واقع ہوئی، مگر بعد ظہور اس نبی کے نہ یہ کہ بائبل میں اور کہیں کسی طرح کی خرابی نہیں ڈالی گئی، اس جواب کے بعد مولانا آل حسن کی عبارت کو اپنی تائید میں پیش کرنا غلط ہے۔ مولانا آل حسن نے اپنی تمام تصنیف میں اس تحریف کا بھانڈا پھوڑا ہے اور تحریف کی کافی مثالیں اس میں دی ہیں۔

پادری فانڈر : آپ یہ بتائیے کہ جس انجیل کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے کہ وہ کون سی انجیل تھی۔

ڈاکٹر وزیر خان : قرآن مجید سے صرف اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ پر انجیل نازل ہوئی۔ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کون سی انجیل تھی اور اس زمانہ میں بہت سی کتابیں انجیل کے نام سے عیسائیوں میں مشہور تھیں جیسے برنباہ اور برتولماہ وغیرہ کی انجیل۔ یہ خدا ہی جانتا ہے کہ ان میں کونسی مراد ہے۔ اور اس زمانہ میں ایک فرقہ مانی کیز (Manai Chees) بھی تھا جو اس مشہور انجیل کے کل مجموعہ کو نہیں مانتا تھا اور اسی زمانہ میں عرب میں ایک فرقہ ایسا تھا

جو کہتا ہے خدا تین ہیں۔باپ بیٹا، مریم۔ شاید ان کے نسخے میں یہ بھی تحریر ہو کہ قرآن مجید نے ان کو جھٹلایا ہے پس یہ بات کہیں سے ثابت نہیں ہوتی کہ اس انجیل میں حواریوں کے اعمال اور نامے اور مشاہدات بھی داخل ہیں۔

پادری فرنچ: تم عیسیٰ کے سوا اور کتابوں کو جو انجیل میں موجود ہیں نہیں مانتے، حالانکہ چوتھی صدی میں لوڈیشیا (Loadicia) کی کونسل نے ایک کتاب یعنی مشاہدات کے سوا سب کو تسلیم کرلیا ہے اور ہمارے بڑے بڑے عالم جن کو ہم معتبر جانتے ہیں، جیسے کہ کلیمنٹ (Clement)، اسکندریانوس، اور جن اور ساتی پرن وغیرہ نے مشاہدات کی کتاب کو تسلیم کیا ہے لیکن اگلے زمانے کے فتنے و فساد اور لڑائیوں کی وجہ سے ہمارے پاس قریب کی سند نہیں ہے۔

ڈاکٹر وزیر خان: نے دریافت کیا کہ کلیمنٹ (Clement) کس زمانہ میں تھا پادری صاحب نے بتایا کہ دوسری صدی کے آخر میں ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ اگر کلیمنٹ نے مشاہدات کے متعلق دو فقرے لکھ دیے تو اس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ دوسری صدی کے آخر میں کلیمنٹ نے مشاہدات کی کتاب کو یوحنا کی تصنیف جانا ہے، گویا اس کی سند اس زمانہ سے پہلے کی نہیں ہے لہٰذا دو فقروں سے ساری کتاب کا تواتر ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور ٹرٹیلین وغیرہ تو اس کے بعد گزرے ہیں اور قسیس پرسبیٹر روم نے تو اس کو سرن تھس ملحد کا کلام کہا ہے اور اسی طرح ڈایونیس نے کہا اس بات کی تصریح کی ہے کہ ہم سے پیشتر بعضوں نے اس کو سرن کا کلام کہا ہے۔

پادری فانڈر: ڈیونیس نے ان بعضوں کا نام نہیں لیا دو آدمیوں کی مخالفت سے کیا ہوتا ہے۔

ڈاکٹر وزیر خان: ہم ایک یا دو آدمیوں کا نام نہیں لیتے بلکہ سینکڑوں آدمیوں کے نام گنوا سکتے ہیں مثلاً یوسی بس(Euecbius)، سرل اور اس زمانہ میں یروشلم کی تمام کلیسا اور کونسل لوڈشیا نے بھی اس کتاب کو رد کیا ہے اور عہد جیروم میں بھی بعض کلیسا اس کو نہ مانتے تھے۔

پادری فانڈر: یہ گفتگو بحث سے خارج ہے اور اس انجیل پر گفتگو ہو جو محمد ﷺ کے زمانے میں موجود تھی اس کے بعد مولوی صاحب کی طرف متوجہ ہوئے۔

مولانا رحمت اللہ: ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ خدا کا کلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ لیکن اس بات سے منکر ہیں کہ وہ کلام یہی بائبل کا مجموعہ ہے اور اس میں کچھ تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ اور حواریوں کا کلام ہمارے نزدیک انجیل نہیں ہے۔ بلکہ انجیل صرف اسی قدر ہے جو مسیح پر نازل ہوئی تھی، چونکہ کسی روایت میں اس کا ذکر نہیں آیا۔ اس لیے ہم اس بات کا تعین نہیں کر سکتے کہ مسیح کی وہ باتیں کونسی کتاب میں لکھی ہوئی ہیں۔ اور جو کچھ ان چار کتابوں میں منقول ہے۔ اس کا درجہ حدیث کا سا ہے۔ اہل اسلام کے قبل کے لوگوں میں کوئی مستند روایت اس

سلسلے میں نہیں ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں پوپ کا تسلط اس قدر تھا کہ اس فرقے کے لوگوں میں انجیل پڑھنے کی عام اجازت نہیں ہوتی تھی۔ اس بناء پر اس کے نسخے مسلمانوں کو دیکھنے میں کم آئے، اور غالباً عرب کے اطراف واکناف میں اس قسم کے عیسائی یا فرقہ نسطوریہ کے لوگوں کی تعداد زیادہ تھی'۔

پادری فرنچ: (سخت لہجہ میں) تم نے ہماری انجیل پر یہ الزام لگایا ہے پوپ صاحب نے اس میں کوئی خرابی نہیں کی۔

پادری فانڈر: اس کے بعد پادری موصوف نے حضرت عثمانؓ کے قرآن شریف کے بعض نسخوں کے جلا دینے والا قصہ سنانا شروع کیا۔

مولانا رحمت اللہ: جب یہ بات بحث سے خارج ہے تو آپ اس کا ذکر درمیان میں کیوں لاتے ہیں۔

پادری فانڈر: چونکہ آپ نے انجیل پر اعتراض کیا تھا اس لئے میں نے یہ بات کہہ دی اب آپ اصل موضوع پر آئیں۔

مولانا رحمت اللہ: ہمارا اعتراض ساری بائبل پر ہے نہ صرف اس انجیل پر اس لیے ہم بعض کتابوں کی سند قریب کی مانگتے ہیں۔

پادری فنڈر: انجیل پر بحث کیجئے۔

مولانا رحمت اللہ: ہمارا اعتراض کل بائبل پر ہے انجیل کی تخصیص بے جا ہے (اس پر پادری صاحب خاموش ہو گئے)۔

پادری فرنچ: (اپنے ساتھ ایک تحریری جواب لائے تھے انہوں نے اسکو پڑھنا شروع کیا) جس کا خلاصہ یہ تھا انجیل میں ہمارے علماء تیس چالیس ہزار اختلاف عبارت بیان کرتے ہیں۔ لیکن یہ اختلاف ایک نسخے میں نہیں بلکہ بہت سے نسخوں میں تھے۔ چنانچہ حساب سے فی نسخہ چار پانچ سو اختلاف ہوتے ہیں بعض غلطیاں مدعتیوں کی وجہ سے ہو ئیں۔ چنانچہ ڈاکٹر گریزبیک نے انجیل متی میں ۳۷۷ غلطیاں آیتوں اور لفظوں میں نکالی ہیں، ان تمام میں بڑی غلطیاں ۷۰ ہیں ان سے چھوٹی غلطیاں ۳۲ ہیں اور بقایا بہت چھوٹی چھوٹی ہیں۔ ہمارے علماء نے ان غلطیوں کو صحیح کیا ہے۔ جس کتاب کے نسخے زیادہ ہیں اس کی درستگی میں آسانی ہوتی ہے اور جس کے نسخے کم ہیں اسکی تصحیح میں دشواری ہوتی ہے۔ ہمارے علماء کا کہنا ہے کہ ان اغلاط کے علاوہ اور کوئی غلطیاں نہیں ہیں اور مسیحی دین کو ان غلطیوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچا ہے جیسا کہ ڈاکٹر کنی کاٹ (Dr Kennicott) کہتا ہے 'بالفرض اگر ہماری محرف عبارتیں نکال ڈالی جائیں تو دین عیسوی کے کسی عمدہ مسئلے میں نقصان لازم نہ آئے گا، اور اگر ساری بنائی ہوتی عبارتیں داخل کردی جائیں تو دین کے معتبر مسئلوں میں کچھ زیادتی نہ ہو جائے گی'۔

(ڈاکٹر وزیر خاں اس تقریر کا جواب دینا چاہتے تھے تو پادری فانڈر نے ٹال دیا اور منع کر دیا اور مولوی صاحب کی طرف متوجہ ہوئے)۔

مفتی ریاض الدین اس صورت حال میں مفتی صاحب نے فرمایا اوّل تحریف کے معنی بیان کیجئے۔

مولانا رحمت اللہ: ہمارے نزدیک تحریف کے معنی تغیر کے ہیں خواہ کچھ بڑھ جانے یا گھٹ جانے سے ہوا ہو۔ خواہ بعض الفاظ کی

جبکہ دوسرے الفاظ آنے کے باعث ہوا ہو۔ خواہ یہ تحریف ازراہ خباثت اور شرارت سے ہوئی ہو یا غلط وہم کی وجہ سے اصلاح کے طور پر عمل میں آئی ہو، چنانچہ ہمارا دعویٰ ہے کہ ان صورتوں میں کتب مقدسہ میں تحریف ہوئی ہے۔ اگر آپ اس سے انکاری ہیں تو ہم اس کو ثابت کرنے کے لیے تیار ہیں۔

پادری فانڈر

ان غلطیوں کو پادری موصوف نے سہو کاتب ثابت کرنے کی کوشش کی لیکن بعد میں مولانا صاحب کی تشریح قبول کی لیکن اس کا نام سہو کاتب رکھا۔ اور اس کے بعد کہا کہ سہو کاتب متن میں نہیں ہے، کا عذر پیش کیا۔ جس کو مولانا صاحب نے ماننے سے انکار کیا تو اس وقت مولوی فیض احمد (سر شتہ دار) نے پادری فانڈر کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا:

"تعجب است کہ تحریف درکتاب واقع سود خرابی درمتن اولازم بناید وسریں۔"

اس کے بعد مناظرہ ختم ہو گیا۔ (۸۵)

مولانا امام بخش صہبائی (شہید فرنگ) نے حسب ذیل تاریخ اس مناظرہ کے بارے میں کہی تھی۔

یافتہ در آگرہ محفل بحث انعقاد ‌ ‌ ‌ مومن و ترسا بہم آمدہ در گفتگو

حرف نصاری کہ ما در رہ حق میرویم ‌ ‌ ‌ قول مسلمان کہ نیست راہ ترا ہیچ رو

اہل فرنگ از عدد کردہ بہم اتفاق ‌ ‌ ‌ بہر نبرد از گروہ علو از غلو

زاں طرف اندر کلام پادری نکتہ سنج ‌ ‌ ‌ زیں طرف اندر سخن فاصل انصاف کو

بادم بحیاں شرک ماحی آثار کفر ‌ ‌ ‌ واقف ہر برگ و ساز ماہر ہر رنگ و بو

ہر دو باانداز بحث ساختہ ساز سخن ‌ ‌ ‌ ہر دو بقصد ستیزہ آمدہ در گفتگو

کردہ در آں مجلس عالم و جاہل ہجوم ‌ ‌ ‌ صف بصف استادہ خلق منتظر ہر دو سو

دعوی تحریف را کامدہ بروئے آب ‌ ‌ ‌ تا ہو ئند ش بہم رفتہ پے جستجو

لیک بتائید حق نصرت دیں رخ نمود ‌ ‌ ‌ شاہد مطلب شافت بر حسب آرزو

پادری آمد بگفت اینکہ در انجیل ما ‌ ‌ ‌ حرف غلط چہل ہزار آرے گو آوردہ رو

زیں سخن آوازہ در من میاں عاجزم ‌ ‌ ‌ بردہ میدان علم حضرت مخدوم گو

ہاتف گفتا کہ تو سال سپہ فتح دیں

پادری الزام خوردہ از مدد حق گو (۸۶)

۱۲۷۰ھ

حواشی و تعلیقات (باب چہارم)

(۱) لسان العرب، ج ۵، ص ۲۱۹؛ المعجم الوسیط، ج ۲، ص ۹۳۲؛ کشف الظنون، ج ۱، ص ۳۸۔

(۲) اظہار الحق، ج ۱، ص ۵ (مقدمہ)۔

(۳) ڈاکٹر محمد عبدالقادر ملکاوی نے پادری فانڈر کو امریکی باشندہ قرار دیا ہے (کان د۔فندد مستشرقا امریکیا)۔
جو درست نہیں ہے۔ ان کے سوانح نگار اور خود مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے بھی فانڈر کو جرمن ہی کا باشندہ تحریر کیا ہے۔
مزید دیکھیے: صلیب کے علمبردار، ص ۲۵؛ تاریخ کلیسائے پاکستان، ص ۱۸۵-۱۸۸؛ ازالة الشکوک، ج ۱، ص۔

(۴) محمد عبدالقادر ملکاوی، ص ۱۰۰۔

(۵) اردو نثر میں سیرت رسول، ص ۳۸۶، ۳۸۷۔

(6)Muslims and missionaries,P138

نیز پادری فانڈر کی کتب کے تعارف کے لیے ملاحظہ ہو مقالہ ہذا باب سوم، فصل سوم۔

(۷) تاریخ کلیسائے پاکستان، ص ۱۸۴؛ غلام محی الدین، سید، پادری سی۔ جی۔ فنڈر، ذکر و فکر (دہلی)
۴:۵، ۶ ستمبر، اکتوبر ۱۹۸۸ء ص ۸۶-۹۰۔

(۸) تحقیق الایمان، (سرورق)؛ گارساں دتاسی، ص ۲۰۲، ۲۰۵؛ نیز دیکھیے

Muslims and missionaries,P237.

(۹) تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو "تاریخ محمدی"، ہدایت المسلمین اور تحقیق الایمان وغیرہ۔

(۱۰) قاموس الکتب (اردو)، ج ۱، ص ۷۹۷، ۷۹۸؛ فرنگیوں کا جال، ص ۶۲، ۶۳۔

(۱۱) قاموس الکتب (اردو)، ج ۱، ص ۷۹۷-۷۹۹۔

(۱۲) گارساں دتاسی، ص ۱۵۰، ۱۵۱؛ اختر راہی، منشور محمدی، مسلم-مسیحی مناظراتی ادب کا ایک نمائندہ جریدہ، عالم اسلام اور عیسائیت (اسلام آباد) ۳-۷، جولائی، ۱۹۹۳ء، ص ۱۶۔

(۱۳) ندوی، ابوالحسن علی، سید، اظہار الحق اور اس کے مولف، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، ذکر و فکر (دہلی) حوالہ مذکور، ص ۱۳، ۱۴۔

(۱۴) آثار رحمت، ص ۳۲۔

(۱۵) نفس مصدر، ص ۱۰۔

(۱۶) نفس مصدر، ص ۱۲، ۱۳۔

(۱۷) نفس مصدر، ص ۱۱، ۱۲۔

(۱۸) مولانا محمد قاسم نانوتوی کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہوں گیلانی، مناظر احسن، سوانح قاسمی، مکتبہ رحمانیہ لاہور (س،ن) 'موج کوثر، ص ۲۹۵۔۲۹۷ ' ارشد، عبدالرشید، بیس بڑے مسلمان، ص ۱۱۲۔۱۳۵۔

(۱۹) گفتگوے مذہبی ملقب تاریخی میلہ خداشناسی، ص ۳۸ گو الہ بیس بڑے مسلمان، ص ۱۲۹۔

(۲۰) مباحثہ شاہجہان پور، ص ۹۲۔

(۲۱) مقدمہ انتصار الاسلام، ص ۵۔۷۔

(۲۲) حیات شبلی، دیباچہ 'ایک مجاہد معمار، ص ۷، ۸۔

(۲۳) راہی اختر، سید ناصرالدین ابوالمنصور دہلوی اور مسیحی۔مسلم مناظراتی ادب، عالم اسلام اور عیسائیت (اسلام آباد)، ص ۹۔

(۲۴) نفس مصدر، ص ۱۰، ۱۱۔

(۲۵) حقانی عبدالحق، عقائد الاسلام مع حیات حقانی، ص ۱۱، ۱۲ 'فیوض الرحمان، ڈاکٹر، مشاہیر علماء دیوبند، لاہور، ۱۹۷۲، ج ۱، ص ۳۵۷۔

(۲۶) سید محمد علی مونگیری کے حالات کے لیے دیکھیے' محمدالحسنی، سید، سیرت مولانا محمد علی مونگیری؛ مجلس نشریات اسلام کراچی 'مظفر اقبال سید، علمائے برصغیر اور مطالعہ مسیحیت، مولانا سید محمد علی مونگیری، عالم اسلام اور عیسائیت (اسلام آباد)، ۵۔۲۰، فروری ۱۹۹۵ء، ص ۱۳، ۱۴۔

(۲۷) کمالات محمدیہ، ص ۱۳۲۔

(۲۸) کانپوری مولا بخش، مراسلات مذہبی، مطبع نامی کانپور ۱۸۸۸ء، ص ۳۔

(۲۹) قاموس الکتب (اردو) ج ۱، ص ۸۲۰، ۸۲۱ ؛بیس مردان حق، ج ۱، ص ۲۰۰۔۲۰۳۔

(۳۰) مظفر اقبال سید، علمائے برصغیر اور مطالعہ مسیحیت، مولانا سید محمد علی مونگیری، عالم اسلام اور عیسائیت (اسلام آباد)، ۵۔۲، فروری ۱۹۹۵ء، ص ۱۳، ۱۴۔

(۳۱) آثار رحمت، ص ۳۹۲، ۳۹۳ 'اختر راہی، علمائے برصغیر اور مطالعہ مسیحیت، مولانا اشرف الحق دھلوی، عالم اسلام اور عیسائیت (اسلام آباد)، ۵۔۸، اگست ۱۹۹۵ء، ص ۱۲۔۱۷۔

(۳۲) آثار رحمت، ص ۳۹۳، ۳۹۴۔

(۳۳) مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے تحریری مناظرہ کی اجازت کے الفاظ یہ ہیں لما رایت المولوی المذکور عارفاً بمذہب النصاری واقفاً علی محذوراته اجزته بالوعظ فیه والرد علیهم بشرط التهذیب و تحریر، ۱۳ ربیع الثانی، ۱۳۰۶ھ (آثار رحمت، ص۲۹۷)۔

(۳۴) آثار رحمت، ص۲۹۸۔

(۳۵) نفس مصدر، ص۳۰۰،۳۰۱۔

(۳۶) نفس مصدر، ص۳۰۶۔

(۳۷) راز، محمد داؤد، (مرتبہ) فتاوی ثنائیہ، ادارہ ترجمان السنۃ لاہور، ۱۹۷۲ء، ج۱، ص۲۵ (دیباچہ)، عراقی، عبدالرشید، تذکرہ ابوالوفا، ندوۃ المحدثین، اسلام آباد، گوجرانوالہ، ۱۹۸۴ء، ص۶۵۔

(۳۸) فتاوی ثنائیہ، ص۲۷، تذکرہ ابوالوفا، ص۴۶۔

(۳۹) فتاوی ثنائیہ، ص۲۵، (دیباچہ)، اختر راہی، مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مطالعہ مسیحیت، عالم اسلام اور عیسائیت (اسلام آباد) ۲/۳، مارچ ۱۹۹۲ء، ص۵۔

(۴۰) تذکرہ ابوالوفاء، ص۳۰؛ اختر راہی، اضافات، عالم اسلام اور عیسائیت (اسلام آباد) ۳، ۵، مئی، ۱۹۹۲ء، ص۱۱،۱۲۔

(۴۱) ندوی، سلیمان، سید، مولانا ثناء اللہ امرتسری، معارف، (اعظم گڑھ)، ۵، ۶۱، مئی ۱۹۴۸ء، یاد رفتگاں، کراچی، ۱۹۵۵ء، ص۳۱۳۔

(۴۲) قاموس الکتب، (اردو)، ج۱، ص۸۰۱۔

(۴۳) نفس مصدر، ص۸۰۲-۸۲۸؛ فرنگیوں کا جال، ص۳۰۴۔

(44) *Muslims and Missionaries*, P 262

(۴۵) ندوی ابو الحسن علی، سید، اظہار الحق اور اس کے مولف حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی، تذکرہ و فکر (دہلی)، حوالہ مذکور، ص۱۳۔

(۴۶) ندائے عام، ۱۳۵۴ھ بحوالہ آثار رحمت، ص۱۳۴۔

(۴۷) موجودہ ترجمہ یوں ہے اور اس صندوق میں کچھ نہ تھا سوا پتھر کی ان دو لوحوں کے جنھو وہاں موسیٰ نے حورب میں رکھ دیا تھا (سلاطین اول، ص۹،۸)۔

(۴۸) ازالۃ الشکوک، ج۲، ص۴۳۱، ۴۴۲۔

(۴۹) نفس مصدر، ص۴۴۳۔

(۵۰) نفس مصدر، ص ۲۴۴، ۲۴۷۔

(۵۱) اظہار الحق، ج ۱، ص۔

(۵۲) البحث الشریف، ص ۳-۱۹۔ مباحثہ مذہبی (حصہ اول)، ص ۳-۲۳، المناظرۃ الکبری، ص ۱۵۹-۱۸۹۔

(۵۳) البحث الشریف، ص ۹؛ مباحثہ مذہبی، ۸، ۹۔

(۵۴) البحث الشریف، ص ۱۷، مباحثہ مذہبی، ص ۲۰، المناظرۃ الکبری، ص ۱۷۹۔

(۵۵) ازالۃ الشکوک، ج ۲، ص ۲۴۷، آثار رحمت، ص ۱۴۲، ۱۴۳۔

(۵۶) ازالۃ الشکوک، ج ۲، ص ۲۴۸، المناظرۃ الکبری، ص ۱۰۹۔

(۵۷) ازالۃ الشکوک، ج ۲، ص ۲۴۸۔

(۵۸) ڈاکٹر محمد عبدالقادر ملکاروی نے دونوں کی مراسلت سے بہت عمدہ نتائج اخذ کیے ہیں، ملاحظہ ہو المناظرۃ الکبری، ص ۱۸۵-۱۸۹۔

(۵۹) پادری فانڈر کے آخری خط سے یہ طے پایا تھا کہ مذکورہ ہفتہ میں وہ بوجہ ایسٹر ڈے صرف دو روزہ مجلس مباحثہ منعقد کر سکیں گے۔ دوسری مجلس اگلے ہفتے منعقد ہو گی۔ مزید دیکھیے مباحثہ مذہبی (حصہ اول) ص ۲۲، ۲۳ نیز المناظرۃ الکبری، ص ۱۸۲۔

(۶۰) البحث الشریف، ص ۱۸، ۱۹، مباحثہ مذہبی، ص ۲۲، ۲۳، المناظرۃ الکبری، ص ۱۸۱-۱۸۳۔
"سید ابوالحسن علی ندوی نے یہ جو تحریر کیا ہے کہ اس مناظرہ میں یہ شرط تھی اگر، مولانا کیرانوی نے اس مناظرہ میں بازی جیت لی تو پادری فانڈر اسلام قبول کرے گا اور اگر اس کے برعکس ہوا تو مولانا کیرانوی عیسائیت کو تسلیم کریں گے" مذکورہ مراسلت میں اس شرط کا کہیں ذکر نہیں ملتا البتہ عوام الناس میں یہ بہت مشہور ہو گئی تھی۔ دیکھیے مجلہ البعث الاسلامی (لکھنوء) عدد ۹، جمادی الآخر ۱۳۹۹ھ، ص ۵۷۔

(۶۱) البحث الشریف، ص ۲۰؛ مباحثہ مذہبی، (حصہ اول) ص ۲۳، ۲۴۔

(۶۲) البحث الشریف، ص ۲۱۔

(۶۳) پطرس کا پہلا عام خط، ۱: ۲۳۔

(۶۴) نفس مصدر، ۱: ۲۵۔

(۶۵) میزان الحق (س۔ن) فارسی نسخہ میں عبارت یوں ہے 'در اثبات این کہ انجیل و کتب عہد عتیق منسوخ و تحریف نشدہ اند' جبکہ اردو مطبوعہ ۱۹۶۲ء میں یوں ہے 'پہلا حصہ اس بات کا اثبات کہ انجیل اور عہد عتیق کی تمام کتابیں کلام اللہ ہیں اور

محرف و منسوخ نہیں ہیں۔

(۶۶) رومیوں کے نام کا خط، ۱۴: ۱۴۔

(۶۷) طیطُس کے نام ۱: ۱۵۔

(۶۸) مباحثہ مذہبی، ص ۲۸۔

(۶۹) عبرانیوں کے نام کا خط ۱: ۱-۶۔

(۷۰) دیکھئے: احبار، ۱۷: ۱، ۳، ۱۴، ۱۵۔

(۷۱) البحث الشریف، ص ۲۷۔

(۷۲) یوحنا، ۶: ۳۶۔

(۷۳) لوقا، ۲۴: ۲۷۔

(۷۴) نفس مصدر، ۱۶: ۳۱۔

(۷۵) یعقوب کا عام خط، ۵: ۱۱۔

(۷۶) مباحثہ مذہبی (حصہ اول) ص ۳۷-۳۹، البحث الشریف، ص ۳۰، ۳۱۔

(۷۷) مباحثہ مذہبی، (حصہ دوم)، ص ۴۴، Muslims and Missionaries P 264

(۷۸) الشوریٰ، ۴۲: ۱۵۔

(۷۹) العنکبوت، ۲۹: ۴۶۔

(۸۰) المائدۃ، ۵: ۵۔

(۸۱) البقرۃ، ۲: ۱۱۳۔

(۸۲) آل عمران، ۳: ۳، ۴۔

(۸۳) بخاری، کتاب التفسیر باب ۱۱، رقم ۴۴۸۵، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ، باب ۲۵، رقم ۷۳۶۲۔

(۸۴) البینۃ، ۹۸: ۱-۴۔

(۸۵) البحث الشریف، ص ۳۸-۴۱، مباحثہ مذہبی (حصہ اول) ص ۴۵-۶۲، المناظرۃ الکبری، ص ۲۳۲-۲۶۸۔

(۸۶) البحث الشریف، (قسم دوم)، ص ۴۰، ازالۃ الشکوک، ج ۲، ص ۷۶، ۷۷۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا کردار

فصل اول:

پس منظر۔

فصل دوم:

عملی سرگرمیاں۔

فصل سوم:

ضبطی جائیداد و ہجرت۔

فصل اول : پس منظر۔

مولانا کیرانوی کی دوررس نگاہ نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ انگریزی حکومت جب تک قائم رہے گی ہندوستان کے مذہب، تمدن اور معاشرت کا خاتمہ کرتی رہے گی، اور اپنی تہذیب و تمدن ہندوستان پر مسلط کر کے مسیحیت کی اشاعت جاری رکھے گی۔ اس لئے اس حکومت کا زور ہر میدان میں خواہ وہ قلمی ہو، لسانی ہو یا میدان جنگ ہو، اس میں توڑنا چاہیے۔ ایسے باشعور اور خوددار انسان سے جبکہ ملک میں انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بلند ہو گیا ہو یہ توقع رکھنا کہ وہ اس جنگ آزادی کو محض ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھے گا اور اس میں عملاً شامل نہ ہو گا محض خام خیالی اور غلط ہے۔ [1]

برصغیر میں علماء کے سرخیل شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ۱۸۰۶ء میں بہ استفتاء چند سے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیتے ہوئے انگریزوں کے خلاف فتویٰ جاری کیا، جس کے الفاظ یہ ہیں

"دریں شہر حکم امام المسلمین اصلاً جاری نیست وحکم روساء نصاریٰ بے دغدغہ جاری ست و مراد از اجراء احکام کفر اینست کہ درمقدمہ ملک داری و بندوبست رعایا و اخذ خراج و باج و عشور اموال تجارت و سیاست قطاع الطریق وسراق وفیصل خصومات و سزائے جنایات کفار بطور حاکم باشند آرے اگر بعضے احکام اسلام رامثل جمعہ، عیدین واذان و ذبح بقر تعرض نکنند نہ کردہ باشند لیکن اصل اصول ایں چیزہا نزد وایشاں ہباء ومدرست زیر کہ مساجد را بے تکلف ہدم مے نمائند ہیچ مسلمان یاذمی بغیر استیمان ایشاں دریں شہر و در نواح نمے تواند آمد بوبرائے منفعت خود از واردین و مسافرین و تجار مخالف نمے نمایند اعیان و دیگر مثلاً شجاع الملک ولایتی بیگم بغیر حکم ایشاں دریں بلد داخل نمے توانند شد از ایں شہر تا کلکتہ عمل نصاریٰ ممتدست آرے درچپ و راست مثل حیدرآباد ولکھنو ورام پور احکام خود جاری نہ کردہ از سبب مصالحت واطاعت مالکان آں"۔ [2]

یہی وجہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز کے جلیل القدر خلیفہ اور تربیت یافتہ، داعی و مصلح، سید احمد شہید نے ان خطرات کو بھانپتے

ہوئے ایسی جماعت کی تیاری اور تربیت کو ناگزیر قرار دیا جو سامراجی اور غیر ملکی تسلط کے خلاف علم جہاد بلند کرے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے علل و اسباب متنوع بھی ہیں اور مختلف فیہ بھی۔ یہاں ان پر بحث طوالت کا باعث ہو گی۔ تاہم مئی ۱۸۵۷ء میں میرٹھ کی فوج نے اپنے ساتھیوں کی سزا کے خلاف بغاوت کی۔ آخر کار ایک عرصہ سے اہل ہند کے دل و دماغ میں پکتا ہوا لاوا، انگریز تسلط کے خلاف ایک منظم جدوجہد، جنگ آزادی کی صورت میں سامنے آیا۔ بہادر شاہ ظفر کو بادشاہ تسلیم کرنے کے بعد جنگ آزادی، آگرہ، کانپور، مراد آباد، شاہ جہان پور، شاملی، مظفر نگر، میرٹھ، جھانسی، الہ آباد، رام پور، لکھنو اور روہیل کھنڈ وغیرہ میں پھیل گئی۔ جس میں بلا امتیاز مذہب و ملت اہل وطن نے حصہ لیا۔ علماء کرام خصوصاً مسلک ولی اللہیؒ سے وابستہ حضرات نے اس جنگ میں بھرپور حصہ لیا۔ (۳)

حکمرانِ دہلی اور مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ :

دہلی کے علمی حلقے خصوصاً لال قلعہ کے شہزادوں پر مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی علمی قابلیت اور رد نصاریٰ میں وسیع معلومات اور حاجی امداد اللہ کی روحانیت کا خاص اثر تھا۔ شاہی خاندان کے یہ افراد ان حضرات کے معتقد تھے۔ اور جس طرح ہر ہندوستانی مسیحی سرگرمیوں کو قوم و ملت کے لئے خطرناک سمجھتا تھا اسی طرح دہلی والے اور قلعہ کے شاہزادے بھی ان سے پریشان تھے۔

چنانچہ جب مرزا فخر الدین ولی عہد، بہادر شاہ ظفر کو معلوم ہوا کہ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ رد نصاریٰ میں ایک کتاب ' ازالۃ الشکوک 'تصنیف فرمارہے ہیں تو انہوں نے بھی دہلی کے عیسائیوں چھ سوالات مولانا کی خدمت میں روانہ کئے تا کہ وہ ان کے جوابات کو اپنی تالیف میں شامل کر سکیں۔ (۴)

علاوہ ازیں مناظرہ اکبر آباد کی روئیداد البحث الشریف فی اثبات النسخ و التحریف مرزا فخر الدین کے حکم سے طبع ہو کر ہندوستان کے اطراف اکناف میں شائع ہوئی۔ (۵) بالکل یہی نوعیت حاجی امداد اللہ کی تھی ان کے مریدوں میں دہلی کے شاہزادے بھی تھے۔ چنانچہ مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں:

> "اعلیٰ حضرت (حاجی امداد اللہ) جب بھی دہلی تشریف لاتے تو حضرت مولانا مملوک علی صاحب کے پاس قیام فرماتے اور مولانا مملوک علی کے شاگرد مولانا قاسم نانوتوی بھی زیارت سے بہرہ یاب ہوتے۔۔۔ شاہی خانوادے کے بھی بعض ارکان حاجی صاحب سے بیعت و ارادت کا تعلق رکھتے تھے"۔ (۶)

اسی طرح ۱۸۵۴ء کے مناظرہ میں مولانا کیرانویؒ کے شریک و معاون ڈاکٹر وزیر خاں تھے اور مناظرہ میں شرکت کرنے

والوں میں مولوی فیض احمد بدایونی بھی تھے ان سب حضرات کے یہ تعلقات جنگ آزادی میں پوری طرح ممد و معاون ہوئے اور ان سب مل کر اہم کردار ادا کیا۔ (۷)

علاوہ ازیں ضلع مظفر نگر اور سہارن پور کے اضلاع کی بابت سید محمد میاں لکھتے ہیں ۔

"دہلی کے شمال کی جانب تقریباً چالیس میل کے فاصلہ سے شروع ہونے والا وہ علاقہ جو کہیں (شاہ عبدالعزیز کے جھول) ماہ جون آب جمنا سے سیر لب ہوتا ہے اور کہیں اس کی سر سبز وادیاں دریائے گنگا کی فیاضیوں سے اسکتار ہوتی ہیں۔ جس نے کبھی تاریخ میں کوئی مستقل نام پسند نہیں کیا جس کی نشان دہی آج کل ضلع مظفر نگر اور ضلع سہارنپور سے کی جاتی ہے جس طرح وہ زرعی لحاظ سے زرخیز ہے ویسے ہی انسانیت کے نقطہ نظر سے بھی مردم خیز اور بلحاظ سیاست انقلاب انگیز واقع ہوا ہے۔ اس علاقہ میں مسلمان اگرچہ تعداد میں زیادہ نہیں ہوئے مگر جہاں تک اڑھائی سو سال کی تاریخ کی تعلق ہے۔ اخلاق، کردار اور ذہنی صلاحیتوں کے لحاظ سے ان کا درجہ ممتاز رہا ہے۔ تھانہ بھون، کیرانہ، کاندھلہ، شاملی، پھلت، کھاتولی، جانسٹھ، جھنجھانہ، بڈھانہ، دیوبند، نانوتہ، گنگوہ، منگلور، رڑکی، انبیٹھہ، رائے پور، رام پور، نکڑاس علاقے کے مشہور قصبے ہیں"۔ (۸)

دہلی میں جب جنگ آزادی کا بگل بجا تو چونکہ مولانا کیرانوی کا دہلی کے علمی حلقے اور لال قلعہ کے شہزادوں پر اثر تھا تو آپ نے بہادر شاہ ظفر اور دوسرے مجاہدین آزادی کے ساتھ جنگ آزادی کا نقشہ بنانے میں حصہ لیا اور دیگر رفقاء کے ساتھ جنگ آزادی میں بھرپور حصہ لیا

امام عبدالعزیز کی تحریک انقلاب، اگرچہ جنگ آزادی سے پہلے سرحد اور اسکے قرب و جوار میں شروع ہو چکی تھی اس تحریک کے آخری امام حاجی امداد اللہ تھے۔ ان میں سے جو لوگ دہلی میں تھے۔ جامع مسجد دہلی میں جمع ہوئے اور ایک فتویٰ صادر کیا۔ (۹)

فتویٰ جہاد، دہلی :

اس فتویٰ میں سوال یہ تھا۔

"کیا فرماتے ہیں علماء دین اس امر میں کہ اب انگریز دلی پر چڑھ آئے اور اہل اسلام کی جان و مال کا ارادہ رکھتے ہیں اس صورت میں اب شہر والوں پر جہاد فرض ہے یا نہیں؟ اور اگر فرض ہے تو وہ فرض عین یا نہیں؟ اور لوگ جو اور شہروں اور بستیوں والے ہیں ان کو بھی جہاد

چاہیے یا نہیں بیان کرو۔ اللہ تم کو جزائے خیر دے"۔ اس کا جواب یہ دیا گیا تھا "در صورت مر قومہ فرض عین ہے اوپر تمام اس شہر کے لوگوں کے اور استطاعت ضروری ہے اس کی فرضیت کے واسطے۔ چنانچہ اب اس شہر والوں کو طاقت مقابلہ اور لڑائی کی ہے بسبب کثرت اجتماع افواج کے اور مہیا اور موجود ہونے آلات حرب کے۔ تو فرض عین ہونے میں کیا شک رہا۔ اور اطراف و اجوال کے لوگوں پر جو دور ہیں باوجود کہ فرض کفایہ ہے ہاں اگر اس شہر کے لوگ باہر جائیں، مقابلے سے یا سستی کریں اور اس طرح اور اسی ترتیب سے سارے اہل زمین پر شرقاً اور غرباً فرض عین ہو گا اور جو عدو اور بستیوں پر ہجوم اور قتل و غارت کا ارادہ کریں تو اس بستی والوں پر بھی فرض عین ہو جائے گا بشرط ان کی طاقت کے"۔ (۱۰)

اس کے نیچے مندرجہ ذیل علماء کے دستخط اور مہریں بھی ہیں ۔

۱۔ سید نذیر حسین، ۲۔ رحمت اللہ، ۳۔ مفتی محمد صدر الدین آزردہ، ۴۔ مفتی اکرام الدین المعروف سید رحمت علی، ۵۔ محمد ضیاء الدین، ۶۔ عبد القادر، ۷۔ فقیر احمد سعید دھلوی ۸۔ محمد امیر خان یا میر محمد خان، ۹۔ محمد عبد الکریم، ۱۰۔ فقیر سکندر علی، ۱۱۔ محمد کریم اللہ، ۱۲۔ مولوی عبد الغنی، ۱۳۔ خادم العلماء محمد عبد الغنی، ۱۴۔ فرید الدین، ۱۵۔ محمد سر فراز علی، ۱۶۔ سید محبوب علی جعفری، ۱۷۔ ابو احمد محمد حامی الدین ۱۸۔ سید احمد علی، ۱۹۔ الہی بخش، ۲۰۔ محمد مصطفیٰ خان ولد حیدر شاہ نقشبندی، ۲۱۔ محمد انصار علی، ۲۲۔ مولوی سعید الدین، ۲۳ حفیظ اللہ خان، ۲۴۔ محمد نور الحق ۲۵۔ سراج العلماء، ضیاء الفقہاء، مفتی عدالت العالیہ، محمد رحمت اللہ علی خان، ۲۶۔ والله الغنی وانتم الفقراء، ۲۷۔ حیدر علی، ۲۸۔ سیف الرحمن، ۲۹۔ سید عبد الحمید عفی عنہ ۳۰۔ محمد ہاشم، ۳۱۔ یاسر حافظ، ۳۲۔ امداد علی عفی عنہ ۳۳۔ خادم شرع شریف رسول الثقلین قاضی القضاۃ محمد علی حسین۔ (۱۱)

اگرچہ مذکورہ فتویٰ کے بارے میں سر سید احمد خان اور منشی ذکاء اللہ خان وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ یہ جنرل بخت خان نے بزور علماء کرام سے حاصل کیا اور یہ دستخط اور مہریں فرضی ہیں۔ (۱۲) لیکن ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی تاریخی دستاویزات کی روشنی میں اس کی حقیقت اور وجود سے انکار ناممکن ہے۔ علاوہ ازیں سید محمد میاں نے ان کے بیانات کا تاریخی و تنقیدی جائزہ بھی قلمبند کیا ہے۔ (۱۳)

اس فتویٰ پر دستخط کرنے والے علماء میں سے دوسرے نمبر پر دستخط "رحمت اللہ" کے ہیں سید محمد میاں اور امداد صابری کی رائے یہ ہے کہ اس پر دستخط کرنے والے مولانا رحمت اللہ کیرانوی ہیں۔ سید محمد میاں کے قول "اس پر ایک دستخط رحمت اللہ کے ہیں بظاہر یہ وہی رحمت اللہ ہیں جو پہلے تحقیق حال کے لیے آئے تھے اور اب اپنی جماعت کے نمائندے کی حیثیت سے اس

اجتماع میں شرکت کے لیے تشریف لائے اور غور فکر کے بعد فتوی پر دستخط ثبت فرمائے تھے'۔ (۱۴)

جبکہ امداد صابری کا ایک بیان یہ بھی ہے کہ اس فتوئ جہاد پر دستخط کرنے والے مولانا رحمت اللہ کیرانوی نہیں تھے بلکہ دہلی کے مولانا رحمت اللہ تھے اور یہی دستخط ۱۸۶۰ء میں دہلی سے جاری ہونے والے ایک فتوئ پر بھی ہیں جبکہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی اس وقت ہجرت فرما کر مکہ معظمہ تشریف لے جا چکے تھے۔ علاوہ ازیں مو. نا رحمت اللہ کیرانوی کے نام کے ساتھ دھلوی کی نسبت بھی شک پیدا کرتی ہے۔ البتہ امداد صابری کا یہ قول تعجب انگیز ہے کہ 'اس فتوئ کو مرتب کرنے میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا ہاتھ تھا لیکن دستخط ان کے نہ تھے'۔ (۱۵)

بہر حال دہلی میں فتوئ جہاد جاری ہونے کے بعد ہندوستان کے مختلف مقامات پر جنگی مراکز قائم ہو گئے۔ ان میں سے ایک اہم مرکز شاملی تھانہ بھون کا بھی تھا۔ یہ مرکز حاجی امداد اللہ اور ان کے رفقاء کار نے قائم کیا تھا۔ حاجی صاحب شاہ عبدالعزیز کی فکر سے وابستہ آخری امام تھے اس لیے اس جماعت سے وابستہ افراد جو زیادہ تر علماء تھے، آپ کے حلقہ ارادت میں جہاد کے لیے جمع ہو گئے۔ (۱۶)

مشاورتی اجلاس اور تنظیم نو:

حاجی صاحب نے جنگ کی اطلاع پا کر ایک اجلاس طلب کیا۔ اس اجلاس میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا فیض الحسن سہارن پوری، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا محمد منیر اور مولانا محمد یعقوب نے شرکت کی۔ (۱۷)

اس اجلاس کے بعد ہی مولانا رحمت اللہ کیرانوی کو صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے دہلی بھیجا گیا۔ مولانا رحمت اللہ نے آکر حاجی صاحب کو جنگ کی ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔ حاجی صاحب نے ایک اجلاس مشورہ کے لیے منعقد کیا اس مشاورتی اجلاس کی مختصر روداد یہ ہے:۔

مولانا قاسم نانوتوی نے اس اجلاس میں شیخ محمد محدث صاحب سے نہایت ادب سے عرض کیا کہ حضرت کیا وجہ ہے کہ آپ دشمنان دین و وطن پر جہاد کو فرض بلکہ جائز بھی نہیں فرماتے۔

شیخ محمد محدث	اس لئے کہ ہمارے پاس اسلحہ اور آلات جہاد نہیں ہیں، ہم بالکل بے سر و سامان ہیں۔
مولانا قاسم	کیا اتنا بھی سامان نہیں ہے کہ جتنا کہ غزوہ بدر میں تھا؟
شیخ محمد محدث	آپ کی تمام حجتیں اور باتیں مان بھی لی جائیں تو سب سے بڑی شرط جہاد میں نصب امام کی ہے۔ امام کہا ہے جسکی قیادت میں جہاد کیا جائے۔
مولانا قاسم	نصب امام میں کیا دیر لگتی ہے مرشد برحق حضرت حاجی صاحب موجود ہیں انہیں کے ہاتھ پر بیعت کر لی جائے

حافظ ضامن : مولانا سمجھ میں آگیا۔

پھر سب نے حضرت حاجی صاحب کے دست حق پرست پر بیعت جہاد کی۔ یعنی پہلے تشکیل حکومت کے لئے بیعت الگ ہوئی تھی، اب یہ بیعت جان ومال کی قربانی کیلئے تھی۔ (۱۸)

پھر جہاد کی تیاری شروع ہو گئی اور حاجی امداد اللہ کو امام مقرر کرنے کے بعد مولانا قاسم نانوتوی کو سپہ سالار افواج قرار دیا گیا۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کو قاضی بنایا گیا اور مولانا محمد منیر نانوتوی اور حافظ ضامن تھانوی میمنہ اور میسرہ کے افسر مقرر کئے گئے۔ (۱۹)

اب سوال یہ تھا کہ اقدام کس طرف ہو۔ ظاہر ہے دھلی کا مرکز ہی قبلہ نما بن سکتا تھا، چنانچہ سر فروشان دین ووطن سر ہتھیلی پر لے کر ایک منظم طاقت سے ٹکرانے کے لئے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے اور تھانہ بھون سے شاملی کی طرف مارچ شروع کر دیا جس کا نصب العین دھلی تھا۔ (۲۰)

شروع شروع میں مجاہدین کو بڑی کامیابی ہوئی، یہاں تک کہ ایک موقع پر برطانوی سپاہ کا توپ خانہ بھی مجاہدین نے اپنے قبضے میں کر لیا نیز برطانوی سپاہ کو شکست دے کر تھانہ بھون اور قرب وجوار کے علاقے میں اسلامی حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا اس معرکے میں حافظ محمد ضامن شہید ہو گئے۔ (۲۱)

مولانا کیرانویؒ جب پہلی مرتبہ جنگ کی حقیقت ونوعیت معلوم کرنے کے لئے دھلی آئے تھے تو اس وقت تحریک آزادی بوڑھے بادشاہ اور ناز پرور شہزادوں کی نا تجربہ کاریوں کے سپرد تھی۔ انقلابی سپاہیوں نے بے شک زمام قیادت انہی کے حوالے کی تھی لیکن کسی سنجیدہ وبا اصولی جماعت کے لئے ان پر اعتماد کرنا مشکل تھا اس وقت بد نظمی اور افرا تفری پھیلی ہوئی تھی۔ (۲۲)

منشی ذکاء اللہ خاں نے اس جائزہ کو یوں دیکھا ہے :

> "سب سے اول مولوی رحمت اللہ کیرانہ سے اس ٹوہ میں آئے کہ دہلی میں جہاد کی کیا صورت ہے، وہ بڑے عالم تھے اور عیسائی مذہب کے رد میں صاحب تصنیف تھے وہ قلعہ کے پاس مولوی محمد حیات کی مسجد میں اترے۔ اس دانش مند مولوی کے نزدیک دھلی میں جہاد کی کوئی صورت نہ تھی بلکہ ایک ہنگامہ برپا تھا وہ یہ سمجھ کر اپنے وطن کو چلا گیا"۔ (۲۳)

فصل دوم : عملی سرگرمیاں۔

مولانا کیرانویؒ ایک جماعت کے نمائندے کی حیثیت سے حالات کا جائزہ لینے کے لئے آئے تھے۔ ان حالات کو دیکھ کر کوئی انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ جہاد کے حالات نہیں تھے اور مولانا کیرانویؒ جیسا سامراج مخالف انسان ان حالات میں خاموش تماشائی

کا کردار ادا کرتے اور دین و وطن کی دفاع کی ذمہ داریوں سے غافل رہتے۔ تاریخی واقعات اور مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کا کردار منشی ذکاء اللہ کے بیان کی وضاحت کے لیئے کافی ہیں۔

مختصر طور پر آئندہ سطور میں مولانا کیرانویؒ کے اسی مجاہدانہ کردار پر بحث پیش کی جاتی ہے۔

روزنامچہ عبداللطیف میں ہے :۔

"۳۰ جون کمتر از وز بر آمده بود که آویزش ونشین سپاه نصیر آباد آمد آئین سپاه گری بجا آورد و بکو مهر ملاقی شدولے ہزیمت خورد وهم امروز که بیشتر از روز رفته بود که مردم نجیب آباد که بشمار دو صد مهر سید ندبا لقدا لیے مولوی رحمت اللہ کیرانہ نژاد بمنازعت برآمد ند و بسر اجعت در آمدند"۔ (۲۴)

۳۰ جون (۱۸۵۷ء) کچھ دن چڑھے نصیر آباد کے لشکر نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور سپہ گری کا حق ادا کیا لیکن شکست کھائی اور آج ہی دن ڈھلے دو سو اہل نجیب آباد مولوی رحمت اللہ کیرانوی کی قیادت میں پہنچے اور آمادہ پیکار ہوئے لیکن پھر واپسی اختیار کی۔

یہاں پر مولانا محمد سلیم نبیرہ مولانا کیرانویؒ اور محمد عارف الاسلام عثمانی کے قلم سے لکھے ہوئے جنگ آزادی کے حالات کا تذکرہ مناسب ہوگا۔ رقم طراز ہیں :۔

"پرگنہ کیرانہ شاملی میں زمین دار ہ شیوخ اور مسلمان گوجروں کے ہاتھ میں تھا جن میں دینداری کے ساتھ جوش بھی موجود تھا۔ تھانہ بھون اور کیرانہ کا ایک محاذ قائم کیا گیا۔ مجاہدین کی جماعت مدافعت اور مقابلہ کرتی رہی، شاملی کی تحصیل پر حملہ کیا گیا اور پرگنہ کے چاروں طرف اس مجاہدانہ تحریک کا اثر عام ہو چکا تھا۔ تھانہ بھون میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اور مولوی عبدالحکیم صاحب تھانوی مع رفقاء (مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور حافظ ضامن شہید) اور کیرانہ میں حضرت مولانا مرحوم گورا فوج کا مقابلہ کر رہے تھے۔ مجاہدین کیرانہ میں چونکہ مسلمان گوجر زیادہ تھے اس لئے انکی قیادت چودھری عظیم الدین (۲۵) مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے ساتھ کر رہے تھے۔ اس زمانہ میں عصر کی نماز کے بعد مجاہدین کی تنظیم و تربیت کے لیئے کیرانہ کی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر نقارہ کی آواز پر لوگوں کو جمع کیا جاتا اور اعلان ہوتا تھا :

"ملک خدا کا اور حکم مولوی رحمت اللہ کا"۔ (۲۶)

اس جملہ کے بعد جو کچھ کہتا ہو تا وہ عوام کو سنایا جاتا۔ اس پرانی آواز کو سننے والوں میں سے اب کوئی نہیں رہا مگر جنہوں نے اپنے بزرگوں سے اس کی صدائے بازگشت سنی ہے وہ اب تک موجود ہیں کیرانہ کے محاذ پر بظاہر شکست کے کوئی امکان نہیں تھے مگر بعض ابنائے وطن کی زمانہ سازی اور مخبروں کی سازش نے حالات کا رخ بدل دیا۔ (۲۷)

کیرانہ کے لوگوں نے بھی شاملی کی تحصیل کو لٹوانے میں برابر کا حصہ لیا تھا۔ چنانچہ اسی بنیاد پر انگریزی فوج اور توپ خانہ میں کیرانہ میں داخل ہوا۔ محلہ دربار کے دروازے کے سامنے توپ خانہ نصب کیا گیا اور گورا فوج نے محلہ دربار کا محاصرہ کیا ہر گھر کی تلاشی لی گئی، عورتوں، بچوں اور ہر شخص کو فرداً فرداً دربار سے باہر نکالا گیا۔ اس غارت گری میں شیخ حمید الدین عثمانی شہید ہوئے۔ (۲۸)

مولانا کیرانوی پر بھی یہ الزام تھا کہ تحصیل شاملی کو لٹوانے میں حصہ لیا۔ چنانچہ فوج نے مولانا کی گرفتاری کے لئے چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ کسی مخبر نے اطلاع دی تھی کہ مولانا دربار میں روپوش ہیں۔ اس وقت آپ دربار والی مسجد کے بالائی حصہ کی ایک کوٹھری میں جو جنوبی حصے میں ہے، تشریف فرما تھے۔ جب آپ کو فوج کی آمد کی اطلاع ہوئی تو آپ نے حجرہ کی کھڑکی سے چھلانگ لگائی اور مسجد میں جو آپ کے ساتھی موجود تھے ان کو لے کر قریبی گاؤں پہنچے۔ اس گاؤں میں مسلمان گوجر آباد تھے اور خود گاؤں کے لوگ بھی جنگ آزادی میں شریک تھے۔ یہاں کیرانہ اور قرب و جوار کے تمام حالات کی اطلاع مولانا کو ملتی رہتی تھی۔ (۲۹)

اسی دوران گورا فوج کے گھوڑ سوار دستہ نے بھجھو گاؤں کا رخ کیا۔ بھجھو کے نمبردار کو جب فوج کی آمد کی اطلاع ہوئی تو اس نے جماعت کو منتشر کر دیا اور مولانا کیرانوی سے خواہش کی کہ پالے کر کھیت میں گھاس کاٹنے چلے جائیں۔ گورا فوج اسی کھیت کی پگڈنڈی سے گزری، مولانا فرمایا کرتے تھے۔

> "میں گھاس کاٹ رہا تھا اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے جو کنکریاں اڑتی تھیں وہ میرے جسم پر لگ رہی تھیں اور میں ان کو اپنے پاس سے گزرتا ہوا دیکھ رہا تھا"۔ (۳۰)

گورا فوج نے گاؤں کا محاصرہ کر کے مکھیا کو گرفتار کر لیا۔ گاؤں کے ذمہ دار لوگوں سے کہا کہ مولانا رحمت اللہ کو ہمارے حوالے کر دو ورنہ تمہارے گاؤں کو جلا کر خاک کر دیں گے۔ ان لوگوں نے انکار کیا کہ ہم مولانا کو نہیں جانتے اور نہ ہی وہ ہمارے گاؤں میں ہیں۔ پورے گاؤں کی تلاشی لی گئی مگر مولانا کیرانوی کا پتہ نہ چلا۔ (۳۱)

مولانا رحمت اللہ کیرانوی گرفتار نہ ہوئے تو انگریزی فوج نے گاؤں کے چودہ اشخاص کو گرفتار کر لیا۔ اور فوجی دستہ مجبوراً

واپس کیرانہ چلا گیا۔ جب مولانا رحمت اللہ کو ان چودہ آدمیوں کی گرفتاری کا علم ہوا تو آپ نے چوہدری عظیم الدین سے فرمایا" ان چودہ آدمیوں کو اور ان کے رشتہ داروں کو میری وجہ سے تکلیف اٹھانی پڑ رہی ہے اس سے بہتر ہے کہ میں اپنے آپ کو فوج کے حوالے کر دوں تاکہ ان لوگوں کی تکالیف اور پریشانی دور ہو جائے اور یہ چودہ آدمی رہا ہو جائیں" چوہدری عظیم نے جواب میں کہا" مولوی صاحب یہ تو تو چودہ آدمی ہیں اگر پورا گاؤں بھی گرفتار ہو جائے گا۔ اور ان کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا تو ایسے وقت میں بھی آپ کو فوج کو حوالے نہیں کیا جائے گا"۔(۳۲)

جتنے دن مولانا رحمت اللہ اس گاؤں میں رہے وہ گاؤں والوں کو وعظ و نصیحت اور تلقین کرتے رہے اور ان کے عقائد وخیالات کو بھی درست کیا۔ اس گاؤں کی میتیں پہلے گاؤں سے دور کیرانہ میں دفن کی جاتی تھیں یہ لوگ گاؤں میں میتوں کو دفن کرنا برا سمجھتے تھے آپ نے ان لوگوں کو سمجھایا اور گاؤں میں میتوں کو دفنانے کی تلقین کی تو اس وقت سے گاؤں کی میتوں کے دفنانے کا سلسلہ شروع ہوا۔(۳۳)

فصل سوم : ضبطی جائیداد و ہجرت۔

انہی ایام میں مولانا رحمت اللہ نے چوہدری عظیم الدین سے فرمایا" اب میں ہندوستان نہیں رہوں گا تمہارا مجھ پر ہی نہیں بلکہ تمام قوم پر احسان ہے میری طبیعت چاہتی ہے کہ میں دو کنویں تمہارے نام کر دوں" چوہدری صاحب نے کہا" مولوی صاحب مجھ کو اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دیا ہے اگر میں آپ سے اپنے نام دو کنویں کرالوں گا تو خدا تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا کہ قوم کی آزادی کے لیے بھی لالچ میں پھنس گیا"۔(۳۴)

حالات پر قابو پا لیا گیا اور حضرت مولانا کیرانوی کے خلاف فوجداری مقدمہ چلایا گیا۔ وارنٹ گرفتاری جاری ہو گئے اور آپ کو مفرور قرار دیکر گرفتاری کے لئے ایک ہزار روپیہ کا اعلان ہوا۔(۳۵)

حضرت مولانا کیرانوی نے اپنا نام "مصلح الدین" بدل کر پیدل دہلی روانہ ہوئے آپ کے لیے یہ سخت آزمائش کا وقت تھا۔ ایمانی عزم و ہمت اور صبر و استقلال کے ساتھ جے پور اور جودھ پور کے مہیب ریگستانی جنگلوں اور خطرناک راستوں کو پاپیادہ طے کر کے سورت پہنچے۔ بندرگاہ سورت سے بھی جہاز کا سفر آسان نہ تھا۔ بادبانی جہاز چلا کرتے تھے۔ سال بھر میں صرف ایک جہاز ہوا کی موافقت سے سورت سے روانہ ہوتا تھا اور اسی طرح جدہ سے آیا کرتا تھا۔ ایک حاجی کا محصول چار روپیہ تھا۔ جو لوگ ہجرت کے ارادے سے ترک وطن کرتے وہ ساتھ ہی دنیاوی تعلقات کو زندگی میں ہی ختم کر دیا کرتے تھے۔(۳۶)

جب مولانا کیرانوی کی روانگی اور فوجداری مقدمہ کے بعد آپ کی اور آپ کے خاندان کی جائداد ضبط ہو کر نیلام ہوئی،

خاص طور پر پانی پت میں کمال الدین نامی شخص کی شناخت پر جو جائیداد قرق کر کے نیلام کی گئی اس کی تفصیل یہ ہے۔ جائیداد کی نیلامی کا فیصلہ ڈپٹی کمشنر کرنال نے ۳۰ جنوری ۱۸۶۴ء میں کیا۔

۱۔ سرائے بجور، اس کی قیمت سرکاری طور پر ڈپٹی کمشنر کرنال کے کاغذات میں پانچ سو روپیہ ہے۔

۲۔ سرائے چوڑھے --

۳ سرائے شیخ فضل الٰہی --

۴۔ سرائے قصاباں --

۵۔ سرائے لوہ آباد --

۶۔ سرائے ملیان --

یہ سب سرائیں اور وسیع قطعات زمین اور مکانات ایک ہزار چالیس سو روپیہ میں نیلام ہوئے۔ جب کہ ان کی قیمت لاکھوں روپے تھی۔ مزروعہ علاقے اور زراعتی زمین اس سکنائی جائیداد کے علاوہ جو حق سرکار ضبط ہوئیں، مذکورہ بالا سرائیں جس قیمت پر نیلام ہوئیں وہ بھی ملاحظہ ہو:۔

۱۔ سرائے بجور ۳۴۲ روپیہ۔

۲۔ سرائے لوہ آباد ۱۵ روپیہ۔

۳۔ سرائے چوڑھے ۵۲ روپیہ۔

۴۔ سرائے قصاباں ۱۴ روپیہ۔

کاغذات جائیداد نیلام شدہ انڈکس مشمولہ کا یہ عنوان ہے ۔

> "انڈکس مشمولہ مثل فوجداری مقدمہ عرضی کمال الدین ساکن کیرانہ حال پانی پت مولوی رحمت اللہ باغی"۔(۴۷)

اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں:۔

> "جب بغاوت کی ذمہ داری مسلمانوں کے شانوں پر اچھی طرح ڈال دی گئی تو یہ قدرتی امر تھا کہ انتقامی کارروائیوں کا غالب حصہ بھی انہیں کے خلاف ہوتا اور ایسا ہوا کہ ---انتقامی کارروائیاں کسی طرح تمام نہیں ہوئیں۔ بڑی تعداد میں پھانسیاں دی گئیں۔ مگر خاندان کی کفالت کرنے والے فرد کی موت سے جو ضرب پڑتی ہے وہ اتنی شدید نہیں ہوتی جتنی کہ اس کی موت کے ساتھ ساتھ اس کی جائیداد کی ضبطی سے پڑتی ہے"۔(۴۸)

مدرسہ صولتیہ (مکہ معظمہ) میں جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے زمانہ کے مولانا رحمت اللہ کے تحریر کردہ کاغذات موجود ہیں جس میں دہلی کے فوجی سپاہیوں، جمعداروں اور رسالداروں کا ذکر ہے جو آپ کے ساتھ معرکہ آزادی میں شریک تھے۔ (۳۹)

جنگ آزادی میں مولانا کیرانویؒ کے اس قائدانہ کردار سے جہاں ایک طرف ان کی بعض صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے تو دوسری طرف دین و وطن کے لئے قربانی اور دردمندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جنگ آزادی میں مولانا کا نمایاں کردار جنگ آزادی کی تاریخ میں نمایاں جگہ نہ پا سکا اور نسل نو اس سے بے خبر رہی۔ جسکا اندازہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء پر مبنی کتب سے بخوبی طور پر ہوتا ہے۔ (۴۰)

حواشی و تعلیقات (باب پنجم)

(۱) آثار رحمت، ص ۲۱۹۔

(۲) فتاوی عزیزی، مطبع مجتبائی دھلی، ۱۳۲۲ھ، ج ۱، ص ۱۱۴۔

(3) Moinul Haq, Syed, *The Great Revolution of 1857*, Karachi 1968, P 380.

(۴) مولانا کیرانوی رقمطراز ہیں بعض عیسائیوں نے ان سوالوں میں اصلاح دے کر اور چھ سوال بڑھا کر ان کو جناب مستطاب مرزا محمد فخرالدین ولی عہد سلطنت مدار دام اجلالہ کی خدمت بابرکت میں بھیجا اور جناب ممدوح الیہ نے مجھ سے درخواست کی کہ ان کا جواب لکھوں اور انکا حکم ماننا پڑا۔ (ازالہ الشکوک، ج ۱، ص ۱۵، مقدمہ)۔

(۵) دیکھئے وزیرالدین بن شرف الدین (مرتب) البحث الشریف فی اثبات النسخ و التحریف، فخر المطابع شاہجہان آباد، ۱۲۷۰ھ۔

(۶) سوانح قاسمی، ص ۲۸۵؛ آثار رحمت، ص ۲۱۸۔

(۷) آثار رحمت ص ۲۱۸، نیز دیکھئے علماء ہند کا شاندار ماضی، جلد چہارم۔

(۸) علماء ہند کا شاندار ماضی، ج ۴، ص ۲۴۵۔

(۹) مدنی، حسین احمد، مولانا، نقش حیات، دیوبند، ۱۹۵۲ء، ج ۲، ص ۵۳؛ علماء ہند کا شاندار ماضی، ج ۴، ص ۱۹۷۔

(۱۰) علماء ہند کا شاندار ماضی، ج ۴، ص ۱۷۸، ۱۷۹؛ آثار رحمت، ص ۲۲۔

Farooq, Ziaul Hasan, *The Deoband School and the Demand for Pakistan*, Bombay, 1963, P 17.

(۱۱) فرنگیوں کا جال، ص ۹۵؛ *The Great Revolution of 1857*, P 73-75

(۱۲) تفصیلات ملاحظہ ہوں اسباب بغاوت ہند، ص ۱۰۵-۱۰۷؛ تاریخ عروج عہد انگلشیہ، ص ۲۷۵۔

(۱۳) دیکھئے علماء ہند کا شاندار ماضی، ج ۴، ص ۱۶۴-۱۸۰؛ A.A. Powell, *Maulana Rahamat Allah Kairanvi and Muslim-Christian Controvercy in India in the Mid-19th Century*, P 58

(۱۴) علماء ہند کا شاندار ماضی، ج ۴، ص ۲۷۲، ۲۷۳۔

(۱۵) آثار رحمت، ص ۲۲۳۔

(۱۶) نقش حیات، ج ۲، ص ۳۳ 'بیس بڑے مسلمان، ص ۹۵۔

(۱۷) علماء ہند کا شاندار ماضی، ج ۴، ص ۲۷۶۔

(۱۸) نقش حیات، ج ۲، ص ۳۳۔

(۱۹) سوانح قاسمی، ج ۲، ص ۱۲۶-۱۲۹۔

(۲۰) نفس مصدر، ص ۱۳۱۔

(21) A.A Powell, *Maulana Rahamat Allah Kairanvi and Muslim-Christian Controvercy in India in the Mid-19th Century,* P 58.

(۲۲) علماء و ہند کا شاندار ماضی، ج ۴، ص ۲۵۰۔

(۲۳) تاریخ عروج عہد انگلشیہ، ج ۲، ص ۲۷۵۔

(۲۴) روزنامچہ عبداللطیف، ص ۷۸۔

(۲۵) چوہدری محمد عظیم الدین جھنجھانہ گاؤں کے ایک نیک دل اور خدا ترس زمین دار، مسلمان گوجر تھے۔ یہاں کی مسجد انہوں نے تعمیر کرائی تھی۔ مولانا کیرانوی کی مکہ معظمہ کے ایک یا دو سال بعد حج کے لئے مکہ میں مولانا کیرانوی کے پاس قیام کیا ایک سال تک اپنے پاس رکھا اور عزت و تکریم کی اور آنے نہیں دیا پھر دو حج کرنے کے بعد روانہ کیا۔ جھنجھانہ میں ہی ان کا انتقال ہوا۔ (آثار رحمت، ص ۲۴۹)۔

(۲۶) ایک مجاہد معمار، ص ۲۹، روزنامہ الجمعیۃ (سنڈے ایڈیشن) بحوالہ علماء ہند کا شاندار ماضی، ج ۴، ص ۳۰۸۔

(۲۷) ایک مجاہد معمار، ص ۳۰، آثار رحمت، ص ۱۴۷۔

(۲۸) فرنگیوں کا جال، ص ۲۳۲، بر صغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار، ص ۲۷، ۲۸۔

(29) A.A Powell *Maulana Rahamat Allah Kairanvi and Muslim-Christian Controvercy in India in the Mid-19th Century,* P 60.

(۳۰) ایک مجاہد معمار، ص ۳۰، آثار رحمت، ص ۲۴۷۔

(۳۱) علماء ہند کا شاندار ماضی، ج ۴، ص ۳۰۹۔

(۳۲) آثار رحمت، ص ۲۳۸۔

(۳۴) نفس مصدر۔

(34) A.A. Powell, *Maulana Rahamat Allah Kairanvi and Muslim-Christian Controvercy in India in the Mid-19th Century*, P. 61

(۳۵) ایک مجاہد معمار، ص۳۱؛ علماء ہند کا شاندار ماضی، ج۴، ص۳۰۹۔

(36) *The Great Revolution of 1857*, P. 385-387

(37) A.A. Powell, *Maulana Rahamat Allah Kairanvi and Muslim-Christian Controvercy in India in the Mid-19th Century*, P. 61

(۳۸) بر عظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، ص ۳۰۲، نیز ان حالات کے لیے دیکھیے ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء، ص۳۳-۳۸۔

(۳۹) آثارِ رحمت، ص۲۲۱۔

(۴۰) اس سلسلے میں دیکھیے: جنگ آزادی ۱۸۵۷ء

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ
کی
دینی خدمت کا ایک باب

مدرسہ صولتیہ (مکّہ معظّمہ)

فصل اول:

سرزمینِ حجاز میں درس گاہ کی ضرورت۔

فصل دوم:

مدرسہ صولتیہ کی تاسیس، اغراض ومقاصد۔

فصل سوم:

مدرسہ صولتیہ کی ابتدائی مشکلات۔

فصل چہارم:

نظم واہتمام مدرسہ۔

فصل پنجم:

نصابِ تعلیم، اساتذہ وتلامذہ۔

فصل اول : سر زمین حجاز میں درسگاہ کی ضرورت۔

برصغیر (پاک وہند) میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کو جس طرح ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا، اس کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانان ہند کی تمام تر توجہ اپنے تہذیبی و علمی ورثہ کی حفاظت واشاعت کی طرف منتقل ہو گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے چھوٹے بڑے کئی تعلیمی ادارے قائم ہو گئے، گویا ایک تحریک بیداری علم وفکر برپا ہو گئی۔ (۱) چنانچہ کچھ ہی عرصے میں دارالعلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء، جیسے ادارے قائم ہو گئے۔ ہندوستان کی طرح یہی تحریک مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے مرکز اسلام مکہ معظمہ میں جا کر برپا کی۔ ہندوستان میں مولانا کیرانوی کی شناخت ایک کامیاب مناظر اور ردمسیحیت میں مولف کے طور پر ہو چکی تھی بعد ازاں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں عسکری میدان میں بھی نمایاں حصہ لیا مگر ہجرت مکہ معظمہ کے بعد مولانا کیرانوی کی شخصیت کا ایک عظیم الشان پہلو سامنے آیا وہ بطور 'ماہر تعلیم' کا تھا، جس کے تحت بلاد عرب میں مدرسہ صولتیہ کی بنیاد رکھتے ہوئے انہوں نے وہ تعلیمی، تربیتی اور اصلاحی کارنامے سرانجام دیئے کہ ہندوستان سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ آنا مسلمانوں اور خصوصاً بلاد عرب کے لئے کسی نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھا۔ آئندہ سطور میں اسی ادارے کے قیام و پس منظر، وجہ تسمیہ اور اصول و قواعد پر روشنی ڈالی جائے گی۔ مولانا محمد سلیم لکھتے ہیں :

> "طویل سفر کے آلام و مصائب کو برداشت کرتا ہوا سر بکف مجاہد اسلام مرکز اسلام پہنچا تاکہ کعبہ کے زیر سایہ خدمت اسلام کا کوئی پہلو نکال سکے"۔ (۲)

ہندوستان کی اس جماعت کے اکثر افراد نے مکہ معظمہ کا رخ کیا چنانچہ حاجی امداد اللہ جو 'مہاجر مکی' ہی کے نام سے معروف ہوئے اور ڈاکٹر وزیر خان بھی مکہ پہنچ گئے۔ مطاف میں حاجی صاحب سے ملے اور طواف قدوم اور سعی میں ساتھ رہے اس کے بعد دونوں رباط دلاوریہ (قیام گاہ حاجی امداد اللہ) میں آ گئے۔ (۳)

مسجد حرم میں درس کی اجازت :

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی غیر معمولی علمی و تبلیغی خدمات کے پیش نظر 'شیخ العلماء' سید احمد دحلان نے ان کو مسجد حرم میں درس کی باقاعدہ اجازت دے دی گئی اور علمائے مسجد کے دفتر میں آپ کا نام درج کرا دیا گیا۔ (۴) بعد ازاں سلطان عبدالعزیز خاں کے حکم سے ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۴ء میں شاہی مہمان کی حیثیت سے قسطنطنیہ تشریف لے گئے اور سلطان نے آپ کی خدمات کے اعتراف کے طور پر اعزازات سے نوازا۔

عرب کے مروجہ نظام تعلیم میں نقائص :

مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے اپنے مختصر قیام کے دوران اور درس و تدریس میں مشغول رہ کر اس امر کا مشاہدہ کیا کہ مروجہ نظام تعلیم مندرجہ ذیل نقائص کا حامل ہے :۔

۱۔ علماء اپنے درس و تدریس کو کسی نظام اور کام کو ضابطہ کی ماتحتی میں انجام نہیں دے رہے تھے۔

۲۔ کوئی مخصوص نصاب تعلیم رائج و مقرر نہیں تھا اور جو کچھ پڑھایا جاتا تھا وہ طلباء میں کسی قسم کی قابلیت واستعداد پیدا نہیں کر سکتا تھا۔

۳۔ طریقہ تعلیم نہایت ابتر حالت میں تھا اور سب سے بڑا نقص یہ تھا کہ کتاب کی عبارت کو خود استاد پڑھتا اور خود ہی مطلب بیان کرتا۔ شاگرد اسے استاد کا ایک وعظ سمجھتے اور اپنے دماغ پر زور ڈالنے کے عادی نہ تھے استاد سے سوال کرنا یا نفس مسئلہ پر اعتراض پیدا کرنا معیوب سمجھا جاتا، سمجھنے یا توضیح کے لئے استفسار بے ادبی میں داخل تھا۔

۴۔ جو علوم پڑھائے جاتے تھے ان میں نحو، فقہ، تفسیر، حدیث پر تمام عمر ختم ہو جانے کے باوجود تکمیل یا اعلیٰ قابلیت پیدا نہیں ہوتی تھی۔ تفسیر جلالین جو عام طور پر ہندوستان میں سال بھر میں پڑھائی جاتی تھی اس وقت سات سال میں ختم ہوا کرتی تھی۔ باقی علوم کے پڑھنے، فنون کے حاصل کرنے کا رجحان و شوق تھا اور نہ تجر واستعداد کے ساتھ پڑھانے کی ہمت تھی۔

۵۔ ان مہاجرین کی اولاد کے لیے جو ممالک اسلامیہ سے ہجرت کر کے آتے ہیں کسی قسم کی تعلیم و تربیت کا کوئی انتظام نہ تھا ان کی اولاد غیر تربیت یافتہ اور جہالت و بداخلاقی کا شکار تھی، نہ وہ دنیا کے کسی کام کی تھی اور نہ دین کے۔

۶۔ مکہ معظمہ کو سر چشمہ دین اور مرکز اسلام خیال کر کے ہر سال اسلامی دنیا کے دور دراز مقامات سے بڑی تعداد میں متلاشیان علوم دینیہ اس شوق میں آتے تھے کہ اس چشمہ سے سیراب ہوں گے مگر اس زمانہ میں یہاں ان طلباء کی تعلیم کا کوئی انتظام تھا اور نہ قیام و طعام و دیگر ضروریات تعلیم کی کوئی صورت تھی۔ (۵)

دار العلوم کی ضرورت کا احساس :

مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے سر زمین حجاز میں پہلی مرتبہ تعلیم و تدریس میں علوم عقلی سے روشناس کرایا۔ خصوصاً ریاضی میں علم ہیئت کی تدریس شروع کی علاوہ ازیں علم الصرف اور علم النحو کو الگ الگ کرتے ہوئے نئے طریقے سے تدریس کی۔ اس کے ساتھ ساتھ یہاں کے طریقہ تدریس اور مقامی ضروریات پر خوب غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہاں ایک ایسے دار العلوم کی بنیاد رکھی جائے جو مرکزیت کے شایان شان ہو۔ دنیا کے مختلف زبانیں جاننے والے علماء مدرس ہوں اور ایسا نظام تعلیم رائج کیا جائے جو دینی و دنیاوی ضروریات کا متکفل ہو۔ اگرچہ سلطنت عثمانیہ ان علماء حرم اور باکمال افراد کی حوصلہ افزائی میں لاکھوں

روپیہ بے دریغ صرف کر رہی تھی جو مسجد حرم میں درس و تدریس میں مشغول تھے۔ (۶)

دوسری طرف دار العلوم دیوبند (۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء) کے قیام سے مفید اثرات و نتائج سامنے آنے لگے۔ دار العلوم کے حالات و خدمات کی اطلاع برابر حاجی امداد اللہ کے خلفاء (مولانا قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) کے ذریعے ان دونوں کے پاس پہنچتی رہتی۔ دار العلوم دیوبند کے کامیاب تجربے نے مولانا کیرانوی کے عزم میں مزید پختگی پیدا کر دی اور اس طرز پر ایک دار العلوم کی ضرورت محسوس ہوئی۔ (۷)

چنانچہ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے اپنے حکیمانہ دماغ سے یہ بات پیدا کی کہ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کی مٹی ہوئی درسگاہ کا سر زمین حرم پر احیاء کیا جائے جہاں اہل عرب مہاجرین کے بچوں کی معقول تعلیم و تربیت کیساتھ ساتھ صنعت و دست کاری کا بھی انتظام ہو۔ (۸)

مدرسہ ہندیہ کا قیام :

اسی احساس کے نتیجہ میں مولانا کیرانویؒ نے ہندوستانی مہاجرین اور اہل خیر اصحاب کو اس اہم ضرورت کی طرف متوجہ فرماتے رہے اس سلسلہ میں متعدد اجتماعات منعقد ہوئے اور یہ طے پایا کہ اب فیض احمد خان (مرحوم) رئیس ضلع علی گڑھ جو مکہ کے ہندوستانی مہاجرین میں مالی اعتبار سے ممتاز تھے ان کے ذاتی اور مسکونہ مکان کے ایک حصے میں مدرسہ کی ابتداء کی جائے اور ممتاز ہندوستانی مہاجرین کی ہمدردی اور عملی شرکت اس کار خیر کو حاصل رہے۔

مدرسہ کے لیے پہلی اپیل :

چنانچہ مکہ معظمہ میں اس مدرسہ کو قائم کرنے اور تعلیمی کاموں کو چلانے کے لیے پہلی اپیل یہ کی گئی۔

> "حمد و نعت کے بعد عرض یہ ہے کہ اکثر ہندیوں اہل توفیق کی ہمت سے حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً میں بڑے بڑے خیر کے کام جیسے رباطیں اور سبیلیں تیار ہو گئی ہیں پر اب تک کوئی مدرسہ ان کی طرف سے یہاں نہیں ہے حالانکہ اور کاموں سے یہ کام بھی بڑا خیر کا کام ہے اس لئے یہ عرض ہے کہ جو اس امر میں شریک ہوں وہ اپنا نام مع اس رقم کے جو انہیں ماہانہ دینا منظور ہو لکھ دیں اور تھوڑے بہت کا خیال نہ کریں کہ تھوڑا تھوڑا اکٹھا ہو کے بہت ہو جاتا ہے اور اس مدرسہ کی تدریس کے اور خرچ کے قواعد ان لوگوں کی رائے سے مقرر ہوں گے جو اس امر کے لئے بمشورہ مقرر کیے جائیں گے۔ فقط الرقوم یکم ماہ رمضان ۱۲۹۰ھ" (۹)

مولانا مسعود شمیم کیرانوی اپنے مضمون میں مذکورہ مدرسہ کے قیام و پس منظر کی بابت رقمطراز ہیں:

"چند روز بعد اسی اجنبی ماحول میں رب العلمین کی طرف سے حالات سازگار ہوتے ہی آپ نے سب سے پہلے مسجد حرم محترم میں کعبہ معظمہ کے سامنے مقام حنفی سے متصل ماہ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ (۱۰) میں مدرسہ ہندیہ کے نام سے ایک دینی مدرسہ کا آغاز فرمایا۔ اہل حرم نے منظم تعلیم دیکھی، نیا طریقہ تدریس دیکھا، نئی کتابیں دیکھیں تو پروانہ وار اپنی اولاد اور بچوں کو تعلیم کیلئے لانے لگے۔۔۔ لیکن یہ نظم ہر طرح سے عارضی تھا اور حضرت مولانا بارگاہ الٰہی میں مصروف دعا تھے کہ کسی طرح مدرسہ کی مستقل و منظم تعمیری صورت ہو جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا"۔(۱۱)

فصل دوم: مدرسہ صولتیہ کی تاسیس، وجہ تسمیہ اور اغراض و مقاصد۔

موسم حج ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء(۱۲) میں کلکتہ کی ایک اولوالعزم اور مخیر خاتون، صولت النساء بیگم(۱۳) اپنی لڑکی اور داماد کے ساتھ حج کے لئے آئیں۔ ہر نیک دل اور صاحب استطاعت مسلمان کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ وہ حرمین شریفین میں کوئی نیک کام کر جائے جو صدقہ جاریہ کے طور پر قائم رہے۔ صولت النساء بیگم کہ معظمہ میں ایک رباط (سرائے) تعمیر کرنا چاہتی تھیں ان کے داماد حکیم نواز ش حسین ، مولانا رحمت اللہ کے درس میں شرکت کرتے تھے۔ ہندوستان میں انقلاب ۱۸۵۷ء کے حالات ایسے نہیں تھے کہ جن سے کوئی قومی و ملی درد و تعلق رکھنے والا بے خبر رہا ہو خود بنگال کا علاقہ بھی بہت پہلے سے انگریزی سیاست کی زد میں آکر فرنگی اقتدار کا مرکز بن چکا تھا بلکہ ابتداء وہیں سے ہوئی جسکی بڑی دردناک اور سنگین قربانی نواب سراج الدولہ (مرحوم) دے چکے تھے۔ خاص طور پر عیسائی مشنریوں اور مسیحی طاقتوں کے ساتھ حضرت مولانا رحمت اللہ کے مناظروں نے تمام ہندوستان میں ہمہ گیر شہرت اختیار کرلی تھی جن سے صولت النساء بیگم بھی پوری طرح واقف و باخبر تھیں۔

چنانچہ مکہ معظمہ پہنچنے کے بعد پہلی فرصت میں انہوں نے اپنے داماد حکیم نواز ش حسین کے ساتھ حرم پاک میں مولانا کیرانویؒ کے درس جاری کے بعد ملاقات کی اور مکہ معظمہ میں مسافر خانہ یا ٹھنڈے پانی کی سبیل کی تعمیر کے متعلق ارادے کا اظہار فرمایا حضرت مولانا نے فرمایا کہ

"الحمد اللہ مکہ معظمہ میں دونوں کار خیر تو بہت زیادہ تعداد میں موجود ہیں مگر مدرسہ کوئی نہیں ہے جہاں اہل حرم کی اولاد اور مہاجرین کے بچوں کی تعلیم و تربیت کا نظم ہو"۔

کعبہ کے دروازہ پر طویل دعاؤں کے زیر اثر حضرت مولانا کی زبان سے نکلے ہوئے یہ چند الفاظ اس پاک طینت خاتون کے

دل میں اتر گئے اور یہ ابدی سعادت رحمت کے فرشتوں نے اس خاتون کے نام لکھ دی اور دوسرے دن پھر حرم پاک کے مبارک ماحول میں درس بخاری شریف کے بعد صولت النساء بیگم نے مدرسہ کیلئے زمین وتعمیر وغیرہ کیلئے وہ رقم لاکر پیش کر دی جس کو ہندوستان سے کسی کار خیر کیلئے ساتھ لائی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ عظیم الشان کار خیر اس بلند ہمت خاتون سے لینا تھا۔ محلہ خندریسہ میں جگہ خریدی گئی اور مدرسہ کی تعمیر شروع ہو گئی اکثر صولت النساء بیگم خود تعمیر کا کام دیکھنے کیلئے تشریف لاتیں اور اپنی خوش قسمتی اور اس توفیق وسعادت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتیں۔ (۱۴)

افتتاح مدرسہ صولتیہ :

مکہ مکرمہ کی تاریخ میں چہار شنبہ ۱۴ شعبان المعظم ۱۲۹۱ھ کا یہ دن آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ اس سے پہلے سرزمین پاک پر کوئی مدرسہ نہیں تھا۔ حضرت مولانا رحمت اللہؒ نے مدرسہ کے افتتاح کے لئے حرم محترم کے تمام علماء ومدرسین اور صلحاء واتقیاء مکہ کو مدعو فرمایا۔ چنانچہ مسجد حرم میں صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد سب حضرات مدرسہ میں آنے شروع ہو گئے جو بھی آتا سب سے پہلے چار رکعت نماز اشراق ادا کر کے قرآن پاک اور سورہ یٰسین کی تلاوت میں مشغول ہو جاتا سب اکابرین کی تشریف آوری کے بعد مدرسہ کے پہلے قاری جناب شیخ ابراہیم سعد مصری نے طلباء کو قرآن کریم شروع کرایا اس کے بعد مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے بخاری شریف شروع فرمائی جس کے بعد شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے مثنوی شریف کے درس سے اس یوم افتتاح کی برکتوں میں اضافہ فرمایا جس کے بعد طویل دعا ہوئی اور دعا کے بعد تمام مہمانوں شرکائے مجلس اور طلباء کو ناشتہ کرایا گیا۔ (۱۵)

محمد مسعود شمیم کیرانویؒ (ناظم مدرسہ صولتیہ) نے یوم افتتاح کے اس نظارے کو یوں بیان کیا ہے

> "ذرا آنکھ بند کر کے عالم تصور میں اب سے ایک سو اٹھارہ سال (۱۶) قبل اپنے مدرسہ صولتیہ کے یوم افتتاح، آغاز کی اس نورانی مجلس کا تصور کیجئے کہ مکہ معظمہ کے صلحاء اتقیاء اور علماء کرام کی موجودگی میں حضرت اقدس مجاہد اسلام مولانا رحمت اللہؒ کیرانوی اور قطب الاقطاب حضرت حاجی امداد اللہ کی سرپرستی میں قرآن کریم، بخاری شریف اور مثنوی کے اسباق سے آغاز ہوا۔ کیسے کیسے اہل اللہ، صاحب دل اور مسجد حرم کے آئمہ، خطباء اور اس دور رحمت کے فرشتہ سیرت، پاک طینت بزرگان دین اس مجلس میں جمع ہوں گے جن کی روحانی برکتوں اور دعاؤں کے زیر سایہ باری تعالیٰ کے فضل سے یہ سلسلہ فیض ورحمت زمانہ کے گرم وسرد جھیلتا ہوا الحمد اللہ سرگرم سفر ہے"۔ (۱۷)

تاسیس مدرسہ کی تاریخ:

مدرسہ کے سب سے پہلے رجسٹر کی عبارت جو مولانا کیرانویؒ کے قلم سے تحریر ہوئی حسب ذیل ہے

"حمد اور نعت کے بعد یہ ہے کہ اگرچہ مدرسہ ہندیہ حضرات اہل ہند کی ہمت اور توجہ سے مکہ معظمہ ادام اللہ شرفہا میں سنہ ۱۲۹۰ھ رمضان کے مہینے [۱۸۷۳ء] میں قائم ہوا تھا، پر اسباب چندہ ور چندے جو اس سنہ کے چار مہینوں میں کئی طرح کے ہرج پیش آئے سو اس لحاظ سے ہم ان چار مہینوں کو نظر سے گرا کے اس مدرسہ کے قیام کو محرم الحرام ۱۲۹۱ھ (فروری ۱۸۷۴ء) سے گنتے ہیں اور سب امور متعلقہ اس مدرسہ کو اسی سال سے لیتے ہیں اللہ خیر سے ان امور کو انجام دیجیو، بمہ کرمہ۔

"۱۲ شعبان ۱۲۹۱ھ [۱۸۷۵ء] روز چہارشنبہ میں مدرسہ صولتیہ جدیدہ میں سب مدرسوں اور طالب علموں کو لایا گیا یکم شعبان ۱۲۹۲ھ [۱۸۷۵ء] سے نواب محمود علی خان بہادر والی چھتاری نے سو روپیہ ماہوار اس مدرسہ کے مقرر کر دیئے"۔ (۱۸)

مدرسہ کا نام:

ازل سے علم الٰہی میں یہ سعادت اور فخر اس بیوہ خاتون صولت النساء بیگم کے حصہ میں تھا اس لئے حضرت مولانا نے ان کے اس ایثار کی یادگار کے طور پر مرکز اسلام کے اس اولین علمی دار کا نام 'مدرسہ صولتیہ' رکھا جو قیامت تک اس کے نام کو عزت اور نیک ناموری کے ساتھ زندہ رکھے گا۔ (۱۹)

بارگاہ رب العزت میں صولت النساء بیگم کے خلوص کی قبولیت اور سچے تعلق کے ثبوت کے لیے یہ ایمان پرور واقعہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ مدرسہ کے لیے خرید زمین و تکمیل عمارت میں جس قدر رقم صولت النساء بیگم کے پاس تھی وہ صرف ہو چکی تھی مگر عمارت میں پانی کے اسٹور کی تعمیر نہیں ہوئی تھی اور مکہ معظمہ میں اس وقت ہر محلہ یا علاقہ میں نہر زبیدہ کا پانی ہر گھر تک نہیں پہنچا تھا بلکہ محلوں میں قدیم طرز کے سقایہ تھے جن کو ترکی زبان میں 'مازن' کہا جاتا تھا اور یہی کام آتا تھا کہ سابقہ رقم ختم ہو گئی دوسرے دن صولت النساء بیگم نے خواب میں دیکھا کہ ان کو جنت الفردوس میں ایک نہایت عالی شان محل عطا ہوا ہے جس کو دیکھ کر وہ بے انتہا مسرور ہو رہی ہیں مگر اس کے ساتھ خود شدید پیاس محسوس کر کے پانی تلاش کر رہی ہیں مگر اس میں کوئی سقایہ یا حمام وغیرہ کا انتظام پانی کے لئے نہیں ہے اور نہ ہی پانی کہیں نظر آتا ہے اور شدت پیاس سے ان کی آنکھ کھل جاتی ہے صبح نماز کے بعد صولت النساء بیگم بہ عجلت اپنے داماد کے ساتھ حضرت مولانا کیرانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور خواب بیان کر کے جو روپیہ واپسی سفر کے لئے تھا وہ سب دے کر التجا کی بہت جلد مدرسہ میں طلباء کے لے وضو خانہ اور پانی کیلئے مخزن تعمیر کرائی جائے چنانچہ اس خواب

سے بے حد خوش تھیں اور بار بار کہتیں تھیں کہ ان شاء اللہ یہ قبولیت کی علامت ہے جب تک حیات رہی ماہانہ پچاس روپیہ مدرسہ کو مزید اس تاکید کے ساتھ دیتی رہیں کہ اہل مدرسہ کو پانی کی تکلیف نہ ہو۔ [۲۰]

مدرسہ کے اغراض ومقاصد :

مولانا کیرانویؒ نے اپنی خداداد دوراندیشی اور حساس دل ودماغ سے مدرسہ کے قیام کے بعد جولائحہ عمل مرتب فرمایا اس میں ان تین اہم اغراض کو مقصد اولین بتایا ہے۔

(۱) اسلامی دنیا سے مکہ معظمہ میں ہر سال شائقین علوم دینیہ کی ایک جماعت اس جذبہ اور ولولہ کیساتھ آتی ہے کہ اسلام کے دینی مرکز میں تعلیم حاصل کرے اور اسلامی تہذیب ومعاشرت کا گہرا مطالعہ کرنے کا قریب سے موقع ملے ان آفاقی طلبا کی تعلیم اور قیام وطعام کا اہتمام اور حتی الامکان ان کی ضروریات کا لحاظ رکھنا مدرسہ کا اہم فرض ہے۔

(۲) مہاجرین کی اولاد کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا تاکہ آوارہ گردی، جہالت وبد اخلاقی کے شکار نہ ہوں اور تعلیم وتربیت کیساتھ ان کو شریف پیشے سکھائے جائیں تاکہ گداگری اور فقر وتنگدستی کی مصیبت سے ان کو نجات ملے اور خدا کے گھر میں دوسروں کے دست نگر نہ رہیں۔

(۳) ہندوستان (قدیم) میں قرآن پاک کی صحیح قرات کی اشاعت اور اس اعتراض کو اٹھانا کہ ہندوستانی حفاظ کلام اللہ کو غلط پڑھتے ہیں۔ مصر وحجاز وغیرہ ممالک کے قرا اور حفاظ کی ہندوستان پر نکتہ چینی بے جا نہیں، اس کے ازالہ کی ہر ممکن کوشش کرنا۔ [۲۱]

مدرسہ صولتیہ کا مسلک :

اغراض ومقاصد کے ساتھ بانی مدرسہ نے اپنی ایمانی فراست اور گردوپیش کے تمام حالات کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد اس عرفانی مرکز کے لئے کچھ ضروری اور اہم ہدایات مرتب فرمائیں ان میں بالخصوص ان تین امور پر زیادہ اصرار کے ساتھ پابندی کی تاکید فرمائی :

۱۔ قطعی طور پر سیاسیات اور سیاسی دلچسپیوں سے ہر کارکن ومدرس اور طالب علم کو بے تعلق رہنا ضروری ہے۔

۲۔ اختلافی امور اور مختلف فیہ مسائل سے کلی طور پر احتراز کیا جائے۔

۳۔ تفریق اور گروہ بندی سے ہر طرح بچنا چاہیے۔ [۲۲]

حضرت مولانا نے جس حکمت اور بالغ نظری سے ان امور کی پابندی کو لازم قرار دیا اور ان کو مدرسہ کا مستقل مسلک معین فرمایا حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ بانی مدرسہ کو یقیناً خداداد بصیرت حاصل تھی۔ پچاس سال پہلے حضرت مولانا محمد علی (مونگیری) بانی دارالعلوم ندوۃ العلماء مدرسہ صولتیہ کی اس خصوصیت کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں۔

"مدرسہ کی خوش نصیبی اور مولانا کی نیک نیتی کا ایک عمدہ ثمرہ یہ ہے کہ اس کے تمام مدرسین اور طلباء اس وقت کی آفتوں سے علیحدہ ہیں، ان کے خیالات میں نہ افراط ہے نہ تفریط اور نہ جدال و نزاع کا انہیں شوق ہے اور کسی مسلمان کی تکفیر و تفسیق کا انہیں خیال ہے۔ الحمد اللہ اس نازک دور پر فتنہ وقت میں اس بلا سے بچنا ہی خدا کا بڑا فضل ہے وہ اس مدرسہ پر ہے"۔ (۲۳)

مولانا کیرانوی نے مدرسہ صولتیہ قائم کرنے کے بعد اس کے انتظام و انصرام کو چلانے کے لئے مہاجرین حرم میں سے بااثر اور اہل علم حضرات کی ایک مختصر یا مشاورتی کمیٹی قائم کرلی تھی یہ بات تو ظاہر ہے کہ جو لگن اور تعلق مولانا کو مدرسہ صولتیہ سے ہو سکتا تھا وہ ممبران کو نہیں ہو سکتا تھا۔ جب مولانا نے مدرسہ کے کام کو چلانے کے لئے مشاورتی کمیٹی میں یہ تجویز رکھی کہ پہلے معزز ارکان حصول قرض میں امداد فرمائیں تو ان لوگوں نے بجائے مدد کرنے کے مدرسہ کو ایک دردسری سمجھ کر اور نہ چھٹنے والا جان کر اس سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور تحریری استعفے دیدیئے۔ اس نازک موقع پر ان لوگوں کی مدرسہ سے علیحدگی بڑی پریشان کن چیز تھی لیکن اسکے باوجود مولانا نے تنہا اپنے کندھوں پر ذمہ داری کا بار گراں اٹھایا اور زمانہ حیات میں مولانا نے مدرسہ کا انتظام خود ہی کیا اور حقیقت یہ ہے کہ ان کی ہی ذات مدرسہ کے قیام کا واحد ذریعہ تھی۔ (۲۴)

مدرسہ صولتیہ کا محل وقوع اور برکات روحانیہ :

مدرسہ صولتیہ کی عمارتوں کے محل وقوع کے متعلق ناظم اول مولانا محمد سعید کیرانوی 'ندائے عام' میں رقم فرماتے ہیں:

"مدرسہ صولتیہ کی عمارتیں جس جگہ واقع ہیں اس کا عہد جاہلیت سے قدیم تاریخی نام 'خندریسہ' ہے اور عربی میں پرانی تند و تیز شراب کا نام خندریس ہے۔ زمانہ جاہلیت میں یہاں شراب کی بھیاں تھیں اعلی قسم کی دو آتشہ و سہ آتشہ شراب کے متلاشی یہاں پہنچتے تھے میخانے آباد تھے اور جھومتے جھامتے مخموروں سے اس آبادی کی رونق تھی لیکن اب الحمد اللہ یہاں علوم نبویہ اور معارف الہیہ کی دو آتشہ و سہ آتشہ شراب حقیقت تشنگان علم کو پلائی جارہی ہے اور اب ہاتھوں میں بجائے ساغر و مینا کے کتاب معرفت اور دفتر حقیقت ہے جہاں بدمست نظر آتے تھے اب وہاں مہاجرین حرم کے معصوم بچے اور دنیائے اسلام کے شائقین علم درس و قرآن و حدیث میں منہمک نظر آتے ہیں۔ مدرسہ کی چاروں عمارتیں مکہ معظمہ میں اسلام کی ان تاریخی یادگاروں کے درمیان واقع ہیں جن سے ایک طرف جبل کعبہ وہ

مقدس پہاڑ ہے جس کے پتھروں سے حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ نے کعبہ کی تعمیر فرمائی ، دوسری طرف جبل مروہ پہاڑ ہے جس پر اسلام کے عظیم المرتبت خلیفہ ثانی حضرت عمر بن الخطابؓ نے اسلام لانے کے بعد سب سے پہلے وحدہ لاشریک لہ کے نام کی آواز بلند کی اور اپنے اسلام لانے کا اعلان فرمایا کفرستان عالم میں خدائے ذوالجلال کے لئے یہ پہلی آواز حق مکہ کے پہاڑوں میں گونجی تو کفار مکہ کے ایوانوں میں زلزلہ آگیا۔ مدرسہ کی تیسری عمارت بورڈنگ (دار الطلبہ) سے متصل وہ قطعہ وزمین ہے جو حضور اقدس ﷺ نے اس وقت حضرت خدیجہؓ سے روپیہ سے خرید کر مسلمانوں کے لئے ان کی آخری آرام گاہ قبرستان کے لئے وقف فرمایا تھا۔ جب عہد اول میں کفار قریش نے اسلام کے ان سابقین اولین کو اپنے قبرستان میں دفن ہونے سے روک دیا تھا۔ مقبرہ 'شبیکہ' کے نام سے یہ بابرکت قطعہ زمین اب تک موجود ہے ۱۳۱۰ھ تک اس میں تدفین جاری تھی اور ایک صدی قبل کے اکثر و بیشتر علماء واتقیاء اور اہل مکہ اس قطعہ زمین میں اپنا دفن ہونے کے لئے عہد اول کے ان نفوس قدسیہ کے قرب وپڑوس کے لئے متمنی رہتے تھے جو اسلام کے بالکل ابتدائی دور سے اس میں مدفون ہیں۔ مدرسہ صولتیہ کی عمارتیں اسلام کی ان پرانوار یادگاروں کے قریب جن کو بصارت سے نہیں بصیرت کی آنکھوں سے دیکھنے کی ضرورت ہے"۔ (۲۵)

فصل سوم : مدرسہ صولتیہ کی ابتدائی مشکلات :

جو کام بھی شروع کیا جائے اس میں ابتداء پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے چنانچہ مولانا کیرانویؒ کے سامنے بھی پریشانیاں آئیں جن کا انہیں وہم گمان بھی نہ تھا۔ مولانا امداد صابری کے بقول ایک پریشانی کا باعث غیر نے اور دوسری پریشانی اپنوں نے پیدا کی۔ ابتداء اور بڑی مشکلات یہ پیش آئیں :۔

۱۔ انگریزی کونسل متعینہ جدہ کو یہ خیال اور وہم پریشان کرتا رہا کہ حضرت مولانا اس درس گاہ کے پس پردہ انگریزوں کے خلاف پراپیگنڈہ اور کوئی باغیانہ سازش نہ کرتے ہوں اسلئے کہ حضرت مولانا کیرانویؒ پر ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں غیر وفاداری کا الزام لگایا گیا تھا۔ اس وجہ سے مدرسہ کے قیام میں اس نے ہر ممکن رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی۔

۲۔ حجاز کے مقامی ترک حکام کو یہ اندیشہ دامن گیر رہا کہ سرزمین حرم پر مدرسہ کی ابتداء ہندوستان کے مسلمانوں کی کوشش سے ہو رہی ہے ایسا نہ ہو کہ یہ درسگاہ آئندہ بیرونی اقتدار اور اغیار کی مداخلت کا ذریعہ بن جائے۔ (۲۶)

اس میں شک نہیں کہ ترکوں کی بدگمانی ایک مدتک درست تھی کیونکہ وہ اپنے ملک میں مشن اور پادریوں کے خیراتی اور رفاہ عامہ کے کاموں کا تلخ تجربہ اٹھا چکے تھے۔باوجود ان تمام مشکلات اور زبردست مخالفت کے بانی مدرسہ نے ہمت وپامردی کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور ان کا مقابلہ کیا۔ بالآخر کچھ زمانہ کے بعد حقیقت حال اور اصلیت کی روشنی میں تمام شکوک وشبہات کے بادل چھٹ گئے اور مولانا نے اپنے خلوص وللہیت اور استقلال کی بدولت آئندہ کے لیے راستہ صاف کر لیا۔(۴۷)

مدرسہ صولتیہ کے ابتدائی حالات کا جائزہ،بانی مدرسہ کے قلم سے :

مدرسہ صولتیہ کس طرح قائم ہوا ابتداء میں اس میں کتنے معلم اور طالب علم تھے اور کیا کیا کتابیں پڑھائی جاتی تھیں اس کا مختصر حال مولانا کیرانوی بانی مدرسہ صولتیہ کے قلم سے ملاحظہ فرمایئے۔یہ خط آپ نے خان صاحب ڈپٹی امداد العلی کے خط کے جواب میں لکھا تھا۔چونکہ اس سے مدرسہ کے ابتدائی حالات پر کافی روشنی پڑتی ہے اس لئے اس کے بعض حصوں کو نقل کیا جاتا ہے :۔

> "جناب ناصر الحق ڈپٹی صاحب مکرم مجمع مکارم الاخلاق سلمہ اللہ تعالیٰ سلام مسنون کے بعد گزارش ہے کہ آپ کا عنایت نامہ پہنچا اور دو دفعہ کے اخبار بھی پہنچے۔۔۔مدرسہ کے لئے جو دوبار آپ نے ایک سو پچاس روپے روانہ کیا وہ منشی ظفر اللہ کی معرفت پہنچے۔مدرسہ کا حال جو استفسار فرمایا مکرم میرا مدت سے ارادہ تھا کہ آپ کو اس کے حال سے اطلاع دوں پر کئی وجوہ کے لحاظ سے من جملہ اس کے یہ بھی ہے کہ لوگوں نے اکثر ایسی چیزیں کمائی کے حیلے بنا رکھے ہیں اور ان حیلوں سے جمع کر کے کھا جاتے ہیں متامل تھا،اب جو آپ نے استفسار فرمایا گزارش ہے کہ مجھے مدت سے خیال تھا کہ یہاں کے ہندیوں کی طرف سے اگر ایک مدرسہ جاری ہو تو بہت اچھا ہے پر اول اول اپنی بے مقدوری اور ہم جنسوں کی کم رغبتی سے متامل تھا۔۱۲۹۰ھ کے شعبان کے آخر میں میرا پکا ارادہ ہوا اور اسی رمضان کے مہینے کی پہلی سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ابتدا میں مجھ کو بہت رنج رہا مدرسہ کے لئے مکان نہ تھا۔۔۔چار مہینہ میں مدرسہ کے لیے تین مکان بدلے گئے۔پر اسی سال میں بی بی صولت النساء اور ان کے داماد شاہ نوازش حسین کلکتہ محلہ سوڈھے کے رہنے والے حج کے لیے آئے تھے انھوں نے حال سن کر بڑی مدد کی۔۔۔اب اس کی تعلیم کا حال سنئے اور اسمیں میرے سوا چار مدرس ہیں دو قاری،دو معلم قرآن مجید کے اور دو مدرس علوم عقلیہ اور نقلیہ کے اور ایک محرر،اور محرر کے سوا چھتر طالب علم ہیں اور میں صبح سے دوپہر تک اسی مدرسہ میں پڑھاتا ہوں اور ظہر

قریب میں اگر کہیں جگہ ہاتھ آتی تو اب تک جتنا اس مدرسہ پر خرچ ہوا ہے اس تناسب سے
اس زمین پر ہی خرچ ہوتا اور وہ زمین تب بھی پیائش میں اس مدرسہ کی زمین سے کم ہوتی
اس لیے حرم سے دور محلہ خندریسہ میں زمین کو مول لیا۔۔۔ امید ہے کہ اگر آپ نے
کوشش کی تو مدرسہ اسلامی جو مکہ معظمہ میں ہوگا اعلیٰ درجہ کو پہنچے گا اور ہر سال اس بلدہ
معظمہ میں جو مجمع مردم ہفت اقلیم کا ہے لاکھوں کی نظر میں ہندیوں کی عزت اور آپ کی
سعی مشکور رہے گی اس لیے گزارش کرتا ہوں کہ آپ اس امر کے لیے کمر باندھیں کہ اس
مدرسہ کی بنا کا کام اتمام کر کے ایک اور زمین وسیع حرم کے قریب لی جاوے اور اس میں ایک
بڑا مدرسہ بنایا جاوے اور وہ زمین ایسی جگہ پر ہووے کہ اگر چہ چاروں طرف اس کے دکانیں
نہ نکل سکیں تو دو تین طرف تو نکل سکیں اور انشاء اللہ اگر تجویز ہو گئی تو بمنظر ثواب اخروی
اس کے سوانے کی کوشش کرونگا کہ تھوڑے دنوں میں مدرسہ نیک نام ہو جاوے گا اور
اس مدرسہ موجودہ کو فقط قرآن مجید کی تعلیم کے لیے رکھا جاوے گا اور یہ مدرسہ موجودہ اس
دوسرے بڑے مدرسہ کی شاخ ہو جاویگا اور انشاء اللہ اس کے فیض میں فرق نہ آوے گا۔ اگر
خدا آپ کی سعی میں زیادہ برکت بخشے تو اس پر صلاح یہ ہے کہ حرم کے پاس سلطان جنت
مکان عبدالمجید خاں غازی اناہ اللہ برہانہ نے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی تھی سو اس سلطان جنت
مکان کی وفات کی سبب سے وہ بنا بیچ میں رہ گئی اور حضرت سلطان کو بسبب بعض امور ملکی
کے اس کی طرف التفات نہیں ہوئی وہ ویسے ہی پڑی ہے اگر کوئی اسکی بنا اور آبادی کا خیال
کرے تو اور صرف زر کثیر سے امید ہے کہ حضرت سلطان خلد اللہ ملکہ کی طرف سے وہ
اسے مل جاوٗیگی پر یہ امر صرف کثیر کا محتاج ہے۔ بہر حال گزارش یہ ہے کہ جو آپ کی صلاح
میں آوے ویسا کیجیے جو ہماری سمجھ میں آیا سے گزارش کر دیا۔

۱۶ ذالحجہ ۱۲۹۲ھ بدست مولوی اللہ یار خان مکہ معظمہ مدرسہ واقعہ محلہ خندریسہ۔ الکاتب
رحمت اللہ عفی عنہ۔ (۲۸)

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ مدرسہ کے ضروری کاموں اور اہم چیزوں کی تکمیل کرنے کے لیے اسی قسم کے دوسرے اہل
خیر حضرات سے کوشش فرمارہے تھے جسمیں وہ کامیاب ہوتے جارہے تھے۔ چنانچہ مدرسہ کے دارالاقامہ (بورڈنگ) کی تعمیر کی
ابتداء ۱۲۹۳ھ میں صوبہ بہار کے ایک مخیّر عالی ہمت رئیس میر واحد حسین پٹنہ نے کرائی اس دارالاقامہ میں پچاس طلباء کے رہنے

کی گنجائش ہے جسکا کوئی معاوضہ علماء سے نہیں لیا جاتا۔ (۲۹)

مدرسہ صولتیہ کے وسائل و ذرائع :

بانیان دار العلوم دیوبند کی طرح مولانا رحمت کیرانوی بھی مدرسہ صولتیہ کو حکومت کے دباؤ سے آزاد رکھنا چاہتے تھے۔ سلطنت عثمانیہ کی طرف سے بار بار امداد کی پیشکش کی گئی لیکن مولانا نے ہمیشہ شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے قبول کرنے سے معذرت کر دی وہ چاہتے تھے کہ امت مسلمہ کے دو دو چار چار پیسوں اور قلبی دعاؤں سے اس ادارہ کا کاروبار چلے تاکہ عوام سے رابطہ قائم رہے کسی بادشاہ، امیر وزیر کی امداد پر تکیہ نہ ہو جائے اور مدرسہ ہر طرح کے دباؤ سے آزاد رہ کر خدمت سرانجام دے۔ مولانا کیرانوی سرزمین حرم میں اسے ہندوستانی باشندوں کی ایک عظیم یادگار اور دینی خدمت تصور فرماتے تھے آخر لمحے تک ان کی کوشش رہی کہ اہل ہند کا اس ادارہ سے زیادہ سے زیادہ ربط ہو اور ہر طرح کی امداد و قربان پیش کر کے اس ادارہ کی آبیاری کریں۔ (۳۰)

'ندائے حرم' کے مدیر لکھتے ہیں :

> "مدرسہ کے بانی نے اس یونیورسٹی کو یہ امتیاز بخشا کہ اس میں سلاطین اور حکمران طبقہ کا کوئی پیسہ نہ لگے اور اس کی بقا صرف اس برصغیر کے مسلمانوں کی مرہون منت ہے۔ بارہا ترکی سلاطین اور والی حجاز نے اس کی طرف مالی امداد کا ہاتھ بڑھایا اور اس کے خزانے کو دوسروں سے مستغنی کر دینا چاہا مگر بانی کی نصیحت کے مطابق شکریہ کے ساتھ معذرت کر دی گئی اور صاف صاف کہہ دیا گیا کہ دار العلوم کا بار تو برصغیر کے مسلمانوں پر رہے گا"۔ (۳۱)

۱۲۹۹ھ میں خلیفہ عبد الحمید ثانی کی دعوت پر مولانا قسطنطنیہ تشریف لائے سلطان نے آپ کا بڑا اعزاز و اکرام کیا اس موقع پر سلطان نے مدرسہ صولتیہ کے لیے معقول ماہانہ امداد مقرر کرنے کا خیال ظاہر کیا اس کے جواب میں مولانا نے شکریہ اور دعا کے بعد فرمایا' حرمین شریفین میں امیر المومنین کے بہت سے جاری کردہ امور خیر ہیں اور بہت سے نیک کام تشنہ تکمیل ہیں مدرسہ صولتیہ چونکہ ہندوستان کے دیندار اور نیک لوگوں کی امداد سے چل رہا ہے ان کو اس کار خیر میں شرکت و سرپرستی کی سعادت سے محروم نہ فرمایا جائے جو یقیناً امیر المومنین کے الطاف شاہانہ سے بعید نہیں"۔ (۳۲)

اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا محمد سعید لکھتے ہیں :

> "سلطنت عثمانیہ کی معقول اور گراں قدر امداد مدرسہ کے واسطے قبول نہ کرنے پر مولانا کے اس انکار کو پسندیدگی کی نظر سے ان لوگوں نے جن کی نگاہ ہمیشہ سطحی امور پر ہوا کرتی ہے نہیں دیکھا تھا۔ مگر واقعات اور تجربہ نے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچا دیا کہ مولانا صرف ایک عالم

> اور مسلمانوں کے سچے ہمدرد اور زمانہ کی ضرورتوں سے باخبر بزرگ اور مخلص قوم ہی نہ تھے بلکہ وہ ایک دوراندیش اور عواقب و نتائج پر حقیقت شناسی کی صاف روشنی میں ہر چیز کو دیکھنے کا خاص ملکہ رکھتے تھے"۔ (۳۳)

مولانا کیرانوی کے بعد ان کے جانشین مولانا کی پالیسی اور اصول پر عمل پیرا رہے سلطنت عثمانیہ کے اقتدار کے خاتمہ کے بعد حجاز کے مختلف حکمرانوں نے مدرسہ صولتیہ کی مالی امداد کی پیشکش کی مگر مولانا کیرانوی کے دوراندیش جانشینوں نے امداد لینے سے صاف انکار کر دیا اور انکے اس طرز عمل کی وجہ سے ارباب اقتدار کی پیشانیوں پر شکن بھی آیا۔

مسجد، مدرسہ صولتیہ کی تعمیر:

۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۴ء میں عثمان نوری پاشا گورنر کے عہد میں، صحن حرم میں میزاب زمزم کے سامنے باب النبی کے محاذ میں ایک خوبصورت عمارت میں سلطانی کتب خانہ تھا جو ایام حج میں حجاج کی تکلیف اور اقامت نماز میں پریشانی کا باعث بنتا تھا۔ عثمان نوری پاشا نے وزارت اوقاف استنبول کی توجہ ان پریشانیوں کی طرف دلائی اور بتایا کہ اگر کتب خانہ سلطانی کی عمارت یہاں سے ہٹا دی جائے تو زائرین کعبہ کی سہولت کا باعث ہوگی۔ وزارت اوقاف نے یہ مسئلہ سلطان عبدالحمید خاں کے سامنے پیش کیا انہوں نے اسے منظور کر لیا۔ کتابیں کثیر تعداد میں ایک ملحقہ عمارت میں منتقل کر دی گئیں کتب خانہ کی عمارت کو منہدم کر دیا گیا۔ کتب خانہ کے ملبہ کے متعلق جب مولانا کیرانوی نے سنا کہ یہ ملبہ فروخت ہوگا تو بے چین ہو گئے کہ جو ملبہ کئی سو سال تک جوار کعبہ اور صحن حرم میں رہا ہو اس کو لوگ خرید کر اپنے گھر میں لگائیں گے مولانا فوراً عثمان پاشا کے پاس پہنچے اور ملبہ کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا نوری پاشا نے آپکی رائے سے اتفاق کیا اور معلوم کیا کس مصرف میں لایا جائیگا مولانا نے فرمایا اس ملبہ سے مدرسہ صولتیہ سے ملحق ایک مسجد بنوا دی جائیگی جہاں مدرسہ کے طلباء نماز ادا کیا کریں گے اس تجویز کو نہ صرف نوری پاشا نے بلکہ افسران ترکی نے بھی پسند کیا ملبہ کی قیمت کے تعین پر رد و کد ہوئی۔ جس پر گورنر نے کہا کہ میں وزارت اوقاف کو لکھتا ہوں مجھے امید ہے کہ وہ آپ کو اس کار خیر کے لیے یہ ملبہ مفت دے دیگی۔

مولانا جانتے تھے کہ وزارت کے محکمہ میں جو معاملات جاتے ہیں ان کے طے ہونے میں بہت دیر لگتی ہے اس عرصہ میں یہ ملبہ صحن حرم سے نکل کر باب ابراہیم کے سامنے شارع عام پر ڈال دیا جائیگا اور اسکی بڑی بے حرمتی ہوگی اس لئے مولانا نے فرمایا کہ میں اس ملبہ کا ڈیڑھ ہزار ریال دیتا ہوں گورنر نے خوشی قبول کر لیا۔ مولانا مدرسہ میں واپس آئے اور مدرسہ کے خازن سے پوچھا کہ مدرسہ کے خزانہ میں کتنی رقم ہے اس نے بتایا کہ خزانہ میں پندرہ سو ریال سے زیادہ نہیں ہیں۔ آپ نے فوراً وہ رقم گورنر کو دے دی اور کتب خانہ کا تمام ملبہ مدرسہ میں ڈال دیا۔

مدرسہ کے اساتذہ اور طلباء میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ مہینہ ختم ہونے والا ہے اور مدرسین کو تنخواہیں کہاں سے ادا کی

جائیں گی اور جو ضروری کام ہیں وہ بغیر پیسے کے کیسے پایہ تکمیل کو پہنچیں گے طلباء کے وظیفے کیسے دیے جائیں گے۔ مخالفین نے سنا تو بہت خوش ہوئے کہ اب مدرسہ میں خلفشار ہوگا تیسرا دن بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ ایک یمن تاجر اسی زمانہ میں مکہ معظمہ آیا ہوا تھا اس نے جب یہ سنا کہ مولانا مسجد تعمیر کرنے کے لئے حرم شریف کا ملبہ اٹھوا کر لے گئے ہیں تو وہ آپ کی خدمت میں آیا اور دس ہزار ریال ان الفاظ کیساتھ پیش کئے۔ آپ نے خدا کا کام کیا خدا قبول فرمائے۔ (۳۴)

مولانا کو ہندوستانی طرز تعمیر بہت پسند تھا۔ اسلامی ممالک مثلاً حجاز، بیت المقدس، فلسطین، بغداد اور کربلا وغیرہ میں مسجد نبا صوفیہ کی تقلید میں ایک گنبد بنایا جاتا ہے اور ہندوستانی مساجد میں کثرت کے ساتھ تین گنبد بنوائے جاتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے فیصلہ کیا کہ اس مسجد میں بھی تین گنبد بنوائے جائیں گے مگر گنبد کا بنانا آسان کام نہیں تھا اور خاص طور پر ہندوستان کی وضع قطع کے گنبد ہندوستانی معماروں کے علاوہ اور کوئی معمار نہیں بنا سکتا تھا۔ چنانچہ مسجد کی تعمیر کا کام جاری تھا کہ اسی سال حج میں پانی پت کے دو معمار حج کرنے کے لئے آئے اتفاقیہ طور سے مولانا سے ملاقات ہوئی مسجد کی تعمیر کا کام انہوں نے دیکھا۔ جب مولانا نے تین گنبدوں کے بنانے کے خیال کا اظہار کیا تو وہ فوراً تیار ہو گئے۔ چنانچہ خود مولانا، مدرسہ کے اساتذہ، مدرسہ کے طلبا اور مہاجرین حرم، اینٹ، پتھر، گارہ، ذوق و شوق اور ولولہ کیساتھ اٹھا کر معماروں کو دینے لگے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس متبرک ملبہ سے مدرسہ صولتیہ کی مسجد ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۷ء میں تیار ہو گئی۔

اسی زمانے میں ہرات کے ایک بزرگ مکہ معظمہ میں حج کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے مولانا کیرانوی سے ان کی ملاقات ہوئی۔ مدرسہ کی مسجد کا ذکر سن کر مسجد میں آئے، نماز پڑھی اور نماز پڑھنے کے بعد ایک طالب علم سے قلم دوات اور کاغذ کا پرزہ لیکر قلم برداشتہ فی البدیہہ مسجد کی تاریخ کا قطعہ لکھا جو آج بھی بطور یادگار مسجد کی محراب پر لگا ہوا ہے۔

مسجد خوش منظر است ایں مسجد	ہر ای العین مثلہ الثانی
گشت تاریخ خانہ رحمت	رحمۃ اللہ قل علی الہانی (۳۵)

۱۳۰۴ھ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حواشی و تعلیقات (باب ششم)

(۱) قاسمی، عتیق احمد، مولانا، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اور تحریک مدارس، تاریخی پس منظر، الفرقان (لکھنؤ) ۶۳ / ۶ جون ۱۹۹۵ء، ص ۳۵۔

(۲) ایک مجاہد معمار، ص ۳۲، المدرسہ الصولتیہ، ص ۲۹۔

(۳) ایک مجاہد معمار، ص ۳۲، جبکہ شاہ محمد سلیمان پھلواری کا موقف یہ ہے کہ یہ تینوں سفر ہجرت میں اکٹھے تھے، لکھتے ہیں: "یہ تینوں (حاجی امداد اللہ، مولانا رحمت اللہ اور ڈاکٹر وزیر خاں) راجپوتانہ کے راستے بمبئی پہنچے اور وہاں سے بادبانی جہاز پر سوار ہو کر حجاز گئے" دیکھیے: (خاتم سلیمانی، حصہ چہارم، ص ۴۰)

(۴) ایک مجاہد معمار، ص ۳۳؛ تاریخ التعلیم فی مکۃ المکرمۃ، ص ۱۲۸؛ دروس من ماضی التعلیم، ص ۹۶، موجودہ ناظم مدرسہ صولتیہ ماجد مسعود سلیم کے برادر خورد احمد مسعود سلیم کے بیان کے مطابق یہ اجازت نامہ مدرسہ صولتیہ کے دفتر میں چند سال قبل تک موجود رہا ہے۔

(۵) ایک مجاہد معمار، ص ۳۶، ۳۷؛ ندائے عام، ۱۳۵۷ھ ۲۲-۲۳۔

(۶) ایک مجاہد معمار، ص ۳۵، ۳۶؛ المدرسۃ الصولتیہ، ص ۳۳؛ تاریخ التعلیم فی مکۃ المکرمہ، ص ۱۲۶۔

(۷) قاسمی، عتیق احمد، مولانا، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اور تحریک مدارس، تاریخی پس منظر، الفرقان (لکھنؤ) حوالہ مذکور، ص ۳۶۔

(۸) ایک مجاہد معمار، ص ۳۶، ۳۷؛ تاریخ التعلیم فی مکتہ المکرمۃ، ص ۱۲۷۔

(۹) ایک مجاہد معمار، ص ۳۶؛ نداء عام ۱۲۵۷ھ، ص ۲۴؛ المدرسۃ الصولتیہ، ص ۳۲؛ التعلیم فی المملکۃ العربیۃ، ص ۲۹، مولانا محمد سلیم نے ان 'سابقون الاولون' کی فہرست اپنی کتاب میں دی ہے جس میں ان اہل خیر کی طرف سے دی گئی رقم کی تفصیل بھی درج ہے۔ اس فہرست میں دوسرے نمبر پر مولانا رحمت اللہ عا روپیہ ماہانہ اور حاجی امداد اللہ (حسب المقدور) کے نام بھی قابل ذکر ہیں۔ مزید دیکھیے ایک مجاہد معمار، ص ۲۹-۳۲۔

(۱۰) معلوم ہوتا ہے یہاں محمد مسعود شمیم کیرانویؒ سے تسامح ہوا ہے ورنہ مدرسہ ہندیہ یا مدرسہ رحمت اللہ کا سن قیام ۱۲۹۰ھ ہے نہ کہ ۱۲۸۵ھ، دیکھیے ایک مجاہد معمار، ص ۴۳؛ المناظرۃ الکبریٰ، ص ۳۵۔

(۱۱) کیرانویؒ، محمد شمیم، مولانا، مکہ معظمہ کی علمی تاریخ کا ایک روشن باب، مدرسہ صولتیہ، ذکر و فکر (دھلی)، حوالہ مذکور، ص ۲۸ نیز، الاشرف، (کراچی) ۵ ،۱، ۲، جولائی، اگست ۱۹۹۱ء، صولتیہ نمبر، ص ۶۳، ۶۳۔

(۱۲) مولانا محمد سلیم نے صولت النساء بیگم کی حج کی آمد کا سال ۱۲۹۰ھ بتایا ہے، دیکھئے ۔ایک مجاہد معمار، ص ۴۳۔

(۱۳) صولت النساء بیگم (۱۸۳۲ء-۱۹۱۰ء) کلکتہ سے جنوبی مشرق سمت تقریباً ۱۸ میل کے فاصلہ پر بھسیلہ نامی گاؤں یا آبادی ہے جس کے متعلق لوگوں میں مشہور ہے کہ کسی زمانے میں حضرت 'شاہ وسیلۃ اللہ' نامی کوئی بزرگ وہاں آباد ہوئے اور چونکہ اس جگہ کا کوئی نام نہ تھا اس لیے ان کے زہد و تقوی کے سبب انہی کے نام پر اس آبادی کا نام پڑ گیا جو امتداد زمانہ اور تلفظ بگڑنے کی بنیاد پر وسیلۃ اللہ سے 'بھسیلہ' ہو گیا انگریزوں کے زمانہ میں سرکاری کاغذات میں اس کو 'BHASELA' لکھا جاتا تھا جو اب تک رائج ہے۔ حضرت شاہ وسیلۃ اللہ کی نسل سے صدیقی خاندان کے عابد وزاہد فرد مولوی اجابت حسین تھے ان کے ہاں سب سے پہلے ایک فرزند عبدالصمد نامی تولد ہوئے اس کے بعد چھ لڑکیوں کی پیدائش ہوئی جب ساتویں دختر کی ولادت ہوئی تو بے حد کبیدہ خاطر ہوئے اور اس عطیہ ربانی کو ایک نظر دیکھنے کے بھی روادار نہ ہوئے۔ ساتویں روز عقیقہ کے دن اعزہ کے اصرار پر بیٹی کو دیکھا تو دیکھتے ہی رہ گئے بے اختیار سینے سے لگا لیا سب بہنوں میں بے حد حسین و جمیل اور معصوم صورت تھی۔ دو رکعت نماز پڑھ کر سجدہ شکر ادا کیا اس کی ولادت ۱۸۳۲ء میں ہوئی اور باپ کی زبان سے الہامی نام 'صولت النساء بیگم' تجویز ہوا چھ بہنوں کی شادیاں متوسط گھرانے میں ہوئیں لیکن صولت النساء بیگم کی شادی منشی لطافت سے ہوئی جو کلکتہ بلیہ گھاٹ اور چوبیس پرگنہ کے بڑے زمیندار اور صاحب ثروت تھے شادی کے بعد منشی لطافت حسین کی قسمت اور چمکی۔ جاہ و ثروت میں دن بدن ترقی ہونے لگی ان کے شوہر نے جب صولت النساء بیگم کا محبت و خلوص اور انتظامی قابلیت اور امور خیر سے دلچسپی کے مظاہر دیکھے تو ۱۸۸۲ء میں اپنی پوری جائیداد ان کے نام منتقل کر دی جس کے ایک سال بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ جس کے بعد صولت النساء بیگم نے اپنے بڑے بھائی مولوی عبدالصمد عرف مانک میاں اور اپنے دو بھانجوں منشی منظر حسین اور منشی مبارک حسین کے ذمہ جائیداد کی دیکھ بھال کا کام سپرد کیا اور خاوند کی یاد میں ایک سڑک "منشی الطافت حسین روڈ" تعمیر کرائی، جو آج تک اسی نام سے کلکتہ میں موجود ہے شوہر کی وفات کے بعد بعد صولت النساء بیگم کی توجہ امور خیر کی طرف اور زیادہ بڑھ گئی اسی جذبہ کے تحت ۱۲۸۹ھ (۱۸۷۳ء) میں اپنے داماد حکیم نوازش حسین اور دیگر اعزہ کے ساتھ حج کیا۔ صولت النساء بیگم نے حج سے واپسی کے بعد اپنے وطن بھسیلہ میں بھی ایک مدرسہ صولتیہ کے نام سے قائم کیا اور اس کے ساتھ ہی ایک مسجد بھی تعمیر کرائی۔ ان دونوں کاموں کے لئے معقول جائیداد وقف کی اور اپنے بھائی منشی عبدالصمد کو متولی بنایا۔ مگر انکی وفات کے بعد ان کے فرزند کو منشی محمد عبداللہ نے اس مدرسہ کو مڈل انگلش سرکاری سکول بنا دیا جو بعد ازاں ہائی سکول کی سطح پر

اب تک موجود ہے۔ اپنے وطن میں متعدد امور خیر کے علاوہ صولت النساء بیگم نے کلکتہ میں اپنی سکونتی مکان کے قریب ایک شاندار مسجد کے علاوہ مدرسہ عالیہ کلکتہ کے غریب طلباء کے لئے ایک ہوسٹل تعمیر کرایا۔ آپ نے ۷۷ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ اور بلیاگھاٹ کلکتہ میں اپنی تعمیر کردہ مسجد کے احاطہ میں اپنے شوہر کے برابر مدفون ہوئیں۔ (کیرانوی، محمد شیم، مکہ معظمہ کی علمی تاریخ کا ایک روشن باب، مدرسہ صولتیہ۔ ذکر وفکر (دھلی) حوالہ مذکور، ص ۶۹۔۷۶)

(۱۴) ھمیں مصدر، ص ۷۱۔

(۱۵) نفس مصدر، ص ۷۱، ۷۲۔

(۱۶) واضح رہے یہ تحریر ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء کی ہے جبکہ مدرسہ کے قیام کو ۱۱۸ برس چکے تھے اب ۱۴۲۰ھ میں یہ مدت ۱۲۹ سال ہو چکی ہے۔

(۱۷) کیرانوی، محمد شیم، مکہ معظمہ کی علمی تاریخ کا ایک روشن باب، مدرسہ صولتیہ، ذکر وفکر (دھلی) حوالہ مذکور، ص ۷۴۔

(۱۸) ایک مجاہد معمار، ص ۳۴؛ المدرسة الصولتيه، ص ۳۴؛ تاريخ التعليم فى مكة المكرمة، ص ۱۲۵، ۱۲۶؛ دروس من ماضى التعليم، ص ۱۲۔

(۱۹) کیرانوی، محمد مسعود شیم، مکہ مکرمہ کی علمی تاریخ کا ایک روشن باب، مدرسہ صولتیہ، ذکر وفکر (دھلی) حوالہ مذکور، ص ۶۸۔

(۲۰) نفس مصدر، ص ۷۳۔

(۲۱) ایک مجاہد معمار، ص ۳۵، ۳۶؛ تاريخ التعلم فى مكة المكرمه، ص ۱۲۷؛ دروس من ماضى التعليم، ص ۹۸۔

(۲۲) ایک مجاہد معمار، ص ۳۶، ۳۷۔

(۲۳) نفس مصدر، ۳۷۔

(۲۴) روائیداد مدرسہ صولتیہ، ۱۳۴۵ھ، ص ۳۶ بحوالہ آثار رحمت، ص ۲۸۹، ۲۹۰۔

(۲۵) ندائے عام: ۱۳۵۷ھ بحوالہ ذکر وفکر (دھلی) حوالہ مذکور، ص ۷۶۔

(۲۶) ایک مجاہد معمار، ص ۴۴، ۴۵، مولانا محمد سلیم نے قسطنطنیہ کے دوسرے سفر ۱۳۰۱ھ کو اشی حالات کی تمہید قرار دیا ہے۔ جنہے ہیں 'عثمان نوری پاشا ۱۲۹۹ھ میں دولت عثمانیہ کی طرف سے حجاز کے گورنر مقرر ہوئے۔ موصوف چونکہ فوجی آدمی تھے اس لئے حکمت عملی اور دور اندیشی ان میں نہ تھی۔ بعض خود غرض اور فتنہ انگیز لوگوں کی

ریشہ دوانی سے وہ مدرسہ صولتیہ سے بد ظن ہوئے اور اجنبی ملک کی تحریک سمجھ کر مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔ معاملات قسطنطنیہ تک پہنچے یہ مولانا کے دوسرے سفر کی تمہید تھی ۔۔۔ قسطنطنیہ سے مولانا کیرانوی مکہ معظمہ پہنچے تو مدرسہ صولتیہ کے لئے خوشی کا دن تھا اور استقبال کرنے والوں میں عثمان نوری پاشا بھی تھے" مزید دیکھئے ایک مجاہد معمار، ص ۴۸-۵۳۔

(۲۷) ایک مجاہد معمار، ص ۴۵۔ آثار رحمت، ص ۲۸۸۔

(۲۸) آثار رحمت، ص ۲۹۰، ۲۹۵۔

(۲۹) نفس مصدر، ص ۲۹۶۔ ایک مجاہد معمار، ص ۵۸۔ مدرسہ کے موجودہ ناظم کے برادر خورد احمد مسعود سلیم کے بقول مذکورہ دارالاقامہ کی ۱۳۰ سالہ عمارت کو حکومت نے سڑک کی توسیع کی غرض سے گرا دیا ہے۔

(۳۰) قاسمی، عتیق الرحمٰن، مولانا، حضرت مولانا کیرانوی اور تحریک مدارس۔ تاریخی پس منظر، الفرقان (لکھنؤ) حوالہ مذکور، ص ۳۷، ۳۸۔

(۳۱) ندائے حرم (مکہ معظمہ) محرم الحرام، ۱۴۰۷ھ، ص ۷۔

(۳۲) ایک مجاہد معمار، ص ۵۲۔

(۳۳) ندائے عام، ۱۳۵۷ھ، ص ۴۴، ۴۵۔

(۳۴) نفس مصدر، ص ۳۰۲۔ ایک مجاہد معمار، ص ۵۹، ۶۰۔

(۳۵) آثار رحمت، ص ۳۰۲، ۳۰۳۔

(۳۶) حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور مولانا کیرانویؒ کے تعلقات کار کی تفصیل ملاحظہ ہو مقالہ ہذا، باب اول، فصل چہارم۔

(۳۷) آثار رحمت، ص ۳۰۹، ۳۹۵۔

(۳۸) نفس مصدر، ص ۳۱۱، ۳۱۲۔

(۳۹) نفس مصدر، ص ۱۰۶۔

(۴۰) نفس مصدر، ص ۱۰۶، ۱۰۷۔

(۴۱) تاریخ صحافت اردو ج ۳، ص ۷۶۳۔

(۴۲) آثار رحمت، ص ۱۰۹، ۱۱۰۔

(۴۳) نفس مصدر، ص ۱۱۴۔

(۴۴) مدرسہ صولتیہ کے قیام کے ساتھ ہی ہندوستان سے مالی اعانت و رابطہ کے لئے ایک دفتر دہلی میں کھولا گیا۔ ۱۹۴۷ء کی تقسیم میں یہ دفتر اجڑ گیا بعد ازاں یہی دفتر کراچی منتقل ہو گیا۔ لیکن یہ دفتر بھی اب بند ہو گیا ہے۔

باب ہفتم

مدافعتِ دین
میں
مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمہ اللہ کا منہجِ استدلال

فصل اول:

قرآنِ حکیم پر اعتراضات کا تجزیہ۔

فصل دوم:

احادیثِ مبارکہ پر اعتراضات کا جائزہ۔

فصل سوم:

حضورِ اکرم کی ذات اقدس پر اعتراضات کا جائزہ۔

فصل اول : قرآنِ حکیم پر اعتراضات کا تجزیہ۔

قرآنِ حکیم پر مسیحی علماء نے متعدد اعتراضات کیے ہیں (۱) تاہم ہمارے پیش نظر اس وقت قسیس اعظم، سی۔جی فانڈر کے وہ اعتراضات ہیں جو اس نے اپنی مشہور کتاب 'میزان الحق' میں کئے ہیں۔ ان میں سے بھی مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے علمی استدلال کے پیش نظر درج ذیل اعتراضات کا تجزیہ کیا گیا ہے

۱۔ جمع و تدوینِ قرآن حکیم پر اعتراضات۔

۲۔ اہلِ تشیع کے حوالے سے تحریفِ قرآن کا دعویٰ۔

۳۔ اعجاز القرآن پر شبہات۔

۱۔ جمع و تدوین قرآن پر اعتراضات کا جائزہ :

پادری فانڈر نے اپنی کتاب میں تین احادیث مبارکہ (۲) پیش کر کے قرآن حکیم کی جمع و تدوین پر مندرجہ ذیل اعتراضات اٹھائے ہیں :۔

۱۔ حضور اکرم ﷺ کے دور میں قرآن حکیم ایک جلد میں جمع نہیں ہوا تھا اور حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد متن کی اصل عبارت سے کچھ حصہ خارج کر دیا گیا۔ (۳)

۲۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضور اکرم ﷺ کی منشاء کے بغیر از خود قرآن حکیم کو جمع کیا۔ اسمیں بھی مصلحت کو پیش نظر رکھا۔ (۴)

۳۔ حضرت عثمانؓ نے اختلافِ قرآت کے پیش نظر اس اندیشہ سے کہ اس میں مزید خرابیاں پیدا نہ ہوں تو زیدؓ کو حکم دیا کہ قرآن کو دوبارہ جمع کریں اور قریش کی زبان میں لکھیں۔ (۵)

۴۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے نسخے کے علاوہ دیگر تمام نسخوں کو جلوا دیا تا کہ اسی ایک نسخے کو رائج کیا جا سکے۔ (۶)

۵۔ حضور اکرم ﷺ کے عہد میں قرآن حکیم کی قرآت میں شدید اختلاف تھا۔ (۷)

اب ان میں سے ہر اعتراض کا قدرے تفصیلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے ۔

۱۔ عہدِ نبوی ﷺ میں جمعِ قرآن حکیم :

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اعتراض عہدِ نبوی ﷺ میں جمع قرآن حکیم (۸) کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

"پادری کا یہ قول انتہائی کمزور ہے اسلئے کہ گو قرآن ایک جلد میں جمع نہیں ہوا تھا مگر پورا قرآن عہد نبوت میں پتھروں کے ٹکڑوں اور دوسری چیزوں پر لکھا جا چکا تھا آنحضور ﷺ کے عہد مبارک میں چوبیس آدمی وحی لکھنے پر مامور تھے اور بہت سارے صحابہ کرام حافظ قرآن تھے"۔ (۹)

۲۔ عہدِ صدیقیؓ میں جمع قرآن حکیم:

مولانا کیرانویؒ نے اعتراض "عہد صدیقیؓ میں جمع قرآن حکیم (۱۰) کو پہلے اعتراض کے ساتھ ہی جمع کر کے مذکورہ بالا استدلال پیش کیا ہے۔ اس کا الگ سے جواب دینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ (۱۱)

۳۔ عہدِ عثمانی میں قرآن حکیم:

حضرت عثمانؓ کا اختلاف کے پیش نظر قرآن حکیم کو دوبارہ مرتب کرنا (۱۲)" کے بارے میں مولانا کیرانویؒ لکھتے ہیں:

"حقیقت حال بس اتنی ہے کہ اصل میں تو قرآن لغت قریش کے مطابق نازل ہوا تھا۔ پھر آنحضرت کی خواہش پر اس میں وسعت دے دی گئی۔ خلافت عثمانؓ تک اسی طرح پڑھا جاتا رہا۔ حضرت عثمان نے اپنی خلافت کے زمانہ میں جب دیکھا کہ بعض لوگ اپنی قرات کو دوسری قرات پر ترجیح دیتے ہیں تو اس جھگڑے سے بچنے کیلئے پچاس ہزار صحابہؓ سے مشورہ کے بعد مناسب خیال کیا کہ کتابت شدہ مصاحف کو لغت قریش میں نقل کرا کر تمام ممالک میں پھیلا دیں"۔ (۱۳)

مزید رقم طراز ہیں:

"یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ لغت قریش کا دوسری لغات سے اختلاف کچھ اسطرح کا تھا مثلاً لفظ التابوت لغت قریش میں 'ت' کے ساتھ ہے تو دوسری لغت میں 'ۃ' کے ساتھ۔ دوسرے مقامات پر اسی نوعیت کے اختلاف تھے اس میں حضرت عثمانؓ نے کس اور طرح سے اپنی طرف سے کوئی اصلاح نہیں کی تھی۔۔۔۔ نہ ہی حضرت عثمانؓ نے آیات کی ترتیب میں کوئی ردوبدل کیا تھا کیونکہ ترتیب وہی تھی جو حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں تھی اور یہ ترتیب منزل من اللہ تھی"۔ (۱۴)

۴۔ مصحف عثمانی کے علاوہ دیگر نسخوں کو جلانا :

حضرت عثمانؓ کے اپنے نسخے کے علاوہ دیگر نسخوں کو جلانا (۱۵) کے متعلق، مولانا کیرانویؒ وہی استدلال اختیار کرتے ہیں جو حضرت عثمانؓ کے جمع قرآن پر تھا، لکھتے ہیں:

"اس کا سبب وہی تھا کہ فضول جھگڑا اور بعض قرآتوں کو دوسری قرآتوں پر بلاوجہ ترجیح دینے کا معاملہ ختم ہو جائے۔ جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ باقی نسخوں کو کیوں جلوا دیا، بقول پادری فانڈر کچھ نسخے چھوڑ دیتا تاکہ ان کا موازنہ ومقابلہ ممکن ہوتا اسلیئے کہ عثمانؓ نے اپنے گھر میں بیٹھ کر چپکے سے قرآن میں کچھ تغیر نہ کر دیا تھا اور قرآن کے تواتر کے سبب مسلمانوں سے ایسی بات کی امید بھی نہ تھی اور کسی غیر مسلم نے آج تک قرآن پر ایمان نہ لانے کے باوجود قرآن کے بارے میں ایسا بے ہودہ گمان قائم نہ کیا، ہاں صرف پادری نے اپنی ندامت ٹالنے کی خاطر ایسی بات کی ہے۔" (۱۶)

۵۔ اختلاف قرأت :

مولانا کیرانویؒ، پادری فانڈر کے اعتراض اختلاف قرأت (۱۷) کے جواب میں لکھتے ہیں

"پادری کا یہ قول ناقابل التفات ہے اوّل تو حدیث ہی میں اس امر کی صراحت موجود ہے دوسرے ہر قاری اپنی قرات کی خود رسول اکرم سے تصدیق کروا چکا تھا اور ساتوں قرآتیں متواتر ہیں اور سب کی سب رسول اکرم ﷺ سے منقول ہیں اسلیئے پادری کی ذات پر ہمیں تعجب ہے کہ اس کو اثبات تحریف میں کیا سمجھ کر نقل کیا ہے"۔ (۱۸)

مزید لکھتے ہیں :۔

"ہاں اگر قرأت کے یہ اختلاف ایسے ہوتے کہ خداتعالیٰ کی طرف سے ایک ہی عبارت نازل ہوتی اور آنحضرت نے بھی اس کو ایک ہی طرح سے پڑھا ہوتا اور پھر لوگ اس کو آنحضرت کے بعد بدل ڈالتے اور اپنی طرف سے دوسری عبارتیں بنا کر پڑھنے لگتے نیز قرآن کی عبارت تواتر سے بھی منقول نہ ہوتی۔ بلکہ وہ لوگوں کی عبارتوں کے ساتھ مل کر اس طرح خلط ملط ہو جاتی کہ قرآن کی عبارت اور لوگوں کی عبارت کے درمیان کوئی امتیاز کرنا، ناممکن ہو جاتا تو اعتراض کی گنجائش تھی"۔ (۱۹)

اختلاف قرات کا الزامی جواب :

مولانا کیرانویؒ پادری فانڈر کے اختلاف قرات کے اعتراض کا الزامی جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں

"بائبل میں عبارت کے ایسے اختلافات موجود ہیں جن میں یہ معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ ان میں سے کون سی عبارت اصل مصنف کی ہے اور کون سی عبارت ملحدوں، کاتبوں یا دین دار مسیحیوں کے طفیل نسخوں میں داخل ہوئی، چنانچہ ڈاکٹر مل نے جب عہد جدید کے نسخوں کو باہم ملایا تو عبارت کے تیس ہزار اختلافات کی نشاندہی کی، اور ڈاکٹر گریس بیک نے تو عبارات کے ڈیڑھ لاکھ اختلاف بتائے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر دنیا میں موجود تمام نسخوں کا باہم مقابلہ کیا جائے تو خدا جانے اختلافات کی تعداد کہاں تک پہنچے گی اس لئے کہ ابھی تک ہزاروں نسخے ایسے موجود ہیں جن کا کسی نے بھی مقابلہ نہیں کیا"۔ (۲۰)

مولانا نے مذکورہ الزامی استدلال کی بنیاد ان امور پر رکھی ہے

۱۔ بائبل میں الہامی و غیر انسانی کلام خلط ملط ہے، جس میں امتیاز کرنا مشکل ہے۔

۲۔ اس اختلاف کو ہم تحریف سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

۳۔ اناجیل کے مختلف نسخوں کی آیات کو عملی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ کلام الٰہی کے تعین میں شدید دشواری پیش آتی ہے۔

۵۔ بعض عبارات متناقض مفہوم کی حامل ہیں۔ (۲۱)

۲۔ اہل تشیع کے حوالہ سے قرآن کریم میں تحریف کا دعویٰ:

اہل تشیع کے حوالے سے پادری فانڈر نے قرآن کریم میں تحریف کا دعویٰ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں ۔

"محمدیوں (مسلمانوں) میں جو قرآن مروج ہے، اصلی نہیں ہے۔ کیونکہ پہلے تو ابوبکرؓ نے اکٹھا اور مرتب کیا پھر عثمانؓ نے دوبارہ ملاحظہ کر کے اصلاح دی ہے۔ حالانکہ شیعی لوگ ان اشخاص کو کافر اور بے دین جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عثمان نے کئی سورتیں جو علیؓ کی شان میں تھیں قرآن سے نکال ڈالی ہیں"۔ (۲۲)

استدلال:

مولانا کیرانوی نے مذکورہ بالا اعتراض پر دو پہلوؤں سے استدلال کیا ہے ۔

۱۔ الزامی جواب۔

۲۔ تحقیقی جواب۔

ہر ایک کی مختصر تفصیل یہ ہے :

مولانا کیرانویؒ نے مسیحیت کے تین قدیم فرقوں کے اقوال پیش کیے ہیں۔ مثلاً ۔

(۱) ابیونی (Eboinites) فرقہ

موش ہایم (Mosheim)، لارڈنر (Lardner) اور بل (Bill) کی تحریروں کے مطابق مذکورہ فرقہ حضرت عیسیٰ کو فقط ایک انسان اور یوسف نجار کا بیٹا قرار دیتا تھا۔ شریعت موسوی کو سب کے لئے لازم اور پولس (St.Paul) کو برا سمجھتا تھا۔ (۲۳)

(۲) مارقیونی (Martin) فرقہ :

بل اور لارڈنر کے مطابق مذکورہ فرقہ کے مطابق خدا دو ہیں۔ اول، یزداں جس نے انجیل بھیجی اور دوسرا شیطان جس نے عہد عتیق کی تمام کتابیں عطا کیں اور یہ سب کتابیں انجیل کے مخالف ہیں۔ (۲۴)

(۳) مانی کیز (Manichaeism) فرقہ :

لارڈنر کے قول کے مطابق موسیٰ اور تمام عبرانی پیغمبروں کا خدا جس نے توریت دی اور ان پیغمبروں سے کلام کیا، شیطان ہے اور اسی شیطان نے ہی ان پیغمبروں کو فریب دیا تھا۔ (۲۵)

مولانا کیرانویؒ مذکورہ بالا تینوں فرقوں کے عقائد تفصیل سے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ۔

"یہ تینوں فرقے جن کا شمار تثلیث کے عدد کی رعایت سے کامل ہے، مسیحی تھے۔ اب اگرچہ پادری صاحب ان کو اسی طرح بد عتی قرار دیں جس طرح انہوں پادری صاحب کے اسلاف کو بدعتی قرار دیا تھا۔ مگر وہ زور و شور سے اپنے بچے مسیح ہونے کا دم بھرتے تھے۔ اب ہم یہ پوچھتے ہیں کہ پادری صاحب ۷۲ اسلامی فرقوں میں سے ایک فرقہ کے قول کو حجت قرار دے کر طعن کرتے ہیں تو کیا ان فرقوں کا جن کا عدد موافق تثلیث کے کامل ہے کچھ غور نہ کریں گے ؟ اور اگر پادری صاحب ان تینوں کے اقوال کو جمہور مسیحیوں کے قول یا انجیل کے مخالف سمجھتے ہیں تو اہل تشیع کے قول کو بھی بلا کم وکاست ویسا ہی قرار دیں جیسا کہ آئندہ سطور میں مذکورہ ہوگا"۔ (۲۶)

تحقیقی جواب :

مولانا کیرانویؒ نے پادری فانڈر کے مذکورہ اعتراض کا تحقیقی جواب یوں دیا ہے ۔

۱۔ صحابہ کرامؓ کے مومن ہونے کی قرآنی شہادات۔

۲۔ خلفائے راشدین کے ثلاثہ کے حق میں اہل بیت کی شہادات۔

۳۔ قرآن کی حقانیت پر شیعہ علماء کے دلائل۔

۴۔ بستان اور عین الحیات کی حیثیت۔

ہر ایک کی مختصر تفصیل یہ ہے :

۱۔ صحابہ کرامؓ کے مومن ہونے کی قرآنی شہادت :

مولانا کیرانویؒ نے اثنا عشری، عدد کی نسبت سے قرآن کریم کی درج ذیل بارہ آیات مع ترجمہ و مختصر تفسیر کرکے واضح کیا ہے کہ خلفائے کرام، مہاجرین، انصار اور صحابہ کرامؓ کی طرف کفر کی نسبت کرنا شریعت محمدیہ ﷺ کے مطابق باطل ہے۔

۱۔ سورۃ آلِ عمران، آیت ۱۱۰۔

۲۔ سورۃ التوبہ، آیت ۲۰ تا ۲۲۔

۳۔ سورۃ التوبہ، آیت ۸۸، ۸۹۔

۴۔ سورۃ التوبہ، آیت ۱۰۰۔

۵۔ سورۃ التوبہ، آیت ۱۱۱، ۱۲۱۔

۶۔ سورۃ الحج، آیت ۴۱۔

۷۔ سورۃ الحج، آیت ۷۸۔

۸۔ سورۃ النور، آیت ۵۵۔

۹۔ سورۃ الفتح، آیت ۲۶۔

۱۰۔ سورۃ الفتح، آیت ۲۹۔

۱۱۔ سورۃ الحجرات، ۷۔

۱۲۔ سورۃ الحشر، آیت ۸، ۹۔ (۲۷)

سورۃ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے :

" والسّابقون الاوّلون من المهاجرين والانصار والّذين اتّبعوهم باحسان رضى الله عنهم و رضواعنه واعد لهم جنّات تجرى من تحتها الانهار خالدين فيها ابدا

ذالک الفوز العظیم o"

اور مہاجرین وانصار میں سے اسلام کی طرف سبقت کرنے والے اور وہ لوگ جنہوں نے نیکی میں ان کی پیروی کی (یعنی ایمان واطاعت سے) اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے اور اللہ نے انکے لئے ایسے باغات تیار کیئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں یہ لوگ ان باغات میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور یہ انکے لیے بڑی کامیابی ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ غزوہ بدر تک مسلمان ہونے والے السابقون کہلاتے ہیں اور باقی ان کی پیروی کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالی نے اس آیت میں چار صفتیں بیان کی ہیں۔

۱۔ اللہ ان سے راضی ہو چکا ہے۔

۲۔ وہ اللہ سے راضی ہو چکے ہیں۔

۳۔ ان کے حق میں جنت کی خوشخبری دی گئی ہے۔

۴۔ جنت کی دوامی اور ابدی رہائش کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ (۲۸)

خلفائے ثلاثہؓ کے حق میں اہل بیتؓ کی شہادتیں :

اس سلسلے میں مولانا کیرانویؒ نے پانچ شہادتیں پیش کی ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے

۱۔ نہج البلاغہ سے حضرت علیؓ کا قول۔

۲۔ امام جعفر صادقؒ کا قول حوالہ کشف الغمہ از علی بن عیسٰی اربلی۔

۳۔ حضرت امیر معاویہؓ کے نام حضرت علیؓ کا قول حوالہ نہج البلاغہ۔

۴۔ امام باقر کا قول حوالہ، الفصول۔

۵۔ امام حسن عسکری کی تفسیر سے روایت۔ (۲۹)

تیسری شہادت یہ ہے :

حضرت امیر معاویہؓ کے نام حضرت علیؓ کا ایک خط نہج البلاغہ کے شارحین نے نقل کیا ہے اس میں ابو بکرؓ اور عمرؓ کے حق میں یوں فرمایا گیا ہے۔

"لعمری ان مکانھما من الاسلام لعظیم وان المصاب بھما لجرح فی الاسلام
شدید رحمھما اللہ وجز اھما اللہ باحسن ماعملا o" (۳۰)

(مجھ کو اپنی زندگی کی قسم اسلام میں ان دونوں بزرگوں کا پایہ بلند ہے۔ اسلام کے لئے ان دونوں کی شہادت بہت بڑا نقصان ہے۔ اللہ ان دونوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور ان کے بہترین اعمال کا ان کو صلہ دے)۔

۳۔ قرآنِ حکیم کی حقانیت پر شیعہ علماء کے اقوال :

شیعہ کے فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کے جمہور اور محققین علماء کے نزدیک قرآن مجید تغیر و تبدل سے پاک ہے اور اگر اس فرقہ کا کوئی شخص قرآن مجید میں کمی بیشی کا دعویٰ کرتا ہے۔ تو اس کا قول جمہور علماء اثنا عشری کے نزدیک مردود اور نا قابل قبول ہے۔ (۳۱)

مولانا کیرانویؒ نے خوف طوالت کے پیش نظر اس فرقہ کے محققین کے چند اقوال نقل کئے ہیں ۔

۱۔ محمد بن علی بابویہ کی شہادت۔

۲۔ سید مرتضیٰ کی شہادت۔

۳۔ محمد بن حسن صرعالی کی شہادت۔ (۳۲)

پہلی شہادت کو یوں بیان کیا ہے :

شیخ صدوق ابو جعفر محمد بن علی بن بابویہ جو علماء کے امامیہ اثنا عشریہ میں بڑے پائے کے علماء میں سے ہیں، اپنے رسالہ اعتقادیہ میں لکھتے ہیں :

"اعتقادنا فی القرآن ان القرآن الذی انزل الله تعالی علی نبیه هو ما بین الدفتین عندالناس مائة واربعة عشر سورة و عندنا والضحی و الم نشرح سورةواحدة والایلاف والم ترکیف سورة واحدة ومن نسب الینا انا نقول انه اکثر من ذالك فهو کاذب" (۳۳)

(ہمارا عقیدہ قرآن کی نسبت یہ ہے کہ وہ قرآن جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ پر نازل کیا تھا، وہ یہی موجودہ قرآن ہے جو لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے البتہ اسکی سورتوں کی تعداد لوگوں کے نزدیک ۱۱۴ ہے مگر ہمارے نزدیک والضحیٰ اور الم نشرح مجموعی طور پر ایک سورۃ ہے اسی طرف لایلف اور الم ترکیف دونوں مل کر ایک سورت ہیں اور جو شخص ہماری جانب یہ قول منسوب کرتا ہے کہ قرآن اس سے زائد ہے وہ جھوٹا ہے)۔

عقلی استدلال :

مولانا کیرانویؒ نے ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد عقلی طور پر مذکورہ اعتراض کو یوں رد کیا ہے

"الغرض بڑے بڑے محققین علماء شیعہ قرآن میں کسی قسم کے تحریف کے قائل نہیں اور جو قدرے قلیل شیعہ حضرات اس میں تغیر و تبدل اور تحریف کے قائل ہیں خود شیعوں

ہیں وہ لائق اعتبار نہیں پھر ان قائلین تحریف کا خود اپنا عمل ان کے اپنے عقیدے کے
خلاف رہا ہے کیونکہ نماز اور تلاوت کے وقت بھی وہ اسی قرآن کو پڑھتے ہیں اور اپنے مردوں
کو اسی کا ثواب بخشتے ہیں ان کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ تمام اہل بیت نماز میں بھی اور
نماز کے علاوہ بھی اسی قرآن کو پڑھتے تھے اور اپنی اولاد کو بھی اسی کی تعلیم دلاتے ہیں لہٰذا اس
قلیل تعداد کا قول کسی صورت بھی قابل اعتبار نہ ہوگا۔ " (۳۴)

۴۔ دبستانِ مذاہب اور عین الحیات کا مقام :

مولانا کیرانویؒ نے مختصر طور پر پادری فانڈر کے استدلال و مآخذ دبستان مذاہب اور عین الحیات پر بھی مختصر بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے :۔

"اول تو پادری نے یہاں اقتباس نقل کرنے میں تحریف کی ہے دوسرے یہ بعض وہی لوگ
ہیں جنکا اثنا عشری فرقہ امامیہ میں کچھ شمار نہیں ہوتا اور انہوں نے سنی سنائی بات اپنی کتاب
میں لکھ دی ہے۔ جہاں تک عین الحیات کی روایت کا تعلق ہے تو یہ خبر واحد ہے اور شیعہ علماء
کے نزدیک خبر واحد دلیل قطعی کے مخالف ہو تو اس میں تاویل کی جائے گی یا رد کیا
جائے گا"۔ (۳۵)

ا۔ اعجاز القرآن، پر پادری فانڈر کے شبہات اور مولانا کیرانویؒ کا استدلال :۔

مسلمانوں کے نزدیک قرآن حکیم کا اسلوب، فصاحت و بلاغت اور معجزہ کلام اللہ ہونا ایک مسلمہ امر ہے مگر مسیحی علماء نے قرآن حکیم میں دیگر اعتراضات کی طرح اعجاز القرآن میں بہت سے شبہات پیدا کیے ہیں۔

پادری فانڈر نے اپنی کتاب میزان الحق کے تیسرے باب کا عنوان کیا قرآن کی زبان اور طرز بیان معجزانہ اور اس امر کا ثبوت ہیں کہ قرآن کلام اللہ ہے ؟ باندھتے ہوئے درج ذیل اعتراضات اعجاز القرآن پر اٹھائے ہیں۔ (۳۶)

ا۔ اعجاز القرآن مسلمانوں کے درمیان مسلمہ امر نہیں ہے نیز عرب میں بھی ایسے عالم ہو گزرے ہیں جنہوں نے قرآن حکیم کو فصاحت میں بے نظیر ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ (۳۷)

۲۔ قرآن حکیم سے بھی بڑھ کر بعض کتب دنیا میں موجود ہیں۔ بالفاظ دیگر ایسی عبارت تخلیق کرنا ممکن ہے۔ (۳۸)

۳۔ قرآن حکیم کے اعجاز کی شناخت وہی کر سکتا ہے جو عربی زبان اور لغت عرب میں پوری مہارت رکھتا ہو۔ (۳۹)

۴۔ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ تمام کتب جو یونانی، لاطینی زبانوں میں بلاغت کے اعلیٰ معیار پر پہنچی ہوئی ہوں کلام الٰہی مانی جائیں۔ (۴۰)

۵۔ عہد عتیق کی اصل زبان عبرانی میں بھی فصاحت وبلاغت پائی جاتی ہے۔ (۴۱)

۶۔ باطل اور قبیح مضامین کو فصیح الفاظ اور بلیغ عبارت میں ادا کر دیا جائے وہ بلاغت کے معیاری مقام تک پہنچ جائے گی۔ (۴۲)

شبہات کے ازالہ کا اسلوب :

مذکورہ بالا مسیحی شبہات کا ایک علمی ازالہ تو یہ ہے کہ جہاں تک قرآن کے اعجاز کا تعلق ہے اس کے اثبات کے لیے اس قدر علمی دلائل موجود ہیں کہ جن کا انکار ایک دیانتدار شخص نہیں کر سکتا اس مقام پر اس امر کی وضاحت طوالت کا باعث ہو گی۔ (۴۳)

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے اعجاز القرآن کے موضوع پر جس اہتمام، مدلل اور علمی و عقلی پہلو سے استدلال کیا ہے وہ بے مثال ہے۔ (۴۴)

اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اظہار الحق کا پانچواں باب **فی اثبات کون القرآن کلام اللہ و معجزاً ورفع شبہات القسیسین صفحات ۷۷۳- ۹۵۴** اسی موضوع پر ہے۔ اس کو دو بڑے حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔

پہلی فصل قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے (اعجاز القرآن پر استدلال)۔

دوسری فصل : قرآن پر عیسائیوں کے اعتراضات (اعجاز القرآن پر اعتراضات کا تجزیہ وجواب)۔

ذیل میں انہی دو پہلوؤں کے پیش نظر مولانا کے استدلال کو واضح کیا جاتا ہے۔

ا۔ قرآن حکیم کی اعجازی خصوصیات :

مولانا کیرانویؒ نے اس حصے میں اعجاز القرآن کے دلائل نقل کیے ہیں، لکھتے ہیں ۔

> "جو چیزیں قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر دلالت کرتی ہیں بے شمار ہیں ان میں سے مسیح کے حواریوں کے شمار کے مطابق بارہ چیزوں کے بیان پر اکتفاء کرتا ہوں اور باقی ان جیسی چیزوں کو چھوڑ دیتا ہوں۔" (۴۵)

ا۔ قرآن حکیم بلاغت کے اس اعلیٰ معیار پر پہنچا ہوا ہے جس کی مثال انسانی کلام میں قطعی نہیں ملتی۔ (۴۶)

۲۔ قرآن حکیم کا اسلوب وترکیب، علم بیان کے دقائق اور عرفانی حقائق پر مشتمل ہونا۔

۳۔ قرآن حکیم کی پیشین گوئیاں۔(۴۷)

۴۔ قرآن حکیم نے ماضی کے حالات واقعات کی خبریں دی ہیں۔

۵۔ قرآن حکیم نے دلوں کے بھید آشکار کئے ہیں اور وحی کے ذریعے یہود و نصاریٰ اور منافقین کی چالوں سے خبردار کیا ہے۔

۶۔ قرآن حکیم نے علوم کلیہ اور جزئیہ کو جمع کر دیا ہے۔

۷۔ قرآن حکیم ضخیم کتاب ہونے کے باوجود اختلاف و تضاد سے پاک ہے۔

۸۔ قرآن حکیم کے اعجاز کا بقاء و دوام ہونا۔

۹۔ قرآن حکیم کی تلاوت سے دل تنگ نہیں پڑتا۔

۱۰۔ قرآن حکیم دعوے اور دلیل دونوں کا جامع ہے۔

۱۱۔ قرآن حکیم کو حفظ کرنا نہایت آسان ہے۔

۱۲۔ قرآن حکیم کی تلاوت کے وقت خشیت انگیزی طاری ہوتی ہے۔(۴۸)

مولانا کیرانویؒ کے بیان کردہ اعجاز القرآن کے مذکورہ دلائل، خصوصیات میں سے چند ایک کا تذکرہ قدرے تفصیل سے مناسب ہوگا۔

قرآن کریم کی بلاغت کے نمونے :

قرآن حکیم کی پہلی خصوصیت فصاحت و بلاغت پر مولانا نے چھٹی دلیل یہ دی ہے ہر شاعر کی سحر کلامی ایک ہی فن تک محدود ہوتی ہے اس کا کلام دوسرے مضامین کے بیان میں بالکل پھیکا پڑ جاتا ہے جیسا کہ شعراء عرب کے بارے میں مشہور ہے مثلاً امراء القیس کا کلام شراب، عورتوں اور گھوڑوں کی تعریف میں بے مثال ہے۔ نابغہ کے اشعار خوف و ہیبت کے بیان میں، اعشیٰ کے شعر حسن طلب اور شراب کے وصف میں، سعدی غزل گوئی کے بادشاہ ہیں تو انوری قصیدہ گوئی کے اس کے برعکس قرآن کریم خواہ کوئی مضمون بیان کرے اس کے ہر مضمون کی فصاحت اپنے کمال پر ہے(۴۹) قرآن کریم کی بلاغت کے چند نمونے ملاحظہ کیجئے :

ا۔ ترغیب کا مضمون :

فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعين۔(۵۰)

(کوئی شخص آنکھوں کی ٹھنڈک کے اس سامان کو نہیں جانتا جو اس کے لئے پوشیدہ رکھا گیا ہے)۔

۲۔ ترہیب کا مضمون (عذاب جہنم سے ڈراتے ہوئے) :

وخاب کل جبار عنید من ورائه جهنم ویسقی من ماء صدید یتجرعه ولا یکاد یسیغه و یاتیه الموت من کل مکان وماهو بمیت ومن ورائه عذاب غلیظo (۵۱)

(ہر ظالم اور معاند شخص ناکام رہے گا اس کے پیچھے ایک بھڑ اکنواں ہے اسے پیپ، لہو کا پانی پلایا جائیگا، جسے وہ گھونٹ گھونٹ کر پیئے گا، مگر محال ہے کہ اس خواشگوری کے ساتھ حلق سے اتار سکے اور اس کے پاس ہر طرف سے موت آئے گی مگر وہ مریگا نہیں اور اس کے پیچھے شدید عذاب ہوگا)۔

۳۔ دھمکی اور ملامت :

فکلا اخذنا بذنبه فمنهم من ارسلنا علیه حاصباً ومنهم من اخذ ته الصیحة ومنهم من خسفنا به الارض ومنهم من اغرقنا وما کان الله لیظلمهم ولکن کانو انفسهم یظلمونo (۵۲)

(پس ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کے عوض دھر لیا ان میں سے بعض وہ تھے جن پر ہم جن پر ہم نے پتھر او بھیجا، بعض وہ تھے جنہیں چیخ نے آپکڑا اور بعض وہ تھے جنہیں ہم نے زمین میں دھنسادیا اور بعض وہ تھے جنہیں ہم نے غرق کر ڈالا اور اللہ ظلم کرنے والا نہ تھا وہ لوگ تو خود اپنے جانوں پر ظلم کر رہے تھے)۔

۴۔ وعظ و نصیحت :

افرءیت ان متعنهم سنین ثم جآء هم ما کانو ایوعدون مااغنی عنهم ما کانو ا یمتعون. (۵۳)

(اے مخاطب! ذرا بتلاؤ تو اگر ہم ان کو چند سال تک عیش میں رہنے دیں پھر جس کا ان سے وعدہ ہے وہ ان کے سر پڑ آپڑے تو ان کا وہ عیش کس کام آسکتا ہے)۔

۵۔ ذات و صفات کا بیان :

الله یعلم ماتحمل کل انثی وما تغیض الارحام وما تزداد و کل شیء عنده بمقدار عالم الغیب والشهادة الکبیر المتعالo (۵۴)

(اللہ تعالیٰ کو سب خبر رہتی جو کچھ کسی عورت کو حمل رہتا ہے اور جو کچھ رحم میں کمی بیشی ہوتی ہے اور ہر شے اللہ کے نزدیک

ایک خاص انداز سے ہے وہ تمام پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے، سب سے بڑا عالی شان ہے)۔

اعجاز قرآنی کا حیرت انگیز نمونہ :

مولانا انہی خصوصیات میں سے بلاغت کی آٹھویں دلیل یہ دیتے ہیں کہ "قرآن کریم کا طرہ امتیاز ہے کہ اکثر جگہوں پر تھوڑے سے الفاظ میں بے شمار معانی کو اس طرح سمو لیتا ہے جس طرح سمندر کوزے کو، اس کا ایک نمونہ یہ ہے :

ولکم فی القصاص حیوۃ.(۵۵) اور تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے۔

سبحان اللہ! اس جملہ کی جامعیت پر عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے اس قدر اختصار اور پھر بے شمار معانی سے مالا مال، بلاغت کا شاہکار ہونے کے علاوہ، دو متقابل معانی یعنی 'قصاص و حیات' کے درمیان مطابقت پر مشتمل ہے ساتھ ساتھ مضمون کی ندرت بھی پائی جاتی ہے کیونکہ قتل جو حیات کو فنا کر دینے والا ہے اسکو خود حیات کا ظرف قرار دیا گیا ہے یہ کلام ان تمام تعبیرات اور مقولوں سے بہتر اور عمدہ ہے جو اہل عرب کے ہاں اس مفہوم کی ادائیگی کے لئے مشہور ہیں وہ کہاوتیں یہ ہیں '

قتل البعض احیاء للجمیع. بعض لوگوں کا قتل باقی تمام انسانوں کے لئے زندگی کا سامان ہوتا ہے۔

اکثروا القتل لیقل القتل. قتل زیادہ کرو تاکہ قتل کم ہو جائیں۔

القتل انفی للقتل. قتل، قتل کو دور کرتا ہے۔

لیکن قرآنی آیت ان محاورات سے چھ وجہ سے زیادہ فصیح ہے :۔

۱۔ قرآنی جملہ ان سب فقروں سے زیادہ مختصر ہے اس لیے کہ 'ولکم' کا لفظ تو اس میں شمار نہیں کیا جائیگا کیونکہ یہ لفظ تو ہر مقولہ میں محذوف ماننا پڑتا ہے۔ اب صرف 'فی القصاص حیوۃ' کے حروف مجموعی طور پر دوسرے اقوال کی نسبت بہت مختصر ہیں۔

۲۔ انسانی کلام 'القتل انفی للقتل' بظاہر اس کا مقتضی ہے کہ ایک شے خود اپنی نفی کا سبب ہو سکے اور یہ عیب ہے، اس کے برعکس الفاظ قرآنی کا تقاضا ہے کہ قتل کی ایک نوع جس کو قصاص کہا جاتا ہے حیات کی ایک نوع کا سبب ہے۔

۳۔ ان کے بہترین کلام میں تکرار لفظی قتل کا وجود ہے جو عیب شمار کیا گیا ہے، بر خلاف قرآنی آیت میں تکرار نہیں۔

۴۔ ان کا یہ بہترین کلام قتل سے روکنے کے علاوہ اور کسی معنی کا فائدہ نہیں دے رہا ہے اس کے برعکس الفاظ قرآنی قتل اور زخمی کرنے، دونوں سے روکنے کا فائدہ دے رہے ہیں اس لئے یہ کلام زیادہ عام اور مفید ہے۔

۵۔ ان کہاوتوں میں قتل کو ایک دوسری حکمت کا تابع بنا کر اسے مطلوب قرار دیا گیا ہے اس کے برعکس قرآنی الفاظ میں بلاغت اس لئے زیادہ ہے کہ وہ قتل کا نتیجہ زندگی کو قرار دیتا ہے جو اصل مقصود ہے اس سے خود قتل کے مقصود ہونے پر اشارہ ملتا ہے۔

۶۔ ظلماً قتل کرنا بھی قتل ہے کی ایک نوع ہے مگر یہ قتل کو روکنے والی ہرگز نہیں اس کے برعکس قصاص بہر صورت مفید ہی مفید ہے، لہٰذا انسانی کلام بظاہر غلط اور قرآنی الفاظ ظاہر و باطنی طور پر فصیح ہیں۔(۵۶)

قرآن حکیم کی اثر انگیزی :

قرآن کی فصاحت وبلاغت کی بارھویں خصوصیت کے تحت مولانا لکھتے ہیں' قرآن حکیم کی تلاوت کے وقت سننے والوں کے دلوں میں خشیت اور ہیبت پیدا ہوتی ہے اور یہ کیفیت ان لوگوں پر بھی طاری ہوتی ہے جو قطعاً اس کے معانی نہیں سمجھتے یہاں پر چند واقعات نقل کئے جاتے ہیں۔

حضرت جعفر طیارؓ نے جب شاہ حبش نجاشی اور اسکے درباریوں کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت فرمائی تو عالم یہ تھا کہ پورا دربار اثر میں ڈوبا ہوا تھا اور مسحور تھا۔ بادشاہ اور تمام اہل دربار اس وقت تک روتے رہے جب تک حضرت جعفرؓ تلاوت کرتے رہے۔(۵۷)

یہی نہیں بلکہ شاہ نجاشی نے مذہب نصرانیت کے ستر علماء کو براہ راست اس معاملہ کی تحقیق اور مشاہدہ کے لیے خدمت نبوی ﷺ میں بھیجا حضور اکرم ﷺ نے ان کے سامنے سورۃ یٰسین تلاوت فرمائی وہ سب علماء برابر روتے رہے اور بے اختیار مسلمان ہو گئے انھی کی شان میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

واذاسمعو ما انزل الی الرسول تری اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق یقولون ربنا امنا فاکتبنا مع الشھدین ۝ (۵۸)

(اور جب یہ لوگ رسول ﷺ پر نازل ہونے والے کلام کو سنتے ہیں تو تم دیکھو گے کہ ان کی آنکھیں حق شناسی کی وجہ سے آنسوؤں سے لبریز ہیں وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے اس لئے ہمیں بھی محمد ﷺ کی تصدیق کرنے والوں میں لکھ لیجئے)

حدیث مبارکہ میں ہے کہ عتبہ نے حضور ﷺ سے قرآن کی نسبت اپنی قوم کی مخالفت کے سلسلے میں گفتگو کی تو حضور ﷺ نے ان کے سامنے حمٓ تنزیل من الرحمٰن الرحیم کتاب فصلت سے فانذرتکم صاعقۃ مثل صاعقۃ عاد و ثمود.(۵۹) تک تلاوت فرمائی عتبہ اپنا ہاتھ منہ پر رکھتے ہوئے رحم کا طالب ہوا اور کہا کہ بس اور مت سنائیے۔(۶۰)

ایک اور حدیث میں یوں آیا ہے کہ حضور ﷺ برابر پڑھتے جاتے تھے اور عتبہ ہمہ تن گوش بنا ہوا اپنے دونوں ہاتھ بے اختیار اپنی کمر کے پیچھے ڈالے ہوئے ان پر سہارا لیتا جاتا تھا یہاں تک کہ آپ ﷺ نے آیت سجدہ کی تلاوت فرمائی اور سجدہ کیا۔ عتبہ اس حالت میں اٹھا کہ قطعی بے ہوش تھا کہ لوگوں کو کیا جواب دے اور سیدھا چلا گیا اور پھر لوگوں سے روپوش رہا یہاں تک کہ لوگ اس کے پاس پہنچے تب عتبہ نے معذرت کی اور کہا کہ خدا کی قسم! محمد ﷺ نے مجھے ایسا کلام سنایا ہے کہ میرے کانوں نے تمام عمر ایسا کلام نہیں سنا، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا جواب دوں۔(۶۱)

اعجاز القرآن کے بارہ دلائل کے بعد مولانا کیرانویؒ نے تین اصولی باتیں بطور خلاصہ کے نقل کی ہیں

۱۔ ہر پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے مطابق معجزات دیئے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے عہد میں فصاحت و بلاغت کا عروج تھا چنانچہ قرآن ایسا کلام عطا کیا گیا جو بذات خود ایک مستقل معجزہ تھا۔

۲۔ قرآن کریم کے تھوڑے تھوڑے نزول میں حکمت و بسہولت حفظ و ضبط کرنا، اس پر عمل کرنا اور قلب نبوت کو قوی کرنا تھا۔

۳۔ قرآن کریم میں تکرار کی حکمت توحید معاد کی یاد دھانی اور تنوع و بلاغت کا اظہار تھا۔ (۶۲)

اعتراضات کا تجزیہ :

اگر چہ قرآن کریم کی مذکورہ اعجازی خصوصیت اور دلائل میں اعتراضات و شکوک و شبہات بھی دور ہو جاتے ہیں تاہم ان میں سے بعض اعتراض کا جواب مولانا نے الگ سے بھی دیا ہے جو یہ ہے '

۱۔ اعجاز القرآن کی شناخت عربی دانی سے ہی ممکن ہے ؟

مولانا کیرانوی پادری فانڈر کے اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں 'رہی یہ بات کہ اس کی شناخت صرف وہی کر سکتا ہے جسکو عربی زبان کی کامل مہارت ہو سو یہ درست ہے لیکن اس سے ان کا مدعا ہر گز ثابت نہ ہو گا کیونکہ یہ معجزہ بلغاء اور فصحاء کو عاجز اور قاصر کرنے کے لیے تھا اور ان کا عاجز ہونا ثابت ہو چکا نہ صرف یہ کہ وہ معارضہ نہیں کر سکتے بلکہ اپنی عاجزی کا اعتراف بھی کیا اہل زبان نے اسکی شناخت اپنے سلیقے سے کی ہے اور علماء نے علوم بلاغت اور اسالیب کلام کی مہارت سے اسکو پہچانا'۔

مزید فرماتے ہیں ادھر مسلمان یہ دعویٰ کب کرتے ہیں کہ قرآن کے کلام اللہ ہونے کا سبب صرف اس کا بلیغ ہونا ہی ہے بلکہ اس کا دعویٰ تو یہ ہے کہ بلاغت بھی قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے بے شمار اسلوب میں سے ایک سبب ہے اور قرآن کریم اس لحاظ سے من جملہ بہت سے معجزات کے حضور ﷺ کا ایک معجزہ ہے اور اس کا معجزہ ہونا آج بھی لاکھوں اہل زبان اور ماہرین بلاغت کے نزدیک عیاں ہے اور مخالفین کا عاجز و قاصر ہونا ظہور معجزہ کے وقت سے موجودہ وقت تک ثابت ہے جسے ہر شخص کھلی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے'۔ (۶۳)

۲۔ اعجاز القرآن مسلمانوں کے درمیان مسلمہ امر نہیں ؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ معتزلہ میں نظام (۶۴) کی رائے یہ ہے کہ قرآن کریم کا اعجاز سلب قدرت کی بنا پر ہے اور یہی رائے معتزلہ کے پیشوا مزدار کی ہے۔ (۶۵) لیکن مولانا کے نزدیک اس کا قول بھی نظام کے قول کی طرح مردود ہے اس کے علاوہ یہ شخص ایک دیوانہ اور پاگل تھا جس کے دماغ پر کثرت ریاضت کی وجہ سے خشکی غالب آگئی تھی اس نے اس قسم کی کئی باتیں ہذیانی اور دیوانگی کے عالم میں کی ہیں۔ (۶۶)

۳۔ دوسری زبانوں میں معیاری بلاغت کی حامل کتب بھی کلام الٰہی ہیں ؟

اس شبہ کے جواب میں مولانا لکھتے ہیں سو یہ بات نا قابل تسلیم ہے اس لئے کہ ان کتابوں کا بلاغت کے اس اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ جانا ان وجوہ کے مطابق ثابت نہیں ہوا اور نہ ان کے مصنفوں کی جانب سے اعجاز کا دعویٰ کیا گیا ہے نہ اس زبان کے فصحاء ہی ان کے معارضہ سے عاجز ہوئے اس کے علاوہ صرف بعض عیسائیوں کا ان کتابوں کے متعلق یہ شہادت دینا کہ ان زبانوں میں یہ کتابیں بلاغت کے اسی معیار پر پہنچی ہوئی ہیں جس معیار پر عربی زبان میں قرآن کریم ہے قابل تسلیم نہیں ہو سکتا اس لئے کہ چونکہ یہ لوگ خود اہل زبان نہیں ہیں اس لئے دوسری زبان کی تذکیر و تانیث مفرد و جمع میں امتیاز نہیں کر سکتے۔ (۶۷)

الزامی جوابات :

مولانا نے پادری فانڈر کے دو سوالوں کے جوابات میں الزامی استدلال بھی اختیار کیا ہے مثلاً مسیحی علماء چونکہ خود اہل زبان نہیں ہیں اس لیے دوسروں کی زبان میں تمیز نہیں کر سکتے اور یہ امتیاز کرنا عربی زبان کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ اپنی زبان کے علاوہ کسی زبان میں بھی مثلاً عبرانی، یونانی سریانی اور لاطینی میں مہارت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس امتیاز نہ کرنے کا سبب ان کی زبان کی تنگ دامنی بالخصوص انگریزی دانوں کا تو یہی حال ہے کیونکہ یہ بھی اپنی تنگ دامنی میں عیسائیوں کے ساتھ شریک ہیں البتہ ایک خصوصیت میں عام عیسائیوں سے ممتاز ہیں اور وہ یہ ہے کہ یہ لوگ کسی دوسری زبان کے چند گنتی کے الفاظ سے واقف ہو جانے کے بعد اپنے بارے میں یہ گمان کر لیتے ہیں کہ ہم اس زبان کے ماہر ہو گئے ہیں، ان کی اس بری عادت پر یونانی اور فرانسیسی بھی طعن کرتے ہیں۔

اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ شام کے بڑے پادری سرکیس بدرونی نے اسقف اعظم اربانوس (URBN VIII) کی اجازت سے بہت سے پادریوں، راہبوں، علماء اور عبرانی و یونانی و عربی زبان کے ماہرین کو اس غرض سے جمع کیا کہ یہ لوگ اس عربی ترجمہ کی اصلاح کریں جو بے شمار غلطیوں سے بھرا ہوا ہے۔ ان لوگوں نے ۱۶۲۵ء میں بڑی محنت و جانفشانی کے بعد اس میں اصلاح کی اور از سر نو صحیح نسخہ تیار کیا لیکن باوجود کوشش کے اس ترجمہ میں بھی بہت سی خامیاں عیسائیوں کی روایتی خصلتوں کے مطابق باقی رہ گئیں اس لیے اس کے شروع میں ایک مقدمہ لکھا جس میں بطور عذر کھسیانے پن کا مظاہرہ کیا گیا۔ اس مقدمہ کی ایک عبارت کا اقتباس (۶۸) بقدر ضرورت یہ ہے :-

> "ثمّ انك فی هذا النقل تجدشیاء من الکلام غیر موافق قوانین اللّغة بل مضاداً لها کالجنس المذکر بدل المونث، والعدد المفرد بدل الجمع والجمع بدل المثنی، والرفع مکان الجر و النصب فی الاسم والجزم فی الفعل وزیادة الحروف عوض الحرکات وما یشابه ذالك فکان سبباً لهذا کله سذاجة کلام المسیحین فصار لهم نوع تلك اللغة مخصوصاً ولکن لیس فی اللّسان العربی

فقط بل فی الاطینی والیونانی والعبرانی تغافلت الانبیاء والرسل والا باء الاولون عن قیاس الکلام لانہ لم یرد روح القدس ان یقید الساع الکلمہ الاھیۃ بالحدود المضیقہ التی حد تھا القرائض النحویۃ فقدم لنا الاسرار السماویہ بغیر فصاحۃ وبلاغۃ بکلمات یسیرۃ۔"(۶۹)

(تم اس نقل میں بہت سی چیزیں ایسی پاؤ گے جو عام قوانین لغت کے خلاف ہوں گی مثلاً مونث کے عوض مذکر اور جمع کی جگہ مفرد اور تثنیہ کی جائے جمع اور زیر کی جگہ پیش اور اسم میں نصب اور فعل میں جزم حرکات کی جگہ حروف کی زیادتی وغیرہ ان تمام باتوں کا سبب عیسائیوں کی زبان کی سادگی ہے اور اس طرح انہوں نے زبان کی ایک مخصوص قسم بنائی ہے اور یہ بات صرف عربی زبان کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ لاطینی اور یونانی و عبرانی زبانوں میں بھی انبیاء اور رسولوں نے اور ان کے اکابر اور بڑوں نے لغات اور الفاظ میں اس قسم کا تغافل برتا ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ روح القدس کا یہ منشاء کبھی نہیں ہوا کہ کلام الٰہی کو ان حدود اور پابندیوں کے ساتھ جکڑ دیا جائے جو نحوی قواعد نے لگائی ہیں اس لیے اس نے ہمارے سامنے خدائی اسرار کو بغیر فصاحت وبلاغت کے پیش کیا)۔

دوسرے پادری فانڈر کا یہ اعتراض کہ باطل مضامین اور قبیح مقاصد کو بھی فصیح وبلیغ عبارت اور الفاظ میں ادا کیا جاسکتا ہے اور ایسا کلام بھی کلام الٰہی ہونا چاہیے مولانا لکھتے ہیں "سو یہ اعتراض قرآن حکیم پر ہر گز وارد نہیں ہو سکتا کیونکہ قرآن حکیم اول تا آخر ۷ مضامین(۷۰) سے بھرا ہوا ہے اسکی کوئی طویل آیت ایسی نہ پائیں گے جو ان مضامین میں سے کسی مضمون سے خالی ہو اور بلاشبہ یہ تمام باتیں عقلی اور نقلی طور پر عمدہ اور محمود ہیں ان مضامین کا ذکر قرآن میں بکثرت اور تکرار کے ساتھ کیا گیا ہے پھر اگر یہ مضامین بھی قبیح ہو سکتے ہیں تو پھر معلوم نہیں اچھی باتیں کیا ہوں گی؟

اس سلسلے میں مولانا نے الزامی طور پر بائبل کے فحش مضامیں سے استدلال کیا ہے مثلاً فلاں پیغمبر نے اپنی بیٹی سے زنا کیا۔(۷۱)، فلاں نبی نے دوسرے کی بیوی سے زنا کیا(۷۲)، فلاں نے گائے کی پوجا کی(۷۳) فلاں پیغمبر مرتد ہو گیا(۷۴)، یا فلاں حواری نے قلیل منفعت کے عوض حضرت عیسیٰ کی مخبری کر دی(۷۵)، وغیرہ۔

بائبل کے ان مذکورہ مضامین کے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں بہر حال ہم خدا سے اس قسم کے برے عقائد سے پناہ مانگتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی شان میں روا رکھے گئے ہیں واللہ ثم باللہ ہم اس قسم کے جھوٹے اعتقادات انبیاء کے بارے میں نہیں رکھتے انبیاء علیہم السلام کی پاک ہستیاں ان شرمناک الزامات سے پاک ہیں۔

قرآن کریم میں اگر اس قسم کے مضامین عیسائی لوگ موجود پاتے تو شاید وہ اس کو اللہ کا کلام تسلیم کر لیتے اور قبول کر لیتے اس لیے کہ ان کے دل پسند مضامین تو یہی ہیں نہ کہ وہ جو قرآن نے بیان کیے ہیں مگر جب وہ دیکھتے ہیں کہ قرآن ان کے من پسند

مضامین سے بالکل خالی ہے تو وہ قرآن کو کس طرح قبول کر سکتے ہیں۔(۷۶)

فصل دوم: احادیث مبارکہ پر اعتراضات کا جائزہ۔

قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ مسلمانوں کے لئے ھدایت و راھنمائی کا اہم ذریعہ اور الٰہی تعلیمات کا ثبوت ہیں لیکن مسیحی علماء قرآن کریم کی طرح احادیث مبارکہ پر بھی بے بنیاد اعتراضات کرتے نظر آتے ہیں۔(۷۷) چنانچہ پادری فانڈر نے اپنی کتاب 'میزان الحق' میں ان اعتراضات کو بڑے شدومد کے ساتھ پیش کیا ہے ذیل میں پہلے اعتراضات کا خلاصہ نقل کیا جاتا ہے بعد ازاں ان پر مولانا کیرانویؒ کے استدلال کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

۱۔ محدثین حضور اکرم ﷺ کے سینکڑوں سال بعد ہوئے اور انہوں نے سنی سنائی باتیں جمع کر دیں۔(۷۸)

۲۔ تدوین حدیث کے زمانہ میں کثیر التعداد غیر معتبر احادیث رائج تھیں گویا صحیح و غیر صحیح احادیث کثرت سے مجموعہ حدیث میں شامل ہو گئیں۔(۷۹)

۳۔ احادیث باہم متضاد و متناقض ہونے کے علاوہ قرآن کریم سے بھی مختلف ہیں۔(۸۰)

۴۔ احادیث میں معجزات سے متعلق عجیب و غریب واقعات ہیں نیز بعض احادیث خلاف واقعہ بھی ہیں۔(۸۱)

۵۔ راوی حضور اکرم ﷺ کے رشتہ دار تھے اہل تشیع کے حوالے سے الزام۔(۸۲)

مولانا کیرانویؒ کا استدلال:

مولانا کیرانویؒ نے پادری فانڈر کے مذکورہ اعتراضات پر دو نمایاں پہلوؤں سے استدلال کیا ہے۔

(ا) صحت احادیث کا ثبوت تین زاویوں سے۔(۸۳)

(ب) اعتراضات کے جوابات۔

ذیل میں ہر دو استدلات کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

(ا) صحت احادیث کے تین بنیادی حقائق:

مولانا کیرانویؒ نے احادیث کا ثبوت تین پہلوؤں سے دیا ہے جن سے مذکورہ مسیحی شبہات از خود دور ہو جاتے ہیں۔

۱۔ زبانی روایات بھی قابل اعتماد ہو سکتی ہیں۔(یہود و نصاریٰ کی کتب سے استدلال)۔

مولانا کیرانویؒ نے اس شبہ کے پیش نظر کہ احادیث کا دارومدار زبانی روایات پر تھا ہوئے مدلل اور مفصل انداز میں یہود و نصاریٰ کی کتب اور انکی مستند تفاسیر سے استشہاد کیا ہے لکھتے ہیں ۔

"تمام اہل کتاب خواہ یہودی ہوں یا عیسائی، پہلے ہوں یا پچھلے ،زبانی روایات کو ایسا ہی معتبر سمجھتے ہیں جیسا کہ لکھی ہوئی روایتوں کو اور بعض یہود تو تحریری روایات سے بھی زیادہ درجہ دیتے ہیں جبکہ کیتھولک کے نزدیک دونوں برابر درجے کی ہیں اور دونوں ہی واجب التسلیم ہیں البتہ پروٹسٹنٹ فرقہ ان روایات کا انکار کرتا ہے جس طرح یہودیوں میں صدوقی فرقہ کرتا ہے تاہم ان روایات کا انکار عقلی و نقلی دلائل کی روشنی میں بے معنی ہے"۔ (۸۴)

مولانا نے اس سلسلے میں ان کتب واقوال سے شواہد پیش کیے ہیں۔

ا۔ مشناور تالمود کی حقیقت:

آدم کلارک اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۵۱ء کی دوسری جلد میں کتاب عزرا کے دیباچہ میں رقمطراز ہے ۔

"یہودیوں کا قانون دو قسم کا تھا، ایک لکھا ہوا جسے وہ توریت کہتے ہیں دوسرا بغیر لکھا ہوا جس کو زبانی روایات کہا جاتا تھا یہ ان کو بزرگوں کے ذریعے پہنچی تھیں ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو کوہ طور پر دونوں قسم کے قوانین دیے تھے اس لئے دونوں مرتبے میں مساوی اور من جانب اللہ ہونے اور واجب التسلیم ہونے میں قطعی برابر ہیں۔ یہ بات یہودیوں میں مشہور ہے کہ وہ عہد جو بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا وہ زبانی روایات ہی کیلئے لیا گیا تھا"۔ (۸۵)

ہورن (Horne) اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۲ء جلد ۲ میں لکھتا ہے :

"مشناوہ کتاب ہے جو یہودیوں کی مختلف روایتوں پر اور مقدس کتابوں کے متون کی شرحوں پر مشتمل ہے ان کا خیال اس کے بارے میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو کوہ طور پر جس وقت توریت عطا فرمائی تھی اسی وقت یہ روایات بھی دے دی تھیں پھر موسیٰ سے ہارون کو، یوشع سے الیعزر کو پشت در پشت چلتے ہوئے شمعون تک پہنچی، شمعون سے کملائیل اور پھر یہوداہ حق دوش کو پہنچی اس نے بڑی محنت سے چالیس سال میں ان کو دوسری صدی عیسوی میں کتابی صورت میں جمع کیا اور اکثر اسکی عزت لکھے ہوئے قانون کی نسبت زیادہ ہوتی ہے"۔ (۸۶)

جب محقیقین فرقہ پروٹسٹنٹ کے اعتراض کے مطابق یہود کی پوزیشن یہ ہے تو اس سے تمام مسیحی متقدمین کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔

زبانی روایت کے حق میں انجیل کی شہادت ۔

خود اناجیل اور خطوط سے بھی ایسے شواہد ملتے ہیں کہ زبانی روایات قابل اعتماد ہیں۔ انجیل یوحنا باب ۲۱، فقرہ ۲۵ میں ہے:

"اور بھی بہت سے کام ہیں جو یسوع نے کیے اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں سمجھتا ہوں کہ جو کتابیں لکھی جاتیں ان کے لیے دنیا میں گنجائش نہ ہوتی"۔

تمطاؤس کے نام دوسرے خط کے باب ۲، فقرہ ۲ میں ہے

"اور جو باتیں تو نے بہت سے گواہوں کے سامنے مجھ سے سنی ہیں ان کو ایسے دیانتدار آدمیوں کو سپرد کر جو اوروں کو بھی سکھانے کے قابل ہوں"۔

ان بیانات سے واضح ہوتا ہے فرقہ پروٹسٹنٹ میں سے جو شخص احادیث کا انکار کرتا ہے وہ جاہل ہے یا انتہائی متعصب اور ہٹ دھرم ہے اسکی بات کتب مقدسہ اور جمہور علماء متقدین کے خلاف ہے۔ نیز اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ کتب مقدسہ کے اجزاء کا انکار کیا جائے مثلاً انجیل مرقس ولوقا اور کتاب اعمال الحوارین کے انیس ابواب کا انکار کرنا پڑے گا کیونکہ یہ سب زبانی روایات کے ذریعے لکھے گئے۔(۸۷)

۲۔ اہم باتیں یاد رہتی ہیں:

مولانا کیرانویؒ نے احادیث کی صحت پر دوسرا اسلوب یہ اختیار کیا ہے کہ اہم واقعات اور باتیں یاد رہتی ہیں اور یہ کہ روزمرہ کے واقعات انسان فراموش کر سکتا ہے لیکن اہم تاریخی واقعات ذہن میں نقش ہو جاتے ہیں۔(۸۸) چونکہ مسلمانوں میں ہر دور میں حفظ قرآن کا اہتمام رہا ہے اور مصر کے ایک دیہات میں کثرت سے قرآن حکیم کے حفاظ ملیں گے اور اس استدلال کا الزامی پہلو یہ ہے کہ پورے یورپین ممالک میں توریت یا انجیل کے یا دونوں کتابوں کے دس حافظ بھی ایسے نہ ملیں گے جن کو ایک یا دونوں کتابیں یاد ہوں۔ علماء پروٹسٹنٹ کے معلم میکائیل مشاقہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے: 'میں نے ایک روز فرقہ کیتھولک کے ایک کاہن سے پوچھا کہ کتاب مقدس کے مطالعہ کی نسبت مجھ کو سچ سچ بتاؤ کہ تم نے اپنی زندگی میں کتنی مرتبہ پڑھا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ پہلے تو میں کبھی کبھی پڑھ لیا کرتا ہے اور بسا اوقات تمام کتابیں لیکن اب ۱۲ سال سے رعیت کی خدمت میں منہمک ہونے کی وجہ سے مجھے کتاب مقدس کے مطالعہ کی کبھی فرصت نہیں ملی'۔

ان شواہد سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ یہ قرآن کریم کا نمایاں وصف ہے کہ جس طرح ہر زمانہ میں تحریر کے ذریعے محفوظ رہا اسی طرح

ہر دور میں ہزاروں لاکھوں سینوں کے ذریعے محفوظ چلا آتا ہے۔ (۸۹)

۳۔ تدوینِ حدیث کی مختصر تاریخ :

صحت احادیث کے سلسلے میں تیسرا اصول اور بنیادی حقیقت مولانا کیرانویؒ نے یہ بتائی ہے کہ تدوین حدیث کے ذریعے مسلمانوں نے حدیث کی حفاظت کی ہے اس کے باقاعدہ اصول و شرائط وضع کیے گئے، علم حدیث ہی کے ضمن کئی ایک علوم وجود میں آئے، مولانا کا استدلال مختصراً ان نکات کے تحت بیان کیا جاتا ہے ۔

(ا)۔ روایت حدیث کا بنیادی ضابطہ :

حدیث کے بیان و نقل کرنے نیز حفاظت و مداومت میں احتیاط کا اندازہ حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان سے ہو سکتا ہے۔

اتقوا الحديث عنی الا ما علمتم فمن كذب علی متعمداً فليتبوا مقعده من النار (۹۰)

(مجھ سے حدیثیں صرف وہ نقل کرو جن کے بارے میں تمہیں علم ہو باقی باتیں بیان کرنے سے بچو اسلئے کہ جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے گا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے)، اس بنا پر قرن اول سے ہی حضور اکرم ﷺ کی احادیث کا اہتمام رہا ہے ان کا یہ اہتمام عیسائیوں کے اہتمام سے بہت زیادہ ہے جیسا کہ قرآن کی حفاظت میں رہا ہے۔ (۹۱)

(ب)۔ کتابت کی ممانعت :

مولانا کے نزدیک بعض مجبوریوں کی بناء پر ان روایتوں کو کتابی شکل میں جمع نہیں کیا گیا جسکی ایک بڑی مصلحت یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کا کلام قرآن حکیم کے ساتھ مشتبہ نہ ہو جائے۔ (۹۲)

(ج)۔ جمع حدیث کا باقاعدہ اہتمام :

تابعین میں سے امام زہری، ربیع بن صبیح، سعید وغیرہ نے اسکی تدوین اور جمع کی ابتداء کی مگر انہوں نے فقہی ابواب کے مطابق ترتیب نہیں دیا۔ لیکن چونکہ یہ ترتیب بہت عمدہ اور بہترین تھی اسلئے تبع تابعین نے اسی ترتیب کی پیروی کی چنانچہ امام مالکؒ مدینہ میں، ابو محمد عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریجؒ نے مکہ میں، عبدالرحمن بن اوزاعیؒ نے شام میں، سفیان ثوریؒ نے کوفہ میں، حماد بن سلمہؒ نے بصرہ میں کتابیں جمع کیں پھر بخاری اور مسلم نے اپنی صحیحین تصنیف کیں اور ان میں صرف صحیح حدیثوں کے ذکر پر اکتفا کیا اور دوسری کمزور اور ضعیف روایات کو ترک کر دیا۔ (۹۳)

(د)۔ فن اسماء الرجال کا احیاء :

آئمہ محدثین نے احادیث کی اخذ و تدوین میں بہت محنت، جانفشانی اور احتیاط سے کام لیا، چنانچہ اس کی بدولت ایک عظیم الشان فن 'اسماء الرجال' قائم کیا تا کہ جس کے ذریعے ہر ایک راوی حدیث کا پورا اور کچا چٹھا معلوم ہو سکے اور یہ کہ اس کی دیانت و

امانت اور حافظہ کا معیار کیسا ہے۔ (۹۴)

(د)۔ اسناد کا اہتمام :

صحاح ستہ کے مؤلفین میں سے ہر ایک نے ہر روایت کی سند اپنے سے لے کر حضور اکرم ﷺ تک بیان کی ہیں اور بخاری کی بعض حدیثیں ثلاثی ہیں۔ (۹۵)

حدیث کی اقسام :

حدیث میں مزید حفاظت واحتیاط کے لئے اصول قبول روایت وضع کئے گئے جن کے تحت احادیث کو جانچا گیا پھر حدیث کے اس بناء پر تین درجے یا اقسام کی گئیں۔

(۱) حدیث متواتر جس کو ایسی جماعت دوسری جماعت سے نقل کرتی ہے کہ جن کا کسی جھوٹی بات پر متفق ہو جانا عقلی طور پر محال ہو اس کی مثال نمازوں کی رکعت یا مقدار زکوٰۃ والی روایات کی ہے۔ (۹۶)

(۲) حدیث مشہور : جو صحابہ کے دور میں تو اخبار احاد کی طرح تھی پھر تابعین یا تبع تابعین کے دور میں مشہور ہو گئی ان دونوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانے میں تمام امت نے اس قبول کر لیا اور اب وہ متواتر کے درجے کی ہو گئی مثلاً سنگساری کا حکم زنا کے سلسلے میں۔ (۹۷)

(۳) حدیث واحد (غریب) جس کو ایک راوی نے دوسرے راوی سے یا ایک جماعت سے ایک جماعت نے ، ایک شخص سے روایت کیا ہو۔ (۹۸)

اقسام حدیث کے احکام : مولانا نے ہر حدیث کی اقسام درج کرنے کے بعد ان کے احکام بھی ذکر کیے ہیں لکھتے ہیں :

> "متواتر حدیث علم یقینی کو مستلزم ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔ حدیث مشہور طمانیت کی موجب ہے اس کا انکار بدعت اور فسق ہے خبر واحد دونوں قسم کے علم کی موجب نہیں مگر واجب العمل ہونے کی حد تک معتبر ہے نہ اس سے عقائد کا اثبات ممکن ہے اور نہ اصول دین کا اور اگر دلیل قطعی کے خلاف ہو خواہ وہ عقلی ہو یا نقلی تو اگر تاویل ممکن ہے تو اس میں تاویل کی جائے گی ورنہ اسے چھوڑ دیا جائے گا اور دلیل قطعی پر عمل ہو گا"۔ (۹۹)

قرآن حکیم اور حدیث صحیح میں فرق :

مولانا کیرانویؒ نے قرآن وحدیث میں تین فرق بتائے ہیں

۱۔ قرآن حکیم تواتر اً منقول ہے جس طرح حضور اکرم ﷺ پر نازل ہوا تھا اسکے نقل کرنے والوں نے اس کے کسی لفظ کو دوسرے

لفظ سے نہیں بدلا خواہ اس کے ہم معنی کیوں نہ ہو جب کہ حدیث کا روایت بالمعنی کے طور پر نقل کرنا بھی جائز تھا بشرطیکہ لغت عرب کا ماہر اور طرز کلام سے واقف ہو۔

۲۔ قرآن حکیم چونکہ متواتر ہے اس لیے کسی جملے کا انکار بھی مستلزم کفر ہے بر خلاف حدیث صحیح کے کہ اس کی ایک قسم یعنی متواتر کے علاوہ کسی کے انکار سے کفر لازم نہیں آتا۔

۳۔ بہت سے احکام کا تعلق خالی قرآن کے الفاظ سے بھی ہے جیسے اسکی عبارت کا معجز ہونا نماز کا صحیح ہونا خلاف اس کے الفاظ حدیث سے احکام کا کوئی تعلق نہیں۔ (۱۰۰)

(ب) بعض اعتراضات کا تجزیہ :

اگرچہ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے صحت احادیث کے ضمن میں جن تین بنیادی اصولوں یا فائدوں کا ذکر کیا ہے ان سے مسیحی علماء اور پادری فانڈر کے بہت سے شبہات از خود زائل ہو جاتے ہیں اور احادیث پر اعتراضات کی گنجائش ہی نہیں رہتی تاہم بعض اعتراضات کا جواب مولانا نے الگ سے دیا ہے ان کے اس استدلال کا بھی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

ا۔ احادیث کی جمع و تدین حضور اکرمؐ کے سینکڑوں سال بعد ہوئی :

اس اعتراض کا تفصیلی جواب مولانا نے تمہیدی بحث میں دے دیا ہے جن پر تین پہلوؤں سے بحث کی گئی تھی۔

ا۔ زبانی روایات جمہور اہل کتاب کے نزدیک معتبر ہے اور اس کا ثبوت یہود و نصاریٰ کی کتب سے حاصل ملتا ہے یہی وجہ ہے کہ احادیث ابتدائی طور پر زبانی روایت ہوتی رہیں۔

۲۔ اہم اور عظیم الشان واقعات محفوظ رہتے ہیں اور زمانے کا امتداد ان پر اثر انداز نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ تابعین نے احادیث کو کتابوں میں جمع کرنا شروع کر دیا تھا۔

۳۔ تبع تابعین نے فقہی ترتیب کے مطابق مرتب کیا اور احادیث کی جانچ پرکھ کے لیے "اسماء الرجال" کا عظیم الشان فن ایجاد ہوا ان امور کے واضح ہونے کے بعد اعتراض بالا کی گنجائش ہی نہیں رہتی البتہ ضعیف اور کمزور روایات کو ضرور چھوڑ دیا گیا جنکی سندیں کامل نہ تھیں۔ اس کی الزامی شہادت ہمیں آدم کلارک کے بیان سے ملتی ہے وہ کہتا ہے :

> "یہ بات محقق ہے کہ بہت سی جھوٹی انجیلیں عہد مسیح کی ابتدائی صدیوں میں رائج تھیں ان غیر صحیح اور جھوٹی روایات کی کثرت نے لوقا کو جدید انجیل مرتب کرنے پر آمادہ کیا اس قسم کی انجیلوں کی تعداد ۷۰ سے زائد پائی جاتی ہے"۔ (۱۰۱)

۲۔ احادیث باہم و قرآن کے متعارض ہیں :

پادری فانڈر کا یہ اعتراض کہ احادیث قرآن کے مخالف ہیں اس لیے کہ قرآن شہادت دیتا ہے کہ محمدؐ سے کوئی معجزہ رونما نہیں ہوا جبکہ احادیث میں بے شمار معجزات وارد ہیں جن کا تفصیلی جائزہ آئندہ فصل میں رسالت و نبوت پر اعتراضات کے ضمن میں لیا جائے گا تاہم مختصر طور پر احادیث کے باہم معارض ہونے کے اعتراض کا تجزیہ کرتے ہوئے مولانا کیرانویؒ کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے 'ہمارے نزدیک معتبر احادیث وہی ہیں جو کتب صحاح میں منقول ہیں اور جو احادیث ان کے علاوہ دوسری کتب میں پائی جاتی ہیں نہ وہ ہمارے نزدیک ممکن ہیں اور نہ صحیح احادیث کا تعارض ممکن ہے اس کا الزامی استدلال یہ ہے کہ جس طرح ابتدائی طور پر ستر سے زائد انجیلیں عیسائی حضرات کے نزدیک معارض نہیں ہو سکتی اور صحیح حدیثوں میں اگر کہیں تعارض بظاہر نظر آتا ہے تو وہ عموماً معمولی تامل سے دور ہو جاتا ہے اور پھر یہ بھی اختلاف اتنا شدید نہیں ہو سکتا جس قدر نصاریٰ کی کتب میں موجود ہے۔

الزامی جواب :

مولانا کیرانویؒ نے مذکورہ بالا اعتراض کا جواب الزامی طور پر بہت تفصیل سے دیا ہے جنکی تفصیل میں جائے بغیر اس کی طرف اشارہ کافی ہوگا لکھتے ہیں :

جن لوگوں کو علماء پروٹسٹنٹ ملحد اور بے دین کہتے ہیں انہوں نے اس قسم کے اختلافات بہت کچھ نقل کیے ہیں اس سلسلے میں جان کلارک اور اکسیو موکی کتابیں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں یہاں ایک اختلاف کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے ۔

زبور نمبر ۱۴۵، فقرہ ۸ میں ہے :

"خداوند کریم و رحیم ہے وہ قہر کرنے میں دھیما اور شفقت میں غنی ہے اور خداوند سب پر مہربان ہے"۔

کتاب سموئیل اول باب ۶ فقرہ ۱۹ میں ہے :

"اور اس نے (خدا نے) بیت شمس کے لوگوں کو مارا اس لئے کہ انہوں نے خداوند کے صندوق کے اندر جھانکا تھا سو اس نے ان کے پچاس ہزار اور ستر آدمی مار ڈالے"۔

ان آیات میں خدا کی رحیمی و کریمی ملاحظہ کیجئے اور دوسری طرف معمولی خطاء پر اتنے انسانوں کا قتل عمل میں آگیا؟ (۶۳)

۳۔ احادیث خلاف واقعہ ہیں :

کیا واقعتا اکثر حدیثوں کے معانی صادق اور واقع کے مطابق نہیں ہیں، کے جواب میں مولانا کیرانویؒ لکھتے ہیں کوئی صحیح حدیث اس قسم کی پیش نہیں کی جا سکتی جس کا مضمون ممتنع اور عقل کے خلاف ہو، رہے وہ معجزات جو خرق عادات ہیں یا جنت و دوزخ یا فرشتوں کے احوال جنکی نظیر بظاہر اس دنیا میں موجود نہیں ان امور کو اس وجہ سے مستبعد اور بعید سمجھنا کہ ان کے

قطعی دلائل ممکن نہیں تو یہ کوئی معقول وجوہ نہیں ہیں کیونکہ معجزہ اگر عادت کے مطابق ہو تو یہ حقیقتاً معجزہ نہیں ہو سکتا مثلاً لاٹھی کا اژدھا بن جانا اور پھر سانپوں کو نگل جانا پھر پہلی حالت پر واپس آجانا یہ سب کچھ خلاف واقعہ نہیں ہے اسی طرح دوسرے عالم کو اس دنیا پر وہاں کی اشیاء کو یہاں کی چیزوں پر قیاس کرنا غلط نہیں ہے۔ اسی طرح بعض چیزیں جو کسی ایک زمانہ میں بعید معلوم ہوتی تھیں دوسرے وقت میں مستبعد معلوم نہیں ہوتی تھیں مثلاً سمندری راستوں کو مشینی جہازوں کے ذریعے طے کرنا اب عام بات ہے اس سے پہلے اس کا تصور نا ممکن تھا اسی طرح ٹیلگرام یا برقی تار کے ذریعے ایک یا دو سیکنڈ میں ہزاروں میل دور خبر کا پہنچانا یقیناً پہلے لوگوں کی نظروں میں مستبعد تھا مگر اب ممکن نہیں رہا۔ مولانا نے یہاں بھی الزامی طور پر جواب دیا ہے تاہم اس سے پہلے ایک اصولی بات یہ فرمائی ہے۔

> "معترضین عیسائی حضرات کی یہ پرانی عام عادت ہے کہ وہ انصاف کی آنکھ بند کر کے ہر اس چیز کی نسبت جو ان کی نگاہ میں مستبعد ہوتی ہے محال ہونے کا حکم لگا دیتے ہیں، علماء پروٹسٹنٹ نے یہ نامعقول عادت اپنی قوم کے ان لوگوں سے سیکھی ہے جن کو ملحد اور بد دین کہتے ہیں۔" (۱۰۳)

راوی حضور اکرم ﷺ کے رشتہ دار تھے

مولانا کیرانویؒ نے اس کے اسلوب کو دو پہلوؤں سے بیان کیا ہے: اولاً۔۔۔ حدیث کے نقل کرنے والے حضور ﷺ کی بیویاں، اعزہ اور صحابہ کرامؓ ہیں جنکی شہادت حضور اکرم ﷺ کے حق میں معتبر نہیں، مولانا لکھتے ہیں کہ یہ اعتراض تھوڑے سے تغیر کے ساتھ خود معترضین پر آپڑتا ہے کیونکہ مسیح کے حالات اور ان کے اقوال جو اناجیل میں مندرج ہیں ان کے نقل کرنے والے عیسیٰ کی والدہ، فرضی باپ یوسف نجار یا آپ کے شاگرد ہیں اس لئے ان لوگوں کی شہادت بھی ان کے حق میں معتبر نہیں ہو سکتی اور مسیحی علماء کا یہ کہنا کہ حضور اکرم ﷺ کے اعزہ و صحابہ کرام کا ایمان ناقابل اعتبار تھا کہ یہ لوگ دنیوی ریاست کے حصول کے لیے ایمان ظاہر کر رہے تھے تو یہ احتمال قطعی باطل ہے اس لیے حضور اکرم ﷺ کی تیرہ سالہ کی مکی زندگی کافروں کی ایذا رسانی کی بناء پر نہایت تکالیف و مصائب سے بھرپور تھی اور اس ساری مدت میں صحابہ کرامؓ بھی ان کا شکار رہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کو طمع دنیا یا حرص ریاست کا خیال آسکے مزید برں یہی اعتراض حواریوں پر بھی ممکن ہے۔

ثانیاً صحابہ کرامؓ کی نسبت شیعوں کے اقوال سے استدلال کرنا اس کے دو جوابات دیے جا سکتے ہیں

الزامی جواب۔ نصاریٰ کے بعض قدیم فرقے حضرت عیسیٰ اور اناجیل کی نسبت جو عقیدہ رکھتے ہیں کیا وہ قابل اعتبار ہے؟

تحقیقی جواب اس استدلال میں مولانا نے قرآن کی حقانیت پر شیعہ علماء کے اقوال، صحابہ کرامؓ کے مومن ہونے کی قرآنی شہادت اہل بیت کی شہادتیں خلفائے ثلاثہ کے حق میں پیش کیا ہے۔ (۱۰۴)

فصل سوم: حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر اعتراضات کا جائزہ۔

مسیحی علماء نے قرآن وحدیث کے ساتھ ساتھ حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس کو بھی طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا ہے۔ خود مستشرقین یورپ ایک طویل عرصہ تک اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق کچھ نہ جانتے تھے لیکن جب انہوں نے جاننا چاہا تو مدت دراز تک عجیب وغریب خیالات، مفتریانہ افکار میں مبتلا رہے اور انہی افکار ونظریات کو اپنی تصانیف وتالیف کا موضوع بنایا۔(۱۰۵) اس کا ایک ہلکا سا اندازہ پادری فانڈر کے خیالات سے لگایا جاسکتا ہے جو اس نے اپنی مشہور تصنیف کے تیسرے حصے میں واضح کیا ہے۔(۱۰۶) اسی پس منظر میں مولانا کیرانوی کے استدلال کی روشنی میں مندرجہ ذیل اعتراضات کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ کتب سابقہ میں حضور اکرم ﷺ کی پیشین گوئیاں۔

۲۔ معجزات نبوی ﷺ پر اعتراضات۔

۳۔ ازواج مطہرات پر شبہات۔

۴۔ جہاد اور اسلام کی اشاعت کے بارے میں شبہات۔

۱۔ کتب سابقہ میں حضور اکرم ﷺ کی پیشین گوئیاں۔

'میزان الحق' کے مصنف قمطراز ہیں:

"جس طرح مسیح کی آمد سے متعلق عہد عتیق میں بہت سے مقامات پر پیشین گوئیاں مندرج تھیں اگر خدا کا ارادہ تھا کہ مسیح سے بھی بڑا نبی دنیا میں بھیجے تو ہم ضرور عہد عتیق وجدید دونوں میں اس آنے والے نبی کے حق میں پیشین گوئیاں دیکھنے کی امید کریں گے اور مسلمانوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے نبی کے حق میں پیشین گوئیاں تلاش کریں"۔(۱۰۷)

نیز اس امر کی صراحت بھی ضروری ہے کہ موجودہ پیشین گوئیوں میں ترمیم وتحریف کے علاوہ اور بھی تھیں جنہیں یہود ونصاریٰ نے خارج کردیا۔(۱۰۸)

استدلال کا تجزیہ:

مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے جس اسلوب، عقلی ونقلی استدلال کے ساتھ پادری فانڈر کے مذکورہ اعتراضات کا جواب دیا ہے وہ ہر پہلو سے نمایاں ہے مولانا نے کتب سابقہ کی پیشین گوئیاں ذکر کرنے سے پہلے آٹھ تمہیدی نکات بیان کئے ہیں؛ ان کے بقول 'پادری لوگ اس باب میں غیر تعلیم یافتہ عوام کو سخت مغالطہ میں ڈالتے ہیں'۔(۱۰۹) یہاں ان آٹھ نکات کا خلاصہ نقل

کیا جاتا ہے :۔

۱۔ یہ امر ناممکن ہے کہ اسرائیلی پیغمبروں نے معمولی واقعات کی خبریں اور پیشین گوئیاں تو بیان کی ہوں اور عظیم الشان پیغمبر کے باب میں کچھ نہ کہا ہو۔[۴۰]

۲۔ کوئی پیغمبر آنے والے کی نسبت جب کوئی خبر یا اطلاع دیتا ہے تو ضروری نہیں کہ پوری تفصیلات بھی بیان کرے۔[۴۱]

۳۔ اہل کتاب کو حضرت مسیح اور ایلیاہ کے علاوہ ایک اور نبی کا انتظار تھا۔[۴۲]

۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم الانبیاء نہ تھے۔[۴۳]

۵۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشین گوئیوں کو یہودی نہیں مانتے تھے کیونکہ انہوں نے اس باب میں عجیب و غریب تاویلات کیں تو جس طرح عیسائیوں کے نزدیک یہ تاویلات ناقابل قبول ہیں اسی طرح مسیحیوں کی وہ تاویلات جو انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی پیشین گوئیوں کے بارے میں کیں ہیں وہ بھی باطل اور ناقابل قبول ہیں۔[۴۴]

۶۔ اگر عہد جدید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں پیشین گوئیاں الہامی مانی جاتی ہیں تو حضور اکرم ﷺ کے حق میں وارد شدہ پیشین گوئیوں کو صحیح مانا جائے اور انکی تاویلات نہ کی جائیں۔[۴۵]

۷۔ بائبل کے مترجمین ناموں کا ترجمہ بھی کر دیتے ہیں۔[۴۶]

۸۔ پولوس(Paul) ہمارے نزدیک معتبر شخص نہیں ہے۔[۴۷]

آنحضور مذکورہ تمہیدی امور کے بعد مولانا کیرانوی نے کتب سابقہ سے حضور اکرم ﷺ کے حق میں اشارہ پیشین گوئیوں کا ذکر کیا ہے لیکن طوالت کے خوف سے صرف دو پیشین گوئیوں کا ذکر ہی کافی ہوگا۔

۱۔ کوہ فاران(Paran) کی پیشین گوئی :

کتاب استثناء، عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۴۴ء باب ۳۳ میں ہے۔

"خداوند سینا سے آیا، اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور ہزاروں قدسیوں میں سے آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشی شریعت تھی"۔[۴۸]

خداوند کے سینا[۴۹] سے آنے کا مطلب ہے خدا کا موسیٰ کو توریت عطا فرمانا اور کوہ شعیر[۵۰] سے طلوع ہونے کا مطلب خدا کا عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عطا فرمانا۔ کوہ فاران[۵۱] سے جلوہ گر ہونے سے اللہ تعالیٰ کے قرآن نازل کرنے کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ فاران مکہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے جیسا کہ کتاب پیدائش باب ۲۱ فقرہ ۲۰ سے معلوم ہوتا ہے اس میں حضرت اسماعیل کا

"کا حال بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

"اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہوا اور بیابان میں رہنے لگا اور تیر انداز بنا اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا اور اس کی ماں نے ملک مصر سے اس کے لیے بیوی لی"۔

یہ بات یقینی ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی سکونت مکہ میں رہی ہے یہ مطلب لینا کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا کہ جو آگ جس وقت طور سینا سے روشن ہوئی، اسی وقت کوہ شعیر سے ظاہر ہوئی اور کوہ فاران سے بھی اور وہ آگ بیک وقت ان تمام مقامات پر پھیلی، کیونکہ خدا اگر کسی جگہ صرف آگ کو پیدا کر دے تو یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ 'خدا اس مقام سے آیا' مگر اس وقت جبکہ اس واقعہ کے بعد اس مقام پر وحی کا نزول بھی ہوا یا کسی عتاب و عقوبت کا ادھر ان لوگوں کو یہ تسلیم ہے کہ اس حادثہ کے بعد طور سینا میں وحی کا نزول ہوا اس لئے ضروری ہوگا اسی طرح کوہ شعیر اور فاران پر بھی وحی کا نزول ہو۔ (۴۲)

۲۔ فار قلیط کی پیشین گوئی:

یہ پیشین گوئی(۴۳) انجیل یوحنا کے آخری ابواب میں درج ہے عربی تراجم مطبوعہ لندن ۱۸۲۱ء، ۱۸۳۱ء اور ۱۸۴۴ء سے اسکی عبارت کو نقل کیا جاتا ہے:۔

"ان كنتم تحبونني فاحفظوا وصاياى، وانااطلب من الاء ب فيعطيكم فارقليط آخر ليثبت معكم الى الاه بد، وروح الحق الذى لن يطلق العالم ان يقلبه لانه ليس يراه ولايعر فه وانتم تعرفونه لانه مقيم عندكم وهوثابت فيكم"۔

اسی باب کے فقرہ ۲۶ میں ہے:

"والفارقليط روح القدس الذى يرسلة الاب باسمى هو يعلمكم كل شئى وهو يذكر كم كلما قلته لكم والان قد قلت لكم قبل ان يكون حتى اذاكان تو منوا"۔

(فارقلیط، یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب باتیں یاد دلائے گا)۔

انجیل یوحنا کے باب ۱۵ فقرہ ۲۶ میں ہے:۔

"فا ما اذاجاء الفارقليط الذى ارسله انا اليكم من الاب روح الحق الذى من الاب ينبثق هو يشهد لاجلى، وانتم تشهدون لانكم معى من ابتداء"۔ (۴۴)

(جب وہ فارقلیط آئے گا جس کو میں تمہارے باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا روح جو باپ سے صادر ہوتا ہے وہ میری گواہی دیگا اور تم بھی گواہ ہو کیونکہ شروع ہی سے میرے ساتھ ہو)۔

مولانا کیرانوی نے مذکورہ عبارت پر استدلال پیش کرنے سے پیشتر دو باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ایک یہ کہ اہل کتاب اسماء اور ناموں کا ترجمہ کرنے کے عادی ہوتے ہیں نیز یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان عبرانی تھی یونانی نہیں۔ مولانا اس امر کی توضیح کے بعد رقم طراز ہیں:

"حضرت عیسیٰ نے جس شخص کی تشریف آوری کی بشارت دی تھی یوحنا نے اپنی عادت کے مطابق یونانی میں ترجمہ کر ڈالا پھر عربی ترجمہ کرنے والوں نے یونانی لفظ کو معرب کر کے فارقلیط[۴۵] بنادیا اس امر کی صراحت ایک پادری کے رسالہ سے بھی ہوتی ہے جس میں اس موقف کی تائید ہوتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے قبل کچھ لوگوں نے اس امر کا دعویٰ بھی کیا تھا کہ لفظ فارقلیط کا مصداق ہم لوگ ہیں مثلاً دوسری صدی عیسوی میں مونٹینس (Montanus) نامی عیسائی نے جو بڑا عبادت گزار تھا ایشیائے کوچک میں ۱۷۷ء کے قریب دعویٰ کیا اور ولیم میور (Willam Muir) نے بھی اپنی تاریخ مطبوعہ ۱۸۷۸ء کے تیسرے باب میں اس شخص کے ماننے والوں کا تذکرہ کیا ہے۔"[۴۶]

مسیحی ایک فارقلیط کے منتظر تھے:

اس بشارت سے پتہ چلتا ہے کہ فارقلیط کا انتظار ابتدائی صدیوں میں بڑی شدت کیساتھ کیا جا رہا تھا۔ خود حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں یہود و نصاریٰ اس نبی کے منتظر تھے۔ شاہ حبش کے پاس جس وقت حضور اکرم ﷺ کا نامہ مبارک پہنچا تو اس نے فوراً کہا کہ 'میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ وہی نبی ہیں جن کے اہل کتاب منتظر تھے'۔

قبطیوں کے سردار مقوقس سے حضور اکرم ﷺ کے جواب میں تحریر کیا:

" فقد قرأت کتابك وفهمت ماذكرت وماتدعوا اليه وقد علمت ان نبيا قد بقی وقد كنت اظن انه يخرج بالشام، وقد اكرمت رسولك" [۴۷]

(میں نے آپ کا خط پڑھا اور جو مضمون اس میں لکھا تھا اس کو سمجھا اور جس چیز کی آپ نے دعوت دی اس کو سمجھا مجھ کو معلوم تھا کہ ایک نبی باقی ہے جو آنے والا ہے مگر میرا خیال تھا کہ وہ ملک شام میں مبعوث ہو گا میں نے آپ کے بھیجے ہوئے قاصد کی عزت کی)

اسی طرح جارود بن العلاء مع اپنی قوم کے خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوا اور کہا

"واللہ لقد جئت بالحق ونطقت بالصدق، والذی بعثک بالحق نبیا لقد وجدت وصفک فی الانجیل و بشربک ابن البتول۔"(۲۸)

(خدا کی قسم! آپ حق کو لے کر آئے ہیں اور سچی بات کہی ہے قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے میں نے آپ کے اوصاف انجیل میں پڑھے ہیں اور بتول کے بیٹے نے آپ کی بشارت دی ہے)

پھر اس کی ساری قوم مسلمان ہو گئی یہ جارود بڑا زبردست عیسائی عالم تھا، اس تاریخی توضیح کے بعد مولانا کیرانوی رقمطراز ہیں:

"وہ اصل عبرانی لفظ جو عیسیٰ نے کہا تھا قطعی معدوم ہے اور جو یونانی لفظ موجود ہے وہ صرف ترجمہ ہے مگر ہم اصلی لفظ کی بحث کو چھوڑتے ہیں اس یونانی لفظ ہی پر بحث کرتے ہیں کہ اگر اصل یونانی لفظ 'پیر کلوطوس' ہے تب تو ظاہر ہے کہ یہ مسیح کی بشارت محمد ﷺ کے حق میں ایسے لفظ کے ساتھ دی گئی ہے جو محمد واحمد ﷺ کے قریب ہم معنی ہے، یہ چیز اگرچہ عیسائیوں کی عام عادت کے پیش نظر کے محال ہے بلکہ ہم یہ کہتے کہ اصل یونانی لفظ 'پارا کلی طوس' ہے تب ہمارے استدلال کے لئے مضر نہیں ہو سکا اس لئے کہ اس کے معنی منسوب کیا گیا، مددگار اور وکیل کے ہیں جیسا کہ عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۶ء میں ہے 'اور سب اوصاف محمد ﷺ پر پورے صادق آتے ہیں'۔"(۲۹)

فارقلیط سے مراد روح القدس نہیں، حضور اکرم ﷺ ہیں

مولانا نے اس سلسلے میں دس دلائل پیش کیے ہیں جنکا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ حضرت عیسیٰ نے فارقلیط کی بشارت دینے سے قبل فرمایا 'اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو' اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مسیح نے نور نبوت کے ذریعے سمجھ لیا کہ ان کی امت کے افراد اس نبی کی نبوت کا انکار کریں گے تو پہلے تاکید پھر آمد کی اطلاع دی۔

۲۔ روح القدس عیسائیوں کے نزدیک اپنے باپ کے ساتھ مطلقاً متحد ہے اس لئے اس کے حق میں دوسرا فارقلیط کا عنوان صادق نہیں آتا، اس کے برعکس جس نبی کی بشارت دی جا رہی ہے اس کے حق میں یہ قول بلا تکلف صادق آتا ہے۔

۳۔ وکیل ہونا یا سفارشی ہونا نبی کے خواص میں سے ہے یہ لفظ اس روح پر صادق نہیں آسکتا جو خدا کے ساتھ متحد ہے لہذا یہ دونوں صفات روح پر صادق نہیں آسکتیں۔

۴۔ وہ تمہیں سب سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا، حضرت عیسیٰ کے یہ الفاظ اس بات پر شاہد ہیں کہ حواری حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کو بھول گئے تھے۔

۵۔ حضرت عیسیٰ کا یہ قول کہ 'اور اب میں نے تم سے اس کے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے تاکہ جب ہو جائے تو تم یقین کرو' یہ کلام واضح طور سے اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ اس سے مراد وہ روح نہیں ہو سکتی۔

۶۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ وہ میری گواہی دے گا، یہ عبارت واضح ہے روح نے کسی مسیح کے حق میں کوئی شہادت نہیں دی۔

۷۔ اور تم بھی گواہ ہو کیونکہ تم شروع سے میرے ساتھ ہو یہ قول واضح طور پر بتاتا ہے کہ حواریوں کی شہادت فارقلیط کی شہادت کے علاوہ دوسری شہادت ہے۔

۸۔ حضرت عیسیٰ کا یہ قول اگر میں نہ جاؤں تو وہ فارقلیط تمہارے پاس نہیں آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ اس میں حضرت مسیح اس کی آمد کو اپنے جانے پر معلق کر رہے ہیں حالانکہ وہ روح حواریوں پر عیسیٰ کی موجودگی ہی میں نازل ہو چکی تھی۔

۹۔ عیسیٰ کا یہ قول کہ وہ دنیا کو ملامت کرے گا یہ بھی حضور اکرم ﷺ کے لئے نص جلیل ہے کیونکہ آپ ایسے شخص ہیں جنہوں نے سارے جہان کو للکارا اور ملامت کی۔

۱۰۔ حضرت عیسیٰ کا یہ قول گناہ کے بارے میں اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے۔ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ فارقلیط منکرین عیسیٰ پر ظاہر ہو کر ان کو مسیح پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے ملامت کریں گے۔

۱۱۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے، اس جملے میں بھی فارقلیط سے روح مراد نہیں لی جا سکتی کیونکہ اس نے عیسیٰ کے احکام میں کسی حکم کا اضافہ نہیں کیا بلکہ فارقلیط سے ایسا ہی مراد ہو سکتا ہے جسکی شریعت میں شریعت عیسوی کی نسبت کچھ احکام زیادہ ہوں۔

۱۲۔ عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا، یہ کلام اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ فارقلیط ایسا شخص ہوگا جس کی بنی اسرائیل تکذیب کریں گے مزید براں یہ کہ روح ان کے نزدیک عین معبود تھی تو پھر ایسی صورت میں اس کے حق میں یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے، آپ ہی ایسے شخص ہیں جو وحی کے علاوہ کوئی بات نہیں فرماتے تھے:

"وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی"[۱۲۰] (اور اپنی خواہش سے نہیں کہتا وہ تو صرف وحی ہے جو اسکے پاس آتی ہے)

دوسری جگہ فرمایا:

"ان اتبع الا مایوحیٰ الی"[۱۲۱] (میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جس کی وحی میری طرف کی جاتی ہے)

۳۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ مجھ ہی سے حاصل کر کے تمہیں خبر دے گا، یہ بات روح پر صادق نہیں آتی کیونکہ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق وہ قدیم، غیر مخلوق اور قادر مطلق ہے۔

مذکورہ تیرہ شواہد بیان کرنے کے بعد مولانا کیرانویؒ نے عیسائیوں کے مذکورہ پیشین گوئیوں پر پانچ اعتراضات کا تجزیہ کرتے ہوئے جواب بھی دیا ہے۔(۱۳۲)

معجزات نبوی ﷺ پر مسیحی شبہات.

پادری فانڈر نے معجزات نبوی ﷺ پر کئی پہلوؤں سے اعتراضات کیے ہیں مثلاً :

''اگر حضور اکرم ﷺ کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ مبعوث من اللہ اور خاتم النبیین ہیں تو اس دعویٰ کی تائید کے لئے ضروری تھا کہ آنحضرت معجزات دکھاتے ، ہم دریافت کرتے ہیں کہ آنحضرت نے کون سے معجزات دکھائے ؟'' (۱۳۳)

''جبکہ قرآن صاف وصریح جواب دیتا ہے کہ آنحضرت نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا نیز مسلمانوں کا دعویٰ یہ بھی ہے کہ احادیث میں بہت سے معجزات مندرج ہیں۔بے شک یہ سچ ہے اگر احادیث کی شہادت قبول کریں تو احادیث کے قابل اعتماد اور معتبر ہونے کا سوال محل نظر ہے۔'' (۱۳۴)

استدلال کی وسعت :

مولانا کیرانوی نے معجزات کے شبہات کے باب میں بہت عمدہ استدلال کیا ہے(۱۳۵) چنانچہ پہلے مولانا کیرانویؒ نے ان اعتراضات کے تفصیل تجزیے کے بعد چند باتیں بطور تمہید کے تحریر کی ہیں۔جن کا خلاصہ یہ ہے ۔

۱۔ معجزے کا صدور ہونا ہرگز شرائط نبوت میں سے نہیں ہے۔

۲۔ معجزہ کا صادر ہونا حکم الٰہی سے ہوتا ہے نہ کہ پیغمبر کے اختیار میں ہے۔

۳۔ معجزہ کسی کی فرمائش یا مطالبہ پر بھی موقوف نہیں ہے۔

۴۔ عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے بعض اوقات معجزہ کو بھی جادو سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۵۔ جب معجزہ کا مطالبہ بطور استہزاء یا امتحان کے ہو تو پیغمبر ہرگز معجزے نہیں دکھایا کرتے۔(۱۳۶)

ان تمہیدی نکات کے بعد مولانا کیرانویؒ نے معجزات کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) ماضی یا مستقبل کی صحیح خبریں ۔ (۱۳۷)

(ب) عملی معجزات۔ (۱۳۸)

یہاں مولانا کیرانویؒ کے استدلال کے پیش نظر ایک قرآنی معجزہ اور تین احادیث سے پیش کیے جاتے ہیں۔

معجزہ شق القمر:

ارشاد الٰہی ہے:

"اقتربت الساعة وانشق القمر ٥ وان يروا اٰية يعرضوا ويقولوا سحر مستمر ٥" (۱۳۹)

(قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا اور اگر وہ کوئی معجزہ دیکھ لیں تو اس سے منہ

موڑ لیں اور کہیں یہ تو ہمیشہ سے چلا آتا ہے جادو ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے آیت میں چاند کے ٹکڑے ہونے کی خبر کے ماضی کے صیغے سے دی ہے۔اس لئے ماضی میں ہی واقع ہونا ضروری ہے۔ مولانا کیرانویؒ لکھتے ہیں اس کو زمانہ آئندہ پر محمول کرنا چار وجوہ سے بعید ہے:

۱۔ دونوں قرآتیں اقترب اور انشق ،ماضی پر دلالت کرتی ہیں۔

۲۔ یہ خبر بھی ہے کہ کافر خدا کی آیات سے اعراض کرتے ہیں۔

۳۔ انشق اپنے حقیقی معنوں میں استعمال ہوا ہے نہ کہ مستقبل کے معنوں میں۔

۴۔ اس واقعہ پر احادیث متواترہ سے وارد ہوئی ہیں۔

اعتراض اور جواب:

منکرین کا بڑا معرکۃ الآراء اعتراض یہ ہے کہ اجرام علویہ میں خرق والتیام (پھٹنا اور جڑنا) ممکن نہیں اگر ایسا واقعہ پیش آیا ہوتا تو روئے زمین کے رہنے والوں سے پوشیدہ رہنا ممکن تھا اور مورخین ضرور نقل کرتے ہیں۔ (۱۴۰)

مولانا نے اعتراض بالا کے عقلی و نقلی دونوں حیثیت سے جوابات دے ہیں۔ جنکا خلاصہ یہ ہے:

نقلی استدلال:

نقلی اعتبار سے اعتراض کے کمزور ہونے کی سعادت وجوہات ہیں۔

۱۔ طوفان نوحؑ کا عظیم الشان حادثہ پورے ایک سال تک جاری رہا۔ سوائے آٹھ انسانوں کے کچھ بھی باقی نہ بچا اس واقعہ کا تذکرہ ہندوستان کی تاریخی کتابوں میں نہیں ملتا۔بلکہ بعض تو اس کا انکار کرتے ہیں۔ (۱۴۱)

۲۔ کتاب یشوع کے باب ۱۰ فقرہ ۱۳ کے مطابق سورج ٹھہر گیا اور چاند ٹھہارہا۔ ظاہر ہے کہ اتنا بڑا حادثہ جو عیسائی نظریے کے مطابق مسیح کی پیدائش سے ایک ہزار چار سو سال قبل پیش آیا ،اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا تو اس کا علم روئے زمین کے تمام انسانوں کو ہونا

ضروری تھا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس حادثہ کا ذکر نہ ہندوستان کی تاریخ میں ہے اور نہ چین والل فارس کی کتابوں میں۔ (۴۲)

۳۔ کتاب اشعیاء کے باب ۳۸ فقرہ ۸ کے مطابق یہ معجزہ بھی ولادت مسیح سے سات سو سال تیرہ سال قبل واقع ہوا۔ مگر اس کا تذکرہ ہندوستان کی تاریخوں میں نہیں ہے نہ ہی اور کسی کتاب میں موجود ہے۔ مذکورہ تینوں حادثے یہود و نصرانی کے نزدیک مسلّم ہیں اور باقیوں کا تعلق صرف نصاریٰ کے ساتھ ہے۔

۴۔ انجیل متی باب ۲۷، فقرہ ۵۱ کے مطابق "مقدس کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا اور زمین لرزی اور چٹانیں تڑک گئیں۔۔۔۔" یہ واقعہ جھوٹا اور من گھڑت ہے نیز مخالفین یعنی رومانیوں اور یہودیوں کی قدیم کتابوں میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ لوقا نے ان واقعات کا تذکرہ نہیں کیا۔

۵۔ انجیل متی، مرقس، لوقا میں مسیح کے سولی دینے کے بیان میں لکھا ہے، چھ سے نو بجے تک پورے چار گھنٹے روئے زمین پر تاریکی رہی، یہ ناممکن ہے کہ اکثر لوگ اس سے ناواقف ہوں۔ اس کا ذکر بھی تواریخ میں نہیں ملتا۔

۶۔ انجیل متی نے بچوں کے قتل کا واقعہ باب ۲ میں ذکر کیا مگر کسی دوسری انجیل یا تاریخ میں اس کا کوئی نام و نشان نہیں ملتا۔

۷۔ مرقس کے الفاظ میں آسمانوں کا پھٹنا دن میں واقع ہوا تو ضروری ہے کہ رہنے والے بیشتر انسانوں سے مخفی نہ ہو۔ (۴۳)

عقلی استدلال:

۱۔ شق القمر کا واقعہ رات کے وقت پیش آیا جو غفلت اور نیند کا وقت ہوتا ہے۔

۲۔ یہ حادثہ زیادہ دیر تک ممتد اور مسلسل نہیں رہا نیز دیکھنے والوں کے لیے بھی اس کے امکانات کم تھے۔

۳۔ پہلے اس قسم کا کوئی پروگرام نہ تھا کہ لوگوں کو اس کی اطلاع ہوتی اور وہ دیکھنے کا اہتمام کرتے جس طرح وقت معینہ پر رمضان وعیدین یا سورج و چاند گرہن دیکھنے کا لوگ کیا کرتے ہیں، چنانچہ یہ صرف انہی لوگوں نے دیکھا جو معجزہ کے طالب تھے یا اتفاقیہ نگاہ آسمان کی طرف اٹھ گئی۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں ہے، جب کفار نے اس واقعہ کو دیکھا تو جادو کا الزام دیا۔ ابو جہل نے تحقیق کیلئے مختلف اطراف و جوانب میں آدمی بھجوائے کہ معلوم کریں کہ وہاں کے لوگوں نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا یا نہیں سب نے بالاتفاق تصدیق کی کہ ہم نے اسی حالت میں دیکھا ہے۔

۴۔ کبھی کبھی بعض مقامات پر آسمان پر گہرا بادل نمودار ہو جاتا ہے جو چاند کے دیکھنے میں مانع ہوتا ہے۔

۵۔ چاند اپنے مطالع کے اختلاف کی وجہ سے تمام روئے زمین والوں کیلئے کسی ایک حد پر نہیں ہے۔

۶۔ اس قسم کے نادر الوقوع واقعات دیکھنے والوں کی تعداد زیادہ نہیں ہوتی۔

۷۔ مورخین بالعموم زمینی حوادث کو تاریخ میں جگہ دیتے ہیں اور آسمانی واقعات و حوادث کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

۸۔ منکر کو جب یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں معجزہ یا کرامت اس شخص کی ہے جس کا وہ منکر ہے تو وہ ضرور اسکے اخفا اور چھپانے کی

کوشش کیا کرتا ہے۔(۴۴)

احادیث کی رو سے معجزات کا اثبات:

ا۔ کھانے میں برکت:

حضرت جابرؓ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے خندق والے دن ایک ہزار مجاہدین کی کثیر جماعت کو صرف ایک صاع جو کی روٹیاں اور ایک بکری کے چھوٹے بچے کا گوشت کھلایا۔ حضرت جابرؓ قسم کھا کر بیان فرماتے ہیں کہ اس پورے لشکر نے خوب جی بھر کر کھایا پھر بھی کھانا اسی طرح جاری رہا۔ اور سالن کی ہانڈی بدستور سابق کھول رہی تھی اور آٹے سے بدستور روٹیاں پک رہی تھیں صرف حضور ﷺ نے آٹے اور ہانڈی میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا تھا اور دعائے برکت کی تھی۔(۴۵)

۲۔ ستون کا رونا:

حضرت جابرؓ کا بیان ہے۔ "مسجد نبوی کی چھت کھجوروں کے تنوں پر قائم تھی ان میں سے ایک تنے کے سہارے حضور ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے پھر جب حضور ﷺ کے لئے لکڑی کا منبر تیار کیا گیا تو ہم نے اسکے تنے میں سے ایسی دردناک آواز سنی جیسا کہ دس ماہ کی حاملہ اونٹنی کی آواز ہوتی ہے۔ اور حضرت انسؓ کی روایت میں ہے کہ اس آواز سے تمام مسجد گونج گئی۔ اور حضرت سہیلؓ کی روایت میں ہے کہ لوگ بھی اس کی حالت کو دیکھ کر بے اختیار رو پڑے۔ اور مطلب کی روایت میں ہے کہ یہاں تک کہ کھجور کا تنا شدت صدمہ فراق نبوی ﷺ کی وجہ سے پھٹ گیا پھر جب حضور ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور اپنا ہاتھ اس پر رکھ دیا تب اس کو سکون ملا۔(۴۶)

۳۔ بتوں کا اشاروں سے گرنا:

عبداللہ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ بیت اللہ کے اردگرد ۳۶۰ بت نصب تھے، جن کے پاؤں پتھروں میں سیسہ ڈال کر جما دیئے گئے تھے۔ جس وقت حضور ﷺ فتح مکہ کے دن بیت اللہ میں داخل ہوئے، آپ کے ہاتھ میں جو چھڑی تھی اس سے بت کی طرف اشارہ کرتے اور پڑھتے جاتے تھے "جآء الحق و زهق الباطل ان الباطل كان زهوقاه"(۴۷) کسی بت کو حضور ﷺ نے ہاتھ بھی نہیں لگایا، مگر جس بت کے منہ کی طرف اشارہ ہوتا تھا وہ الٹا ہو کر گر جاتا تھا اور جس کی گدی کی جانب اشارہ کرتے تھے وہ اوندھے منہ گر پڑتا تھا یہاں تک تمام بت گر پڑے۔(۴۸)

ازواجِ مطہرات پر اعتراضات:

پادری فانڈر نے حضور اکرم ﷺ کی پاکیزہ خانگی زندگی کو بھی نشانہ بنایا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی تصنیف 'میزان الحق' میں آپ ﷺ پر جو اعتراضات کئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ مسلمانوں کے لئے چار سے زائد بیویاں رکھنا جائز نہیں کیا بلکہ آپ ﷺ نے اپنے لئے تعداد بڑھا کر نو کرلی، اپنے متعلق خدا کا یہ حکم ظاہر کیا کہ اللہ نے مجھ کو اجازت دی ہے۔ (۱۴۹)

۲۔ مسلمانوں کے لئے اپنی بیویوں کے درمیان مساوات اور عدل ضروری ہے مگر اپنے متعلق محمد ﷺ نے اللہ کا حکم یہ ظاہر کیا کہ اللہ نے مجھ پر یہ عدل واجب نہیں کیا۔ (۱۵۰)

۳۔ آپ زید بن حارثہؓ کے گھر میں اچانک داخل ہو گئے پردہ ہٹایا تو آپ کی نگاہ زینب بنت جحشؓ پر پڑ گئی جو زید کی بیوی تھیں، آپ ان پر فریفتہ ہو گئے جب زید کو یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے طلاق دے دی اور آپ نے ان سے شادی کرلی اور یہ ظاہر کیا کہ خدا نے مجھ کو اس سے شادی کرنے کی اجازت دی ہے۔ (۱۵۱)

۴۔ آپ ﷺ نے ماریہ قبطیہؓ سے حضرت حفصہؓ کے مکان میں ان کی باری کے دن صحبت کی جس پر حفصہؓ غضبناک ہوئیں اور محمد ﷺ کو کہنا پڑا کہ میں نے ماریہؓ کو اپنے لئے حرام کر دیا۔ مگر آپ ﷺ نے قسم توڑ لی۔ اور ظاہر کیا کہ خدا نے ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔ (۱۵۲)

۵۔ آپ ﷺ کی امت کے لئے یہ بات جائز ہے کہ اگر کوئی شخص مر جائے تو دوسرا شخص عدت گزرنے پر اس عورت سے شادی کر سکتا ہے۔ مگر اپنی نسبت آپ ﷺ فرمایا کہ حکم خدا کسی شخص کو اس امر کی اجازت نہیں۔ (۱۵۳)

مذکورہ اعتراضات کے جواب میں مولانا کیرانویؒ کا استدلال:

مولانا کیرانویؒ نے مسیحی علماء کے بالعموم اور پادری فانڈر کے حضور اکرم ﷺ کے اس پہلو پر عمدہ استدلال کیا ہے۔ سب سے پہلے انہوں نے اعتراضات کے تمام پہلوؤں کا تجزیہ کیا اور ان کتابوں کا ذکر بھی کیا جن میں یہ اعتراض مذکور ہیں مزید برایں انہوں نے آٹھ نکات پر مشتمل ان اعتراضات کے جوابات دیئے۔ جن سے از خود تمام شبہات دور جاتے ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ سابقہ شریعتوں میں کثرتِ ازدواج:

گزشتہ شریعتوں میں ایک سے زائد شادی کرنا جائز تھا اسکی چند مثالیں یہ ہیں۔

۱۔ حضرت ابراہیمؑ نے سارہؓ سے نکاح کیا ان کی موجودگی میں ہاجرہ سے شادی کی اور بائبل کے مطابق ایک تیسری بیوی قطورا بھی تھی۔ حالانکہ وہ خلیل اللہ تھے اور خدا کی وحی ان کے پاس آتی تھی۔

۲۔ حضرت یعقوبؑ نے چار عورتوں لیا، راحیل، بلہا اور زلفا سے شادی کی پہلی دونوں عورتیں حقیقی بہنیں تھیں۔

۳۔ جدعون بن یوآس نے بہت سی عورتوں سے نکاح کیا اور اس کے ستر بیٹے تھے جو اس کے ہی کے صلب سے پیدا ہوئے۔

۴۔ حضرت داودؑ نے سات عورتوں سے نکاح کیا جن کے نام بائبل میں مذکور ہیں۔
۵۔ حضرت سلیمانؑ نے ایک ہزار عورتوں سے شادی کی جن میں سات سو آزاد شہزادیاں تھیں اور تین سو باندیاں تھیں۔(۱۵۴)

مذکورہ بالا شواہد سے کسی بھی مقام پر توریت میں ایک نکاح سے زیادہ کی ممانعت ثابت ہوتی تو موسیٰ اس کی صراحت اسی طرح کرتے جس طرح دوسری حرام چیزوں کی تصریح کی ہے۔

۲۔ زینب بنت جحشؓ کا نکاح:

صحیح واقعہ حضرت زینب کا یہ ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کے نکاح میں تھیں۔ پھر زید نے ان کو طلاق دے دی اور عدت گزارنے پر حضور ﷺ نے ان سے نکاح فرمایا۔ اس سلسلے میں سورۃ الاحزاب کی آیات نازل ہوئیں۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ زینب اپنے آپ کو نسب کی بنا پر اور کالا نہ ہونے کی وجہ سے حضرت زید سے افضل سمجھتی تھیں اور اسی وجہ سے محبت والفت نہ ہو سکی۔ اس سلسلے میں جو روایت بیضاوی نے نقل کی ہے، وہ محققین حدیث کے نزدیک ضعیف و ناقابل قبول ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دھلوی لکھتے ہیں: "اور جو یہ کہا جاتا ہے کہ جب آپ نے ان کو دیکھا تو فریفتہ ہو گئے تو یہ اس قسم کی چیز ہے جس سے تحفظ حضور اکرم ﷺ کا واجب ہے"۔(۱۵۵)

۳۔ شرعی امور کی حکمت:

شرعی امور کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ تمام شریعتوں میں یکساں ہوں یا تمام قوموں کی عادات اور انکی مرضی کے مطابق ہوں۔ متبنیٰ کی بیوی سے طلاق کے بعد نکاح کرنا مشرکین عرب کے نزدیک بہت ہی قبیح اور برا تھا۔ اسلئے حضور اکرم ﷺ کو زینب سے نکاح کرنے میں ابتداءً مشرکین کے طعن کا اندیشہ تھا۔ مگر جب خدا نے آپ کو اس کا حکم دیا تو آپ نے شریعت کے بیان و توضیح کے لئے حضرت زینب سے نکاح فرمایا اور مشرکین کے طعن کی کوئی پرواہ نہ کی۔(۱۵۶)

۴۔ امتیازات و تخصصات:

اس امر میں کوئی حرج نہیں کہ بعض امور کو اولیاء اللہ کے ساتھ مخصوص کر دیا جائے جیسا کہ معلوم ہے ہارون علیہ السلام اور انکی اولاد کے ساتھ بہت سے کام مخصوص تھے مثلاً خیمہ اجتماع کی خدمت اور اس سے متعلقہ کام اور یہ امور لاوی کی دوسری اولاد کے لئے قطعی ناجائز نہ تھے چنانچہ یہ امور بھی حضور ﷺ سے خاص تھے جسکی صراحت سورۃ الاحزاب سے ہوتی ہے۔(۱۵۷)

الزامی استدلال:

ہمیں معاندین کی بے انصافی پر تعجب ہوتا ہے کہ یہ لوگ اگر کسی دوسری شریعت میں ایسی بات دیکھتے ہیں جو ان کے خیال میں قبیح اور بری ہے تو یا تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ حکم خدائے پاک دعاوں کا نہیں ہو سکتا یا پھر یہ کہتے ہیں کہ یہ چیز منصب نبوت کے لائق

نہیں۔(۱۵۸)

جہاد پر اعتراضات:

پادری فانڈر نے جہاد پر اعتراض کرتے ہوئے اشاعت اسلام کو تلوار کے مرہون منت قرار دیا ہے۔(۱۵۹) وہ لکھتا ہے:

"النبی بالسیف' نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ خدا نے آپ ﷺ کو یہ حکم دے دیا ہے کہ جبراً اسلام کو پھیلائیں"۔(۱۶۰)

مزید تحریر کرتا ہے:

"ایام ہجرت سے وفات تک حضرت محمد ﷺ نے تابعین کے مفاد کے لئے بہت سی جنگوں میں حصہ لیا۔ الواقدی نے ۲۶ یا ۲۷ جن میں سے ۱۹ میں بذات خود شرکت کی بتائی ہیں، جبکہ ابن اثیر نے ایسے حملوں کی تعداد ۳۵ بتائی ہے، نیز ان لڑائیوں کا مقصد لوٹ مار کے سوا کچھ نہ تھا"۔(۱۶۱)

مولانا کیرانویؒ کا استدلال:

مولانا اعتراض بالا کی بابت کہتے ہیں، عیسائیوں کے خیال میں یہ سب سے بڑا اعتراض ہے جسے یہ لوگ اپنے رسائل اور کتابوں میں عجیب و غریب عنوان اور اسلوب سے بیان کرتے ہیں۔ جبکہ منشاء عناد اور بغض کے سوا کچھ نہیں، مولانا نے مذکورہ اعتراض کا استدلال پانچ پہلوؤں سے بیان کیا ہے۔ ذیل میں انہی امور کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ سنتِ الٰہی:

خدا تعالیٰ کو کفر قطعی ناپسند ہے جس کی سزا آخرت میں یقینی اور قطعی ہے۔ بالکل اسی طرح وہ نافرمانی اور گناہ کو بھی مبغوض رکھتا ہے۔ چنانچہ یہ سنت الٰہی ہے کہ کبھی کبھی کافروں کو نافرمانوں کو دنیا میں بھی سزا دیتا ہے۔ مثلاً طوفان نوح سے کشتی کے سواروں کے علاوہ سب کو ہلاک کرنا، فرعون و آلِ فرعون کو غرق کرنا، آگ برسا کر اور بستیوں کو الٹ کر ہلاک کرنا، کبھی زمین میں دھنسا کر اور کبھی موذی سانپوں اور اژدھوں کے ذریعے ہلاک کرتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی کافروں اور عاصیوں کو دنیا میں سزا نہیں دی جاتی۔(۱۶۲)

۲۔ دوسری شریعتوں میں بھی جہاد روا تھا:

گزشتہ پیغمبروں نے بھی کافروں کو قتل اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کیا، اور ان کے اموال کو لوٹا ہے اور یہ چیزیں شریعت محمدی کیساتھ ہی مخصوص نہیں۔ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ کتاب استثناء باب ۲۰ فقرہ ۱۰ میں ہے:

"جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا۔ اور اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے، اور اپنے پھاٹک تیرے لیے کھول دے۔ تو وہاں کے سب باشندے تیرے باجگذار ہو کر تیری خدمت کریں۔ اور اگر تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو اس کا محاصرہ کرنا، تو جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضے میں کردے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا لیکن عورتوں اور بال بچوں اور چوپایوں اور اس شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لئے رکھ لینا اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو تیرے خدا وند نے تجھ کو دی ہو، کھانا، ان سب شہروں کا یہی حال کرنا جو تجھ سے بہت دور ہیں اور ان قوموں کے شہر نہیں ہیں پر ان قوموں کے شہروں میں جن کو خداوند تیرا میراث کے طور پر تجھ کو دیتا ہے کسی ذی نفس کو جیتا نہ چھوڑنا بلکہ تو ان کو یعنی حتی اور اموری اور کنعانی اور فرزی اور حوی اور یبوسی قوموں کو جیسا خداوند تیرے خدا نے تجھ کو حکم دیا ہے بالکل نیست کردینا"۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے چھ قبائل کے حق میں یہ حکم دیا تھا کہ ان میں ہر جاندار کو تلوار کی دھار سے قتل کیا جائے خواہ مرد ہوں یا بچے ان کے علاوہ دوسری قوموں کے لئے حکم یہ ہے کہ پہلے صلح کی دعوت دی جائے اگر قبول کرلیں اور جزیہ دینا منظور کرلیں تو بہتر ورنہ ان پر فتح حاصل کرنے کے بعد انکے مردوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا جائے اور عورتوں اور بچوں کو قید کرلیا جائے اور ان کے جانوروں اور اموال کو لوٹ کر مجاہدین پر تقسیم کردیا جائے۔

مولانا اس عبارت کے استدلال کو پیش کر کے لکھتے ہیں:

"صرف یہی ایک عبارت ہی عیسائیوں کے تمام واہیات اعتراضات کے جواب میں کافی وشافی ہے۔ علماء اسلام نے ہمیشہ زیر نظر عبارت کو عیسائیوں کے مقابلہ میں نقل کیا ہے مگر عیسائی اس کے جواب سے ایسے خاموش رہتے ہیں گویا انہوں نے اس عبارت کو دیکھا ہی نہیں اور نہ ہی اسکا جواب دیتے ہیں"۔

۲۔ کتاب 'گنتی' باب ۲۵ میں ہے:

"بنی اسرائیل نے جب موآب کی۔۔۔ بیٹیوں سے زنا کیا اور ان کے بتوں کو سجدہ کیا تو خدا نے ان کے قتل کا حکم دیا۔ اور پھر موسیٰ علیہ السلام نے ان کے چوبیس ہزار آدمی قتل کیے"۔

۲۔ عبرانیوں کے نام خط باب ۱۱، فقرہ ۳۲ میں ہے:

"اب اور کیا کہوں؟ اتنی فرصت کہاں کہ جدعون اور برق اور شمسون اور افتاہ اور داؤد اور سموئیل اور نبیوں کا حال بیان کروں؟ انہوں نے ایمان ہی کے سبب سے سلطنتوں کو مغلوب کیا، راست بازی کے کام کئے، شیروں کے منہ بند کئے، آگ کی تیزی کو بجھایا، تلوار کی دھار سے بچ نکلے، کمزوری میں زور آور ہوئے لڑائی میں بہادر بنے، غیروں کی فوجوں کو بھگا دیا"۔

'میزان الحق' کے مصنف کا یہ دعویٰ کہ داؤد علیہ السلام کے تمام جہاد محض ملک گیری کی ہوس کے سلسلہ میں تھے قطعی بد دیانتی ہے اس کے علاوہ ہم یہ فرض بھی کرلیں کہ یہ قتل و خون ریزی محض سلطنت کی خاطر تھی مگر بہر حال دو صورتوں سے خالی نہیں ہو سکتی یا یہ فعل خدا کے نزدیک پسندیدہ تھا یا مکروہ مبغوض۔ اول صورت میں ہمارا دعویٰ ثابت ہو جاتا ہے۔۔ اور اگر دوسری صورت ہو تو انکا قول بھی غلط اور عیسائیوں کے مقدس پولوس کا قول بھی جھوٹ اور داؤد کے حق میں خدائی شہادت بھی جھوٹی ثابت ہوتی ہے اور لاکھوں بے گناہوں کا قتل ان کی گردنوں پر لازم آتا ہے کیا اس اخروی نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ (۱۴۳)

۳۔ احکام شریعت بدلتے رہتے ہیں:

گزشتہ شریعت کے عملی احکام کیلئے ضروری نہیں کہ آنے والی شریعت میں بھی وہ بعینہٖ باقی رہے۔ ہو سکتا ہے کہ مصالح اور زمانہ اور مکلفین کے بدلنے سے وہ احکام بھی بدل جائیں مثلاً شریعت موسویہ میں جہاد ایسے شنیع ظلم والے طریقوں کیساتھ مشروع تھا جسکی مشروعیت شریعت عیسوی میں باقی نہیں رہی۔ بنی اسرائیل کو بھی جہاد کا حکم مصر سے نکلنے کے بعد ہو تھا۔ اس سے قبل انکو جہاد کی اجازت نہ تھی۔ اس طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ کافروں اور گنہگاروں کی تنبیہ اور سزا کا طریقہ ہمیشہ یکساں ہی ہو۔ اس لیے جو شخص نبوت اور وحی کو مانتا ہو کسی شریعت کے اس قسم کے مسائل پر اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ البتہ جو شخص نبوت اور شریعتوں کو ہی تسلیم نہیں کرتا اور ملحد و زندیق ہے اور اس قسم کے واقعات کا منکر ہے تو یہ بات اس سے بے شک بعید نہیں۔ (۱۴۴)

۴۔ یہودیوں اور مسیحیوں کے باہم مظالم۔

علماء نصاریٰ بڑی بے باکی کیساتھ یہ دروغ بیانی کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ یہ بات بالکل بے بنیاد اور خلاف واقعہ ہے خود انکے افعال، ان کے اقوال کی تردید کرتے ہیں اس لیے کہ یہ لوگ جب بھی پورا تسلط اور غلبہ پالیتے ہیں تو ہمیشہ اپنے مخالفوں کو مٹانے اور نیست و نابود کرنے کی امکانی کوشش کرتے ہیں۔ مولانا کیرانوی نے ان کے باہم مظالم کی داستان مستند تاریخی کتابوں سے رقم کی ہے جو خاصی طویل ہے۔ یہاں صرف تین اقتباس پر ہی اکتفا کافی ہوگا۔

مصنف 'کشف الآثار' لکھتا ہے:۔

"قسطنطین اعظم جو ہجرت سے تقریباً تین سو برس قبل گزرا ہے اس نے یہودیوں کے کان کاٹنے اور ان کو مختلف ملکوں میں جلاوطن کرنے کا حکم دیا پھر پانچویں صدی عیسوی میں شہنشاہ روم نے ان کو شہر اسکندریہ سے جو عرصہ دراز سے ان کی جائے پناہ تھی، نکال دینے کا حکم جاری کیا۔۔۔"

صفحہ ۲۸ پر لکھتا ہے:

"شہر انطاکیہ کے یہودی جب شکست خوردہ اور مغلوب ہو کر گرفتار ہوئے تو بعض کے اعضاء کو کاٹا اور بعض کو قتل کیا اور باقی ماندہ تمام افراد کو جلاوطن کیا پھر شہنشاہ نے اپنی تمام مملکت میں قسم قسم کے ظلم کئے آخر کار پھر ان کو اپنی حدود سلطنت سے باہر کر دیا۔۔"(۱۶۵)

"سیر المتاخرین، کا مصنف لکھتا ہے:"

"قسطنطین اول کے بعد چھٹے بادشاہ نے اپنے امراء سلطنت کے مشورہ سے ۳۷۹ء میں یہ حکم جاری کیا کہ ہر وہ شخص جو سلطنت روم میں آباد ہے اس کو عیسائیت اختیار کرنا لازم ہوگا جو عیسائیت اختیار نہیں کریگا وہ قتل کر دیا جائیگا"

جس طرح عیسائیوں نے یہودیوں پر بے شمار مظالم روا رکھے اسی طرح پروٹسٹنٹ بھی اس اسلاف پرستی میں پیچھے نہ رہے۔ مولانا نے طامس انگلس کی کتاب 'مراۃ الصدق' (جسکا ترجمہ انگریزی سے عربی میں ہوا) سے کچھ اقتباس نقل کئے ہیں۔ پروٹسٹنٹوں نے اپنے ابتدائی دور میں ۶۴۵ خانقاہیں، ۹۰ مدارس، ۲۳۷۶ عبادت خانے اور ۱۱۰ شفاخانے ان کے مالکوں سے چھین کر معمولی قیمت میں بیچ ڈالے۔ اور ان کی قیمت امراء نے آپس میں تقسیم کرلی۔ قوانین کے تحت ملکہ الزبتھ کے عہد میں دو سو چار اشخاص کو قتل کیا گیا جس میں سے ایک سو چار پادری تھے باقی دولتمند طبقے کے لوگ تھے جنکا قصور اس کے علاوہ کچھ نہ تھا انہوں نے اپنے کیتھولک ہونے کا اقرار کیا تھا۔۔۔ ملکہ میری جو ملکہ الزبتھ کی خالہ زاد بہن تھی محض کیتھولک ہونے کی وجہ سے قتل کی گئی۔

اب ہم کہتے ہیں کہ ذرا ان معترضین کو دیکھئے جو ملت محمدیہ پر کس بے حیائی اور بے شرمی سے یہ الزام لگاتے ہیں کہ مسلمانوں نے اپنا مذہب ظلم و ستم کے ذریعے دنیا میں پھیلایا۔(۱۶۶)

۵۔ جہاد کے اصول و آداب:

شریعتِ محمدیہ میں جہاد کے حکم کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں جنہیں آداب و شرائط جہاد بھی کہا جاسکتا ہے۔

۱۔ پہلے کافروں کو وعظ و نصیحت کے ذریعے اسلام کی دعوت دی جائے اگر قبول کرلیں تو ہمارے بھائی ہونگے اور حقوق برابر کے

ہو گئے۔(۱۶۷)

۲۔ اگر اسلام قبول نہ کریں تو اگر مشرکین عرب ہیں تو ان کا حکم شریعت محمدی میں وہی ہے جو شریعت موسوی میں ساتوں قوموں کیلئے، مرتد اور بتوں کی قربانی کرنے والوں کیلئے تھا یعنی قتل کیا جانا۔

۳۔ مشرکین عجم کو قبول جزیہ اور اطاعت کی صورت میں صلح کی دعوت دی جائے گی اگر وہ مان لیں اور جزیہ کی ادائیگی کا عہد کر کے مسلمانوں کی رعایا بن کر رہنا پسند کریں تو بہتر ہے ایسی صورت میں ان کی جانیں اور مال محفوظ ہوں گے۔

۴۔ اگر قبول نہ کریں تو ان سے ان شرائط کی پابندی اور لحاظ رکھتے ہوئے جن کی وضاحت فقہ کی کتابوں میں کی گئی ہے لڑائی کی جائے گی اور وہ شرائط اس نوع کی ہیں جو شریعت موسوی میں سات اقوام کے علاوہ لوگوں کے لئے ہیں۔(۱۶۸)

مولانا کیرانوی نے جہادِ اسلامی کی روح اور حقیقت کو واضح کرنے کیلئے خالد بن ولیدؓ کا وہ خط جو لشکرِ فارس کو لکھا گیا اور امن کی وہ تحریر جو حضرت عمرؓ نے شام کے عیسائیوں کیلئے لکھی تھی پیش کی ہے۔

"بسم الله الرحمن الرحيم٥من خالد بن وليد الى رستم ومهران في ملاء فارس، سلام على من اتبع الهدى ،اما بعد ،فانا ندعو كم الى السّلام فان ابيتم فاعطوا الجزية عن يد وانتم صاغرون ،فان معي قوم يحبون القتل في سبيل الله كمايحب فارس الخمر والسلام على من اتبع الهدى".(۱۶۹)

(خالد بن ولیدؓ کی طرف سے رستم و مہران کے نام: ان لوگوں کے لئے سلامتی ہو جو راہ ہدایت پر چلتے ہیں، مابعد ہم تم کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں، اگر تم کو اس سے انکار ہو تو ماتحت اور رعایا بن کر جزیہ ادا کرو۔ لیکن اگر اس سے بھی انکار کرو گے تو پھر سن لو کہ میرے ہمراہ ایسے لوگ ہیں جن کو خدا کی راہ میں جان دینا ایسا محبوب ہے جیسا اہل فارس کو شراب محبوب ہے "والسلام علی من اتبع الھدی)۔

جب بیت المقدس فتح کیا تو حضرت عمرؓ نے وہاں کے عیسائیوں کے لئے جو تحریر لکھی وہ اسلامی تاریخ میں ایک روشن مثال کی حیثیت رکھتی ہے۔(۱۷۰) دنیا کو اس امر کا بھی اعتراف ہے کہ امیر المومنین، حضرت عمرؓ اسلامی معاملات میں بڑے سخت تھے اور شام کا جہاد آپ کا عظیم جہاد تھا چنانچہ ایلیا کے محاصرہ کے وقت آپ بہ نفس نفیس خود تشریف لے گئے تھے، مگر جب ایلیا پر آپ کا کامل تسلط ہو گیا اور عیسائیوں نے جزیہ کی رقم ادا کرنا منظور کر لیا تو تاریخ شاہد ہے کہ ایک شخص کو نہ آپ نے قتل کیا اور نہ ایمان قبول کرنے پر مجبور کیا۔ اور بہترین و قابل قبول شرائط ان کے سامنے پیش کیں جس کا اعتراف عیسائی مورخین کو بھی ہے۔(۱۷۱)

البتہ شریعت محمدیہ ﷺ اور شریعت موسوی میں دو بنیادی فرق و امتیاز ہیں:۔

۱۔ شریعت محمدیہ ﷺ کے اصول کے تحت سب سے پہلے مخالف کو اسلام قبول کرنے کی باضابطہ دعوت دی جاتی ہے۔

۲۔ شریعت موسوی میں مخصوص سات قوموں کے حق میں یہ حکم تھا کہ ان کے بچوں اور عورتوں کو قتل کیا جائے بخلاف شریعت محمدیہ ﷺ میں ہمارے مذہب میں ان کا قتل مطلق جائز نہیں خواہ وہ عرب کے مشرک ہی کیوں نہ ہوں۔ (۱۷۲)

اب مذکورہ پانچ امور کے واضح ہونے سے مسیحی علماء اسلامی شریعت کی رو سے کوئی بھی نقلی یا عقلی قباحت ثابت نہیں کر سکتے۔ عقلاً اس لئے بھی کہ دلیل صحیح کے ذریعے ثابت ہو چکا ہے کہ قوت نظری کی اصلاح قوت عملی پر مقدم ہے لہٰذا اعتقاد کی اصلاح، اعمال کی اصلاح پر یقیناً مقدم ہو گی اور یہ مقدمہ تمام عقائد کا مسلمہ ہے اور بغیر ایمان کے نیک اعمال ان کے نزدیک مفید اور کار آمد نہیں ہو سکتے، عیسائی اس نظریہ میں ہماری مخالفت کر ہی نہیں سکتے کیونکہ ان کا عقیدہ تو یہ ہے کہ بغیر مسیح پر ایمان لائے اعمال صالحہ ذریعہ نجات نہیں بن سکتے۔ (۱۷۳)

منہج واستدلال کا ناقدانہ جائزہ:

مولانا کیرانویؒ کے منہج واستدلال کا بہ نظر غائر مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ منہج واستدلال کا غالب حصہ مناظرانہ اسلوب پر مبنی ہے تاہم مناظرانہ اسلوب کے پہلو بہ پہلو علمی و تحقیقی استدلال سے بھی اعتناء کیا گیا ہے۔

مناظرانہ اسلوب میں فریق مخالف کے دلائل واعتراضات کا جواب دینا اور عائد کردہ الزامات کو انہی پر لوٹا دینا 'الزامی جواب' کے زمرے میں آتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ الزامی پہلو، اہل علم کے نزدیک زیادہ مستحسن نہیں سمجھا جاتا کیونکہ استدلال کے اس پہلو میں اگر ایک طرف فریق مخالف کے دلائل و موقف کو تسلیم کرتے ہوئے اس کا رد کیا جاتا ہے نیز مذکورہ موقف اگر منفی پہلو پر مبنی ہو تو فریق مخالف کی کتب سے ثابت کرنا لازم ٹھہرتا ہے۔ دوسری طرف فریق مخالف قائل ہونے کی بجائے مزید ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آتا ہے۔ مزید بر اں فریق مخالف پر غالب آنے کی خواہش اور اپنی بات منوانے کی وجہ سے دیانتدارانہ اور غیر جانبدارانہ تحقیق کا حق بھی ادا نہیں ہو پاتا۔ (۱۷۴)

مناظرانہ اسلوب کا مذکورہ پہلو اپنی جگہ اور اس میں سنجیدگی و وقار اور تحقیق و تدقیق سے اس اسلوب کے تاریک پہلوؤں کو روشن کیا جا سکتا ہے۔ تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ متکلم پر حالات و زمانہ کی رعایت سے استدلال کرنا بھی ضروری ہے، چنانچہ شیخ الاسلام، ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے:

"جو عالم اپنے زمانے کے ملحدین اور مبتدعین کو جواب نہ دے، وہ عالم نہیں"۔ (۱۷۵)

اسی طرح امام غزالیؒ فرماتے ہیں:۔

"متکلمین کی مثال اس سلطنت کے مجاہد سپاہیوں کی ہے جو دین کو معترضوں کے خطروں اور دشمنوں کے حملوں سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنے علم و فن سے اساطاعر کوشش کرتے ہیں"۔ (۱۷۶)

یہی وجہ ہے مولانا کیرانویؒ نے حالات و زمانے کی رعایت اور مخاطبین کے اذہان و قلوب کا پوری طرح تجزیہ کرتے ہوئے اس استدلال کو اختیار کیا ہے یہی وجہ ہے کہ سید سلیمان ندویؒ (۱۷۷) اور سید ابوالحسن علی ندوی "(۱۷۸) جیسی بلند پایہ علمی شخصیات نے اس اسلوب کو نہ صرف سراہا ہے کہ بلکہ بعد میں آنے والے مسلمان مفکرین و علماء نے بھی اس اسلوب کو بعض مباحث کے اثبات میں اختیار کیا ہے۔ (۱۷۹)

خواجہ الطاف حسین حالی رقم طراز ہیں:

"۔۔۔ الزامی جوابوں سے سوا اس کے کہ صرف مسلمانوں کو تسلی ہو جائے یا بعض صورتوں میں عیسائی بھی ساکت ہو جائیں ان لوگوں کی زبان بند نہیں ہو سکتی جو اسلام اور عیسائیت دونوں مذہبوں سے الگ ہیں یا مطلقاً مذہب سے آزاد ہیں۔۔۔۔ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اور سید آل حسنؒ کے سر سید سے کچھ کم مداح اور شکر گزار نہیں ہیں جنہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کو مشنریوں کے حملوں سے بچایا اور ان سے مناظرہ کرنے کی سب سے پہلے بنیاد ڈالی اور جن کی کتابوں کو دیکھ کر پچھلوں کو یہ خیال پیدا ہوا"۔ (۱۸۰)

حواشی و تعلیقات (باب ہفتم)

(۱) مسیحی علماء کے قرآن حکیم پر یہ اعتراضات نئے نہیں ہیں بلکہ یہ وہی اعتراضات ہیں جو بڑے منظم انداز میں مستشرقین ایک عرصہ سے کرتے چلے آرہے ہیں ان اعتراضات کی تفصیل مندرجہ ذیل کتب اور مقالات میں دیکھی جا سکتی ہے۔

(I) Arhery, A J., *The Koran Interpreted*, Allan and Unwin London, 1955.

(II) Adams, C J., *The koran*, Encyclopedia Americana, Newyork, 1961, Vol X

(III) Bell, Richard, *Introductin to the Quran*, Edinburh Univeristy Press, Edinburgh, 1958

(IV) Bell, Richard, *Translation of the Quran*, T.A.T. Clark, 1937.

(V) Burton, Jon, *Collection of the Quran*, Cambridge University Press, Cambridge, 1977.

(VI) Crgg, K , *The Event of the Quran*, Allan and Unwin Press, London, 1971

(VII) Devenport, John, *Muhammad and the Quran*, London, 1956.

(VIII) F Buhl, *Koran* Encyclopaedia of Islam, Leiden 1987, Vol IV

(IX) Jeffery, Arthur, *Matenals for the Study of History of the Text of the Quran*, E.J. Brill, London, 1937.

(X) Jeffery, Arthur, *The koran, As Scriptur*, Heritage Press Newyork, 1952

(XI) Jeffery, Arthur, *The koran. Selected Suras*, Heritage Press Newyork, 1958.

(XII) Margoliouth, D S , *Muhammadanism*, Butter Worth London, 1928.

(XIII) Margoliouth,D S., *Quran* Encyclopaedia of Religion and Ethics, Edinburgh, 1930, Vol. X

(XIV) Mingana, A , *Quran* Encyclopaedea of Religion and Ethics, Edinburgh 1930, Vol. X.

(XV) Noldike, The Koran, Encyclopaaedia Britannica, Dunbury,1984, Vol XIV

نیز ملاحظہ ہوں .(۱) برکت اللہ، پادری، صحت کتب مقدسہ، ص ۲۸۶-۳۵۰۔

(۲) عماد الدین، پادری، تحقیق الایمان، ص ۱۵-۵۰۔

(۳) محمود اختر، حافظ، ڈاکٹر، تدوین قرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا محققانہ جائزہ (غیر مطبوعہ مقالہ، پی۔ایچ۔ڈی۔ علوم اسلامیہ) پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۹-۲۳۵۔

(۴) عارف محمود، چوہدری، قرآن حکیم پر مختلف انسائیکلو پیڈیا کے آرٹیکلز کا جائزہ (غیر مطبوعہ مقالہ، ایم۔اے علوم اسلامیہ) پنجاب یونیورسٹی، لاہور ۱۹۸۹ء۔

(۲) وہ تین احادیث مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ عن زید بن ثابتؓ قال ارسل الی ابوبکر... الخ (بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن)۔

(حدیث زیر نظر میں حضرت زید بن ثابتؓ کی زبانی بتایا گیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مجھے جنگ یمامہ کے دوران بلایا جہاں حضرت عمرؓ بھی تشریف فرما تھے اور حضرت عمرؓ نے تجویز پیش کی کہ جنگ یمامہ میں قراء و حفاظ کی شہادت کے پیش نظر قرآن حکیم کی جمع کا حکم دو جس پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا جس کام کے کرنے کا حضور اکرم ﷺ نے نہیں دیا، کیسے کیا جا سکتا ہے حضرت عمرؓ کے اصرار پر حضرت ابو بکرؓ کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی اور زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ وہ قرآن کو جمع کریں کیونکہ حضرت زید بن ثابتؓ کاتب وحی اور نوجوان تھے، دونوں اصحاب کے کہنے پر زید بن ثابت رضامند ہو گئے۔ انہوں نے فرمایا! خدا کی قسم اگر یہ لوگ مجھے پہاڑ اٹھانے کی تکلیف دیتے تو مجھے بھاری نہ پڑتا جیسا کہ قرآن کا جمع کرنا، بہر حال حضرت زید نے کھجور کے پتوں، پتھروں اور لوگوں کے حافظہ کی مدد سے قرآن کو جمع کیا۔ سورۃ توبہ کی آخری آیت لقد جاء کم رسول من انفسکم... الخ، ابی خزیمہ انصاری کے سوا کسی کے پاس نہ پائی۔ پس قرآن حکیم کے اجزاء ابو بکرؓ کے پاس رہے۔ انہوں نے وفات پائی تو حضرت عمرؓ کے پاس رہے اور ان کی وفات کے بعد ان کی بیٹی حفصہؓ کے پاس رہے)۔

۲۔ عن انس بن مالک ان حذیفة بن الیمان قدم عثمان... الخ (بخاری، کتاب فضائل القرآن)۔

(حضرت حذیفہ بن الیمانؓ آذربائی جان کے معرکے کے بعد حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے امیر المومنین! اس امت کی خبر لیجئے کہ وہ اپنی کتاب میں یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف کرنے لگے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس صحیفہ لینے کے لئے آدمی بھیجا تاکہ اس سے نقل کر کے واپس کر دیں حضرت حفصہؓ نے صحیفہ کے اجزاء حضرت عثمان کے پاس بھجوا دیئے۔ حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابت، عبد اللہ بن زبیرؓ، سعید بن العاصؓ اور عبد اللہ بن حارثؓ کو مامور کیا اور تینوں کو حکم دیا کہ جب تم اور زید بن ثابتؓ میں قرآن حکیم کی کسی آیت کے لکھنے میں اختلاف ہو تو اسے لغت قریش میں لکھنا کیونکہ قرآن مجید لغت قریش میں نازل ہوا ہے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا جب یہ اصحاب متعدد نسخے لکھ

چکے تو حضرت عثمانؓ نے اصل نسخہ حضرت حفصہؓ کے پاس واپس بھیج دیا اور ہر علاقے میں اس کا ایک نسخہ ارسال کر دیا اسکے علاوہ باقی نسخوں کو جلوادیا۔۔۔زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ ایک آیت جو میں حضور ﷺ سے سنا کرتا تھا مجھے نہ ملی تب ہم نے اسے ڈھونڈ لیا پس ہم نے اس کو سورۃ الاحزاب میں لاحق کر کے کتاب میں داخل کر دیا)۔

۳۔عن عمر بن الخطاب قال سمعت هشام بن حكيم بن حزام. الخ(بخاری باب انزل القرآن علی سبعہ احرف)۔

(عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں کہ حکیم بن حزامؓ سورۃ الفرقان میری قرأت کے برعکس پڑھتے تھے حالانکہ مجھے حضور ﷺ نے خود پڑھائی تھی میں اسے پکڑ کر حضور ﷺ کی خدمت میں لے گیا اور عرض کی یہ میری قرأت کے برعکس پڑھتا ہے پس آپ نے مجھے فرمایا اسے چھوڑ دے اور فرمایا تم دونوں کی قرأت صحیح ہے کیونکہ قرآن سات قرأت پر نازل ہوا ہے جس قرأت پر آسان ہو اسی میں پڑھو)۔

(۳) میزان الحق، ص ۳۲۸، ۳۲۹۔

(۴) نفس مصدر، ص ۳۲۹۔

(۵) نفس مصدر، ص ۳۲۹۔

(۶) نفس مصدر، ص ۳۳۰۔

(۷) نفس مصدر، ص ۳۳۱۔

(۸) پادری فانڈر کے علاوہ دیگر مستشرقین نے بھی اس نوعیت کے اعتراضات عہد نبویؐ کے حوالے سے بڑی شدومد سے پیش کیے ہیں۔ مثلاً ڈی۔ ایس۔ مارگولیتھ (D S Margollouth) لکھتا ہے:

> "One fact that emerges from a study of authorities is that the Prophet kept no offical copy of his revelations".(*Mohammadanism*, P 40).

جان برٹن (John Burton) رقمطراز ہے:

"مسلمانوں کی ساری تاریخ میں جمع قرآن کے بارے میں کتنا ہی اختلاف ہوا ہو احادیث میں کتنا ہی اختلاف ہو کہ سب سے پہلے قرآن کس نے جمع کیا لیکن یہ بات ہر جگہ متفق علیہ ہے کہ قرآن جمع کرنے والے محمد ﷺ نہیں تھے، عہد نبوی ﷺ میں قرآن اسلئے نہیں لکھا جا سکا کہ قرآن اس وقت تک مکمل طور پر ابھی نازل ہی نہیں ہوا تھا اسلئے اس کی ترتیب بھی ممکن نہ تھی"۔

(John Burton, *Collection of the Quran*, P 231)

ان اعتراضات کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم کا متن عہد نبوی ہی سے غیر محفوظ، غیر مرتب اور غیر متعین رہا لوگوں نے اپنی اپنی افتادِ طبع کے مطابق مرتب کرنے کی کوشش کی اس اعتراض کی تفصیل مندرجہ ذیل مقامات پر بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہے:

(I) *The Koran Interpreted*, P 15.

(II) *Islam Belief and Practice*,P 15,16.

(III) *The Koran*, Encyclopaedia Britannica, Vol XVI, P 604.

(IV) *Koran*,The Encyclopedia of Islam, Vol. II, P 1071.

(۹) اعجاز عیسوی، ص ۳۹۰۔

اگرچہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا یہ استدلال انتہائی مختصر ہے تاہم اس کی مزید توضیح کے لئے استدلال میں ان امور کا اضافہ کیا جا سکتا ہے:

اولاً: قرآن حکیم تحریری حالت میں موجود ہونے پر قرآن حکیم سے ہی داخلی شہادت ملتی ہے مثلاً:

☆ انّ علینا جمعہ و قرآنہ o فاذا قرأنہ فاتبع قرآنہ o (القیامہ، ۷۵: ۱۷، ۱۸)۔

☆ والطور o وکتاب مسطور o فی رقٍّ منشور o (الطور، ۵۲: ۱-۳)۔

☆ انّہ لقرآن کریم o فی کتاب مکنون o لایمسّہٗ الاّ المطھّرون o (الواقعہ، ۵۶: ۷۷-۷۹)۔

☆ رسول من اللہ یتلوا صحفاً مطھّرۃ o فیھا کتب قیّمۃ o (البیّنہ، ۹۸: ۲، ۳)۔

☆ بل ھو قرآن مجید o فی لوح محفوظ o (البروج، ۸۵: ۲، ۳)۔

ثانیاً: عہد نبوی ﷺ میں کتابتِ وحی کا ثبوت مستند حقائق سے ملتا ہے مثلاً:

عن زید بن ثابت قال کنت الکتب الوحی الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و کان اذا انزل علیہ الوحی اخذتہ برحاء شدیدۃ و عرقا شل الجمان ثم سری عنہ فکنت ادخل علیہ بقطعۃ الکتف او کسرۃ فاکتب وھو علی علی فما افرغ حتی تکاد رجلی تنکسر من نقل القرآن حتیٰ اقول لاامشی علی رجلی ابداً فاذا فرغت قال اقراہ فاقرأہ فان کان فیہ سقط اقامہ ثم اخرج بہ الی الناس، (الھیثمی، نورالدین، مجمع الزوائد و منبع الفوائد، بیروت، ۱۹۶۷ء، ج ۱، ص ۱۵۲)۔

ثالثاً: حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری کی نویں جلد میں اس امر کی تفصیلات دی ہیں کہ متعدد صحابہ کرامؓ کے پاس قرآن مجید کے نسخے عہد نبوی ﷺ ہی میں موجود تھے (فتح الباری، ج ۹، ص ۱۱)۔

مزید دو شواہد یہ ہیں:

عن هشام بن عروة قال قرات فی مصحف عائشہؓ (کنز العمال، ج ۷، ص ۲۴۵)۔

قال جمعت القرآن فقرات به کل لیلة فبلغ النبی فقال اقراۃ فی شهر.

(عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں میں نے قرآن جمع کیا اور میں ہر رات کو قرآن ختم کرتا تھا یہ بات نبی اکرم ﷺ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ ایک مہینے میں قرآن ختم کر لیا کرو۔ (احمد بن حنبل، ج ۲، ص ۱۶۳)۔

رابعاً: عہد نبویؐ میں قرآن حفظ کرنے کا عام رواج تھا اور متعدد صحابہ کرامؓ حفاظ تھے، چند شواہد یہ ہیں:

☆ زبدۃ البیان فی رسوم مصاحف عثمان میں ہے "کان داب الصحابہ اللہ رضی اللہ عنہم من اوّل نزول الوحی الیٰ اخرہ المسارعۃ الیٰ حفظہ (نزول قرآن ہی سے صحابہ کا یہ معمول تھا کہ جو حصہ نازل ہوتا، اسے حفظ کر لیا جاتا)۔

☆ بیر معونہ کے معمولی سے واقعہ میں ستر حفاظ کا شہید ہو جانا۔

☆ ۱۱ھ میں مسیلمہ کے مقابلہ میں ستر حفاظ کا شہید ہو جانا۔ (الاتقان، ج ۱، ص ۷۲)۔

☆ ابن ندیم نے ایک طویل فہرست دی ہے جس میں حفاظ صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی کا ذکر ہے۔

خامساً۔ بعض مستشرقین نے خود اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ قرآن حکیم عہد نبویؐ میں موجود تھا مثلاً ولیم میور لکھتا ہے۔ "اس امر کا ثبوت ہے کہ قرآن کی جو آیات اور سورتیں مسلمانوں کے حافظے میں منقوش تھیں وہ کتاب کی شکل میں مسطور بھی ہو گئیں"۔ (Life of Mohamet, Vol. VIII)

نیز مذکورہ بالا اعتراض کے مفصل تجزیے کے لئے ملاحظہ ہو:

حقانی، ص ۵۱، ۵۲ (مقدمہ)۔

تدوین قرآن مجید پر مستشرقیں کے اعتراضات کا محققانہ جائزہ، حوالہ مذکور۔

قرآن حکیم پر مختلف انسائیکلو پیڈیا کے آرٹیکلز کا جائزہ، حوالہ مذکور، ص ۱۵۵-۲۰۰۔

(۱۰) پادری فانڈر کی طرح دیگر مستشرقین نے بھی اس بات کو دہرایا ہے مثلاً نولڈیکے رقمطراز ہے:

"عہد صدیق اکبرؓ میں جو نسخہ تیار کیا گیا وہ پورے قرآن پر مشتمل نہ تھا کیونکہ جنگ یمامہ کے شہداء اس نسخے کی تیاری کا محرک بنے اور روایات بتاتی ہیں کہ اس جنگ میں بہت سے حفاظ قرآن شہید ہو گئے لہذا ان شہداء کے ساتھ وہ حصے بھی ضائع ہو گئے جو ان کے سینوں میں محفوظ تھے نیز یہ کوئی باقاعدہ نسخہ نہ تھا کیونکہ اسے المصحف کہا گیا ہے گویا کہ غیر مرتب اجزاء تھے"۔ (Sketches from Eastern History, P 45)

(۱۱) پادری فانڈر کے اعتراض کے پیش نظر ضروری تھا کہ اس کا جواب بھی دیا جاتا، ذیل میں اس اعتراض کا تجزیہ و جواب پیش کیا جاتا ہے:

عہد نبوی اور عہد صدیقیؓ میں قرآن کی کتابت اور جمع قرآن کی کارروائی میں مقصد اور نوعیت کے اعتبار سے نمایاں فرق

ہے۔اس دور میں جمع قرآن کے اقدام کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ عہد نبوی ﷺ میں قرآن لکھا ہوا نہیں تھا بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن عہد نبوی میں لکھا ہوا موجود تھا۔ اس کے لاتعداد نسخے مکمل شکل میں موجود تھے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر عہد نبوی میں قرآن مکتوب شکل میں تھا تو عہد صدیقی میں اسکی ضرورت کیوں پیش آئی؟

اس اشکال کا جواب روایات میں موجود ہے:

الاتقان میں خطابی کا قول نقل کیا گیا ہے وہ کہتے ہیں۔ انما لم یجمع ﷺ القرآن فی المصحف ... وقد کان القرآن کتب کلہ فی عہد رسول اللہ ﷺ لکن غیر مجموع فی موضع واحد (الاتقان، ج۱، ص ۵۸)۔

نبی کریم ﷺ نے قرآن مجید کو ایک مصحف کی شکل میں جمع نہیں فرمایا تھا، نبی کریم ﷺ کے عہد میں قرآن مکمل طور پر لکھا تو جا چکا تھا لیکن وہ یکجا نہیں تھا، امام حاکم نے مستدرک میں یہ روایت بیان کی ہے:

جمع القرآن ثلاث مرات احدھما بحضرۃ النبی ﷺ ثم اخرج بسند علی شرط الشیخین عن زید ابن ثابتؓ قال کنا عند رسول اللہ ﷺ نولف القرآن من الرقاع ... الثانیۃ بحضرۃ ابوبکر ...

(قرآن تین مرتبہ جمع کیا گیا پہلی مرتبہ رسول اللہ ﷺ ہی کے عہد میں جمع ہوا تھا پھر انہوں نے ایک سند پر جو شیخین کی شرط کے مطابق ہے بیان کی ہے کہ زید بن حارث سے روایت ہے کہ زید نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ کر قرآن کو مختلف پرچوں سے مرتب کیا کرتے تھے دوسری مرتبہ قرآن کا کام عہد ابوبکر میں ہوا تیسری مرتبہ یہ کام عہد عثمانی میں ہوا۔ (المستدرک، ج۲، ص ۲۲۹)۔

ان حقائق سے واضح ہوتا ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں جونہی کوئی آیت نازل ہوتی فوراً اسے لکھوالیا جاتا لیکن چونکہ وحی کے نزول کا سلسلہ جاری تھا اس لئے حضور ﷺ نے قرآن کو بین الدفتین یا ایک کتاب کی شکل نہیں دی کہ اسے سرکاری نسخہ کہا جاسکے لیکن یہ بین الدفتین کی شکل عہد صدیقی میں دی گئی اور یہ سرکاری نسخہ قرار پایا۔ یہ کام پوری احتیاط کے ساتھ ایک سال کی مدت میں تکمیل کو پہنچا۔ اس کو صحابہ کرامؓ نے بنظر استحسان دیکھا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: رحم اللہ ابابکر ھو اول من جمع کتاب اللہ بین اللوحین (اللہ تعالیٰ ابوبکر پر رحم فرمائے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کو بین اللوحین میں جمع فرمادیا)۔ (البرھان، ج۱، ص ۲۳۹)۔

مزید دیکھئے: تدوین قرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا محققانہ جائزہ، ص ۲۹۸-۳۲۲۔

قرآن کریم پر مختلف انسائیکلو پیڈیا کے آرٹیکلز کا جائزہ، ص ۲۲۱-۲۵۸۔

(۱۲) قرآن حکیم پر مذکورہ اعتراض کرنے میں بھی پادری فانڈر تنہا نہیں بلکہ مستشرقین نے ہوئے زور دار انداز میں حضرت عثمانؓ کے جمع قرآن پر اعتراضات کئے ہیں مثلاً ولڈ کے لکھتا ہے:

"مصحف عثمانیؓ سے قبل قرآن مجید کا کوئی معیاری اور مرتب نسخہ موجود نہ تھا اور یہ مصحف حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نقل تھا

(لہٰذا اگر مصحفِ صدیق حقیقی مصحف نہ تھا تو مصحفِ عثمانی کی بھی کوئی حیثیت نہ تھی)۔

نیز حضرت عثمانؓ نے جمع قرآن کی یہ ساری کارروائی سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے کی تھی، اس کے اپنے الفاظ میں:

" . But for the essentially political object of putting an end to controversies by admitting only one from of the common books of religion and of law, this measure was necessary" (*Bntannica*, Vol XVI, P 605)

مارگولیتھ (Margollouth) نے بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے: زید ابن ثابتؓ کو حضرت عثمانؓ نے اس لئے اس کام پر لگایا کہ انتہائی ابہام کی موجودگی میں وہی اس متن کی وضاحت کر سکتے تھے۔ اس کے الفاظ میں:

" Perhaps because in the extreme ambguity and imperfection of the Arabic Script, he alone could Interpret the first edittion with certainly" (*Mohammadanism*, P 70).

مصحفِ عثمانی پر اعتراضات کے لئے مزید دیکھئے:

(I) *Introduction to the Quran*, P 42-44.

(II) *Materials for the study of History of the text of the Quran*, Vol. I.

(III) *Literary History of the Arabs*, (preface)

تدوین قرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا محققانہ جائزہ، ص ۳۳۸-۳۴۷۔

قرآنِ حکیم پر مختلف انسائیکلو پیڈیا کے آرٹیکلز کا جائزہ، ص ۲۷۱-۲۷۶۔

(۱۳) اعجازِ عیسوی، ص ۳۹۵۔

(۱۴) نفس مصدر، ص ۳۹۷۔

اگرچہ اس استدلال میں مولانا نے واضح کر دیا ہے کہ اختلاف قرأت کے نتیجے میں قرآن حکیم کو لغت قریش پر جمع کیا گیا۔ خود حدیث اس امر کی صراحت کر رہی ہے۔ اختلافات قرأت پر قدرے تفصیلی بحث آگے آنے والے اعتراض کے تحت ہو گی تاہم یہاں پر چند اصولی باتوں کا تذکرہ ناگزیر ہو گا:۔

۱۔ حضرت عثمانؓ کے عہد حکومت تک مملکت اسلامیہ کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہو گیا۔

۲۔ قرآنِ حکیم کی قرأت میں وسعت اور سہولت کے لئے سبعہ احرف موجود تھے۔

۳۔ اختلاف قرأت نے جب سنگین صورت اختیار کی تو حضرت عثمانؓ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔

۴۔ زید بن ثابتؓ کی سربراہی میں تین افراد کی کمیٹی تشکیل دی گئی۔

۵۔ مذکورہ کمیٹی نے معیاری نسخے تیار کروا کر اطراف میں روانہ کر دیے۔

۶۔ ان مصاحف کا رسم الخط ایسا تھا کہ اس میں ساتوں حروف سما سکیں چنانچہ یہ مصاحف نقاط اور حرکات سے خالی تھے اور انھیں ہر حرف کے مطابق پڑھا جا سکتا تھا۔

۷۔ یہ پابندی عائد کر دی گئی کہ آئندہ مصاحف اس رسم الخط کے مطابق تیار کیے جائیں۔

(تدوینِ قرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا محققانہ جائزہ، ص ۲۶۰)

ان اقدامات کا مقصد یہ تھا کہ عالم اسلامی میں رسم الخط اور ترتیب سور کے اعتبار سے تمام مصاحف میں یکسانیت پیدا ہو اس امر کی صراحت حضرت علیؓ کے اس قول سے ہو جاتی ہے جو ابن ابی داؤد نے کتاب المصاحف میں نقل کیا ہے

"قال علی لاتقولوا فی عثمان الاخیرا فوالله مافعل الذی فعل فی المصاحف الاعن ملاءمنا قال ماتقولوا فی هذه القرائة فقد بلغنی ان بعضهم یقول ان قرائتی خیرا من قرائتك وهذا یکاد ان یکون کفرا قلنا ماتری ؟ قال اری ان نجمع الناس علی مصحف واحد فلاتکون فرقة ولا اختلاف قلنا فنعم مارأیت"۔ (الاتقان، ج، ص ۶۱)۔

(۱۵) مصحف عثمانی کے علاوہ دیگر نسخوں کے جلانے کے واقعہ کو بھی بعض مستشرقین نے بہت اچھالا ہے تاکہ اس سے یہ ثابت کیا جاسکے کہ قرآن کا ایک حصہ تلف ہو گیا چنانچہ ایف۔ بل (F.Buhl) لکھتا ہے

> "Whether the Caliph, as we are told in the different traditions, had the extend differing Versions burned, torn up or obliterated, has been doubted by Schawly and not with out reason, especially as such steps would have been quite inffectual against the Koran reciters who carried the sacred text in the memories" (*First Ency.ofIslam*, Vol. IV, P 1073).

اسی طرح مارگولیتھ لکھتا ہے:

"حضرت عثمانؓ کے اپنے نسخے کے علاوہ دوسرے نسخے جلوا دینے کے عمل سے قرآن کا بہت سا حصہ ضائع ہو گیا چنانچہ اب ہمیں قرآن کا حقیقی متن نہیں مل سکتا"۔ (*Mohammadenism*, P 70)

(۱۶) اگرچہ مولانا کا یہ جواب بہت حد تک کافی ہے کہ یہ کارروائی محض امت کو ایک قرات پر متفق کرنے کے لئے کی گئی اور اکابر صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے کی گئی تاہم یہاں پر دلیم میور کا ایک قول پیش کیا جاتا ہے

دلیم میور (William Muir) رقمطراز ہے:

"ہم پورے شرح صدر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ عہد عثمانی میں زید ابن ثابتؓ نے قرآن کی جس صورت میں بھی نظر ثانی کی وہ نہ صرف حرفاً حرفاً صحیح ہے بلکہ اس کے جمع کرنے کے جو اتفاقات جمع ہوتے گئے ان کی رو سے بھی یہ نسخہ اس قدر صحیح ہے کہ نہ تو اس میں کوئی آیت وحی او جھل ہو سکی اور نہ جامعین نے از خود کسی آیت کو قلم زد کیا"۔

-(*Life of Mahomet*, P 7)

(۱۷) اختلاف قرأت کا اعتراض پادری فانڈر پر ہی کیا موقوف دیگر مستشرقین نے بڑے منظم انداز میں اس کو پیش کیا ہے مثلاً

چارلس۔ سے۔ آدمز (Adams) لکھتا ہے:

> " It is of some importace to call attention to a possible ing with regard to the- source of misunderstand varient regardings of th Quran. The seven 'Ahruf' refer to actual differences in the written and oral text, to dis-tinct versions of Quranic Verses, whose differ-ence though they may not be great, are nonethless real and substantial". (The Ency of Religion, Vol. XII. P 65)

اسی طرح آرتھر جیفری نے بطور خاص اپنی تحقیق کا میدان ہی 'اختلاف قرأت' کو بنایا ہے اس موضوع پر اس کا نمایاں ترین کام Materials for the History of the Text of the Quran. ہے جو ای۔ جے۔ برل (E J Brill) نے لیڈن سے ۱۹۳۷ء میں جاری کیا۔ اس نے قرآن حکیم کی تدوین اور اس کی مختلف قراتوں کے مضامین پر مشتمل دو مزید مسودات بعنوان 'مقدمتان فی علوم القرآن اور کتاب المبانی فی نظم المعانی' ہیں۔ ڈاکٹر محمد اکرم چوہدری رقمطراز ہیں:

" جیفری نے کئی سالوں تک قرآن کریم کی متعدد قراتوں کے بارے میں مواد اکٹھا کیا پھر قرآن کریم کا تنقیدی نسخہ تیار کرنے کے لئے ۱۹۲۶ء میں پروفیسر برجسٹراسر (Bergstsasser) جس نے میونخ میں قرآن محل (Quranic Archive) بنایا ہوا تھا کے ساتھ اشتراک کیا۔ پروفیسر موصوف کی رحلت کے بعد اس کا جانشین ڈاکٹر اوٹو پریٹزل (Oto Pretzl) کے ساتھ اشتراک عمل جاری رکھا۔ بد قسمتی سے پریٹزل دوسری جنگ عظیم کے دوران ہلاک ہو گیا

اور اتحادی فوجوں کی مباری سے سارا قرآن محل جل کا خاکستر ہو گیا اور عمارت بھی تباہ ہو گئی اس طرح قرآن کریم کے تنقیدی ایڈیشن کا روبہ عمل لانے کا عظیم الشان منصوبہ شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ اس ناکامی پر جیفری اپنی ذہنی اذیت کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے: "اب یہ امر تقریباً ناممکن ہے کہ ہماری نسل قرآنی متن کا حقیقی تنقیدی نسخہ دیکھ سکے"۔

(The Quran as Scripture, the Textual History of the Quran, P 103).

دراصل جیفری قرآن کے تنقیدی نسخے کو اس طرح مرتب کرنا چاہتا تھا کہ ایک صفحے پر کوفی خط میں متن قرآن ہو اس کے سامنے دوسرے صفحہ پر تصحیح شدہ حفص روایت ہو اور حواشی میں قرآن کریم کی تمام معلوم مختلف قراتوں کو بیان کر دیا جائے۔ جیفری اپنی اس خواہش کے مطابق مکمل قرآنی نسخہ لانے میں تو کامیاب نہ ہو سکا مگر مصحف کے متقابل بہت سے نسخوں کو ڈھونڈ نکالنے میں اس نے بڑی عرق ریزی سے کام لیا"۔ (محمد اکرم چوہدری، ڈاکٹر، اختلافِ قرأت قرآنیہ اور مستشرقین آرتھر جیفری کا خصوصی مطالعہ، فکر و نظر (اسلام آباد) ۴۳:۳، ص، ۷۴، ۷۵۔

(۱۸) اعجاز عیسوی، ص ۳۹۹۔

(۱۹) نفس مصدر، ص ۴۰۰؛ نیز دیکھئے: حقانی، ص ۱۰۰، ۱۰۱۔

سات حروف کے بارے میں علامہ ابن حزم لکھتے ہیں:

"واما قول من قال ابطل الاحرف الستة فقد كذب من قال ذالك ولو فعل عثمان ذالك او اراده لخرج عن الاسلام ولمابطل ساعة بل الاحرف السبعة كلها موجودة عندنا قائمة كما كانت مثبوتة، في القرآن المشهورة المأثورة" (كتاب الفصل في الملل والاهو النحل، ج۲، ص ۷۷، ۷۸)۔

(رہا یہ قول کہ حضرت عثمان نے چھ حروف کو منسوخ کر دیا تو جس نے یہ بات کہی اس نے بالکل غلط کہا ہے اگر آپ ایسا کرتے یا اس کا ارادہ فرماتے تو ایک ساعت کے توقف کے بغیر اسلام سے خارج ہو جاتے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ساتوں حروف ہمارے پاس بعینہ موجود مشہور ہیں اور وہ قراتوں میں محفوظ ہیں)۔

اختلاف قرأت پر، پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم چوہدری نے اپنے مقالہ میں بہت عمدہ استدلال کیا ہے، لکھتے ہیں:

"اختلاف قرأت قرآنیہ میں عربی زبان کے تلفظ اور اس کے مختلف لہجوں کے کردار اور وسعت کو سمجھنے کے لیے ہر لہجے کی تفصیلات میں گئے بغیر صرف اس مسلمہ حقیقت کی طرف اشارہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم مشترکہ عربی زبان اللغة العربية المشتركة میں نازل ہوا۔ یہ مشترکہ عربی زبان وہ زبان ہے جو پورے جزیرہ نما عرب میں سمجھی جاتی ہے اس امر میں کوئی شبہ نہیں یہ مشترکہ عربی زبان جو کہ قرآنی تعلیمات کے اظہار کا ذریعہ بنی پر قریشی لہجے میں نازل کیا ہے یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ جب قرآن حکیم نے عرب کے مختلف لہجوں کا آمیزہ پیش کیا تب وہ ایسی کتاب ہدایت

کی صورت میں سامنے آیا جو سب سے زیادہ صحیح ناقابل تغیر، ایک ضابطہ حیات اور یہ ہر ایک کی کتاب تھی جو بھی اسلام سے وابستہ ہو تا خواہ وہ ای ہو یا بدوی یا غیر عرب سب کو اسکی تلاوت کا حکم تھا "۔(احتلاف قرأت قرآنیہ اور مستشرقین، حوالہ مذکور، ص ۶۷، ۶۸)۔

(۲۰) اعجاز عیسوی، ص ۳۰۱، ۳۰۲۔

(۲۱) مولانا نے بائبل کے بعض نسخوں کا مقابلہ کیا ہے اور اختلاف عبارات کے نمونے پیش کیے ہیں تفصیلات کے لیے دیکھئے۔
اعجاز عیسوی، ص ۲۲۴، ۳۴۴-۳۸۰؛ اظہار الحق، ج ۱، ص ۱۲۸-۱۸۰۔

(۲۲) میزان الحق، ص ۱۴۰، پادری موصوف نے مرزا محسن فانی کی کتاب دبستان مذاہب مطبوعہ ۱۲۵۲ھ کے صفحہ ۲۲۰ کی یہ عبارت نقل کی ہے "وبعضے از ایشاں گویند کہ عثمان مصاحف را سوختہ بعضے از سورہا کہ در شان علی و اہل آتش بود بر انداخت و یکے ازاں سورہا این است"۔ نیز پادری لکھتا ہے کہ پوری ایک "سورۃ النورین" قرآن سے خارج کر دی ہے تاکہ حضرت علی کے خلیفہ اوّل ہونے کے وجود اور اس کے خاندان کی امامت کے دوام کو پوشیدہ رکھیں۔ اس اعتراض اور اس سے ملتے جلتے دیگر اعتراضات کی تفصیلات ان کتب میں بخوبی ملاحظہ کی جاسکتی ہیں:۔

۱۔ تحقیق الایمان، ص ۹-۱۲۔

۲۔ صحت کتب مقدسہ، ص ۲۹۷-۳۰۱۔

۳۔ قرآن شریف کے متن کا تاریخی مطالعہ، ص ۱۳۔

۴۔ تدوین قرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا محققانہ جائزہ، ص ۳۷۵-۴۰۰۔

۵۔ قرآن حکیم پر مختلف انسائیکلو پیڈیا کے آرٹیکلز کا جائزہ (مقدمہ)۔

(۲۳) اعجاز عیسوی، ص ۳۰۶، ۳۰۷۔

(۲۴) نفس مصدر، ص ۳۰۴۔

(۲۵) نفس مصدر، ص ۳۰۸۔

(۲۶) نفس مصدر، ص ۳۰۸، ۳۰۹۔

(۲۷) نفس مصدر، ص ۳۰۹-۳۲۵۔

(۲۸) نفس مصدر، ص ۳۰۹، ۳۱۰۔

(۲۹) نفس مصدر، ص ۳۲۵-۳۳۰۔

(۳۰) نفس مصدر، ص ۳۲۵۔

(۳۱) نفس مصدر، ص ۳۲۶۔

شیعہ علماء کے چند اقوال یہ ہیں:

۱۔ سید محسن بغدادی سے یہ قول نقل کیا گیا ہے "ہمارے علماء میں جو قول مشہور ہے اور جس پر اجماع کا دعویٰ ہوا ہے وہ یہی ہے کہ قرآن مجید میں کمی واقع نہیں ہوئی اور علی ابن عبدالعالی نے ایک مستقل رسالہ قرآن مجید میں کمی نہ واقع ہونے پر لکھا ہے"۔ (تفسیر القرآن)۔

۲۔ طالب کرپالوی لکھتے ہیں: "تحریف کا شک پیدا کرنے والی تمام روایات ضعیف ہیں اس کے برعکس عدم تحریف والی روایات صحیح اور قوی ہیں۔ (مسئلہ تحریف القرآن، ص ۱۳۲)۔

۳۔ قاضی نور اللہ شوستری لکھتے ہیں: "مانسب الی شیعة الامامیه بوقوع التغیر فی القرآن لیس ماقال به جمهور الامامیة انما قال به شرزمة قلیلة الااعتداد بهم فیما بینهم". (مسئلہ تحریف القرآن، ص ۴۵)۔

(۳۲) اعجاز عیسوی، ص ۴۲۷، ۴۲۸۔

(۳۳) نفس مصدر، ص ۴۲۸۔ نیز دیکھئے۔ حقانی، ص ۵۲، ۵۳ (مقدمہ)۔

(۳۴) اعجاز عیسوی، ص ۴۲۹۔

سید علی شرف الدین الموسوی علی آبادی اپنے رسالہ میں رقمطراز ہیں

"کسی مذہب کو ہدف تنقید بنانے اور اس کے متعلق کسی رائے زنی اور اعتراض سے قبل ضروری ہے کہ پہلے اس مذہب کے علماء محققین کا نظریہ معلوم کیا جائے نہ یہ کہ اس مذہب یا فرقہ کے جاہل اور نادان عوام اور اہل تحقیق کے جائے کم علم علماء کے اقوال وافعال کو مورد بحث بنا کر مذہب پر تنقید و تبصرہ کیا جائے"۔ (مکتب تشیع اور قرآن ص ۳۱، ۳۲)۔

مزید لکھتے ہیں: "اگر آج کسی بڑے سے بڑے شیعہ عالم سے لے کر کسی عام شیعہ کے گھر میں تلاش کیا جائے تو وہی قرآن ملے گا جو مصر یا پاکستان میں چھپا ہو اگر موجودہ قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن ہوتا تو وہ کسی نہ کسی زمانے میں کہیں نہ کہیں سے تو دستیاب ہوتا۔ (مکتب تشیع اور قرآن، ص ۳۱)۔

اہل تشیع کے موقف کو مزید وضاحت سے سمجھنے کے لئے ملاحظہ ہو:

۱۔ کاشانی فیض، کتاب الصافی فی تفسیر القرآن، ج ۱، ص ۱۴-۱۷، ۲۴۔

۲۔ البلاغی، جواد محمد، الآء الرحمن فی تفسیر القرآن، ج ۱، ص ۲۶۔

۳۔ طالب کرپالوی، مسئلہ تحریف القرآن، جعفریہ دار التبلیغ، لاہور، ۱۹۸۲ء۔

۴۔ موسوی، علی شرف الدین سید، مکتب تشیع اور قرآن، ۱۹۸۷ء۔

(۳۵) اعجاز عیسوی، ص۴۲۹، ۴۳۰۔

(۳۶) میزان الحق، ص۳۳۱-۳۳۳۔

(۳۷) میزان الحق، ص۳۳۵۔ نیز دیکھیے تحقیق الایمان، ص۲۵۔

(۳۸) میزان الحق، ص۳۲۲ تحقیق الایمان، ص۲۵-۲۷۔

(۳۹) میزان الحق، ص۳۲۲۔

(۴۰) نفس مصدر، ص۳۳۶، ۳۳۷۔

(۴۱) نفس مصدر، ص ۳۳۸۔

(۴۲) نفس مصدر، ص۳۳۶۔

(۴۳) یہاں پر اعجاز القرآن کے موضوع پر چند کتب کا تذکرہ مناسب ہوگا

۱۔ الباقلانی، ابوبکر محمد بن الطیب، اعجاز القرآن، دار المعارف، القاہرہ، ۱۹۸۲ء۔

۲۔ رافعی، مصطفیٰ، صادق، اعجاز القرآن والبلاغۃ النبویۃ، دار الکتاب العربیہ، بیروت۔

۳۔ زرکشی، بدر الدین محمد بن عبداللہ، البرھان فی علوم القرآن، دار المعرفہ، بیروت، ۱۹۷۲ء۔

۴۔ زرقانی، عبدالعظیم، محمد، مناھل العرفان، دار احیاء الکتب العربیہ، مصر۔

۵۔ السیوطی، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، الاتقان فی علوم القرآن، مطبع حجازی، قاہرہ۔

۶۔ عثمانی شبیر احمد، اعجاز القرآن، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۷۵ء۔

۷۔ ولی اللہ شاہ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، نذیر سنز لاہور۔

مذکورہ کتب کے علاوہ، ڈاکٹر صبحی صالح کی مباحث فی علوم القرآن، شمس الحق افغانی کی علوم القرآن، مولانا محمد تقی عثمانی کی علوم القرآن اور مولانا مالک کاندھلوی کی منازل العرفان فی علوم القرآن میں اعجاز القرآن کے موضوع پر سیر حاصل بحثیں موجود ہیں۔

(۴۴) اظہار الحق، ج۳، ص۷۷۵، ازالۃ الشکوک، ج۱، ص۱۲۱-۱۳۰۔

(۴۵) تفصیلات کے لیے دیکھیے، اظہار الحق، ج۳، ص۷۷۵-۷۸۵۔

(۴۶) نفس مصدر، ص ۸۰۰۔

(۴۷) نفس مصدر، ص۸۱۶-۸۲۲۔

(۴۸) اس کے تحت مولانا نے قرآن کریم کی ۲۲ پیشین گوئیاں مع عقلی استدلال کے ساتھ نقل کی ہیں دیکھیے:

اظہار الحق، ص۸۰۰-۸۱۶۔

(۴۹) نفس مصدر، ج ۳، ص ۷۷۸، ۷۷۹۔

(۵۰) السجدۃ، ۳۲: ۱۷۔

(۵۱) ابراہیم، ۱۴: ۱۵-۱۷۔

(۵۲) العنکبوت، ۲۹: ۴۰۔

(۵۳) الشعراء، ۲۶: ۲۰۵-۲۰۷۔

(۵۴) الرعد، ۱۳: ۸، ۹۔

(۵۵) البقرۃ، ۲: ۱۷۹۔

(۵۶) اظہار الحق، ج ۳، ص ۷۸۱، ۷۸۲۔

(۵۷) حضرت جعفر طیارؓ نے نجاشی کے دربار میں سورۂ مریم کا ابتدائی حصہ تلاوت فرمایا جبکہ حضور ﷺ نے وفد کے سامنے سورۂ یٰسین تلاوت فرمائی دیکھئے: بیضاوی، ص ۱۶۰؛ البیہقی، ج ۲، ص ۳۰۲۔

(۵۸) المائدۃ، ۵: ۸۳۔

(۵۹) فصلت، ۱۳۔

(۶۰) روی ھذا اللفظ ابن ابی شیبہ فی مسندہ والبیھقی وابو نعیم عن جابرؓ۔ (الخصائص، ج ۱، ص ۱۱۴)۔

(۶۱) ابن ہشام، ج ۱، ص ۲۹۳؛ الشفا، ج ۱، ص ۲۷۴، ۲۷۵؛ البیہقی، ج ۲، ص ۲۰۲-۲۰۵۔

(۶۲) اظہار الحق، ج ۳، ص ۸۲۴-۸۲۸۔

(۶۳) نفس مصدر، ج ۳، ۸۲۹، ۸۳۰؛ حقانی، ص ۸۵-۸۸۔

(۶۴) ابواسحاق جو النظام کے نام سے معروف ہے بصرہ میں فرقہ معتزلہ کے راہنماؤں میں سے تھا اس کے خیالات کی بنا پر اس کے گروہ کو نظامیہ کہا جانے لگا۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے: (الزرکلی، ج ۱، ص ۴۳؛ معجم المولفین، ج ۱، ص ۲۷)۔

(۶۵) معتزلہ کے اس نظریہ کو صرفہ کا نظریہ کہتے ہیں جس کی رو سے اہل عرب قرآنی دعوی کا جواب دینے کی قدرت رکھتے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ قدرت سلب کر لی تھی۔ سید مرتضی شیعی نے نظریہ کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ "جن علوم کی ضرورت کفار قریش کو قرآن کا جواب دیتے وقت پڑ سکتی ہے اللہ نے ان علوم سے محروم کر دیا"۔

(البرھان، ج ۲، ص ۹۴)۔

نظریہ صرفہ اگرچہ معتزلہ کے اہم نظریات میں سے ہے لیکن بعض معتزلہ علماء نے خود اس کو رد کر دیا ہے، مثلاً زمخشری راسخ العقیدہ معتزلی ہونے کے باوجود اس نظریہ کو تسلیم نہیں کرتے تفصیلات کے لئے دیکھئے: فلاحی، عبید اللہ ڈاکٹر، قرآن

کریم میں نظم ومناسبت، ص ۲۰۴۔

(۶۶) اظہار الحق، ج ۱، ص ۸۳۰۔

(۶۷) نفس مصدر، ج ۳، ص ۸۳۱؛ حقانی، ص ۸۵،۸۴ (مقدمہ)۔

(۶۸) یہ اقتباس مولانا سید آل حسن کی کتاب استفسار سے ماخوذ ہے، کتاب مذکورہ میں ترجمے کا پورا مقدمہ نقل کیا گیا ہے۔

(۶۹) اظہار الحق، ج ۳، ص ۸۳۲؛ اعجاز عیسوی، ص ۵۳۴۔

(۷۰) ان مضامین کی تفصیلات ملاحظہ ہو: اظہار الحق، ج ۳، ص ۳۳-۸۴۰۔

(۷۱) پیدائش، ۱۹: ۳۳-۳۶۔

(۷۲) سموئیل دوم، ۱۱: ۲-۱۵۔

(۷۳) خروج، ۳۲: ۱-۶۔

(۷۴) سلاطین اول، ۱۱: ۱-۱۳۔

(۷۵) متی، ۳: ۱۳-۱۷؛ مرقس ۱: ۹-۱۱؛ لوقا، ۳: ۲۱، ۲۲۔

(۷۶) اظہار الحق، ج ۳، ص ۸۴۹۔

(۷۷) مسیحی علماء یا مستشرقین یورپ نے صلیبی جنگوں میں فیصلہ کن شکست کے بعد علمی تحقیقات (Scientific Research) کے نام سے حدیث وسنت کے خلاف ایک منظم مہم چلائی اور جو زہر فرق باطلہ نے اگلا تھا اس کو ازہان وقلوب میں اتارنے کی شعوری کوشش کی گئی چنانچہ حدیث وسنت پر مختلف زاویوں سے حملے کیے گئے، کبھی تو یہ کہا کہ احادیث تو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے دو سو برس بعد قلمبند ہوئیں ان کا کیا اعتبار، کبھی حاملین حدیث صحابہ کرام، رجال حدیث، تابعین وائمہ کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا اور بے سروپا الزامات لگائے، کبھی عقل کو معیار بنا کر صحیح حدیثوں پر عقلی شبہات ووساوس کا طوفان باندھا۔ اس سلسلے میں حدیث وسنت پر مسیحی علماء ومستشرقین نے اعتراضات کا جو طومار باندھا ہے اسے ان کتابوں میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

(I) Brockelmann, Geschichte des Arabishicn litrature, Berlin 1898-1902

(II) Dozy, Essai sur L' Histore de l' Islamisme

(III) Encyclopedia de Islam, Vol. IV .

(IV) Goldziher Etudes Sur la tradition islamique, Paris, 1952.

(V) Sprenger, Das Traditions wessen bei ben Araben 1856

نیز دیکھیے:

۱۔ احمد امین مصری، فجر الاسلام، ضحی الاسلام، قاہرہ ۱۹۶۴ء۔

۲۔ ابوریہ، اضواء علی السنة المحمدیة۔

۳۔ علی حسن، عبد القادر، نظرة عامة فی تاریخ الفقه الاسلامی۔

۴۔ پرویز، غلام احمد، مقام حدیث، ادارہ طلوع اسلام لاہور۔

(۷۸) میزان الحق، ص ۲۰۷۔

پادری موصوف نے اپنے استدلال کو واضح کرنے کے لیے صحاح ستہ کے مولفین کی تواریخ پیدائش مرقوم کی ہیں تاکہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ جمع و تدوین حدیث کا کام تیسری اور چوتھی صدی میں ہوا۔ ولیم میور اور گولڈ زیہر نے بھی یہی اعتراض اٹھایا ہے موخر الذکر رقمطراز ہیں 'حدیث کا اکثر و بیشتر حصہ پہلی اور دوسری صدی ہجری میں اسلام کے دینی، سیاسی اور اجتماعی ارتقاء کا نتیجہ ہے۔ پروفیسر احمد امین مصری لکھتے ہیں حدیث نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں بالکل مدون نہیں ہوئیں بلکہ بعض صحابہ اپنی یادداشت کیلئے خود لکھ لیا کرتے تھے' تفصیلات ملاحظہ ہوں

السباعی، مصطفی، الدکتور، السنة و مکانتها فی التشریع الاسلامی، دار العروبہ بالقاہرہ، ۱۳۸۰ھ، ص ۲۲۲-۲۳۰؛

صالح، صبحی، الدکتور، علوم الحدیث و مصطلحه، دار العلم للملایین، بیروت لبنان، ۱۳۷۸ھ، ص ۳۲۔

(۷۹) میزان الحق، ص ۲۰۸۔

پادری فانڈر نے امام بخاریؒ کا یہ بیان نقل کیا ہے 'میں نے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث میں سے فقط ۷۲۷۵ کو معتبر سمجھا، نیز ابوداؤد نے پانچ لاکھ احادیث میں سے چار لاکھ کو قبول کیا اس سے غیر معتبر احادیث کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے بالکل اسی انداز میں احمد امین مصری نے اپنی کتاب فجر الاسلام میں تحریر کیا ہے 'تفسیر کی حادیث جن کے بارے میں امام سے منقول ہے 'میرے نزدیک ان حادیث تفسیر میں سے ایک حدیث بھی صحیح نہیں' امام احمد نے اس قول کے تحت ہزاروں حدیثیں کتب حدیث میں جمع کی گئیں جو بقول امام احمد سب موضوع ہیں' ڈوزی (Dozy) لکھتا ہے 'بخاری میں ایسی احادیث موجود ہیں جن کے بارے میں ایک مومن صادق کی دلی خواہش یہ ہوتی ہے اے کاش! وہ حدیثیں بخاری میں موجود نہ ہوتیں' گولڈ زیہر (Goldziher) نے تو یہاں تک جسارت کی ہے کہ 'امویوں نے امام زہریؒ جیسے لوگوں کو اپنے مکر و فریب سے حدیثیں وضع کرنے کے لیے آلہ کار بنادیا تھا' مزید تفصیلات ملاحظہ ہوں

Goldziher, Etudes sur le tradition Islamique, P245-250;

Dozy, Essai sur l'Historire de l'Islamism, P124

(۸۰) میزان الحق، ص ۲۰۴-۲۰۸۔

(۸۱) نفس مصدر، ص ۴۰۸-۴۱۵، پادری موصوف کا خیال یہ ہے کہ جس طرح کے معجزات احادیث میں مذکور ہیں اس طرح اہل ہنود و دیگر مت پرست اقوام کی کتابوں میں ایسی حکایات بکثرت پائی جاتی تھیں مثلاً الف لیلۃ کی حکایات وغیرہ۔

(۸۲) پادری فانڈر کا یہ اعتراض راقم کے پاس موجود کتاب میں نہیں ہے تاہم اس بات کا امکان ہے پادری موصوف کی عادت کی بدولت کثرت ترمیم کے نتیجے میں حذف ہو گیا ہو، مولانا کیرانوی نے یہ اعتراض ان کے نسخہ مطبوعہ ۱۸۵۰ء سے نقل کیا ہے۔

(۸۳) تفصیلات دیکھئے: اظہار الحق، ج ۳، ص ۸۹۱-۹۲۱۔

(۸۴) اظہار الحق، ج ۳، ص ۸۹۱۔

(۸۵) نفس مصدر، ج ۳، ص ۸۹۱، ۸۹۲۔

(۸۶) نفس مصدر، ج ۳، ص ۸۹۴، ۸۹۵۔

(۸۷) نفس مصدر، ج ۳، ص ۹۱۲، ۹۱۳۔ زبانی روایات کے قابل اعتماد ہونے کی شہادت سے متعلق مولانا کیرانوی نے بہت عمدہ بحث کی ہے یہ اس قابل ہے کہ اس کا مطالعہ کیا جائے نیز دیکھئے ازالۃ الشکوک، ج ۱، ص ۳۰۱-۳۲۲۔

(۸۸) نفس مصدر، ج ۳، ص ۹۱۷۔ مولانا نے اہم واقعات کے ضمن میں اس دم دار ستارے کا ذکر کیا ہے جو صفر ۱۲۹۰ھ/مارچ ۱۸۴۳ء میں نمودار ہوا اور ایک ماہ تک فضا پر قائم رہا یہ واقعہ یقیناً اس زمانے کے لوگوں کو یاد ہوگا نیز دیکھئے ازالۃ الشکوک، ج ۱، ص ۳۲۲-۳۲۵۔

(۸۹) نفس مصدر، ج ۳، ص ۹۱۴-۹۱۶۔

(۹۰) ابو داؤد، ج ۳، ص ۳۱۹ (کتاب العلم)؛ الترمذی، ج ۱۰، ص ۱۲۶ (ابواب العلم)؛ ابن ماجہ، ج ۱، ص ۹۔

(۹۱) اظہار الحق، ج ۳، ص ۹۱۷؛ ازالۃ الشکوک، ج ۱، ص ۳۲۳-۳۲۵۔

(۹۲) اس سلسلے میں یہ حدیث ممانعت کتابت کے ضمن میں پیش کی جاتی ہے۔

عن ابی ہریرۃؓ انہ قال خرج علینا رسول اللہ ﷺ ونحن نکتب الاحادیث، فقال ما ھذا الذی تکتبون؟ قلنا احادیث نسمعھا منك قال کتاب غیر کتاب اللہ اتدرون ماضل الأمم قبلکم الا بما اکتتبوا من الکتب مع کتاب اللہ. (تقیید العلم، ص ۳۴)۔

ڈاکٹر صبحی صالح حدیث مذکور کی توجیہ میں رقمطراز ہیں .فنھی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم عن کتابۃ الاحادیث اول نزول الوحی مخافۃ التباس اقوالہ وشروحہ وسیرتہ بالقرآن، ولا سیما اذا کتب ھذا کلہ فی صحیفۃ واحدۃ مع القرآن، وقال لا تکتبوا عنّی، ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ، وحدثوا عنّی ولا حرج، ومن کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار، لم اذن بذلك اذناً عاماً حین نزل اکثر الوحی

وحفظه الكثيرون وامن اختلاطه بسوا فقال عليه السلام قيدو العلم بالكتاب (علوم الحديث، ص ۲۰،۲۱)۔

(نبی کریمؐ نے آغاز وحی میں حدیثیں قلمبند کرنے سے منع فرمایا، مبادا آپ کے اقوال و تشریحات اور سیرت قرآن سے مل جائے اور فرق و امتیاز کا باقی نہ رہے۔ خصوصاً جب قرآنی آیات اور احادیث کو ایک ہی رسالہ یا ورق میں لکھا جائے آپ فرماتے ہیں مجھ سے سن کر مت لکھو جس نے قرآن کے سوا کوئی اور چیز لکھی ہو مٹادے۔ میری باتیں بے شک لوگوں تک پہنچاؤ جس نے دانستہ مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ جب قرآن کا اکثر حصہ نازل ہو گیا اور بہت سے صحابہ نے اسے حفظ کر لیا اور التباس کا کوئی خطرہ باقی نہ رہا تو آپ نے حدیث نویسی کی کھلم کھلا اجازت دے دی آپؐ نے فرمایا قلمبند کر کے علم کو محفوظ کر لو)۔

(۹۳) اظہار الحق، ج ۳، ص ۹۱۹۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ عہد رسالت میں جمع و کتابت حدیث کا اہتمام موجود تھا جسکے شواہد ہمیں احادیث کے مختلف مجموعوں کی صورت میں ملتے ہیں۔ اس موضوع پر مندرجہ ذیل کتب ملاحظہ کی جا سکتی ہیں:۔

۱۔ السباعی، مصطفیٰ، السنۃ و مکانتھا فی التشریع الاسلامی، دار العروبہ، قاہرہ ۱۳۸۰ھ۔

۲۔ الخطیب محمد عجاج، السنۃ قبل التدوین، مکتبہ وھبہ مصر۔

۳۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبویؐ، القاہرہ، ۱۹۵۱ء۔

۴۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، صحیفہ ھمام بن منبہ، المجمع العربی، دمشق ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء۔

۵۔ صبحی صالح، ڈاکٹر، علوم الحدیث ومصطلحہ، دار العلم للملایین بیروت، ۱۹۸۱ء۔

۶۔ گیلانی، مناظر احسن، تدوین حدیث، مجلس علمی کراچی، ۱۹۵۶ء۔

(۹۴) اظہار الحق، ج ۳، ص ۹۱۹۔

فن اسماء الرجال جسے علم رجال الاحادیث بھی کہا جاتا ہے وہ شاندار فن ہے جسکی ایجاد کا سہرا مسلمانوں کے سر ہے اسکی اہمیت کا اعتراف بعض مستشرقین کو بھی ہے چنانچہ اسپرنگر رقمطراز ہے: "نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال جیسا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصیتوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے"۔ (الاصابہ فی احوال الصحابہ، بحوالہ سیرۃ النبی، ج ۱، ص ۴۰)۔

یہاں پر فن اسماء الرجال کے سلسلے میں مندرجہ ذیل کتب کا تذکرہ مفید ہوگا۔

۱۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، التاریخ الصغیر، التاریخ الکبیر، حیدر آباد ۱۳۶۱ھ۔

۲۔ ابن حجر عسقلانی، لسان المیزان، حیدر آباد، ۱۳۳۱ھ۔

۳۔ ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب، حیدر آباد ۱۳۲۷ھ۔

۴۔ الذہبی شمس الدین، تذکرۃ الحفاظ، حیدر آباد ۱۹۵۵ء ' میزان الاعتدال، ۱۳۲۵ھ۔

۵۔ النووی، تہذیب الاسماء، مصر۔

(۹۵) اظہار الحق، ج ۳، ص ۹۱۹، اسناد کی اہمیت کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں طلب الاسناد العالی سنة، نیز عبداللہ ابن مبارک فرماتے ہیں الاسناد من الدین ولو لا الاسناد قال من شآ وماشآء (مقدمہ ابن صلاح، ص ۵۷ ؛تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۱۸۰)۔

(۹۶) کتب اصول حدیث میں متواتر کی تعریف یوں کی گئی ہے ماروآہ عدد کثیر تحیل العادة تواطوءھم علی الکذب (تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۱۹، ۲۰)۔

(۹۷) حدیث مشہور کی تعریف یوں ہے ماروآہ ثلاثة فاکثر فی کل طبقة ۔ مالم یبلغ حد التواتر (نفس مصدر، ص ۲۶)

(۹۸) حدیث واحد (غریب) کی تعریف یہ ہے: ھو ما یفرد بروایة راو واحد (نفس مصدر، ص ۲۷)۔

(۹۹) احادیث کی اسناد، اقسام اور انکے درجات کے تعین پر مبنی علم کو علم حدیث کی اصطلاح میں مصطلح الحدیث کہتے ہیں اس سے متعلق مزید تفصیلات ان کتب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں ۔

۱۔ ابن حجر، عسقلانی، نخبة الفکر فی مصطلح اہل الاثر ،نشر المکتبۃ العلمیۃ بالمدینۃ المنورہ۔

۲۔ ابن الصلاح، ابو عمرو عثمان، علوم الحدیث (مقدمہ ابن الصلاح) نشر المکتبة العلمیة بالمدینة المنورة۔

۳۔ البغدادی، ابوبکر احمد بن علی، الکفایة فی علم الروایة، طبع دائرۃ المعارف العثمانیہ بالہند، ۱۳۵۷ھ۔

۴۔ الرامہرمزی، ابو محمد الحسن، المحدث الفاصل بین الراوی والواعی۔

۵۔ السیوطی، جلال الدین، تدریب الراوی، طبع مصر، ۱۳۰۷ھ۔

۶۔ الصالح، صبحی، علوم الحدیث ومصطلحہ، دارالعلم للملایین بیروت، ۱۹۸۱ء۔

۷۔ الطحان، محمود، تیسیر مصطلح الحدیث، فاروقی کتب خانہ لاہور۔

۸۔ النیشاپوری، ابو عبداللہ محمد، حاکم، معرفة علوم الحدیث، طبع دائرۃ المعارف العثمانیہ بالہند۔

(۱۰۰) اظہار الحق، ج ۳، ص ۹۲۰، ۹۲۱۔

(۱۰۱) نفس مصدر، ج ۳، ص ۹۳۱-۹۳۳۔

(۱۰۲) نفس مصدر، ج ۳، ص ۹۴۸-۹۵۲۔

(۱۰۳) نفس مصدر، ج ۳، ص ۹۳۱، ۹۳۲۔

(۱۰۴) نقش مصدر، ج ۳، ص ۹۲۲-۹۲۵۔ مولانا کیرانوی کے اس استدلال کو باب ہذا کی پہلی فصل کے ضمن میں تحریر کیا جا چکا ہے۔

(۱۰۵) شبلی نعمانی لکھتے ہیں 'یورپین مصنفین آنحضرت ﷺ کے اخلاق کے متعلق جو نکتہ چینیاں کرتے ہیں یا ان کی تصنیفات سے از خود شبہات پیدا ہوتے ہیں وہ قدر مشترک کے طور پر یہ ہیں

۱۔ آنحضرت ﷺ کی زندگی مکہ معظمہ تک پیغمبرانہ زندگی ہے لیکن جب مدینہ جا کر زور و قوت حاصل ہوتی ہے تو دفعتاً پیغمبری بادشاہی سے بدل جاتی ہے اور اس کے جو لوازم ہیں یعنی لشکر کشی، قتل، انتقام، خونریزی، خود خود پیدا ہو جاتے ہیں۔

۲۔ کثرت ازدواج، عورتوں کی طرف رغبت۔

۳۔ مذہب کی اشاعت جبر اور زور سے۔

۴۔ لونڈی اور غلام بنانے کی اجازت اور اس پر عمل۔

۵۔ دنیاداروں کی سی حکمت عملی اور بہانہ جوئی۔(سیرۃ النبی، ج ۱، ص ۴۳، ۴۷،۴۸ (مقدمہ)۔

انہی نکتہ چینیوں اور شبہات کو مندرجہ ذیل کتب میں قدرے تفصیل سے ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔۔

(I) Bagot, Glubbe, John, Life and Times of Muhammad, Hoader and Souqhter, London,1970

(II) Bodley, R V C . The Message, The Life of Muhammad, Doubleday, New-york,1964.

(III) Bosworth, Smith, Muhammad and Muhammadanism, John Marray, London, 1989

(IV) Carlyle, Thomas, on Hero and Hero Worship and the Heronic in History, London, Humphrey Milford, 1904.

(V) Cook Michal, Muhammad, Oxford University Press, 1983

(VI) Gibb, H A R Muhammadanism, Oxford Press 1961

(VII) Jeffery, Arthur, Islam, Muhammad and his Religion, Lili Art Press,Newyork, 1958

(VIII) Levies, H D, World Religions, C Watt, London, 1966

(IX) Margoliouth, D S., Muhammadanism, Butterworth, London 1928.

(X) Muir William, Life of Mohamet, Smith London 1860

(XI) Spranger, S , Life of Mohammad, Alah Abad India, 1851

(XII) Watt Montgomery, Muhammad at Makha, Oxford Press 1953.

(XIII) Watt Montgomery, Muhamamd at Mediana, Oxford Press 1956.

(XIV) Zafar Ali Qureshi, Prophet of Islam and his Western Critics, Ilmi Kitab Khana, Lohore, 1984.

(۱۰۶) میزان الحق کے تیسرے حصے میں خصوصیت کے ساتھ دوسرا باب (۲۸۶-۳۲۰)، پانچواں باب (۳۹۱-۴۱۹)، چھٹا باب (۴۲۰-۴۴۹) اور ساتواں باب (۴۴۵-۴۵۰) ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

(۱۰۷) میزان الحق، ص ۲۸۶۔

شبلی نعمانی، بشارات کے باب میں قرآن کریم کی یہ آیت ۔ یجدونہ مکتوباً عندھم فی التوراۃ والانجیل (الاعراف) کے تحت لکھتے ہیں "یہود و نصاریٰ میں یہ خیال ہے کہ کسی پیغمبر کا دعوائے نبوت اس وقت تک مسلم نہیں جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ پہلے پیغمبروں نے اس کی آمد کی پیشین گوئی کی ہے اور جو اس کی نشانیاں بتائی ہیں وہ مدعی نبوت میں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کو بھی وہ اسی معیار پر پرکھتے ہیں اور بہت سے یہود و نصاریٰ جن کو اس معیار سے تشفی کی دولت حاصل ہوئی وہ علی الاعلان ایمان لائے اور جو اپنی کمزوری سے اپنے ایمان کا اعلان نہ کر سکے انہوں نے اسلام کی صداقت کا اعتراف کیا لیکن جن کے قلوب عناد و تعصب کے گرد و غبار سے تیرہ و تار تھے وہ اس ظلمت سے باہر نہ آسکے"۔ (سیرۃ النبی، ج ۳، ص ۷۷۸)۔

(۱۰۸) میزان الحق، ص ۲۸۶۔

(۱۰۹) اظہار الحق، ج ۴، ص ۱۰۸۷؛ ازالۃ الشکوک، ج ۱، ص ۲۳۳-۲۳۵۔

(۱۱۰) اظہار الحق، ج ۴، ص ۱۰۷۸، ۱۰۷۹۔

(۱۱۱) نفس مصدر، ج ۴، ص ۱۰۷۹۔

(۱۱۲) نفس مصدر، ج ۴، ص ۱۰۸۵۔

(۱۱۳) نفس مصدر، ج ۴، ۱۰۸۹-۱۰۹۶۔

(۱۱۴) نفس مصدر، ج ۴، ص ۱۰۹۰۔

(۱۱۵) نفس مصدر، ج ۴، ۱۰۹۱-۱۰۹۲۔

(۱۱۶) نفس مصدر، ج ۴، ص ۱۰۹۷-۱۱۰۸۔

(۱۱۷) شمس مصدر، ج ۳، ص ۱۱۱۲، ۱۱۱۳۔

(۱۱۸) استثناء، ۳۳: ۲۔ موجودہ اردو تراجم میں ہزاروں کی جائے لاکھوں کا لفظ ہے جبکہ انگریزی ترجمہ میں 'دس ہزار' کا لفظ واضح طور پر موجود ہے۔

(۱۱۹) سینا (Sinai) کوہ طور کا دوسرا نام ہے حضرت موسیٰ کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۲۰) سعیر / شعیر / شاعیر (Se'ir) فلسطین کے ایک پہاڑ کا نام ہے اور ناصرہ کے قریب طبریہ اور عکا کے درمیان ایک گاؤں کا نام بھی ہے اس پہاڑ کو آجکل 'جبل الخلیل' کہا جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ اس پہاڑ پر عبادت کیا کرتے تھے۔ مزید تفصیلات دیکھئے: معجم البلدان، ج ۳، ص ۱۷۱، قاموس الکتاب، ص ۵۷۶۔

(۱۲۱) فاران (Paran) کے نام کی پیشین گوئی سب سے زیادہ صریح ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی قدرے تفصیل دی جائے:۔

☆ مشرقی جغرافیہ دانوں کا بیان ہے کہ تین مقام بنام فاران موسوم ہیں۔ اول وہ مقام اور اس کے گردونواح کے پہاڑ جہاں اب شہر مکہ واقع ہے کیونکہ اس زمانے میں وہ بیابان تھا جہاں حضرت حاجرہ اور حضرت اسماعیل نے سکونت اختیار کی دیکھئے کتاب پیدائش، ۲۱: ۲۱۔ دوم وہ پہاڑ اور گاؤں جو مشرقی حصہ مصر یا عرب الحجر میں واقع ہے، سوم ایک ضلع جو سمرقند میں واقع ہے۔ دیکھئے: (خطبات احمدیہ، ص ۱۷۲)۔

☆ ڈاکٹر عبدالقادر ملکاوی کی تحقیق میں فاران، مکہ کا عبرانی نام ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ مکہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے اور اس کا اطلاق پورے حجاز پر بھی ہوتا ہے اور قاموس الکتاب کے مطابق وہ فاران جو فلسطین کے جنوب میں واقع ہے یہاں وہ مراد نہیں ہے۔ دیکھئے اظہار الحق، ج ۴، ص ۱۱۳۴ (حاشیہ) نیز معجم البلدان، ج ۴، ص ۲۲۵۔

☆ اس بات کو مسیحی علماء بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مذکورہ پیشین گوئی میں جس فاران کا تذکرہ ہے یہ وہی ہے جس میں حضرت حاجرہ نے سکونت اختیار کی اور اس امر میں کوئی شک نہیں کہ تمام مستند مورخین حضرت اسماعیل کی سکونت کی جگہ حجاز کو قرار دیتے ہیں اور قدیم کتابوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، چنانچہ اپاکریفا کی کتاب بارورخ میں ہے:

"The Theman none had caught sight of it, even the sons of Ager, so well Seooled in earthy Wisdom".
(3.23)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ہاجرہ کے بیٹے بارورخ کے زمانہ میں 'تیمان' میں آباد تھے۔ تیمان یمن کا قدیم نام ہے جو حجاز سے بالکل متصل ہے اور حضرت بارورخ کے زمانے تک حضرت اسماعیل کی اولاد حجاز سے وہاں تک یقیناً پھیل گئی ہوگی۔ یہی وجہ ہے توریت سامری کا وہ عربی ترجمہ جسے آرکوئی نن نے ۱۸۵۱ء میں مقام لنگڈنی بادورم سے شائع کیا اس میں فاران اور حجاز

ایک ہی جگہ مراد لی ہے۔اسکن فی بریۃ فران(الحجاز)واخذت لہ امہ امراۃ من ارض مصر (عربی ترجمہ تورات سامری بحوالہ خطبات احمدیہ، ص ۹۸)۔

☆ سر سید احمد خان لکھتے ہیں' عموماً عیسائی مورخ اس بات کو کہ فاران اور حجاز ایک ہی جگہ ہے کو تسلیم نہیں کرتے اس تسلیم نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ اگر وہ اس کو تسلیم کرلیں تو اس بات کی تسلیم بھی لازم ہے کہ جو پیشین گوئی توریت میں فاران کی نسبت بیان ہوئی ہے بلاشبہ اس سے محمد ﷺ کا نبی ہونا مراد ہے' سر سید احمد خان نے فاران کے لفظ پر بہت عمدہ بحث کی ہے ملاحظہ ہو: خطبات احمدیہ، ص ۱۴۱-۱۴۹۔

☆ مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ گئی ہے کہ فاران سے مراد حجاز یا مکہ مکرمہ کے پہاڑ ہیں اور اب یہ قرآن کریم کے مطابق ہے: والتین٥ والزیتون٥ وطور سینین٥ وھذا لبلد الأمین٥(التّین،۹۵:۱۔۳)۔

☆ محمد تقی عثمانی رقمطراز ہیں' سب جانتے ہیں کہ انجیر اور زیتون والا ملک شام ہے جہاں حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے اور وہی کوہ شعیر کا مصداق ہے، طور سینا، حضرت موسیٰ سے عبارت ہے اور بلد امین سے محمد ﷺ کی طرف اشارہ ہے(بائبل سے قرآن تک، ج ۳، ص ۳۵۵ (حاشیہ)۔

☆ مذکورہ بالا بشارت میں تحریف کی خاص مشق کی گئی ہے جس کی طرف آغاز ہی میں اشارہ کیا گیا تھا، مزید تفصیل ملاحظات کا باعث ہوگی۔ دیکھئے بائبل سے قرآن تک، ج ۳، ص ۳۵۸،۳۵۷، شیخ شبیر احمد، اسلام اور عیسائیت، مکتبہ مدنیہ لاہور، ص ۶۵-۸۰۔

(۱۲۲) اظہار الحق، ج ۴، ص ۱۱۳۵، نیز دیکھئے راقم کا مقالہ دو فصا لٹ ڈکرک، ضیائے حرم (لاہور) ۲۶ ۱۲ ستمبر ۱۹۹۵ء، ص ۲۳۔

(۱۲۳) ولیم میور اس لفظ کی بابت رقمطراز ہے 'یوحنا کی انجیل کا ترجمہ جو ابتداء میں عربی زبان میں ہوا اس میں اس لفظ کا ترجمہ غلطی سے احمد کر دیا ہو گا یا کسی خود غرض جاہل راہب نے محمد ﷺ کے زمانہ میں جعلسازی سے اس کا استعمال کیا ہو گا جس کو مسلمان اپنے پیغمبر کی بشارت قرار دیتے ہیں'۔ (Life of Mohomet, Vol I, P 17)

(۱۲۴) یوحنا،۱۵:۲۶، انجیل یوحنا میں لفظ فارقلیط ان مقامات پر آیا ہے، ۱۴:۱۶، ۱۵:۲۶،۱۷،۳۰، ۱۶:۲۶، ۸۔

(۱۲۵) شبلی نعمانی لفظ فارقلیط کرتے ہوئے لکھتے ہیں 'انجیل کی ان آیتوں میں حضرت عیسیٰ نے جس آنے والے پیغمبر کی بشارت بار بار دی ہے اس کو لفظ فارقلیط سے تعبیر کیا ہے۔ یہ لفظ عبرانی یا سریانی ہے جس کے لفظی معنی ٹھیک 'محمد' اور 'احمد' کے ہیں یونانی کے قدیم تراجم میں اس کا ترجمہ پیر یکیو طاس کیا گیا تھا جو بعینہ فارقلیط اور احمد کا ہم معنی ہے مگر یہ دیکھ کر کہ اس سے اسلام کی تصدیق ہوتی ہے ذرا سی تغیر سے پیر یکلیو طاس کے بجائے پیر یکلیطاس کر دیا گیا ہے جس کا ترجمہ اب عام طور پر تسلی دہندہ کیا جاتا ہے۔۔۔ مسلمان علماء نے خود قدیم عیسائی علماء کی تحریروں سے

ثابت کیا ہے کہ صحیح لفظ پیر یکلیو طاس ہے سب سے زیادہ سیدھی بات یہ ہے کہ یہ فقرے حضرت عیسیٰ کی زبان سے نکلے تھے ان کی زبان سریانی آمیز عبرانی تھی یونانی نہ تھی اس لئے جو الفاظ ان کی زبان سے نکلا ہو گا وہ عبرانی یا سریانی ہو گا اس لئے یہ بالکل صاف ہے کہ انہوں نے فارقلیط کا لفظ کہا ہو گا جو احمد یا محمد کا مرادف ہے (سیرۃ النبی، ج ۳، ص ۷۸۶، نیز دیکھئے خطبات احمدیہ، ص ۲۸۳-۲۹۱؛ راقم کا مقالہ ورفعنا لك ذكرك، حوالہ مذکور، ص ۲۲؛ اسلام اور عیسائیت، ص ۲۳۸-۲۸۳۔

چنانچہ انجیل یوحنا کی مذکورہ پیشین گوئی قرآن کی اس آیت کے مصداق ٹھہرتی ہے

واذ قال عیسیٰ ابن مریم یبنی اسرائیل انی رسول الله الیکم مصدقا لمابین یدیه من التوراۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد (الصف، ۶۱:۶)۔

اب انجیل یوحنا (۱۴: ۱۶) کی اس پیشین گوئی کو دیکھئے "اور میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا فارقلیط (مددگار) بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے"۔

(۱۲۶) اظہار الحق، ج ۴، ص ۱۱۸۸، سر سید احمد خان نے بھی لکھا ہے کہ مانٹینی آس (Montanus) کے بعد ایک شخص مینس نے بھی پر یکلوطاس ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ (خطبات احمدیہ، ص ۲۸۶)۔

(۱۲۷) دلائل النبوۃ، ج ۴، ص ۳۹۵، البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۳۰۳؛ السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۶۰۸۔

(۱۲۸) اظہار الحق، ج ۴، ص ۱۱۹۰۔

(۱۲۹) نفس مصدر۔

(۱۳۰) النجم، ۵۳: ۳، ۴۔

(۱۳۱) الانعام، ۶: ۵۰؛ یونس، ۱۰: ۱۵؛ الاحقاف، ۴۶: ۹۔

(۱۳۲) تفصیلات کیلئے دیکھئے: اظہار الحق، ج ۴، ص ۱۱۹۱-۱۱۹۷؛ نیز حقانی، ص ۵۳، ۵۴ (مقدمہ)۔

(۱۳۳) میزان الحق، ص ۳۹۲؛ تحقیق الایمان، ص ۴-۵۔

(۱۳۴) میزان الحق، ص ۳۹۳، پادری موصوف نے ان آیات کو معجزات کے انکار کے طور پر پیش کیا ہے، البقرۃ، ۲: ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۵۲، ۲۵۳؛ الانعام، ۶: ۱۰۹، ۱۲۴؛ الرعد، ۱۳: ۳۰؛ بنی اسرائیل، ۱۷: ۹۲-۹۵، ۶۱۔

(۱۳۵) مولانا کیرانویؒ کے معجزات پر استدلال کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ ان کی کتاب ازالۃ الاوہام خالصتاً معجزات پر عیسائیوں کے شبہات کے رد میں ہے نیز ازالۃ الشکوک جلداول کا معتدبہ حصہ معجزات کے اثبات میں ہے اور اظہار الحق میں بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

(۱۳۶) اظہار الحق، ج ۴، ص ۱۲۰۷-۱۳۰۹۔

(۱۳۷) تفصیلات کے لیے دیکھئے۔ اظہار الحق، ج ۳، ص ۱۰۰۲-۱۰۱۷۔

(۱۳۸) مولانا کیرانویؒ نے جن قرآنی معجزات کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں معراج (بنی اسرائیل، ۱۷: ۱)، معجزہ شق القمر، (القمر، ۵۴: ۱، ۲)، معجزہ رمی (انفال، ۸: ۱۷)، وعدہ استخلاف (النور، ۲۴: ۵۵)، غلبہ حق (الصف، ۶۱: ۹)، بشارت فتح (الفتح ۴۸: ۱۸، ۲۷)، آل عمران ۳: ۱۲، القمر ۵۴: ۴۴)، نصرت الٰہی، البقرہ ۲: ۱۴، النصر، فتح روم، حفاظت قرآن، (الحجر ۱۵: ۹)، اعجاز القرآن (البقرہ ۲۳، بنی اسرائیل، ۸۸، یونس ۳۸)۔ علاوہ ازیں احادیث کی رو سے چالیس معجزات کا ذکر کیا ہے تفصیلات کے لیے دیکھئے ازالۃ الشکوک، ج ۱، ص ۵۳-۱۱۲، اظہار الحق، ج ۴، ص ۱۰۰۵-۱۰۲۲۔

(۱۳۹) القمر، ۵۴: ۱، ۲۔

(۱۴۰) میزان الحق، ص ۴۰۰، یہ قدیم یونانی فلاسفہ کا نظریہ تھا کہ آسمان کا پھٹنا اور پھر جڑنا محال ہے اس نظریہ کی بنیاد معراج اور معجزہ شق القمر پر اعتراضات کیے جاتے تھے، مزید دیکھئے تفہیم القرآن، ج ۵، ص ۲۲۸-۲۳۰۔

(۱۴۱) اظہار الحق، ج ۴، ص ۱۰۲۹-۱۰۳۲۔

(۱۴۲) نفس مصدر۔

(۱۴۳) نفس مصدر، ص ۱۰۳۳-۱۰۳۷، حقانی، ص ۱۱۵ (مقدمہ)۔

(۱۴۴) نفس مصدر، ج ۴، ص ۱۰۳۸-۱۰۴۱، حقانی، ص ۴-۱۵۔

(۱۴۵) مسلم، ج ۱۲، ص ۲۱۶، کتاب الاشربہ، فتح الباری، ج ۷، ص ۳۹۵، سنن الدارمی، ج ۱، ص ۲۶،

(۱۴۶) فتح الباری، ج ۲، ص ۳۹۷، باب ۲۶، من کتاب الجمعہ، حدیث ۹۱۸، ابن ماجہ، ج ۱، ص ۴۵۸، الدارمی، ج ۱، ص ۲۳۔

(۱۴۷) الاسراء، ۱۷: ۸۱۔

(۱۴۸) فتح الباری، ج ۸، ص ۴۰۰، باب ۱۲، من کتاب التفسیر، حدیث ۲۰-۴۴، مسلم، ج ۱۲، ص ۱۲۶، فی فتح مکہ من کتاب الجہاد والسیر، الترمذی، ج ۱۱، ص ۲۹، نیز احادیث پر مبنی معجزات کے لیے دیکھئے سیرۃ النبی، ج ۳، ص ۵۷۵-۷۱۹۔

(۱۴۹) میزان الحق، ص ۴۲۲۔

(۱۵۰) نفس مصدر، ص ۴۲۳۔

(۱۵۱) نفس مصدر، ص ۴۲۵، ۴۲۶۔

(۱۵۲) نفس مصدر، ص ۴۲۴۔

(۱۵۳) نفس مصدر، ص ۴۲۳، نیز دیکھئے تحقیق الایمان، ص ۹۶-۱۹۹۔

(۱۵۴) اظہار الحق، ج ۴، ص ۱۳۲۱-۱۳۲۷۔

(۱۵۵) نفس مصدر، ج ۴، ص ۱۳۲۸-۱۳۳۰ نیز دیکھئے تفہیم القرآن، ج ا، ص ۱۶۵، ۱۶۶۔

(۱۵۶) اظہار الحق، ج ۴، ص ۱۳۳۰، ۱۳۳۲۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے حضور اکرم کی کثرت زوجات پر بہت عمدہ بحث کی ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس میں سے ایک اقتباس نقل کر دیا جائے وہ لکھتے ہیں "نبی صلعم کی مبارک زندگی پر نظر ڈالو کہ ۶۳ سال میں سے ابتدائی ۲۵ سال حضورؐ کے کمال تجرد سے گزرتے ہیں جس بزرگ نے ۲۵ سال تک عنفوان شباب اور جوش جوانی کا زمانہ کمال تقویٰ اور نہایت ورع کے ساتھ پورا کیا ہو اور جس کے حسن مردانہ کے کمال نے اعلیٰ سے اعلیٰ خواتین کو اس سے تزویج کا آرزو مند کر دیا ہو پھر ربع صدی تک اس کے تجرد و تفرد پر کوئی شے غالب نہ آئی ہو کیا ایسے شخص کی نسبت اعلیٰ رائے قائم نہیں ہوتی؟ جس مقدس ہستی نے ۲۵ سے ۵۰ سال تک کی عمر کا زمانہ ایک ایسی خاتون کے ساتھ بسر کیا ہو جو عمر میں ان سے ۱۵ سال بڑی اور ان سے پیشتر دو شوہروں کی بیوی رہ کر کئی بچوں کی ماں بن کر معمر ہو چکی ہو اور پھر اس ربع صدی کے زمانہ میں حضورؐ کی دل بستگی و محبت میں ذرا کمی نہ آئی ہو بلکہ اس کے مر جانے کے بعد بھی ہمیشہ اس کی یاد کو تازہ رکھا ہو کیا اس کی نسبت کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اس تزویج کی وجہ وہی تھی جو عام طور پر پرستاران حسن کی شادیوں میں پائی جایا کرتی ہے؟ نبی ﷺ کی زندگی کا (۵۵ھ سے ۵۹ھ تک کی درمیانی مدت کا پنج سالہ زمانہ ایسا ہے جب ازواج مطہرات سے حجرات آباد ہوئے تھے اس لیے ہر شخص کو غور کرنا چاہیے کہ زندگی مبارک کے ۵۵ سالہ رویہ سے بڑھ کر جو عمل ہوا اس کے خاص خاص اسباب کیا تھے خصوصاً جب نبی ﷺ کی یہ حدیث بھی موجود ہے مالی فی النساء من حاجة (دارمی بروایت سہل بن سعد) غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ نبی ﷺ نے جس قدر نکاح کیے ان کی بنیاد فوائد کثیرہ دین اور مصالح جمیلہ ملک اور مقاصد حسنہ قوم پر قائم تھی اور ان فوائد و مصالح و مقاصد کا اس قدیم ترین زمانہ اور عرب جیسے جمہور پسند ملک میں حاصل ہونا تزویج کے بغیر ممکن نہ تھا"۔

(رحمة للعلمین، ج ۲، ص ۱۳۱، ۱۳۲)۔

(۱۵۷) اظہار الحق، ج ۴، ص ۱۳۴۹۔ نیز دیکھئے۔ تھانوی اشرف علی، کثرت الازواج لصاحب المعراج، دہلی ۱۳۵۰ھ، قریشی، ظفر علی، ازواج مطہرات اور مستشرقین، لاہور، ۱۹۹۴ء۔

(۱۵۸) اظہار الحق، ج ۴، ص ۱۳۵۲۔

(۱۵۹) اشاعت اسلام کو تلوار کے مرہون منت قرار دینا اشاعت اسلام میں طاقت و جبر کا الزام مسلمانوں اور پیغمبر اسلام پر نیا نہیں ہے بلکہ ایک طویل عرصہ سے مستشرقین اس الزام کی مشق کر رہے ہیں اس ضمن میں ان کی مشہور تصانیف میں اس کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے G L Berry لکھتے ہیں محمد ﷺ کو چندہ Funds کی ضرورت تھی ان کے ساتھ جو لوگ تھے وہ زراعت وغیرہ میں مہارت نہیں رکھتے تھے اس لیے انہوں نے تجارتی قافلوں کو لوٹنے کے لیے چھاپے مارنے شروع

کردیے اور محترم مہینوں کا لحاظ کیے بغیر اپنے مخالفین کو شہر سے باہر نکال دیا۔ اس وجہ سے عرب میں مقدس جنگ تیز ہوگئی

(Religion of the World, P 61,62)

(۱۶۰) میزان الحق، ص ۳۶۶، ۳۶۷۔ اس موقع پر پادری موصوف نے قرآن کریم کی ان آیات سے استدلال کیا ہے
سورۃ المائدۃ آیت ۳۳، سورۃ التوبہ آیت ۱-۳۰ اور آخری آیت، نیز فانڈر نے اپنی کتاب میں حضور اکرم ﷺ کے لیے
"النبی بالسیف" کا لقب اور استہزاء استعمال کیا ہے، دیکھیے صفحات ۳۱۲، ۳۱۷، ۳۶۹، ۳۴۵، ۳۷۶۔

(۱۶۱) نفس مصدر، ص ۳۶۱۔ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایم۔ ایم۔ پکتھال لکھتے ہیں

"From that day to this, the Chruch of the Holy sepulchre has always been a Christain place of worship the only things the Muslims did in the way of intefarence with the Christians Librity of conscience in respect of it was to see that every sect of Christains"

(Islamic Culture, P 97).

(۱۶۲) اظہار الحق، ج ۳، ص ۱۲۵۷-۱۲۵۹، ازالۃ الشکوک، ج ۱، ص ۲۷۳-۲۷۴۔

(۱۶۳) اظہار الحق، ج ۳، ص ۱۲۵۹-۱۲۷۰، الزامی استدلال کے اس اسلوب کو متعدد مصنفین نے اختیار کیا ہے ملاحظہ
ہو سر سید احمد خان، خطبات احمدیہ، خطبہ چہارم، ابوالاعلیٰ مودودی، الجہاد فی الاسلام،
ص ۲۰۳-۲۰۹، نیز دیکھیے راقم کا مقالہ، سیرۃ النبی ﷺ پر مستشرقین کے اعتراضات اور ان کا
تحقیقی جائزہ، ضیائے حرم (لاہور) ۲۴: ۲، ص ۱۷-۲۴۔

(۱۶۴) اظہار الحق، ج ۳، ص ۱۲۷۱-۱۲۷۳۔

(۱۶۵) نفس مصدر، ج ۳، ص ۱۲۷۳-۱۲۷۴، ازالۃ الشکوک، ج ۱، ص ۲۷۷-۲۸۶۔

محمد مارماڈیوک پکتھال (M.M.Picthal) لکھتے ہیں:

"By the beginning of the eigteenth century A C, the Christian had, by custom , been made subject to certain social disabilities, but these were never, at the worst, so cruel or so galling as those to which the Roman Catholic nobility of France at the same period subjected their own Roman Catholic peasantry, or as

those which protestents imposed on Roman Catholic in Ireland, and they weighed only one the wealthy portion of the community" (Islamic Culture, P 100)

(۱۶۶) نفس مصدر، ج ۳، ص ۶ ۷ ۱۲-۱۲۹۶، ملخص، نیز دیکھئے الجہاد فی الاسلام، ص ۲۰۵-۲۱۶۔

(۱۶۷) بخاری ومسلم، کتاب الجہاد۔

(۱۶۸) اظہار الحق، ج ۴، ص ۱۲۹۷-۱۳۰۲، نیز تفصیلات کے لئے دیکھئے الجہاد فی الاسلام، باب پنجم، اسلامی قوانین صلح وجنگ، ص ۱۸۰-۱۰۳۔

(۱۶۹) شرح السنۃ، مشکوۃ المصابیح، ص ۳۴۲، کتاب الجہاد۔

(۱۷۰) صلح نامہ کی مکمل عبارت یہ ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم، هذا ما اعطى عبدالله عمر امير المومنين اهل ايلياء من الأمان اماناً لأنفسهم وكنائسهم وصلبانهم سقيمها وبرها وسائر ملتها انها لاتسكن كنائسهم، ولاتهدم، ولا ينقص منها ولا من صلبانهم، ولاشئى من اموالهم ولا يكرهون على دينهم، ولا يضار احدمنهم، ولايسكن ايلياء احد من اليهود وعلى اهل ايلياء ان يعطوا الجزية كما يعطى اهل المدائن وعليهم ان يخرجوا منهم الروم واللصوص، فمن خرج منهم فهوآمن على نفسه وماله حتى يبلغوا اما منهم، ومن اقام منهم فهو آمن، وعليه مثل ماعلى اهل ايلياء من الجزية ومن احب من ايلياء ان يسير بنفسه وماله مع الروم، ويخلى بيعتهم وصليبهم فانهم آمنون على انفسهم وعلى بيعتهم وعلى صليبهم حتى يبلغوا مامنهم، ومن كان فيها من اهل الارض فمن شاء منهم قعد، وعليه مثل ما على اهل ايلياء من الجزية، ومن شآء رجع الى ارضه، وانه لايوخذ منهم شئى حتى يحصد حصادهم وعلى ما في هذالكتاب عهدالله وذمته رسوله وذمة الخلفاء وذمة المومنين اذا اعطوا الذى عليهم من الجزية شهد على ذالك من الصحابة خالد بن وليد، وعمروبن العاص وعبدالرحمن بن عوف ومعاوية بن ابى سفيان". (تاريخ طبرى، ج ۳، ص ۱۵۹)۔

(۱۷۱) اظہار الحق، ج ۳، ص ۱۳۰۰۔

(۱۷۲) جہاد کے اصول وآداب سے متعلق تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو بخاری، کتاب الجہاد وکتاب المغازی؛ مسلم، کتاب الجہاد والسیر وکتاب الامارہ ، ابوداؤد، کتاب الجہاد وکتاب الفئی والامارۃ ، ترمذی، ابواب السیر وابواب الجہاد، نیز دیکھئے الجہاد فی الاسلام، ص۲۱۶-۲۹۸۔

(۱۷۳) اظہار الحق، ج۴، ص۱۳۰۶۔

(۱۷۴) اردو نثر میں سیرت رسولؐ، ص۲۲۹،۲۳۰۔

(۱۷۵) ابن تیمیہ، کتاب العقل بحوالہ فتاویٰ ثنائیہ، ج۱، ص۲۵(دیباچہ)۔

(۱۷۶) غزالی، احیاء العلوم، باب العلم القرآن ہو فرض کفایہ۔

(۱۷۷) دیکھئے: حیات شبلی، ص۳۶(دیباچہ)۔

(۱۷۸) دیکھئے ندوی ابوالحسن علی، سید، اظہار الحق اور اس کے مؤلف حضرت مولانا رحمت صاحب کیرانویؒ، ذکر وفکر (دہلی) ۶،۵،۲، ۶، ستمبر اکتوبر ۱۹۸۸ء، ص۱۵-۲۲۔

(۱۷۹) دیکھئے: خطبات احمدیہ، ص۳۳۶، ۳۳۷ ، رحمۃ للعلمین، ج۲، ص۱۲۶-۱۳۱، ۲۳-۲۳۵؛ سیرۃ النبی، ج۳، ص۷۷۸-۸۱۳۔

(۱۸۰) خطبات احمدیہ، ص۲۴(مقدمہ)۔

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ
کی
علمی و دینی خدمات کے اثرات

فصل اول :

فنِ مناظرہ میں خدمات کے اثرات۔

فصل دوم :

تعلیمی و تدریسی خدمات کے اثرات۔

فصل سوم :

تصنیفی و تالیفی خدمات کے اثرات۔

فصل اول: فن مناظرہ میں خدمات کے اثرات۔

مولانا کیرانویؒ نے فن مناظرہ میں جو نمایاں خدمات سرانجام دیں ان کا اعتراف علماءِ عصر نے جا بجا طور پر کیا ہے اور انھیں امام المناظرین، رئیس المتکلمین وغیرہ کے القابات سے نوازا گیا۔ فن مناظرہ میں ان کی خدمات باب چہارم میں تفصیلاً بیان کی جا چکی ہیں۔ یہاں ان خدمات کے اثرات کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

فن مناظرہ میں ان کی خدمات کے اثرات دو پہلوؤں سے نمایاں ہیں۔ ایک یہ کہ مولانا کیرانویؒ نے ایسے رجالِ کار پیدا کئے جنوں نے آپ کے اسلوب کی پیروی کرتے ہوئے مناظرہ کے میدان میں فرق باطلہ بالخصوص ردِ مسیحیت کا فریضہ خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔(۱) دوسرے آپ کی تالیفات کی مناظراتی ادب میں اسلوب کی پیروی کی گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک عظیم مناظراتی ادب وجود میں آیا۔(۲)

مذکورہ دونوں پہلوؤں پر بحث مزید طوالت کا باعث ہوگی تاہم یہاں پر دو کتب کا تعارف و تجزیہ اور چند آراء کا تذکرہ موضوع کی مناسبت سے پیش کیا جاتا ہے۔

ا۔ المناظرۃ الکبریٰ بین العلامۃ الشیخ رحمت اللہ و الدکتور القسیس فندر:

یہ ۴۹۰ صفحات پر مشتمل زیرِ نظر کتاب اصلاً ڈاکٹر محمد عبدالقادر خلیل ملکاوی کی تحقیق و تعلیق ہے جو انھوں نے جامعہ امام محمد بن سعود الاسلامیہ (ریاض) کی 'کلیہ اصول الدین' سے ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے کی۔ ڈاکٹر ملکاوی نے اس مقالہ میں بعض اضافات کرتے ہوئے افادہ عام کے لئے 'مطابع الصفا' مکہ مکرمہ سے طبع کرا دیا ہے جس کے اب تک تین ایڈیشن بالترتیب ۱۹۸۵ء، ۱۹۹۰ء، اور ۱۹۹۲ء شائع ہو چکے ہیں۔ کتاب کا مرکزی موضوع مناظرہ اکبر آباد ۱۸۵۴ء اور اس کے اثرات و نتائج ہیں تاہم پوری کتاب ایک مقدمہ اور تین ابواب پر مشتمل ہے کتاب کے مباحث کا مختصر تعارف یہ ہے۔

مقدمہ الکتاب (۵۔۴۶):

برصغیر میں اسلام کی آمد اور مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے مختصر حالات زندگی بیان کئے گئے ہیں۔

الباب الاول: اسباب المناظرۃ (ص ۴۷۔۱۹۰):

یہ باب دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلی فصل میں ہندوستان میں تبشیری سرگرمیوں خصوصاً پادری فانڈر کی کتب، مساعی پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسری فصل میں مولانا کیرانوی کی تصنیفی و تالیفی خدمات کا مختصر جائزہ، چھوٹا

مناظرہ (المناظرۃ الصغریٰ) اور مناظرہ اکبر آباد ۱۸۵۴ء سے قبل مولانا کیرانویؒ اور پادری فانڈر کی مراسلت نقل کی گئی ہے۔

الباب الثاني: المناظرۃ الکبریٰ نصاً و دراسۃ (ص ۱۹۱۔۳۸۰)

اس باب میں تین فصول ہیں پہلی فصل میں مناظرہ کی مکمل روداد، دوسری فصل میں مناظرہ کے بعد کی خط و کتابت اور تیسری فصل میں مولانا کیرانویؒ کی بحثیت مناظر نہ شخصیات کے نمایاں پہلو اور مناظرہ کے نتائج واضح کئے گئے ہیں۔

الباب الثالث: بیان حال کتب اهل الکتاب (۳۳۱۔۴۷۵)

اس باب کو پانچ بحثوں میں سمیٹا گیا ہے دراصل اس باب کی بنیاد مولانا کیرانویؒ کی مشہور تالیف اظہار الحق پر ہے۔ پہلی بحث میں عہد نامہ قدیم وجدید کی کتب کی تفصیلات ہیں دوسری بحث میں ان کتب کی تفصیلات ہیں جن کی اہل کتاب کے پاس کوئی سند نہیں۔ تیسری بحث میں عہد نامہ قدیم وجدید کی کتب کے اختلافات نقل کئے گئے ہیں۔ چوتھی بحث میں ان کتابوں کی غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ پانچویں بحث میں مسیحی علماء کے شبہات اور ان کا رد کیا گیا ہے۔ آخر میں خاتمہ و فہرست ہے۔

اگرچہ مذکورہ کتاب سے مولانا کے مناظرہ کی اہمیت، اثرات و نتائج خوب سامنے آتے ہیں تاہم اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ناگزیر ہو گا کہ تراجم پر اعتماد کی وجہ سے بعض اعلام و واقعات درست طور پر درج نہیں ہو سکے۔ (۳)

۲۔ مناظرۃ بین الاسلام و النصرانیۃ (The Islamic Christian Meeting)

۲۵۷ صفحات پر مشتمل یہ کتاب بنیادی طور پر اسلام اور مسیحیت کے درمیان مکالمات، مناظرات 'المناقشة العقیدہ الدینیة مجموعة من رجال فکر من الديانتين الاسلامية والنصرانية' پر مشتمل ہے جو کیم تا ۵ دسمبر ۱۹۸۰ء خرطوم میں منعقد ہوئے جس کی تحریک پادری جیمس بخیت (Rev James Bakheet) نے دی۔ اس مکالمہ میں ہر دو فریقین کی جانب سے تین تین علماء نے اپنی تحریریں پیش کیں۔ قابل ذکر بات مسلمانوں علماء کا اظہار الحق پر انحصار کرنا ہے۔ ان تحریروں کو ادارۃ العامہ للطبع و الترجمۃ ریاض، مملکت سعودی عرب نے ۱۴۰۷ھ میں افادہ عام کے لئے طبع کر دیا۔

علماء عصر کی آراء:

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ:

"برگزیدہ ممتاز علماء میں مولانا کیرانویؒ کے سوا تقریری مناظرہ و مباحثہ کے سلسلے میں کسی اسلامی عالم کا نام مشکل ہی سے لیا جا سکتا ہے۔" (۴)

سید ابو الحسن علی ندویؒ:

"تیرہویں صدی ہجری میں اس کی شہرت بام عروج پر تھی وہ اپنے فن میں امامت کا درجہ

رکھتے تھے جس کا اعتراف ان کے تمام معاصر علماء کو تھا"۔ (۵)

دوسری فصل : تعلیمی و تدریسی خدمات کے اثرات۔

مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ، مولانا کیرانویؒ کے تعلیمی و تدریسی اثرات کا زندہ ثبوت ہے۔ اس کی علمی شعاعوں نے چاردانگ عالم کو منور کیا ہے یہ نہ صرف مملکت سعودی عرب کی ملی و تہذیبی اور تعلیمی تاریخ کا ایک لازمی باب ہے بلکہ اس کے دوررس اثرات بلاد عرب سے باہر بھی پائے جاتے ہیں۔ مولانا کیرانویؒ کے تلامذہ اور مدرسہ صولتیہ کے فیض یافتگان دنیا کے جس کونے میں بھی گئے ہیں وہاں تعلیم و تدریس کی ایک تحریک برپا کی ہے۔ مدرسہ صولتیہ کے تعلیمی و تدریسی اثرات کا جائزہ ان کتب میں لیا گیا ہے ۔

۱۔ احمد حجازی السقاء، المدرسۃ الصولتیۃ، دورالانصار، قاہرہ ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۲۔ احمد عبد الواسع، عبدالوہاب الاستاذ، التعلیم فی المملکۃ العربیۃ السعودیۃ بین واقع حاضرہ وامانی مستقبلہ، دارالکاتب العربی، بیروت۔

۳۔ عبدالرحمن صالح عبداللہ، تاریخ التعلیم فی المکۃ المکرمۃ، دارالفکر بیروت ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۳ء۔

۴۔ عمر عبدالجبار، دروس من ماضی التعلیم و حاضرہ بالمسجد الحرام، دارالنفیس للطباعۃ، ۱۳۷۹ھ۔

۵۔ عزیز محمد حبیب، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، نشر مکتبۃ الانجلو مصریہ، القاہرہ، ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء۔

۶۔ محمد عبدالرحمن الشامخ، التعلیم فی مکۃ والمدینۃ آخر العہد العثمانی، دارالعلوم مکتبۃ المعہد، الریاض ۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۳ء۔

۷۔ محمد سلیم مولانا، ایک معمار مجاہد، دفتر مدرسہ صولتیہ، پوسٹ بکس نمبر ۱۱۴، مکہ معظمہ۔

۸۔ محمد اسعد، تھانوی الاشرف (کراچی) "صولتیہ نمبر" محرم/صفر ۱۴۱۲ھ جولائی، اگست ۱۹۹۱ء۔

مذکورہ کتب کی روشنی میں مدرسہ صولتیہ کے تعلیمی و تدریسی اثرات کا جائزہ ان عنوانات کے تحت لیا جاتا ہے۔

۱۔ بلادِ عرب کی تمدنی و تہذیبی اور تعلیمی و تدریسی تاریخ میں مدرسہ صولتیہ کا کردار :

یہاں پر مختصراً مدرسہ صولتیہ کے فضلاء، متوسلین اور مستفیدین کی فہرست دی جاتی ہے ان پر ایک نظر ڈالنے سے مدرسہ صولتیہ کی خدمات کے عالمی اثرات کا جائزہ لینا چنداں مشکل نہ ہوگا ۔

۱۔ شیخ احمد بن عبداللہ القاری، مدرس مدرسہ صولتیہ و قاضی مکہ، مدرس مسجد حرم و ممبر مجلس شوریٰ مملکت سعودیہ۔

۲۔ شیخ عبدالحمید حدیدی، سابق قاضی مکہ و ممبر مجلس اوقاف اعلیٰ۔

۳۔ شیخ عبدالغنی، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ و ممبر ہائی کورٹ و مدرس مسجد حرم۔

۴۔ شیخ یحییٰ امان، سابق مدرس مدرسہ فلاح و مسجد حرم و قاضی مکہ و ممبر ہائی کورٹ و قاضی طائف۔

۵۔ شیخ محمد نور کتبی، سابق قاضی مدینہ منورہ و مدرس مسجد حرم۔

۶۔ شیخ احمد ناضرین، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ و مدرسہ فلاح و نائب قاضی مکہ معظمہ۔

۷۔ شیخ سالم شفی، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ و مدرسۃ الفلاح و نائب قاضی مکہ معظمہ۔

۸۔ شیخ حامد قاری، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ و قاضی طائف و قاضی ینبع۔

۹۔ شیخ حسن سعید یمانی، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ و ممبر ہائی کورٹ و قاضی القضاۃ ریاست جازان۔

۱۰۔ شیخ احمد ہرسانی، سابق قاضی محکمہ تعزیرات، درجہ دوم مکہ معظمہ۔

۱۱۔ شیخ سلیمان مراد، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ و قاضی طائف۔

۱۲۔ شیخ محمد مشاط، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ و نائب قاضی مکہ۔

۱۳۔ شیخ عبداللہ عدلوی، مدرس مدرسہ صولتیہ و سابق قاضی طائف۔

۱۴۔ شیخ محمد نور شعشہ، سابق قاضی تبوک و سب رجسٹرار طائف و صدر شعبہ اوقاف شہر زبید و مدرس مدرسہ صولتیہ۔

۱۵۔ سید محمد مرزوقی کتفی، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ و باش کاتب محکمہ شرعیہ و مفتش محاکم شرعیہ مملکت سعودیہ۔

۱۶۔ شیخ عیسیٰ رواس، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ و مسجد حرم و مدرسہ فلاح۔

۱۷۔ شیخ سید احسن اہدل، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ و قاضی محکمہ تعزیرات۔

۱۸۔ شیخ عباس عبدالجبار، مدرس مسجد حرم و مفتش کتب علمیہ۔

۱۹۔ شیخ عثمان احمد بغاق، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ و مسجد حرم۔

۲۰۔ شیخ محی الدین کرتشی ماہر علم فلک مکہ معظمہ۔

۲۱۔ شیخ احمد ابراہیم غزوادی، شاعر دربار جلالۃ الملک عبدالعزیز ابن سعود و ممبر مجلس شوریٰ مملکت سعودیہ و صدر ڈسٹرکٹ بورڈ مکہ مکرمہ۔

۲۲۔ شیخ محمد الصادق، مدیر محکمہ مردم شماری، مملکت سعودیہ۔

۲۳۔ شیخ محمود قاری مدیر کلیۃ شریعت، مکہ معظمہ۔

۲۴۔ شیخ محمود عارف سابق مدرس مدرسہ صولتیہ و مسجد حرم و مدیر مدرسہ عربیہ ریاست سانگور۔

۲۵۔ شیخ احمد منصوری سابق مدرس مدرسہ صولتیہ و مدیر دارالعلوم جاویہ مکہ معظمہ۔

۲۶۔ شیخ سید ہاشم نائب الحرم، مدیر ادارہ مسجد حرم مکہ معظمہ۔

۲۷۔ شیخ محمد عیسیٰ تاشقندی، وکیل عدالت و ممبر میونسپل بورڈ مکہ معظمہ۔

۲۸۔ شیخ جمال منگل، سپرنٹنڈنٹ دفتر وزارت خارجہ مملکت سعودیہ۔

۲۹۔ شیخ حامد میر، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ مدیر مدرسہ ثانویہ طائف۔

۳۰۔ شیخ سید محسن سماوی سابق مدرس مدرسہ صولتیہ و بانی مدرسہ دار العلوم جاویہ مکہ معظمہ۔

۳۱۔ شیخ محمد عبدالکریم سوڈانی، مدیر مدرسہ ثانویہ، مدینہ منورہ۔

۳۲۔ شیخ عبدالرحمٰن الدھان، مدرس مدرسہ صولتیہ و مسجد حرم

۳۳۔ شیخ عبداللہ مغربی سابق مدرس مدرسہ صولتیہ و بانی مدرسہ اسلامیہ فیرا جاوا و مدیر مدرسہ فلاح جدہ و نائب قاضی مکہ معظمہ۔

۳۴۔ مولانا محمد سلیم، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ و ناظم مدرسہ صولتیہ و مشرف عام دار الفائزین و صدر ادارہ حجاج منزل جدہ۔

۳۵۔ شیخ محمد علی الیاس، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ و مدیر شعبہ ابتدائی مدرسہ صولتیہ۔

۳۶۔ شیخ عابد مخدوم، مدرس مدرسہ صولتیہ و نگران شعبہ ثانوی مدرسہ صولتیہ۔

۳۷۔ شیخ ابراہیم یوسف خان، سابق نائب قاضی طائف۔

۳۸۔ شیخ بحر کمال سابق قاضی طائف۔

۳۹۔ شیخ محمد مدنی بہدری، مدیر شعبہ اردو، ادارہ حج مملکت سعودیہ۔

۴۰۔ شیخ زکریا بیلا، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ و مسجد حرم و نگران شعبہ ثانوی مدرسہ صولتیہ۔

۴۱۔ شیخ علی بحر، مدرسہ صولتیہ و بانی مدرسہ اصلاح۔

۴۲۔ شیخ محمد صالح سلیم، وکیل عدالت شرعیہ مکہ معظمہ۔

۴۳۔ شیخ محمد شاہ، مددگار ادارہ بیت المال محکمہ شرعیہ۔

۴۴۔ شیخ عبداللہ آشی، مدیر جمعیت اسعاف (فرسٹ ایڈ سوسائٹی) مملکت سعودیہ۔

۴۵۔ شیخ اسعد مفتی، سابق مدیر دفتر شرکۃ عربیہ للسیارات (عربین موٹر کمپنی) مدینہ منورہ۔

۴۶۔ شیخ سید ابراہیم، فلانی مصنف و ادیب۔

۴۷۔ شیخ سعید محمد آئی یمانی، از علماء یمن۔

۴۸۔ شیخ سید محمد حزام یمانی، سابق مدرس شہر صنعاء یمن۔

۴۹۔ شیخ انعم ناصر یمانی، سابق مدرس مدرسہ فلاح مکہ معظمہ۔

۵۰۔ شیخ محمد ابوبکر ملاں، سابق مدرس مدرسہ اجساء نجد۔

۵۱۔ شیخ عبدالرحمٰن ملاں، سابق مدرس مدرسہ اجساء نجد۔

۵۲۔ شیخ عبداللہ الکوجی، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ و واعظ و خطیب بحرین۔

۵۳۔ شیخ عبداللہ فدا، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ و مہتمم کتب خانہ مسجد حرم مکہ معظمہ۔

۵۴۔ شیخ محمد علی یمانی، مدرس مسجد حرم و حال معلم و اتالیق بعض شاہزادگان۔

۵۵۔ شیخ عبدالرحمٰن مظہر، شیخ المعلمین مکہ معظمہ۔

۵۶۔ مولانا عبدالوہاب دھلوی، مالک فرم حاجی عبدالستار و ممبر مجلس کتب خانہ حرم۔

۵۷۔ حافظ عبدالباری دھلوی، منیجر فرم حاجی عبدالستار، عبدالجبار تاجران مکہ معظمہ۔

۵۸۔ حافظ محمد انعام دھلوی، تاجر مکہ معظمہ۔

۵۹۔ حافظ محمد رفیع دھلوی، تاجر مکہ معظمہ و وکیل ریاست حیدرآباد دکن۔

۶۰۔ شیخ عمر اکبر، نائب شیخ المعلمین مکہ معظمہ۔

۶۱۔ سید ہاشم علی نحاس، سابق نائب مدیر و ایڈیٹر رسالہ منہل، مکہ معظمہ و شعبہ تحریرات وزارت مالیہ مکہ معظمہ۔

۶۲۔ شیخ عبدالخالق رفہ، تاجر جدہ۔

۶۳۔ حافظ ضیاء الدین احمد، سابق معتمد عمومی صدر و فرد دارالعلوم حرم صولتیہ کراچی۔

۶۴۔ شیخ عمران رشادی، سابق چارج ڈی ایفر انڈونیشیاء لگیشن جدہ۔

۶۵۔ سید بکر زولوی، سابق سیکرٹری مجلس میونسپل بورڈ مکہ معظمہ و مدیر شعبہ صنعت۔

۶۶۔ شیخ عبدالقادر الیاس، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ و مدرس مدرسہ عزیزیہ مکہ معظمہ۔

۶۷۔ شیخ عبدالفتاح راوہ، سابق مدرس مدرسہ فیصلیہ مکہ معظمہ۔

۶۸۔ شیخ عبدالقادر کرامت اللہ، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ و مدیر مدرسہ رلاح۔

۶۹۔ شیخ حسن صدیق سندھی، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ و مدرسہ سعودیہ۔

۷۰۔ شیخ محمد محمود ندیم، انسپکٹر روڈز آرگنائزیشن ڈیپارٹمنٹ مملکت سعودیہ۔

۷۱۔ شیخ شمس الدین انڈونیشی، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ و مدرس مدرسہ امراء طائف۔

۷۲۔ شیخ محمد محمود زہری، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ و قاضی القضاۃ ریاست سانگور۔

۷۳۔ شیخ علی عبداللہ بلو، مدرس محکمہ تعلیم مکہ معظمہ۔

۷۴۔ شیخ احمد حسن مشاط، تاجر مکہ معظمہ۔

۷۵۔ مولوی محبوب الرحمٰن کیرانوی سابق استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ و استاذ ادب مدرسہ عالیہ کلکتہ۔

۷۶۔ شیخ خلیل عبدالرحمٰن، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ و مدرس گورنمنٹ سکول ریاض نجد۔

۷۷۔ شیخ محمد علی ملاوی، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ و ادارہ کئی موٹر ورکشاپ مکہ معظمہ۔

۷۸۔ شیخ محمد سعید ابوالخیر، سابق مدیر اوقاف مملکت سعودیہ۔

۷۹۔ شیخ محمد علی بن ترکی، سابق ممبر مجلس شرعی و مدرس مسجد نبوی مدینہ منورہ۔

۸۰۔ شیخ عبدالصمد فداء، تاجر کتب مکہ معظمہ۔

۸۱۔ حکیم محمد نعیم طیب، دارالشفاء منتظم شعبہ اردو ریڈیو سٹیشن مملکت سعودیہ۔

۸۲۔ شیخ زبیر احمد، سابق مدرس مدرسہ صولتیہ و مہتمم مدرسہ دارالعلوم جاویہ و مہتمم مدرسہ عربیہ فلفاس انڈونیشیاء۔

۸۳۔ شیخ راج عثانی، مفتی شر کل جاوا۔

۸۴۔ شیخ عبدالمجید، سابق مہتمم مدرسہ اسلامیہ جمی جاوا۔

۸۵۔ شیخ حسن یحیٰی، سابق مہتمم مدرسہ نورالایمان جاوا۔

۸۶۔ شیخ کمال عبدالصمد بانی مدرسہ نورالایمان جاوا۔

۸۷۔ شیخ محمد علی منصور، سابق صدر مدرس مدرسہ لوربیہ قیرا۔

۸۸۔ شیخ ابوبکر کمرین، سابق مدرس مدرسہ اسلامیہ فلپائن۔

۸۹۔ شیخ محمد مردوقی، سابق مفتی فلپائن۔

۹۰۔ قاری علاؤالدین بانی مدرسہ تجوید کوالا قیرا، جاوا۔

۹۱۔ شیخ زین الدین افیان، بانی مدارس جبھۃ الوطن الدینیہ الاسلامیہ جاوا۔

۹۲۔ شیخ عبدالغنی مواری، سابق نائب قاضی و بانی مدرسہ عربیہ موار، جاوا۔

۹۳۔ عبدالرشید محمد طیب، سابق مہتمم مدرسہ فولو، جاوا۔

۹۴۔ شیخ محمود میدان، سابق بانی مدرسہ مصطفویہ، قدرجہ۔

۹۵۔ شیخ عبدالحلیم، سابق خطیب مہتمم مدرسہ اسلامیہ ساٹرا۔

۹۶۔ تاج الدین سکی، سابق مدرس مدرسہ اسلامیہ ساٹرا۔

۹۷۔ عبدالصمد صالح، سابق مہتمم مدرسہ عربیہ پانگ۔

۹۸۔ خلیل عبدالجبار، سابق چیف اکاؤنٹنٹ وزارت مالیہ مملکت سعودیہ۔

۹۹۔ شیخ عباس قطان، سابق چیئرمین مکہ معظمہ۔

۱۰۰۔ شیخ سلیمان جنیدی، مجلس علماء انڈونیشیاء۔ (۱)

۲۔ بلادِ عرب کے اہل علم کے تاثرات و مشاہدات۔

مدرسہ صولتیہ کی تعلیمی و تدریسی اہمیت کو نہ صرف وزارت المعارف، حکومت سعودیہ عربیہ نے تسلیم کیا ہے۔(۷) بلکہ جامعۃ الازھر (مصر) نے بھی بعض شعبوں میں مدرسہ کی اسناد کو قابل قبول تصور کیا ہے۔(۸) اس اعتراف کے ساتھ یہاں پر ان عرب دانشوروں کے تاثرات کا مختصر جائزہ لینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جنہوں نے مدرسہ صولتیہ کی تعلیمی، تدریسی اور تربیتی اثرات کو مستحسن نظروں سے دیکھا ہے۔

ڈاکٹر، شیخ عوض اللہ جاد حجازی (عمید کلیۃ اصول مصر، جامعۃ الازہر):

"۔ بل حاول انشاء مدرسة علمية منهجية في مكة المكرمة تدرس فيها العلوم على النظام التعليمي التربوي بدلا من التدريس العام في المسجد الحرام، فانشاء (المدرسة الصولتيه) التي يورخ لها الكتاب وهي مدرسة تعليمية تقوم على تدريس العلوم الدينية والعربية النافعة للطلاب وكانت من اول المدارس التي انشئت في مكة بلدالله الحرام"(۹)

۲۔ ڈاکٹر شیخ برکات عبدالفتاح دویدار (عمید کلیۃ الدعوۃ الاسلامیہ جامعۃ الازھر)۔

"اطلعت على خطتهما الدراسية فوجد ت فيها ذالك الارتباط الوثيق بالمنهج الاسلامي و ليس هذا رائي وحدى بل رائي من التقيت بهم في كبار علماء الأزهر".(۱۰)

۳۔ شیخ محمود مصطفیٰ بدوی (عمید معہد شربین الدینی الثانوی مصر)۔

"وأى اثر اعظم من المدرسة الصولتيه التي اسسها الشيخ رحمت الله لتدريس العلوم الشرعية واللغة والادب؟ أى اثر اعظم من هذه المدرسة التي انجبت ساسة الدول ومعلمي الأمم وهداة الناس ؟ أى اثر اعظم من هذه المدرسة التي نورت ام القرى ومن حولها في زمن عرفية النور على اصل النور؟ انها مدرسة عظيمة رائعة يجب ان تتحول الى جامعه، ويجب ان تمتد فروعها الى اقصى الأرض، ويجب على ولاة امور المسلمين في كل مكان، ويجب على العلماء والشعراء والأدباء والكتاب، ويجب على الموسرين، يجب على هولاء جميعا

ان يمدوايدالعون المادى والأدبى للمدرسة الصولتيه لتظل قائمة برسالتها السامة الى الأبد". (۱۱)

۴۔ڈاکٹر احمد حجازی السقا (کلیۃ اصول الدین جامعۃ الازھر):

".. ويؤدى الى تطور الوعى، ظهوررجال الوباء، ذوى دعامة بادية،تفعل فعلهافى النفوس بماتنطوى عليه جوانحها من ايمان واخلاص، وما يحمل قلبها الكبيرفى حنو على البشرية، والتخفيف من ويلاتها، ويتمثل هولاء الرجال فى كبار المصلحين الذين حملوا راية الدفاع عن حقوق الانسان المهدرة، و كثيراماينؤدون من السفهاء، ولكن اشعاع ايمانهم انار لهم الطريق وخطف ابصار المرجفين فادعوتهم تنتشر، و اذا الوعى يتقدم بفضل ايمانهم و شدت اخلاص و مضاء عزيمتهم... ". (۱۲)

۵۔ڈاکٹر محمد احمد عبدالقادر خلیل ملکاوی (کلیۃ التربیۃ، جامعۃ الملک سعود، ریاض):

"وقدزارالملك عبدالعزيز آل سعود رحمه الله هذه المدرسة فى ١٣٤٤/٦/٢٨ھ، وتفقد فصولها ومبانيها، وأثنى على القائمين عليها ومازالت هذه المدرسة قائمة بدورهاالعلمى فى مكة إلى الآن" (۱۳)

۶۔مملکت سعودیہ عربیہ کی تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ مدرسہ صولتیہ سے قبل ۱۸۷۴ء تک کوئی اور دینی مدرسہ موجود نہ تھا اس وجہ سے بھی مدرسہ صولتیہ کو اولیت کا شرف حاصل ہے جس کا اعتراف عرب کے مشہور مورخ وصحافی نے یوں کیا ہے

"لم يكن غريبا ان يكون هذا حال الصحافة فى بلاد لم يكن فيها مدارس التعليم سوى مدرسة واحد للحكومة يتلقى التلاميذ فيها قسومراًس المعلومات الاولية باللغة التركية وسوى مدرسة اهلية دينية هى المدرسة الصولتية". (۱۴)

۳۔برصغیر پاک وہند میں علم تجوید وقرأت کے فروغ میں مدرسہ صولتیہ کا کردار:

مدرسہ صولتیہ کے شعبہ تجوید وقرأت کے غیر معمولی اثرات کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تجوید وقرأت کی تعلیم اور مشق مدرسہ کے صدر شعبہ تجوید قاری عبداللہ تلمیذ قاری محمد ابراہیم سعد بن علی

مصری سے کی، صرف یہی نہیں بلکہ مہتمم مدرسہ صولتیہ مولانا محمد سعیدؒ کی فرمائش پر تجوید القرآن پر ایک رسالہ بھی تحریر کیا۔[15]

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے دور میں ہندوستان میں علم تجوید و قرات پر بہت کم توجہ دی جاتی تھی اور یہ فن برائے نام تھا یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے طول و عرض میں جہاں کہیں فن تجوید کا سلسلہ اور قرآت سبعہ کا چرچا دکھائی دیتا ہے یہ یقیناً بالواسطہ بلاواسطہ مدرسہ صولتیہ کا فیض ہے۔ مدرسہ صولتیہ کے تعلیم یافتہ فاضلین جنہوں نے برصغیر پاک و ہند میں تجوید و قرآت کی ترقی و تعلیم میں خاص حصہ لیا ان میں خصوصیت کے ساتھ قراء ذیل قابل ذکر ہیں

۱۔ مولوی قاری محمد سلیمان بھوپال۔

۲۔ قاری سید حسن، دجانہ ضلع رہتک۔

۳۔ قاری عبدالرحمٰن، احیاء العلوم الہ آباد۔[16]

۴۔ قاری عبدالخالق، مدرسہ تجوید القرآن سہارنپور۔

۵۔ قاری ابراہیم رشید، خطیب مکہ مسجد حیدر آباد۔

۶۔ قاری عبدالوحید خان، استاذ شعبہ تجوید دار العلوم دیوبند۔

۷۔ قاری عبدالمالک، مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ۔

۸۔ قاری فیض عالم، گوگڑا، راولپنڈی۔

۹۔ قاری محمود یار، بھوپال۔

۱۰۔ قاری مطیع اللہ، ملتان۔

۱۱۔ قاری میراں شاہ، معلم دار العلوم ندوہ لکھنؤ۔

۱۲۔ مولانا قاری ضیاء الدین، مہتمم مدرسہ باقیات الصالحات مدراس۔

۱۳۔ قاری حمید الدین، بانی مدرسہ تجوید، سنبھل ضلع مراد آباد۔

۱۴۔ قاری سید مرتضٰی حسینی، بمبئی۔[17]

۴۔ مدرسہ صولتیہ کے آفاقی کردار کے بارے میں برصغیر پاک و ہند کے علماء کے تاثرات و آراء :

مولانا محمد سلیمؒ کے الفاظ میں وہ بزرگ اور صلحائے امت جن کی جلوت اپنے ماحول میں آفاقی شعاؤں سے کم نہیں اور جو خلوت کی فضاؤں میں میر کارواں ہیں۔ ان پاک دل پاک نظر اور پاک سیرت اور اصحاب سابق دھاں نے مدرسہ صولتیہ کے علمی، عملی ماحول اور افادیت و اہمیت کے بارے میں جو کچھ فرمایا ان کے محسوسات و مشاہدات یہاں قلمبند کئے جاتے ہیں۔

ا۔ حکیم الامت، مولانا اشرف علی تھانویؒ :

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے علم تجوید و قرات میں خود بھی مدرسہ سے استفادہ کیا ہے اور ایک طویل عرصہ تک یہاں مقیم رہے۔ مدرسہ کے بارے میں رقمطراز ہیں :

"احقر ۱۳۱۱ھ (۱۸۹۴ء) ماہ شعبان میں بتوفیق ایزدی مکہ معظمہ حاضر ہوا اور کئی ماہ تک مقیم رہا اس مدت میں باستثناء جمعہ شاذ و نادر ہی کوئی دن ایسا ہو گا کہ اس مدرسہ صولتیہ ما کردہ حضرت مولانا رحمت اللہ رحمہ واسعۃ میں بالالتزام حاضر نہ ہوتا ہوں کیونکہ احقر بھی دس سال سے جامع العلوم کانپور میں طلباء کا خادم ہے۔۔۔ اپنی ذاتی معرفت سے جہاں تک اس مدرسہ کے حالات کو میں نے بنظر غائر دیکھا اور بعض امتحانی جلسوں میں شریک ہوا ہیں بہت وثوق سے کہتا ہوں کہ اس مدرسہ کا ہونا مکہ معظمہ میں اہل ہند کے حق میں اشد ضروریات میں سے ہے۔۔۔"

یا خدا ایں مدرسہ قائم بدار
فیض او جاری بود لیل و نہار (۱۸)

۲۔ سید محمد علی مونگیریؒ (بانی ندوۃ العلماء لکھنوء) :

"مدرسہ کی خوش نصیبی اور مولانا مرحومؒ کی نیک نیتی کا ایک ثمرہ یہ ہے کہ اس کے تمام مدرسین اور طلباء اس وقت کی آفتوں سے علیحدہ ہیں ان کے خیال میں افراط و تفریط ہے اور نہ جدال و نزاع کا انہیں شوق ہے اور نہ کسی مسلمان کی تکفیر و تفسیق کا انہیں خیال ہے۔ الحمد اللہ اس نازک اور پر فتنہ وقت میں اس بلاء سے بچنا خدا کا بڑا فضل ہے جو اس مدرسہ پر ہے چونکہ مولانا مرحوم اسی خیال کے تھے تمام عمر ان کا قلم کفار کے مقابلہ میں اظہان کی زبان دشمن اسلام ہی کے مقابلہ میں جوش زن رہی جس کی ضرورت اس وقت ملک کو بہت زیادہ ہے اور غالباً تمام دنیا اور بالخصوص علمائے ہند بالکل ساکت ہیں۔ یہ مدرسہ کی عالی ہمم کے باقیات و صالحات میں شمار کیا جاتا ہے۔۔۔ واللہ موفق المعین ۱۳۱۸ھ (۱۹۰۱ء)۔ (۱۹)

۳۔ مولانا عبدالرحیمؒ مدرسہ باقیات الصالحات، ویلور مدراس :

"احقر اس سال بغرض زیارت حرمین شریفین وارد ہوا مقامات متبرکہ کی زیارت سے مشرف

ہوا منجملہ ان کے مدرسہ صولتیہ کے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔۔۔اس مدرسہ میں ہمارے جد امجد شمس العلماء مولانا عبدالوھاب بانی مدرسہ باقیات الصالحات ویلوری نے بھی اور ان کے صاحبزادے مولانا ضیاء الدین مہتمم باقیات الصالحات ویلوری نے تعلیم حاصل کی اور حضرت مولانا کیرانویؒ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ گویا ہمارا مدرسہ باقیات الصالحات واقع ویلور (مدراس) اس مدرسہ کی شاخ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ مدرسہ صولتیہ کو روزبروز دن دگنی ترقی نصیب فرمائے آمین، ۱۳۷۴ھ (۱۹۵۵ء)۔[۲۰]

۴۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ:

"جسے میری طرح تاریخ ہند کے آخری دور سے دلچسپی ہوگی وہ مکہ معظمہ کے مدرسہ صولتیہ سے ناواقف نہیں رہ سکتا اور مجھے تو دیوبند میں تعلیم پانے کے زمانے سے اس مقدس تحریک سے متعلق واقفیت حاصل کرنے کے بہترین مواقع میسر آئے پانچ سال ہونے کو آئے کہ میں بفضلہ تعالیٰ مکہ معظمہ میں مقیم ہوں۔ اس عرصہ میں اگرچہ منتظمین کی مہربانی سے بہت سے حالات سے واقف ہو تا رہا۔

میں نے اپنی عمر کا کافی حصہ اس قسم کے مدارس کی خدمت میں صرف کیا ہے میں اس اقتصادی مدوجزر سے ناواقف نہیں جس میں تمام دنیا کے مسلمان مبتلا ہیں اور پھر اس کا مجموعی اثر یہاں ظاہر ہوتا ہے اس صورت میں اس تاریخی یادگار کو اتنے عرصے تک جاری رکھنا ہی ہزاروں کاموں کا ایک کام ہے اور پھر اس کے ساتھ ایک عالی شان نئی عمارت اور ایک اچھا کتب خانہ بھی سرمایہ میں اضافہ کر رہا ہے۔[۲۱]

۵۔ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ:

"مجھ کو ۱۳۱۶ھ (۱۸۹۷ء) سے مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ سے واقفیت ہے بارہا مجھ کو وہاں حاضری اور تعلیمات وغیرہ کے دیکھنے اور سالانہ جلسوں میں شرکت کی نوبت آئی ہے اس زمانے سے بلکہ اس سے پہلے سے آج تک مکہ معظمہ میں منظم طریقہ پر اگر تعلیم ہوتی ہے تو وہ صرف مدرسہ صولتیہ ہی میں ہوتی ہے کارکنان مدرسہ ہمیشہ بہ خدمت علوم عربیہ کی انجام دے رہے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو کامیابی اور مدرسہ کو عظیم الشان ترقی عطا فرمائے اور

اہل خیر کو اعانت کی دائمی توفیق نصیب ہو۔ ۱۳۵۹ھ (۱۹۴۰ء)"۔ (۴۲)

۶۔ مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ :

"حرم کا مدرسہ صولتیہ جسکی چمک دمک اور وہاں کی خوبیاں خود میری مشاہدہ کی ہوئی ہیں ہمارے بزرگوں کی بڑی قابل قدر یادگار ہے اللہ رب العالمین اس کی نصرت اور زمانہ کے فتنوں سے حفاظت فرمائے۔ امین ۱۳۶۰ھ (۱۹۴۱ء)"۔ (۴۳)

۷۔ مولانا سید محمد عمیم الاحسان مجددیؒ :

"بلد امین میں مدرسہ صولتیہ ایک نہایت کامیاب درس گاہ تقریباً ۶۸ سال سے تشنگان علم کو سیراب کر رہی ہے ہندی علماء اور بزرگوں نے اس کی بنیاد ڈالی ہے اور اب تک ہندوپاک ہی کی امداد اس کے مصارف کی کفالت کر رہی ہے اس حیثیت سے مسلمانان ہند کی اسلامی حمیت کی یہ زندہ مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ہمیشہ قائم دائم رکھے ۔ ۱۳۶۰ھ (۱۹۴۱ء)"۔ (۴۴)

۸۔ الحاج سید شاہ غلام محی الدینؒ سجادہ نشین گولڑہ شریف :

"مجھے مدرسہ صولتیہ کے معائنہ کا موقع ملا سب عمارتوں کو دیکھا انتظام بہت اچھا تھا کام خوب ہو رہا ہے در حقیقت حضرت مولانا رحمت اللہ مرحوم کی روحانیت کام کر رہی ہے اس لئے یہ مدرسہ مبارکہ آفات سے ان شاء اللہ محفوظ رہے گا۔ ۱۳۶۳ھ (۱۹۴۴ء)"۔ (۴۵)

۹۔ مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ :

"احقر عبدالقادر رائے حج بیت اللہ حاضر ہوا حضرت مولانا محمد سلیم مدظلہ سے ملنا ہوا اور مدرسہ میں قیام بھی ہوا مدت سے حضرت مولانا اور مدرسہ کی تعریف سنتا تھا ایسے اخلاق سے پیش آئے کہ جس کی تعریف نہیں کر سکتا میں انکے اخلاق کریمانہ سے شرمندہ ہوں۔

مدرسہ چونکہ مدت سے ہمارے مخدوم و معظم حضرت مولانا کا جاری کیا ہوا ہے اور بڑے بڑے لوگ مستفید ہو کر یہاں سے اپنے اپنے ملکوں کو تشریف لے گئے۔ جن میں ہمارے بزرگ بھی شامل ہیں اس مدرسہ سے بہت ہی نفع ہوا۔ مکہ معظمہ میں مدرسہ صولتیہ ہمارے بزرگوں کی یادگار ہے جو دین کی خدمت انجام دے رہا ہے۔ میری دعا ہے کہ

مدرسہ صولتیہ ہمیشہ اپنے مقاصد میں کامیاب رہے اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس کی ترقی کی طرف متوجہ فرمائے ۱۳۶۹ھ (۱۹۵۰ء)"۔ (۲۵)

۱۰۔ مولانا سید منت اللہ رحمانی:

"حق تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے بیت اللہ کی حاضری کا دوبارہ شرف عطا کیا اور یہ بھی اس کی عنایت ہے کہ مدرسہ صولتیہ میں حاضری کا موقع دیا یہ مدرسہ ہمارے اسلاف اور عمائدین کی نہایت قیمتی یادگار ہے اور عالم اسلام کے قلب مکہ معظمہ میں دین کی اشاعت کا اہم قومی ذریعہ ہے اور حضرت مولانا سلیم صاحب کی نظامت میں بہترین خدمات سر انجام دے رہا ہے۔ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ دین اور علم کے اس مرکز کو ہمیشہ باقی رکھے۔ ۱۳۸۴ھ (۱۹۶۵ء)"۔ (۲۶)

۱۱۔ مولانا قاری محمد طیبؒ، مہتمم دارالعلوم دیوبند:

"احقر کو الحمد اللہ آٹھ نو بار حرم خداوندی کی حاضری اور زیارت نصیب ہوئی، حرم محترم کی زیارت کے بعد بلد امین میں جس متبرک مقام کی حاضری جذب و شوق کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ہوتی رہی وہ دارالعلوم حرم مدرسہ صولتیہ ہے جو حضرت اقدس مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی علمی و عملی یادگار ہے حضرت ممدوح قدس سرہ، نے منفی پہلو میں اگر رد و نصاریٰ کی ایک ممتاز مثال قائم کی تو مثبت پہلو میں مدرسہ صولتیہ ان کی ایک یادگار مثال ہے جس میں آج بھی تین سو سے زائد طلباء علوم نبویہ حاصل کر رہے ہیں اور کتنے ہی فضلاء علم کی روشنی لے کر حجاز و اطراف میں پھیلے جس سے یہ روشنی عام ہوئی مجھے خود بھی اس جہت سے مدرسہ صولتیہ سے تلمذ کا شرف حاصل ہے کہ میرے علم تجوید و قرات کے استاذ حضرت مولانا قاری عبدالوحید مدرسہ صولتیہ میں قاری عبداللہ کے شاگرد ہیں۔ قاری عبدالوحید دار العلوم دیوبند میں شیخ القراء کی حیثیت سے اس فن کی خدمت کی ۱۳۸۳ھ (۱۹۶۴ء)"۔ (۲۷)

۱۲۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ:

"مدرسہ صولتیہ تقریباً نوے سال سے بلدہ طاہرہ مکہ مکرمہ زادھا اللہ شرفاً، میں حضرت

اقدس، جامع شریعت وطریقت، مولانا کیرانوی نور اللہ مرقدہ، نے قائم فرمایا اور آپ کے وصال کے بعد شیخ الشیوخ حضرت اقدس حاجی امداد اللہ نور اللہ مرقدہ، کی سرپرستی کا شرف بھی اس مدرسہ کو حاصل رہا ہے۔ اس ناکارہ کو اس سے قبل دو مرتبہ، حضرت اقدس مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ، کی معیت میں مکہ مکرمہ کی حاضری پر متعدد مرتبہ اس یادگار اکابر کی زیارت کا فخر حاصل ہوا جبکہ یہ مدرسہ صولتیہ حضرت بانی نور اللہ کے برادر زادہ مولانا محمد سعید کے اہتمام میں روز افزوں ترقی پر تھا چونکہ ان دونوں مرتبہ قیام حرم شریف کے متصل مکان میں تھا اس لئے وقتاً فوقتاً مدرسہ میں حاضری کی نوبت آتی تھی اور مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں شرکت کی نوبت بھی آئی۔

یہ مدرسہ اسلاف کے طرز تعلیم کو موجودہ زمانہ کی روش کے خلاف انتہائی جدوجہد سے باقی رکھنے کی کوشش کر رہا ہے حق تعالیٰ مولانا سلیم کی سعی جمیل مشکور فرمائے ۱۳۸۴ھ (۱۹۶۵ء)"۔(۲۸)

۱۳۔ مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ:

"مدرسہ صولتیہ میں حج وعمرہ کے ذیل میں بار بار قیام رہا آخری مرتبہ کتب حدیث وتفسیر کے ختم میں شرکت بھی ہوئی حق تعالیٰ شانہ اہل مدرسہ کو بہت جزائے خیر عطا فرمائے کہ علومِ نبویہ کو اسلاف کے طرز پر چلانے میں زمانے کی ہوا کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں اور باوجود انتہائی مشکلات کے اس کے فروغ کی صورتوں کی محنت میں مشغول ہیں ۱۳۸۴ھ (۱۹۶۵ء)"۔(۲۹)

۱۴۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ:

"۔۔۔ مولانا کیرانویؒ نے تعلیم الکتاب والحکمۃ کے لیے سرزمین حرم پر مدرسہ صولتیہ کے نام سے ایک درسگاہ قائم کی جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے سرزمین حرم میں پہلی درسگاہ ہے الحمد اللہ یہ سعادت ہمارے ایک عالم ربانی کے حصے میں آئی جس نے سرزمین پاک میں ایسا ادارہ قائم کیا جس سے بے شمار علماء دین پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس چشمہ علم و حکمت کو سرزمین حرم میں چشمہ زمزم کا نمونہ بنائے، آمین۔ ۱۳۸۴ھ (۱۹۶۵ء)"۔(۳۰)

۱۵۔ مولانا غلام اللہ خانؒ :

"اللہ تعالیٰ نے اپنے برکات کے جو سر چشمے مکہ مکرمہ میں جاری کئے ہیں ان میں ایک مدرسہ صولتیہ بھی ہے، ہندوستان اور پاکستان میں جس قدر قراء تجوید القرآن کا کام کر رہے ہیں وہ بلاواسطہ یا بالواسطہ سب اسی مدرسہ سے فیض یاب ہوئے اس پر مدرسہ صولتیہ جس قدر ناز کرے اس میں وہ حق بجانب ہے ۱۳۸۵ھ (۱۹۶۶ء)"۔ (۳۱)

۱۶۔ مولانا مفتی محمد شفیعؒ :

"بلد امین (مکہ مکرمہ) کا یہ معہد مبارک جس کا نام 'مدرسہ صولتیہ' ہے اس کا ذکر اپنے اکابر سے بچپن سے سنتے آئے تھے اس کے بانی حضرت مولانا کیرانویؒ ان ہی چند بقیہ السلف اکابرین میں سے تھے جنہوں نے انقلاب ہند ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کے مغلوب و مقہور ہونے کا احساس فرما کر دین اور علم دین سلف کے طرز پر باقی رکھنے کے منصوبے مختلف ممالک اور شہروں میں بنائے حضرت مولانا کیرانوی کو حق تعالیٰ نے اس ارضِ مقدس کے لئے منتخب فرمایا تھا انہوں نے یہ مرکز علوم قائم کیا۔"

مدارس اسلامی عربی کی تو آج بھی قلت کے باوجود اتنی قلت نہیں مگر ایک چیز جو اس مدرسہ کی خصوصیت مثل دار العلوم دیوبند وغیرہ کے ہے وہ خاص طور پر قابل شکر ہے کہ تجدد کے اس طوفانی دور میں جب کہ بہت سے مدارس اسلامیہ اور مراکز تعلیم دین اس رو میں بہہ گئے وہ مختل ہو گئے یہ مدرسہ اپنے بانی سے لے کر اس کے موجودہ مدیر و ناظم مولانا سلیم تک محمد اللہ اپنے قدیم روایات کا دیا جلائے ہوئے ہیں۔ آندھیاں آتی ہیں اور چلی جاتی ہیں مگر یہ دیا ٹمٹاتا ہی رہتا ہے شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے چراغوں میں کوئی تیل نہیں جلتا بلکہ 'خون جگر' جلتا ہے جب تک یہ خون جگر دینے والی ہستیاں موجود ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ یہ روشن رہے گا اللہ تعالیٰ اس یادگار سلف کے لیے خیر خلف کا ظہور فرماتے رہیں۔

وما ذالك على الله بعزيز ۱۳۸۶ھ (۱۹۶۷ء)"۔ (۳۲)

۱۷۔ خواجہ حسن ثانی نظامیؒ :

"مکہ معظمہ کے قدیم مدرسہ صولتیہ میں مخلص قدیم مولانا سلیم سے ملاقات ہوئی دیکھتے ہی

گلے لگالیا اور ایسا محبت کا رتاؤ فرمایا جیسے ان کا کوئی عزیز بہت دن بعد ملا ہو حالانکہ میری ان سے زندگی میں یہ پہلی ملاقات تھی والد صاحب سے البتہ ان کے قدیم مراسم رہے اور اسی بنا پر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا مدرسہ میں حاجیوں کا ہجوم تھا بہت سے لوگ ٹھہرے ہوئے تھے اور جو ٹھہرے ہوئے نہیں تھے وہ بھی اپنی اپنی ضرورتوں سے مولانا سلیم کے پاس آرہے تھے وہ کسی کا روپیہ امانت رکھتے، کسی کی امانت واپس کرتے، ٹیلی فون پر کسی کی سیٹ ریزرو کرواتے، کسی بیمار کے لئے علاج کا بندوبست کرتے اور اسی کے درمیان مجھ سے مخاطب ہو کر اردو محاوروں کے پھول برساتے۔۔۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سلیم اور ان کے صاحبزادے مولانا شمیم کی زندگی کے دو محور ہیں اور انہی پر انکی زندگی گھومتی ہے ایک دینی تعلیم وتربیت اور دوسرے حاجیوں اور اللہ کے مہمانوں کی خدمت۔

مدرسہ کی لائبریری دیکھ کر دنگ رہ گیا بڑی شاندار اور منظم لائبریری ہے تقریباً پچیس ہزار عربی کتابیں ہیں انکی ایک بڑی تاریخی حیثیت یہ ہے کہ ان کتابوں میں حضرت امداد اللہ مہاجر مکی کا ذاتی کتب خانہ بھی ہے۔۔۔سب کتابیں اچھی حالت میں ہیں۔۔۔۔ ۱۳۸۷ھ (۱۹۶۷ء)"۔(۳۳)

۱۸۔ مولانا خواجہ خان محمد خانقاہ (کندیاں شریف)

"مدرسہ صولتیہ کو قائم ہوئے ایک سو سال ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل عمیم سے اس مدرسہ کو آئندہ بھی دیر تک جاری وساری رکھے اور ہر قسم کی فکر و مشکلات سے محفوظ و مامون رکھے، آمین۔ ۱۳۹۰ھ (۱۹۷۰ء)"۔(۳۴)

۱۹۔ مولانا شاہ محمد ہاشم جان مجددیؒ:

"بندہ عاجز محمد ہاشم مجددی کو حضرت مولانا سلیم مدظلہ سے نیازمندی کی نسبت ہے میرے والد ماجد حضرت شاہ حسن مجددی قدس سرہ نے حضرت مولانا کیرانویؒ سے اسی مدرسہ میں تعلیم پائی ہے وہ حضرت قبلہ مولانا کی تعریف میں رطب اللسان رہتے تھے ان کے خلوص، تبحر علمی اور سادگی کے اکثر واقعات بیان فرماتے تھے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس مرکز فیض کو دائم و قائم رکھے، آمین۔ ۱۳۹۱ھ (۱۹۷۱ء)"۔(۳۵)

۲۰۔ مولانا محمد انعام الحسن کاندھلویؒ:

"بندہ محمد انعام الحسن کاندھلویؒ کو بار بار اللہ کے فضل و کرم سے حرمین مبارکین کی حاضری نصیب ہوتی رہی ہے۔۔۔ اور ہمیشہ ہی مدرسہ میں حاضری رہی۔ پہلی دو مرتبہ کے علاوہ ہر مرتبہ مدرسہ ہی میں قیام رہا اور ہر مرتبہ مدرسہ کے اسباق کے اختتام یا افتتاح کتب کی سعادت سے بہرہ یاب ہوتا رہا۔ الحمد اللہ مدرسہ صولتیہ جو اپنے اسلاف کا قائم کردہ ہے اسلاف کے نہج کو قائم رکھنے میں کوشاں ہے اللہ تعالیٰ اس کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائیں۔۔۔ آمین۔ ۱۳۹۲ھ (۱۹۷۲ء)"۔ (۳۶)

۲۱۔ مولانا محمد احتشام الحق تھانویؒ:

"حرم کعبہ کی سرزمین جس کا ذرہ ذرہ تاریخی اور بابرکت ہے اس پر ہندوستان کے حق پرست، حق گو، مجاہد اعظم اور فاتح نصرانیت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ قدس سرہ العزیز کی وہ علمی اور دینی یادگار بھی ہے جو مدرسہ صولتیہ کے نام سے ایک صدی سے قائم ہے۔

دار العلوم دیوبند اور مدرسۃ صولتیہ مکہ مکرمہ تقریباً ایک ہی زمانے میں اور ایک ہی جذبے اور مقصد کے، یہ دونوں علمی و دینی درس گاہیں قائم ہوئیں اور کم و بیش دونوں درس گاہوں کو قبول عام اور مرکزیت حاصل ہوئی بلکہ شیخ العرب والعجم حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی جو طویل، روحانی سرپرستی اور انکے سلسلہ فیض سے وابستہ اکابر علماء و مشائخ عظام کے قیام کا جو شرف مدرسہ صولتیہ کو حاصل رہا ہے وہ کسی درس گاہ کو حاصل نہیں ہو تو وہ اس طرح کہ بانی مدرسہ کی رحلت کے بعد حضرت حاجی صاحب وفات تک آٹھ سال مدرسہ کے سرپرست رہے۔

میں خانوادہ رحمت کا ایک ادنیٰ خادم ہوں اور مجھے مولانا محمد سلیم مدیر مدرسہ صولتیہ اور ان کے والد مولانا محمد سعیدؒ دونوں سے اپنے وطن سے نیاز مندی کا تعلق ہے یہ حضرات ہمارے خاندانی اور روحانی بزرگ ہیں اللہ تعالیٰ ان کا سایہ ہمیشہ قائم رکھے، امین۔ اس مرتبہ از راہ شفقت مولانا سلیم نے مدرسہ صولتیہ میں اردو درجہ کا افتتاح میرے ہاتھ سے کرایا جو میرے لئے بڑی سعادت ہے ۱۳۹۳ھ (۱۹۷۳ء)"۔ (۳۷)

۲۲۔ مولانا مفتی محمودؒ:

"۔۔۔اس صد سالہ قدیم درس گاہ کے مہتمم و مدرسین سے ملاقات میں معلوم ہوا کہ تقریباً چھ سو طلباء درس نظامی کے اور تقریباً بیس استاد مصروف تعلیم و تعلم ہیں۔۔۔اہل مدرسہ کی محبت اور خواہش پر دوشنبہ، ۲۶ جمادی الاول کو مدرسہ میں الحمد اللہ دوبار درس بخاری شریف پڑھانے کی سعادت حاصل ہوئی جس میں اہل مدرسہ اور مکہ معظمہ میں مقیم سینکڑوں پاکستانی بھائیوں نے شرکت کی اللہ تعالیٰ اس مدرسہ کو دین کی خدمات کی بیش از بیش توفیق بخشے ۱۳۹۹ھ (۱۹۷۹ء)"۔(۳۸)

۲۳۔ عارف باللہ، ڈاکٹر عبدالحیٔ فاروقی، تھانویؒ:

"مکۃ المبارک جو عالم کے لیے مرکز رشد و ہدایت ہے اس کی تجلیات کے زیر سایہ دارالعلوم مدرسہ صولتیہ تعلیم دین، تبلیغ دین اور حفاظت دین کی خدمات ایک صدی سے زائد مدت سے نہایت حسن و خوبی سے انجام دے رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مدرسہ کو عالم اسلام میں ایک ممتاز و منفرد درجہ عطا فرمایا ہے دینی و درسی تعلیمات کے علاوہ یہ ادارہ حجاج کرام کی ہر نوعیت کی راحت رسانی کی بھی خدمت بڑے حوصلہ کے ساتھ کر رہا ہے مہمان نوازی اور ہر طرح کی رہنمائی میں خصوصیت کے ساتھ اپنی خدمات پیش کرتا ہے ۱۳۹۹ھ (۱۹۷۵ء)"۔(۳۹)

۲۴۔ ڈاکٹر سید عبدالقادر آزاد:

"مجھے قدوۃ العارفین، زبدۃ الکاملین، فاتح عیسائیت، مبلغ اسلام، حضرت مولانا کیرانویؒ بانی مدرسہ صولتیہ سے روحانی تعلق حد سے زیادہ تھا اور ان شاء اللہ رہے گا کیونکہ اس نسبت سے مجھے فائدہ ہوا ہے اور الحمد اللہ اب تک چودہ ہزار کے قریب عیسائی میرے ہاتھ پر مسلمان ہو چکے ہیں جن میں جرمنی و امریکہ کے دو بڑے ذی علم اور دانشور محققین بھی ہیں حضرت مولانا کیرانویؒ سے یہ تعلق مجھے ۱۹۷۵ء میں مدرسہ صولتیہ لے گیا یہ مدرسہ نام کے اعتبار سے بھی صولتیہ ہے اور حقیقت کے اعتبار سے بھی سبب ہے اسلام کی صولت و شوکت کا۔ ختم بخاری کے مقدس و بابرکت اجتماع میں شرکت ہوئی جہاں دنیا بھر کے مشائخ

وعلماء اس دن اس پاک محفل میں تشریف فرماتے اس مجلس سے ہر شخص بے پناہ دین اسلام
کی محبت لے کر اٹھا اور میرے دل سے بے ساختہ حضرت مولانا کیرانوی کے لئے دعا نکلی۔
۔۔۔۔مدرسہ صولتیہ نے صرف حجاز مقدس ہی کو علماء فراہم نہیں کئے بلکہ براعظم
افریقہ، یورپ، ایشیاء اور بلاد اسلامیہ کا وہ کون سے خطہ ہے جہاں مدرسہ صولتیہ کے فارغ
التحصیل علماء نے اسلام کی آواز تدریس یا تعلیم یا تبلیغ کی شکل میں نہ پہنچائی ہو۔ اللہ تعالی سے
دعا ہے کہ وہ مجدد تبلیغ و مناظر مولانا کیرانوی کے اس مشن کو مل جل کر چلانے کی ہمت و
توفیق ہم سب کو عطا فرمائے، امین۔ ۱۳۹۹ھ (۱۹۷۹ء)"۔[۴۰]

فصل سوم : تصنیفی و تالیفی خدمات کے اثرات۔

اس فصل میں مولانا کیرانوی کی تصنیف و تالیف کے اثرات کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں کتابوں کے تراجم
، طباعتیں اور حواشی و تعلیقات وغیرہ کے سلسلے میں جو کام ہوا ہے یا ہو رہا ہے اس کا اختصار اجائزہ پیش کیا جاتا ہے مذکورہ فصل کو دو
حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

حصہ اول : ازالۃ الاوہام، اور اعجاز عیسوی (تراجم و تحقیق و حواشی)۔

حصہ دوم : اظہار الحق (طباعتیں، تراجم، مقبولیت)۔

حصہ اول : ازالۃ الاوہام، اور اعجاز عیسوی (تراجم و تحقیق و حواشی)۔

ا۔ ازالۃ الاوہام کا اردو ترجمہ :

مولانا کیرانوی کی پہلی باقاعدہ تالیف جو کہ فارسی زبان میں ہے۔ مولانا نور محمد (مہتمم مدرسہ حقانی، لدھیانہ) نے
اردو زبان میں مذکورہ تالیف کا ترجمہ 'دافع الاسقام' کے نام سے ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۶ء میں کیا ہے جو صرف ۸۰ صفحات تک ہی مکمل
ہو سکا۔ جو حصہ ترجمہ ہو وہ اخبار منشور محمدی (بنگلور) میں بالاقساط شائع ہوا۔ کتاب کے ترجمہ کی بابت شائع ہونے والے ایک اشتہار
کا مضمون یہ ہے :۔

"ازالۃ الاوہام' صفحات ۵۷۲[۴۱] یہ کتاب اب نہیں ملتی اور اتنی بڑی کتاب کا چھپنا بھی ہر
وقت ممکن نہیں یہ کتاب فارسی زبان میں ہے اب جناب مولوی نور محمد صاحب نے اس
کتاب کا ترجمہ سلیس اردو میں کر کے اخبار 'منشور محمدی' میں چھپوانا شروع کیا اور اس کا نام

،دافع الاسقام، رکھا چنانچہ ۸۰ صفحہ تک ھدیہ ناظرین ہو چکا ہے اس کی خوبی اور عمدگی دیکھ کر علاوہ خریداران اخبار منشور محمدی کے اور صاحبوں نے بھی اس کتاب کی خریداری کی درخواست کی مگر چونکہ زائد نسخے نہ تھے اس لئے اس کی محرومی دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ کتاب ازسرنو علیحدہ چھپوائی جائے تاکہ ہر ایک شائق اس سے فیض یاب ہو اور کوئی محروم نہ رہے اور نیز مولانا ممدوح مترجم کتاب ھذا نے اس پر جو حاشیہ چڑھایا ہے وہ بھی شامل کیا جائے اور صحت میں بھی حتی الوسع کوشش ہو"۔(۴۲)

۲۔ اعجاز عیسوی (تسہیل و تحقیق و تشریح و حواشی):

دارالعلوم کراچی کے استاذ، جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی اور ان کے دو رفقاء محمد محترم فہیم عثمانی اور مولانا حسیب احمد نجیب نے مولانا محمد مسعود شمیم (مہتمم مدرسہ صولتیہ، مکہ معظمہ) کے تعاون سے مولانا کیرانویؒ کی اردو تالیف اعجاز عیسوی(۴۳) کی تسہیل و تحقیق و تشریح و حواشی کا فریضہ خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے۔ اور اس کا نام 'اعجاز عیسوی (جدید)' رکھا ہے۔ اس کام کی تکمیل اگرچہ ۱۹۸۰ء میں ہو گئی تھی تاہم نظر ثانی ۱۹۸۶ء میں مکمل ہوئی اور ادارۂ اسلامیات لاہور، سے ۷۷۲ صفحات میں ہو کر منصۂ شہود پر آئی۔

کتاب کے سرورق پر تعارف یوں درج ہے:

"تحریف بائبل اور اس میں موجود تضادات پر نامور محقق کی نادر علمی تحریر، اردو کے نئے پیرہن میں۔۔۔ تردید عیسائیت پر حوالہ کی مشہور کتاب"۔

اعجاز عیسوی (جدید) کے آغاز میں پیش لفظ سے پہلے مولانا حکیم عبدالقوی، دریابادی (ایڈیٹر صدق جدید، لکھنؤ) کا مضمون بعنوان 'مولانا رحمت اللہ کیرانوی۔۔۔ اپنی تصنیف، اعجاز عیسوی کی روشنی میں' شامل کیا گیا ہے۔(۴۴)

پیش لفظ میں مولانا محمد تقی عثمانی مذکورہ کتاب کی اشاعت جدید کی غرض و غایت بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ کتاب عرصہ دراز سے بالکل ناپید تھی بعض کتاب خانوں اور بعض اہل ذوق کے پاس اس کے چند قدیم اور بوسیدہ نسخے ہوں تو ہوں لیکن عام طور پر یہ کتب خانے میں دستیاب نہیں تھی۔ چنانچہ مولانا کیرانویؒ کے نبیرہ محترم محمد مسعود شمیم (مدرسہ صولتیہ) کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو منظر عام پر لانے کا داعیہ پیدا فرمایا۔ انہوں نے نہ صرف مجھ ناکارہ سے اس کی طباعت و اشاعت کے لئے انتظام کے لئے اصرار فرمایا بلکہ کتاب کے دو نسخے بھی ہندوستان سے مہیا کر کے بھجوائے لیکن کتاب جوں کا توں شائع کرنے میں ایک دشواری یہ

تھی کہ کتاب کی اردو زبان اتنی پرانی تھی کہ آج کے دور میں اسکو سمجھنا اور روانی کے ساتھ پڑھ کر اس سے استفادہ کرنا بہت مشکل تھا۔ دوسری طرف کتاب کے الفاظ اور عبارتوں کو حضرت مصنفؒ کی وفات کے بعد بدلنا بھی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ بالآخر سوچ وبچار کے بعد یہ صورت ذہن میں آئی کہ کتاب کی عبارت آج کی زبان کے مطابق سلیس بنا کر لکھ دی جائے تاکہ قارئین کے لئے اس سے استفادہ آسان ہو اور اس کو اعجاز عیسوی نہ کہا جائے بلکہ اعجاز عیسوی پر نئی کتاب "اعجاز عیسوی (جدید) قرار دیا جائے"۔ (۴۵)

مولانا محمد تقی عثمانی نے کتاب کی اشاعت جدید میں جن امور کا اہتمام کیا اس کی بابت لکھتے ہیں

"اس کیساتھ ہی دو مزید کام ضروری معلوم ہوئے ایک یہ کہ احقر نے بائبل سے قرآن تک' پر جو حواشی لکھے تھے وہ متعلقہ مضامین کی تفہیم اور تشریح کو تفصیل کے لیے مفید ثابت ہوئے تھے خیال ہوا کہ اس کتاب میں بھی متعلقہ مقامات پر وہ حواشی منتقل کر دیے جائیں، دوسرے مولانا کیرانوی نے بائبل کے جن نسخوں سے عبارتیں نقل فرمائی ہیں وہ اب بہت ہی پرانی ہو چکے تھے۔ اور ان کے بعد جو جدید ترجمے شائع ہوئے ہیں ان میں قدیم ترجموں کے مقابلے میں خاصے اختلافات بھی ہیں۔ لہذا ضرورت اس امر کی تھی کہ ان اختلافات کو بھی حواشی کے ذریعے واضح کیا جائے"۔ (۴۶)

اعجاز عیسوی کی تسہیل و تحقیق و تشریح و حواشی میں مولانا محمد تقی عثمانی اور ان کے رفقاء کے پیش نظر مندرجہ ذیل ماخذ تھے۔

۱۔ کتاب مقدس (اردو تراجم) ۱۹۳۲، ۱۹۵۹ء، ۱۹۶۲ء، انگریزی ترجمہ (س۔ن)۔

۲۔ مولانا کیرانویؒ کی تصانیف ازالۃ الاوہام، ازالۃ الشکوک اور اظہار الحق۔

۳۔ ضمیمہ اظہار الحق مرتبہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ (پیرس)۔

اعجاز عیسوی جدید کے نمایاں پہلو۔

اعجاز عیسوی کی اشاعت جدید کے بعد جہاں ضخامت میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے وہاں درج ذیل نمایاں پہلو سامنے آئے ہیں:

۱۔ تسہیلِ عبارت:

مولانا محمد تقی عثمانی نے جیسا کہ پیش لفظ میں صراحت کی ہے کہ عبارت کو آج کی زبان میں ڈھال دیا ہے۔ تاکہ

اردو داں طبقہ کے لئے استفادہ ممکن ہو۔ اس کا اندازہ ایک مختصر عبارت سے ہو سکتا ہے۔

مولف ؒ کی عبارت: ''اگر پادری صاحب فرقہ پروٹسٹنٹ کے صرف بانٹنے ترجموں اپنی کتب مقدسہ کے اور سنانے ان کے پر اکتفا کرتے تو مسلمانوں کو ان سے کچھ تعرض نہ ہوتا لیکن وے اصول ملت اسلامیہ پر اپنی تحریر و تقریر میں طعن کرتے ہیں اور انکی زبان اور قلم پروا ہی تباہی اعتراض بہ نسبت حضرت خاتم النبیین کے گزارتے ہیں۔'' (۴۷)

محمد تقی عثمانی کی عبارت: ''اگر فرقہ پروٹسٹنٹ کے پادری صاحبان صرف بائبل کے ترجمے بانٹنے اور سنانے پر اکتفا کرتے تو مسلمانوں کو ان سے تعرض کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن یہ لوگ اپنی تقریر و تحریر میں نہ صرف اصول اسلام پر طعن و تشنیع کرتے ہیں بلکہ حضرت خاتم النبیین ﷺ کی ذات والا صفات پر بھی زبان طعن دراز کرتے ہیں''۔ (۴۸)

۲۔ مفید اور معلوماتی حواشی:

مولانا محمد تقی عثمانی نے جا بجا اعلام و کتب پر مفید اور معلوماتی حواشی قلمبند کئے ہیں۔ مثلاً ادومیہ (Adumia) کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''بنو ادوم کی سرزمین کا نام ہے جو بحر میت اور خلیج عقبہ کے بیچ میں واقع ہے (بریٹینکا) اس کے شمال میں بحر میت اور فلسطین، جنوب میں شمال خلیج عقبہ اور مدین، مغرب میں جزیرہ نمائے سینا اور مشرق میں ارض موآب اور جوف عرب شامل ہے۔ شام و فلسطین کی جانب جنوبی اور مغربی گوشہ میں ملک عرب کی یہ آخری حد ہے۔ (ارض القرآن، ج ۲، ص ۲۳، مطبوعہ کراچی)''۔ (۴۹)

۳۔ بائبل کے موجودہ تراجم سے موازنہ:

شارح نے مولف ؒ کیرانوی کے دور کے کتب مقدسہ کے تراجم سے موجودہ تراجم کا موازنہ بھی کیا جائے اور بقول محمد تقی عثمانی اس تقابل سے بائبل کے تضادات و اختلافات کا ایک نیا ذخیرہ سامنے آگیا ہے۔

۴۔ مولف ؒ کی اصطلاحات کی توضیح:

فاضل شارح نے موف ؒ کی بعض مغلق عبارتوں اور اصطلاحات کی توضیح بھی کر دی ہے، مثلاً غوط نامی لفظ کی بابت لکھتے ہیں:

''غوط، اعجاز عیسوی میں یہ نام اسی طرح لکھا ہے بائبل کے موجودہ ترجموں میں اس بستی کا نام عوض مذکورہ ہے ملاحظہ ہو (کتاب ایوب، ۱:۱)۔ (۵۰)

۵۔ متن اور حاشیہ میں فرق:

محمد تقی عثمانی نے اعجاز عیسوی کی اشاعت جدید میں مولف کی عبارت اور اپنی شرح و تحقیق کو واضح فرق کے ساتھ رقم کیا ہے۔

اعجاز عیسوی جدید پر ناقدانہ نظر:

مذکورہ بالا نمایاں پہلوؤں کے ساتھ ساتھ چند امور کی طرف اشارہ ناگزیر ہوگا۔

۱۔ فاضل شارح نے موجودہ بائبل کے تراجم کو مولف کی عبارت میں اور مولف کی عبارت کو حواشی میں درج کر دیا ہے۔ جبکہ یہ تقابل و موازنہ مولف کی عبارت سے حواشی میں ہوتا تو مناسب ہوتا۔

۲۔ بعض مقامات پر اعلام و حوالہ جات کے اندراج میں یکسانیت کا فقدان نظر آتا ہے مثلاً یوسی بیس/یوسی حس/یوسی بیوس اس طرح بنو کدنضر/بخت نصر وغیرہ، فرنگی ناموں کے ساتھ انگریزی تلفظ بھی اردو کیس تھ درج ہوتا تو بہتر تھا۔ اسی طرح حوالہ جات (تواریخ ۲۵/۳۵، سلاطین ۲۳۔ ۳۲/۳۰۴، احبار ۲۰.۱۹) کے اندراج میں طریقہ کار مختلف رہا۔

۳۔ محمد تقی عثمانی نے بعض مقامات پر عبارت کی تسہیل سے صرف نظر کیا ہے، خصوصاً میزان الحق کی عبارات کو بعینہ چھوڑ دیا ہے۔ مناسب تھا میزان الحق کی عبارت کا موازنہ بھی کیا جاتا اور بعد کے ایڈیشن سے اصلاح عبارت ہوتی۔

۴۔ کتاب کے آخر میں اشاریہ کے اضافے سے کتاب کی تفہیم واستفادہ مزید آسان ہو جاتا۔ ان پہلوؤں سے قطع نظر مولانا تقی عثمانی اور ان کے رفقاء کار کی جدید اسلوب میں ڈھالنے کی یہ کاوش قابل قدر ہے اور اس سے اردو داں طبقے نے خاطر خواہ اعتناء کیا ہے۔

حصہ دوم: "اظہار الحق"۔

اظہار الحق کی غیر معمولی شہرت و مقبولیت کے پیش نظر مناسب ہے کہ اس کے اثرات کا جائزہ الگ سے لیا جائے۔ جسے بنیادی طور پر تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ اظہار الحق کی طباعتیں۔

۲۔ اظہار الحق کے تراجم۔

۳۔ اظہار الحق کی مقبولیت۔

۱۔ اظہار الحق کی طباعتیں (Editions)۔

مولانا کیرانویؒ نے اظہار الحق ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۴ء میں تالیف کی، جس کی اب تک مندرجہ ذیل ۱۰ طبعات منظر

عام پر آچکی ہیں۔ ہر طباعت کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

طبع اول :

اظہار الحق کی سب سے پہلی طباعت سلطان عبدالعزیز خاں کے دور میں استنبول محرم الحرام ۱۲۸۴ھ/ ۱۸۶۷ء میں ممکن ہوئی۔ مطبع عامرۃ السلطانیہ آستانہ سے سید احمد کمال اور استاذ احمد طاہر کے زیر انتظام طبع ہوئی جبکہ الحاج حسن شکری نے اس کی طباعت کا اہتمام کیا۔(۵۱)

یہ طباعت ایک ہی جلد میں دو اجزاء پر مشتمل ہے ہر دو اجزاء کے صفحات بالترتیب ۲۸۸ اور ۲۸۵ ہیں۔(۵۲)

طبع دوم

اظہار الحق کی دوسری طباعت(۵۳) سلطان عبدالحمید خاں کے دور میں مطبعۃ الحجر الاہرۃ قاہرہ (مصر) کے توسط سے الحاج منصور محمد آفندی کے اہتمام اور امام حسین بن عبدالعال احمد کی کتابت کیساتھ ۱۲ ربیع الاخر ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء میں منصۂ شہود پر آئی۔ یہ طباعت بھی ایک ہی جلد میں دو اجزاء پر مشتمل ہے جس کے صفحات بالترتیب ۲۸۸ اور ۲۸۶ ہیں۔

طبع سوم :

اظہار الحق کی تیسری طباعت سلطان عبدالمجید کے دور میں 'دار الطباعۃ العامرۃ' سے ربیع الاول ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۷ء میں ہوئی۔ یہ طباعت بھی ایک جلد میں دو اجزاء پر مشتمل ہے جس کے صفحات بالترتیب ۲۸۸ اور ۲۸۵ ہیں۔(۵۵)

طبع چہارم .

اظہار الحق کا چوتھا ایڈیشن مطبعۃ الخیریہ، حارۃ درب الدلیل، مصر، سے سید عمر حسین الخشاب اور سید محمد عبدالوہاب کے اہتمام و شراکت سے منظر عام پر شعبان ۱۳۰۹ھ/ ۱۸۹۲ء میں آیا۔ یہ طباعت بھی ایک جلد میں دو اجزاء پر مشتمل ہے جس کے صفحات بالترتیب ۲۵۰ اور ۲۷۳ ہیں(۵۶)۔ اسکے حاشیہ پر مندرجہ ذیل چار رسائل چھپے ہوئے ہیں :

۱. مناظرۃ الشیخ للقسیس فندر (ترجمہ شیخ رفاعی الخولی)۔
۲. التنبیہات فی اثبات الاحتیاج الی البعثۃ و الحشر (مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ)۔(۵۷)
۳. رسالۃ خلاصتہ الترجیح للدین الصحیح . (محمد بن علی الطیبی الدمشقی)۔
٤. رسالۃ مختصر الاجوبۃ الجلیلتہ فی دحض الدعوات النصرانیۃ . (محمدبن علی الطیبی الدمشقی)۔

طبع پنجم :

اظہار الحق کا پانچواں ایڈیشن مطبعہ علمیہ شارع الصنادقیہ، قاہرہ سے سید عمر ہاشم الکتبی اور ان کے بھائی سید محمد ہاشم الکتبی کے زیر اہتمام رجب ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء میں طبع ہوا۔ یہ طباعت بھی ایک جلد میں دو اجزاء پر مشتمل ہے جسکے صفحات بالترتیب ۲۳۰ اور ۲۲۸ ہیں۔ مذکورہ طباعت کے حاشیے پر مذکورہ بالا چار رسائل طبع ہیں۔(۵۸)

طبع ششم :

اظہار الحق کا یہ ایڈیشن، شیخ احمد الحلبی الکتبی اور ان کے بھائی شیخ محمد کی زیر نگرانی مطبعہ محمودیہ شارع الصنادقیہ قاہرہ، سے جمادی الآخر ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء میں طبع ہوا۔ ایک جلد میں دو اجزاء پر مشتمل اس کے صفحات بالترتیب ۲۲۳ اور ۲۲۰ ہیں۔ اس کے حاشیے پر بھی مذکورہ رسائل مطبوع ہیں۔(۵۹)

مذکورہ بالا چھ طباعتیں قدیم نظام طباعت کے مطابق ہیں ان میں سے پہلے تین نسخوں کے حواشی پر کچھ نہیں جبکہ دوسرے تین نسخوں کے حواشی پر چار رسائل مطبوع ہیں۔

طبع ہفتم (تخریج و تحقیق ،استاذ عمر الدسوقی) :

اظہار الحق کی مذکورہ اشاعت جس کی تخریج ،استاذ عمر الدسوقی اور دیگر رفقاء نے کی ہے مطبعہ الرسالہ بعابدین سے 'وزارت مذہبی امور، مراکش' کے زیر اہتمام مکتبہ الواحدۃ سے ربیع الاول ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۴ء میں ہوئی۔(۶۰)

یہ طباعت بھی ایک جلد میں دو اجزاء پر مشتمل ہے جس کا پہلا حصہ ۳۹۵ اور دوسرا حصہ ۴۰۱ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۳۱۶ھ میں (مصر) میں طبع ہونے والی طباعت سے ہو بہو نقل ہے۔(۶۱) جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ جو اغلاط نسخہ مذکورہ میں پائی جاتی ہیں وہ اس نسخہ میں بھی در آئی ہیں۔(۶۲)

پھر مذکورہ طباعت کے دو ایڈیشن مزید منظر عام پر آئے ہیں۔ پہلا ایڈیشن ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء میں مطابع الدوحہ الحدیثہ، نے مذہبی امور کے خرچ پر ادارہ احیاء التراث اسلامی (قطر) نے طبع کیا ہے۔ اس کی طباعت و مراجعت کا اہتمام استاذ عبداللہ بن ابراہیم الانصاری (مدیر ادارہ احیاء التراث اسلامی دوحہ قطر) نے کیا ہے یہ دو اجزاء پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد ۵۹۳ صفحات پر جبکہ دوسری جلد ۵۹۹ صفحات پر مشتمل ہے۔

جبکہ دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۳ء میں مذکورہ ادارہ کے اہتمام ہی سے منصہ شہود پر آیا ہے۔ یہ بھی دو جلدوں پر مشتمل ہے جس کے صفحات بالترتیب جلد اول ۶۲۰ اور جلد دوم ۶۰۸ ہیں۔ اس اشاعت کی خاص بات سید ابوالحسن علی ندوی کا لکھا ہوا، ۱۳ صفحات کا

مقدمہ ہے جس میں مولانا کیرانویؒ کے کارنامے اور اظہار الحق کی قدر و قیمت پر بحث کی ہے۔ اسی طرح محمد مسعود سلیمؒ کے لکھے ہوئے مولانا کے مختصر زندگی بھی شامل ہے۔ تقدیم کے عنوان سے عمر الدسوقی نے مولف کے بعض زبانی دانی کے تسامحات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے متن میں درست کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ پہلی جلد کی نسبت دوسری جلد میں حواشی بہت کم ہیں۔ کتاب کے آخر میں کشاف واعلام کے عنوان سے اشاریہ بھی مرتب کیا گیا ہے۔(۶۳)

طبع ہشتم (تخریج محمد کمال فراج):

مذکورہ طباعت 'مطابع منارۃ اظہار الحق' مصر کی طرف سے ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء میں ہوئی۔ اسکی تخریج محمد کمال فراج نے کی اور 'الاھرام' نے نشر کیا ہے۔ یہ ایک ہی جلد پر مشتمل ہے جس کی صفحات ۷۵۱ ہیں۔ اس نسخہ میں کئی تصرفات کئے گئے ہیں۔ کتاب کے آخر میں التنبیہات اور حلبی کے دو رسالے ۱۵۲ صفحات، شامل کئے گئے ہیں۔ پہلے یہی رسائل بعض طباعتوں میں حواشی پر درج تھے تاہم یہاں آخر پر مجموعہ کی شکل میں موجود ہیں۔ مزید براں تخریج کنندہ نے مولانا کیرانوی کا وہ مناظرہ جو پادری کئی کے ساتھ کیا تھا۔ دعویٰ کیا ہے کہ بطور ضمیمہ وہ صفحہ ۵۶ پر موجود ہے۔ حالانکہ آخر تک سرے سے اس کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

طباعت کے لحاظ سے بھدے پن میں اس سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں ہو سکتی۔ اغلاط کی بھر مار ہے۔ اسلام قرآن اور نبی پاک ﷺ پر مسیحی مخطوطات کی نقوش عکسی نے اس بھدے پن میں مزید اضافہ کیا ہے اور انہیں کتاب کے ابتدائی صفحات میں بغیر کسی صراحت کے اگا دیا گیا ہے۔(۶۴)

دو نسخے، جو دستیاب ہیں ان میں ایک نسخے کے آغاز میں ایک بوسیدہ مخطوطے کے کچھ اوراق ان صفحات پر چھاپ دیئے ہیں ۱۶۴_۱۶۳، ۱۸۵_۱۷۸، ۳۱۰_۳۱۱ جبکہ دوسرے میں یہی اوراق ۱۵۴_۱۶۱، ۱۷۹_۱۸۵، ۲۱۲_۲۱۳، ۱۰۵_۲۰۴ صفحات پر ہیں جن میں سے بعض عنوان اس طرح سے باندھے گئے ہیں۔ محمد ﷺ اور ان کی نبوت پر کلام و گفتگو (فی الکلام علیٰ محمد و نبوتہ، ص ۱۵۴)۔ فی حدوث القرآن (قرآن کے حادث ہونے کے بارے میں) فی جمعہ والمحذوف منہ (قرآن کی جمع و تدوین اور حذف کے بارے میں، ص ۸۵ اور مذکورہ عنوان کے تحت جو حصہ ہے وہ نا قابل بیان ہے، جس میں اسلام، قرآن اور پیغمبر اسلام کے بارے میں اہانت آمیز رویہ اختیار کیا گیا ہے اور کتاب میں سب سے بڑھ کر تصرف یہ ہے کہ اس کا نام 'اظہار الحق واخفاء الباطل' رکھ دیا گیا ہے۔ حالانکہ اس نام کی رکھنے کی بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

کتاب کے مقدمہ میں فراج نے انتہائی بھونڈا اسلوب اختیار کیا ہے اور، المحقق بقلم عملہ کے عنوان سے معاشیہ کے ایک پہلو بنك التنمية الاسلامی، پر بالکل بے ربط بحث کی ہے۔ دلچسپ پہلو یہ ہے شیخ جامعۃ الازہر عبدالحلیم محمود نے کمال فراج کو داد تحقیق دیتے تقریظ میں یہ الفاظ لکھے ہیں تحقیقا دقیقا فرجع الی اقدم المخطوطات وراجعها کہ کربوی دن

نظر سے تحقیق وتدقیق کی ہے اور بعض مخطوطات کی طرف مراجعت کی ہے،(۶۵)

طبع نہم: (تقدیم وتحقیق وتعلیق. الدکتور احمد حجازی السقا)(۶۶)

مذکورہ اشاعت کو دار التراث العربی للطباعۃ والنشر، قاہرہ نے ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء میں طبع کیا ہے۔ اظہار الحق کا یہ نسخہ (طبع ہفتم) استاذ عمر الدسوقی کے نسخہ سے ہو بہو نقل ہے، تاہم اس کے صفحات کی تعداد ایک ہی جلد میں ۶۲۸ ہیں۔(۶۷)

مذکورہ طباعت کے اب تک دو مزید ایڈیشن منظر عام پر آچکے ہیں۔ الطبعۃ الثانیہ مذکورہ مطبعہ سے ہی ۱۴۰۶/۱۹۸۶ء میں اور الطبعۃ الثالثۃ وکالۃ الطبع والترجمہ الریاض سے ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۲ء میں طبع ہوا۔

احمد حجازی السقا کے نسخہ کا ناقدانہ جائزہ:

اگرچہ مذکورہ طباعت اس حوالے سے قابل ذکر ہے کہ پہلی مرتبہ اظہار الحق پر بہ اہتمام کام کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاہم مذکورہ نسخہ کے بعض پہلو محل نظر ہیں۔ ذیل میں ان پہلوؤں کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

۱۔ مولفؒ کے موقف کو غلط قرار دینا:

مولفؒ نے اظہار الحق کے مقدمہ میں اپنے موقف اور استدلال کی صراحت کردی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ کلام الزام اور جدل دونوں پہلوؤں سے ممکن ہے نیز مسیحی اتہامات جو وہ انبیاء کی طرف منسوب کرتے ہیں مولفؒ ان سے بری ہے۔ ان تصریحات کے باوجود بعض مقامات پر احمد حجازی نے السقا نے مولفؒ کے موقف کو غلط قرار دیا ہے جو مناسب نہیں ہے۔ کیا احمد حجازی کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ مقدمہ اظہار الحق کے امر الاول اور امر الرابع کی طرف رجوع کرتا ہے تاکہ مولفؒ کا استدلال واضح ہو جاتا۔(۶۸)

۲۔ السقا کا عمر الدسوقی کی غلطیوں کو دہرانا:

ڈاکٹر احمد حجازی السقاء اپنی تحقیق کے دوران اظہار الحق کی ان تمام طباعت اور نسخوں کی طرف قطعی مراجعت نہیں کرتا جو ترکی اور مصر میں بافراط موجود ہیں اور وہ عمر الدسوقی ہی کے نسخہ پر اعتماد کرتا ہے۔ چنانچہ مذکورہ نسخہ کی غلطیاں السقا نے بھی دہرا دی ہیں مثلاً مولفؒ نے جن مصادر پر اعتماد کیا ہے ان میں بائبل کی تفسیر ہورن (Horne) مطبوعہ ۱۸۲۲ء بھی ایک ہے۔ عمر الدسوقی نے یہ سن ۱۸۸۲ء تحریر کیا ہے۔ احمد حجازی السقا نے بھی صفحہ ۱۴۱ پر اسی سن کو نقل کردیا ہے۔ حالانکہ یہ طباعت کی غلطی ہے اور معمولی سے غور و فکر کے ساتھ سمجھ میں آجاتی ہے کیونکہ اظہار الحق ۱۸۶۴ء میں تالیف ہوئی تو اسکے بعد کا سن کیونکر ممکن ہے؟ (۶۹)

۳۔ بائبل کی کتب، ابواب اور فقرات میں اغلاط۔

السقانے متعدد مقامات پر بائبل کی کتابوں، ابواب اور فقرات کے نمبروں میں درج کرنے سے تساہل سے کام لیا ہے مثلاً پہلی طباعت میں کتاب نحمیاہ میں دارا سلطان ایران کا ذکر ۱۲ویں باب میں ۲۳ فقرہ کے تحت آیا ہے جبکہ درست فقرہ نمبر ۲۲ ہے، جو کہ بائبل کے تمام عربی اور انگریزی تراجم میں موجود ہے۔ یہاں پر السقا صفحہ ۹۳ عمر الدسوقی کے نسخہ سے غلط ہی نقل کیا ہے اور اصل کتاب کی طرف مراجعت نہیں کی۔ اسی طرح بنی اسرائیل کی ہلاکت کے لیے اذیت رساں سانپوں کا ذکر پہلی طباعت میں کتاب گنتی کے باب ۲۴ میں ذکر کیا گیا ہے جبکہ باب کا صحیح نمبر ۲۱ ہے۔ یہاں پر السقانے الدسوقی کی غلطی کو پھر دھرایا ہے۔ (۷۰)

۴۔ اسماء میں غلطیاں کرنا اور مفہوم کا بدلنا:

السقاء نے اظہار الحق کے متن میں اسماء تحریر کرنے میں بھی الدسوقی کی غلطیوں کو دھرایا اور درست کرنے کیلئے اصل مصادر کی طرف رجوع کی کوشش نہیں کی مثلاً کتاب آستر کے بارے میں مولفؒ دوسرے باب کے مقصد ثانی میں اس امر کی صراحت کرتے ہیں کہ کتاب مذکور فرقہ پروٹسٹنٹ کے نزدیک غیر معتبر ہے اور اس کی دلیل ہے کہ فاضل ملیتو نے مسلمہ کتب کی فہرست میں مذکورہ کتاب کو شامل نہیں کیا ہے والفاضل ملیتو ما کتب جبکہ السقانے 'ما' کو نام کا حصہ قرار دے کر عبارت کا مفہوم ہی بدل کر رکھ دیا ہے اور اپنے نسخہ کے صفحہ ۲۲۳ پر یوں تحریر کیا ہے والفاضل (ملیتوما) کتب جس سے سیاق کلام بالکل الگ ہو کر رہ جاتا ہے۔ مزید براں السقانے اپنے موقف کو درست اور مولفؒ کے موقف کو غلط قرار دیا ہے۔ اسی طرح مولفؒ اظہار الحق نے کتاب کے چوتھے باب کی دوسری فصل میں کتاب الصلاۃ مطبوعہ ۱۵۰۶ء کے حوالہ سے اتھانیش (Athanasius) کے عقیدہ کو بیان کیا گیا ہے جسے مسیحی مانتے ہیں اور اس ضمن میں ان کے عقیدے میں لفظ ہیل (Hell) جہنم کا نام، موجود ہے۔ قابل تعجب امر یہ ہے کہ السقانے صفحہ ۳۴۶ پر اس عبارت کو یوں تحریر کر دیا ہے 'ہل موجود' گویا کہ اس لفظ کو سیاق کلام سے ہٹا کر استفہامیہ قرار دے دیا ہے۔ حالانکہ مولفؒ نے خود ہی اس امر کی صراحت یوں کی ہے لفظ ھل موجود و معناہ الجحیم (۷۱)

۵۔ اظہار الحق کی عبارت میں تبدیلی:

ڈاکٹر السقانے اظہار الحق میں تحریف اور کمی وبیشی میں بھی تصرف سے کام لیا ہے اور بعض مقامات پر عمر الدسوقی کے نسخے کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے بلکہ بعض عبارت کو الدسوقی مولفؒ کے مطابق نقل کرتا ہے مگر السقا اس میں بھی تصرف سے کام لیتا ہے۔ یہاں پر السقا کی تحریف و تصریف کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں

مولفؒ کی عبارت: الاکثری الی مقتدی فرقۃ البرو تستانت۔

السقا کی عبارت: الاکثری الی امام فرقۃ البرو تستانت۔

مولفؒ کی عبارت: وکان فی نقل ترجمة جمیع تقریره خوف ملال الناظر۔

السقا کی عبارت: لان القاری یمل من التطویل۔

مولفؒ کی عبارت: وانی متحیرا لااعلم ان سببه ماذا۔

السقا کی عبارت وانی متحیرا فی مقده لااعلم ماذا یرید۔

مولف کی عبارت. حتی ان الثلج توجد فیه رسومة کثیرة۔

السقا کی عبارت: لم یزل شدة الثلج ونعومة۔(۷۲)

۶۔ معجزہ شق القمر کا انکار:

مولف اظہار الحق نے چھٹے باب کی پہلی فصل میں معجزہ شق القمر کے اثبات میں مختلف مفسرین کے اقوال نقل کرتے ہیں اور مذکورہ معجزہ کے منکرین کی سختی سے تردید کرتے ہیں جن میں سے مولف میزان الحق بھی ہے۔ السقا اپنے نسخہ کے صفحہ ۷۵۷ کے تحت حاشیہ ۳ میں لکھتا ہے۔

"وهوینذ کر کل وجه للمنکرین وبد فعه بثبت ان القمر انشق فعلاً مع ان الصحیح فی (الشق القمر) انه بغیر کنائی عن ظهور الاسلام بو ضوح کوضوح القمر"۔

معجزات پر اس طرح کا استدلال سر سید احمد خان نے بھی کیا ہے۔(۷۳)

۷۔ شیخین کی روایت میں شک کرنا:

مولف اظہار الحق نے اثبات نبوت محمدیہ ﷺ میں ایک حدیث نقل کی ہے۔

"لا تقوم الساعة حتی تخرج نار من ارض الحجاز تضی اعناق الابل ببصری"۔ بعد ازاں مولف لکھتے ہیں کہ اس آگ کا ظہور ۶۵۴ھ میں ہوا جس کا واضح ثبوت قسطلانی کا اپنی کتاب میں اس کا ذکر کرنا ہے۔ جبکہ السقا اپنے نسخے کے صفحہ ۹۶۲ پر لکھتا ہے وقد ذکر ان خروج النار من ارض الحجاز قد حصل فی سنة ۶۵۴ھ مع ان الحدیث یشیر الی مدی بعید ان کان صحیحاً۔ اسی طرح بعض مقامات پر مولف اظہار الحق پر اہل تشیع میں سے ہونے کا شبہ بھی ظاہر کرتا ہے۔(۷۴)

طبع دہم (دراسہ و تحقیق و تعلیق: الدکتور محمد احمد محمد عبدالقادر خلیل ملکاوی):

ڈاکٹر محمد عبدالقادر ملکاوی(۷۵) عرب کے ان محققین میں سے ہیں جن کی تحقیق کا میدان ہی مولانا کیرانوی کی شخصیت و خدمات، تالیفات اور ان کے تجدیدی کارنامے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف نے اس میدان میں خوب جوہر دکھائیں ہیں زیر

نظر تحقیق و تعلیق اس امر کا واضح ثبوت ہے۔

زیر نظر طباعت بالترتیب چار اجزاء صفحات ۲۵۱، ۳۰۳، ۲۷۳ اور ۳۱۹ پر مشتمل ہے جسکی طباعت و نشر کا اہتمام الرئاسة العامة الادارت البحوث العلميه والافتاء والادعوة والارشاد، الادارة العامة للطبع والترجمه الرياض المملكة العربية السعوديه نے وقف لله تعالى کیا ہے۔ اب تک اس کے دو ایڈیشن منظر عام پر آچکے ہیں۔ پہلا ایڈیشن جو عمدہ کاغذ پر ہے ۱۴۱۰ھ/۱۹۸۹ء میں طبع ہوا ہے جبکہ دوسرا ایڈیشن قدرے ہلکے کاغذ میں ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء میں طبع ہوا ہے۔

طباعت کی ابتدائی معلومات کے بعد مناسب ہوگا کہ اس تحقیق و تعلیق کا قدرے تفصیل سے جائزہ لیا جائے۔

زیر نظر اشاعت پر تبصرہ کرتے ہوئے محمد جر جیس کریمی لکھتے ہیں۔

"زمانہ تصنیف سے لے کر اب تک اسکی دس سے زائد اشاعتیں نکل چکیں ہیں۔۔۔۔ زیر نظر اشاعت کو اس کی تازہ ترین اشاعت سمجھنا چاہیے جو کہ چار جلدوں میں عمدہ طباعت میں ہے۔۔۔ یہ اشاعت دراصل الدکتور محمد احمد محمد عبدالقادر خلیل ملکاوی کی تحقیق و تعلیق کیساتھ شائع ہوئی جس پر انہیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی گئی ہے۔(۷۶)۔۔۔ اظہار الحق کی اب تک اشاعتوں میں سب سے نفیس اور تحقیق و تعلیق میں سب سے جامع معلوم ہوتی ہے"۔(۷۷)

ڈاکٹر عبداللہ بن احمد الزید، کتاب کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں ۔

"وقد وفق الله الاخ الدكتور /محمد عبدالقادر الملكاوى فقام بعمل متميز فى تحقيقة لهذا الكتاب، شرح غريبه وقابل نصوصه على اصولها وعرف بالاعلام واسماء البلدان التى وردت فى الكتاب"۔(۷۸)

مذکورہ طباعت کے ان تبصروں کے بعد نمایاں پہلوؤں کا جائزہ لیا جاتا ہے

ا۔ مقدمة المحقق :

مذکورہ اشاعت کی نمایاں ترین خوبی محقق کا فاضلانہ مقدمہ ہے جو ۱۲۲ صفحات پر مشتمل ہے مذکورہ مقدمہ کو اصل کتاب سے الگ رکھا گیا ہے اور اس کی فہرست، ترتیب صفحات اور مراجع بھی الگ ذکر کئے گئے ہیں۔ اس طویل اور ضخیم مقدمہ میں فاضل محقق نے مندرجہ ذیل امور کا التزام کیا ہے۔

۱۔ برصغیر کے دینی وسیاسی حالات :

فاضل محقق نے ۱۳ویں صدی ہجری اور انیسویں صدی عیسوی میں برصغیر کے سیاسی اور دینی حالات کا تجزیہ کیا ہے نیز اسی پس منظر میں عیسائیت کی آمد اور اثر و نفوذ کا جائزہ بھی پیش کیا ہے لکھتے ہیں :

"وقد اعترف قادة الانجليز فی الھند بان من الحقایق التی لایمکن ء انکارھا القول بان استیلاء ھم علی الاوقاف الاسلامیة حرم المسلمین من معاھدھم العلمیة المقامة بجانب المساجد"۔(۷۹)

۲۔ مولانا کیرانویؒ کے حالات زندگی :

فاضل محقق نے التعریف بالشیخ رحمت اللہ کے تحت مولانا کے مختصر مگر جامع حالات زندگی قلمبند کئے ہیں۔اس سلسلے میں مولانا کیرانویؒ کی ابتدائی سرگرمیوں اور رد عیسائیت میں کوششوں کا جائزہ پیش کیا ہے نیز آپ کی تالیفات کا مختصر تعارف بھی کرایا گیا ہے ان میں دس کے قریب تصنیفات و تالیفات شامل ہیں تاہم آداب المریدین کے ترجمہ کا فاضل محقق نے تذکرہ نہیں کیا ہے۔(۸۰)

۳۔ پادری فانڈر کے حالات وتصنیفات کا جائزہ :

فاضل محقق نے اظہار الحق کے پس منظر کو واضح کرنے کے لیے قسیس اعظم فانڈر کے حالات اختصار اور ان کی تصنیفات خصوصاً میزان الحق کا خوب جائزہ لیا ہے۔اس سلسلے میں ڈاکٹر موصوف نے مصنف کی طرف سے مذکورہ نسخہ میں کی جانے والی تحریف کا مولانا کیرانویؒ کے افکار کی روشنی میں خوب تجزیہ کیا ہے اور اس تحریف کا دو نسخوں سے مقابلہ کر کے حقیقت حال واضح کر دی ہے اس ضمن میں رقم طراز ہیں۔

"ولکن فندر لم یترك عادته فی تغیر طبعات کتبه بناء علی ما یستفیده من کتب الردود الاسلامیة فقام باصلاح کتابه میزان الحق للمرة الثالثة وطبعه بالترکیة،وسار علی ھذا المنھج خلفاء ه من بعده،فقد قام الدکتور سنکلر تسدل بتنقیح میزا ن الحق للمرة الرابعة فقدم واخر وبدل کثیراً من المضامین،وحذف وزاد ، وزعم ان ھذة الزیادة مبنیة علی الکشف العلمی ،حتی ان الناظر فی الطبعات المختلفة یجد بینھا اختلافات اساسیة"۔(۸۱)

۴۔ مناظرہ کی تفصیلات :

مولانا کیرانوی کا پادری فانڈر سے ۱۸۵۴ء کا مناظرہ اکبر آباد تاریخی حیثیت کا حامل ہے اور فاضل محقق کی دلچسپی کا خاص موضوع ہے۔ فاضل محقق نے مناظرہ کے نتائج پر سیر حاصل بحث کی ہے لکھتے ہیں۔

"لقد استطاع الشیخ رحمت الله...بفضل الله فی هذه المناظرة ، ان یظهره فنلر للناس علی حقیقیته و تعریة کتاباته التی ملئت تبجحاً وتحدیاً".(۸۲)

۵۔ اظہار الحق کے مخطوطات اور مطبوعہ نسخوں کا موازنہ :

ڈاکٹر ملکاوی نے مقدمہ میں جس امر پر سب سے زیادہ توجہ مبذول کی ہے وہ اظہار الحق کے صحیح متن کی بازیافت ہے اس ضمن میں ڈاکٹر موصوف نے بڑی عرق ریزی اور جانکاری کے ساتھ قلمی نسخے اور ابتدائی مخطوطوں سے لیکر جدید طبعات کا موازنہ کیا ہے۔ اپنی تحقیق سے وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ابتدائی نسخہ میں در آنے والی اغلاط تمام طبعات میں موجود ہیں اور کسی نے حقیقی معنوں میں اس طرف توجہ نہیں کی چنانچہ لکھتے ہیں۔

"وبعد التوکل علی الله والاعتماد علیه وحده قمت بمقابلة النسخ السالفة الذکر کلمةً کلمةً، وحرفاً وحرفاً، وبعد اتمام مقابلتها فی ستة اشهر تبین لی ان جمیع الطبعات اللاحقة سواء فی مصر أو المغرب أو قطر ماخوذة عن الطبعة الاولی الترکیه فقط، و شئی طبیعی ان یکون فیها سقوط الحروف و الکلمات بل الجمل والفقرات والاسطر الکثیرة فی بعض الاحیان، وبخاصة لتعسر التصیح فی ذالك الزمان، وقد تلقفت المطابع الطبعة الاولی من اظهارالحق تطبعة وتو زعه، فهذه الطبعات اللاحقة نقلت عن الطبعة الاولی باخطائها وحصل فیها اخطاء جدیدة، فکانت الاخطاء فیها مضاعفة، النقص من جانبین، فالغلط أوالنقص الذی وقع فی لاولی وقع فی جمیع الطبعات اللاحقة بعدها، بالاضافة الی اغلاط ونقصانات جدیده وعدیدة".(۸۳)

فاضل محقق نے مختلف نسخوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہ صرف سنگین قسم کی اغلاط کی نشاندہی کی ہے بلکہ زیر نظر اشاعت میں مولف اظہار الحق کا خطی نسخہ اور طبع اول کے چند صفحات بھی بطور نمونہ دیئے ہیں۔(۸۴)

۶۔ اظہار الحق کے امتیازات :

فاضل محقق ڈاکٹر عبدالقادر ملکاوی نے اظہار الحق پر خاص توجہ مرکوز کی ہے اور میزات کتاب اظہار الحق کے عنوان سے کتاب کے نمایاں پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ہے اس ضمن میں ان خوبیوں کی نشاندہی کی ہے جو اس نوعیت کی دیگر تصنیفات کے مقابلے میں اسے حاصل ہیں۔(۸۵)

۷۔ بائیبل اور دیگر کتب سے اعتناء :

ڈاکٹر عبدالقادر ملکاوی نے مقدمہ میں بائیبل اور ان دیگر کتب کی نشاندہی کی ہے جنہیں اپنی تحقیق و تعلیق میں پیش نظر رکھا ہے یہاں پر ان کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا۔

نسخ کتب العهدین 'عربی بائیبل' مطبوعہ ۱۸۲۳ء، ۱۸۲۵ء، ۱۸۲۶ء، ۱۸۳۳ء، ۱۸۶۵ء، ۱۸۷۷ء، ۱۸۸۲ء، ۱۹۷۰ء، ۱۹۷۱ء، ۱۹۷۶ء، ۱۹۸۳ء، ۱۹۸۵ء۔

الکتاب المقدس، التوراة السامریۃ، العهد الجدید وغیرہ، اس ضمن میں فارسی، اردو اور انگریزی نسخوں کو بھی مد نظر رکھا ہے۔(۸۶)

مذکورہ پہلو تو مقدمۃ المحقق سے متعلق تھے۔ متن میں ڈاکٹر موصوف نے جن امور کا اہتمام کیا ہے وہ یہ ہیں

۸۔ تحقیق اعلام و اماکن :

فاضل محقق نے کتاب کے حاشیہ کو اپنی تعلیقات سے مزین کیا ہے ان میں اعلام و اماکن کی تحقیق ہے۔ اس ضمن میں فاضل محقق نے بنیادی مصادر و ماخذ کو پیش نظر رکھا ہے۔ اس میں دلچسپ پہلو یہ ہے کہ وہ اماکن و اعلام جنکا تعلق برصغیر سے ہے ان کی بھی خوب تحقیق کی ہے مثلاً اکبر آباد کی بابت لکھتے ہیں۔

"هي مدينة أكرا المشهورة في الهند، وقد اسسها الامبرا طور محمد جلال الدين اكبر سنه ١٥٦٦م واتخرها عاصمة ملكه وسماها اكبر آباد، اى المكان العامر المليء بالخيرات، وفيها يقع (تاج محل) وهو من عجائب الدنيا السبع،(المناظرة الكبرى، ص ١٦٧، والموسوعة الميسرة ص ٥٤)".(۸۷)

۹۔ اختلاف عبارت کی نشاندہی :

فاضل محقق نے اظہار الحق کی نص عبارت میں جہاں پر بھی اختلاف یا کتابت و طباعت کی غلطی نظر آئی حاشیہ میں اس کی نشاندہی کر دی ہے، مثلاً ایک جگہ حاشیہ میں ۱۸۲۲ء کے سن کی تصحیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"وقع في نسخة الدسوقي المغربية والقطرية ١٨٨٢ء وتابعه السقا في نسخة المصرية، وهو خطاء واضح، لان تاليف اظهار الحق كان في سنته ١٨٦٣ء

فكيف يحمد مولفه علي مرجعه متاخر عن كتابه ب ١٨ عاماً والصواب ١٨٢٢ء۔(٨٨)

١٠۔ مولفؒ کی مغلق عبارتوں کی توضیح :

ڈاکٹر عبدالقادر ملکاوی جہاں عبارت کو مغلق پایا وہاں حاشیہ میں اس کے مفہوم کو واضح کر دیا اور جہاں کہیں مولفؒ سے کسی آیت یا بائیبل کے باب و فقرہ کے نمبر لکھنے میں تسامح ہوا اس کی اصلاح کر دی۔

تحقیق و تعلیق کا ناقدانہ جائزہ :

ان قابل ذکر امور کے باوجود اردو، فارسی ماخذ کے ضمن میں چونکہ محقق نے تراجم پر اعتماد کیا ہے اس وجہ سے بعض مقامات پر تسامحات پر نظر پڑتی ہے۔ علاوہ ازیں اظہار الحق کے علاوہ مولانا کیرانویؒ کی دیگر تالیفات کا محض ۲ صفحات پر ہی تعارف کرادیا گیا ہے۔ پادری فانڈر کا تعارف کراتے ہوئے اسے امریکی باشندہ قرار دیا حالانکہ مسیحی ذرائع اور خود مولانا کیرانوی نے جرمن کا باشندہ تحریر کیا ہے۔ امداد صابری کی کتاب کو بار ہا آثار رحمت اللہ تحریر کیا گیا ہے۔(٨٩)

تاہم ان چند امور سے قطع نظر طور پر ڈاکٹر عبدالقادر ملکاوی نے اپنے تئیں تحقیق و تعلیق کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے اور سب سے بڑھ کر کتاب کی ترتیب، طباعت اور پیشکش لائق تحسین ہے۔
مقدمہ کے آخر میں ڈاکٹر ملکاوی رقمطراز ہیں۔

"وفي الختام احمد الله تعالى الذي اعانني على بزل الجهد ليلة اربع سنوات ماضية، حتى انتهيت من التحقيق وانجزت هذا العمل، ولا ادعي الكمال لعملي هذا، لان غاية جهد بشر، فارجو من كل من له اية ملاحظات ان يتكرم مشكوراً بتنبهي اليها، وله الاجر والثواب من العزيز الوهاب"(٩٠)

اظہار الحق کے تراجم :

اظہار الحق کی پہلی طباعت کے ساتھ ہی اسکی قبولیت وافادہ عام کے پیش نظر اس کے متعدد زبانوں میں تراجم ہوئے ذیل کی سطور میں ان کا تراجم کا ایک جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

ا۔ ترکی تراجمہ "ابراز الحق" :

اظہار الحق کے پہلے حصے کا ترکی زبان میں سب سے پہلا ترجمہ سلطان عبدالحمید خان کے حکم سے ایک ترکی عالم

شیخ نزھت آفندی نے کیا۔ اس کا نام ابراز الحق رکھا۔ جبکہ دوسرے حصے کا ترجمہ شیخ عمر فہمی ابن حسن الانقروی نے کیا۔ دونوں جزاء ایک ہی جلد میں طبع ہوئے جس کے صفحات ہزار کے قریب ہیں ۱۹۷۲ء اور ۱۹۷۶ء میں اسکی مکرر طباعت ہوئی۔ (۹)

۲۔ گجراتی ترجمہ :

گجراتی زبان میں مولوی غلام محمد بھانجا اندیری بن حافظ صادق نے بڑی محنت اور جاں کاہی سے اظہار الحق کا ترجمہ کیا جو شائع ہوا یہ ۱۹۱۸ء میں سورت سے ایک ہی جلد میں طبع ہوا۔ (۹۲)

۳۔ فرانسیسی ترجمہ :

فرانسیسی ترجمہ ہی کی بدولت یورپ 'اظہار الحق' سے متعارف ہوا۔ پاول کے خیال میں۔

" .Rahamat Allah,wives first came to the attention of European theological."

فرانسیسی ترجمہ ' کا تعارف ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنے ایک مضمون میں یوں کرایا ہے :

"فرانسیسی ترجمہ دو جلدوں میں اور ۱۸۸۰ء میں پاریس (پیرس) میں چھپا ہے۔ پہلی جلد میں (۱۵۲) صفحات کا ایک مقدمہ ہے جس کے بعد (۳۲۳) صفحوں میں اصل کی جلد اول کا ترجمہ ہے دوسری جلد میں (۴۷۲) صفحے ہیں کہیں کہیں حواشی ہیں لیکن کوئی اشاریہ وغیرہ نہیں ہے"۔ (۹۳)

ترجمہ کا نام و کوائف یہ ہیں :

dh-har-ul-Haqq 'ou manifestation De La Verite'

Par El-Hage Rahamat-Ultah Efendi De Dehli,

Traduite De L'earabe Par Un Jeune Tunisien,

Revu Et Corrige Sur Le Texte Et Augmente

D'une Preface, D'un Appedice Et De Quelques Notes Par P.V.Carletti,

Paris, Ernest Lerxix, Editeur, 28, Rue Bona Parte 1880.

(یعنی اظہار الحق یا حقیقت کا برملا ظہور از الحاج رحمت اللہ آفندی، از دہلی۔ اس کا عربی سے [فرانسیسی میں] ترجمہ ایک نوجوان تونسی نے کیا۔ پھر اس کی نظر ثانی اور اصل سے مقابلہ کر کے تصیحح، نیز اسمیں ایک مقدمہ، ایک ذیل اور چند حاشیوں۔

اضافہ کارلٹی نے کیا اور یہ ۱۸۸۰ء میں ارنسیت لرونا نے نمبر ۲۸ شارع بوناپارٹ پارلیس [پیرس] سے شائع کیا)۔ (۹۴)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ مترجم اور نظر ثانی کرنے والے اور اسباب ترجمہ کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

"اصل مترجم کا نام راز ہی رہا، مصحح اپنے آپ کو ایک آزلوخیاں ہونا بیان کرتا ہے اس لئے اس کام کو بے عذر کرنے پر آمادگی ظاہر کرتا ہے اس سے زیادہ کوئی حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ کارلٹی کا نام بتاتا ہے کہ اس کا خاندان اطالوی ہو گا بہ ظاہر وہ کیا ہو،

گمان ہوتا ہے کہ لندن یا پارلیس کے ترکی سفیر نے اس کام میں دلچسپی لی تھی کیونکہ اصل کتاب سلطان کی فرمائش پر دارالسلطنت استانبول میں تالیف ہوئی تھی لیکن یہ بھی اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اس نے کافی محنت اور دیانتداری سے اپنا فریضہ انجام دیا ہے"۔ (۹۵)

ترجمہ کی بعض ناگزیر دشواریاں :

فاضل تبصرہ نگار ڈاکٹر محمد حمید اللہ فرانسیسی ترجمہ کی بعض دشواریوں اور پیچیدگیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اصل کتاب عربی میں یا پرانی ترکی میں، الفاظ پر اعراب نہیں ہوتا خاص کر صدی بھر پہلے کی نشریات [چھاپوں] میں اسی طرح فرنگی اور اجنبی ناموں اور لفظوں کا صحیح تلفظ معلوم ہونا دشوار ہو جاتا ہے مزید برآں عربی میں پ، چ، ژ، گ، نہیں نہ ذ، ز، ں، ھ، ے جب نام کو معرب کیا جاتا ہے تو وہ اصل سے دور ہو جاتا ہے ایک مزید پیچیدگی اس سے یہ ہو جاتی ہے کہ فرانسیسی، جرمن، اطالوی وغیرہ ناموں کی اگر انگریزی کے طور پر تلفظ کریں تو اکثر وہ ناقابل شناخت ہو جاتے ہیں، سونے پر سہاگہ کاتب اور طباعت کی غلطیاں کچھ کو کچھ کر دیتی ہیں۔

فرانسیسی مترجم کا احساس :

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بقول اس فرانسیسی مترجم و مصحح نے شدت سے محسوس کیا ہے اور بارہا اعتراف کیا ہے کہ کیا نام مراد ہے اسکا پتہ نہیں چلتا اور اثنائے ترجمہ اس سے بھول بھی ہوئی ہے مثلاً فرانسیسی ترجمے میں ولیم میور کو کبھی (Muir) لکھا ہے (جو صحیح ہے) اور کبھی (Mure) (جو غلط ہے) ایک جرمن نام کو عربی میں شولز اور شلر دو طرح سے لکھا گیا ہے۔ (۹۶)

فرانسیسی مترجم کی بددیانتی :

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بقول، فرانسیسی مترجم کی ایک حرکت بددیانتی تک پہنچ گئی ہے، وہ یہ کہ ترجمے میں

صراحت کئے بغیر بارہا ترجمے کی جگہ خلاصہ دیا گیا ہے اور ہماری ضرورتوں کیلئے خاص کر تکلیف دہ یہ امر ہے کہ اگر اصلی عربی میں ناموں کی طویل فہرست ہو تو دو چار نام دے کر فرانسیسی مترجم نے باقی کو وغیرہ کے پردے میں حذف کر دیا ہے۔ (۹۷)

۴۔انگریزی ترجمہ :

انگریزی زبان میں اظہار الحق کے دو ترجموں کا پتہ چلتا ہے ایک ترجمہ کا ذکر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے یوں کیا ہے :

> "اس کتاب کا ایک انگریزی ترجمہ ملتا ہے جو راست عربی سے نہیں بلکہ اس کے ایک گجراتی ترجمہ کی مدد سے کیا گیا ہے نسخہ دریدہ ہونے کے باعث مترجم کا نام اور تاریخ اشاعت تو معلوم نہ ہو سکے لیکن بظاہر یہ ہندوستان کا مطبوعہ ترجمہ ہے اور میرا گمان ہے کہ اس پر لندن ٹائمز میں تنقید (۹۸) نہیں ہوئی ہو گی۔ فرنگی لوگ ایسی ویسی تحریروں کو اہمیت نہیں دیتے اور بظاہر یہ انگریزی ترجمہ زیادہ عالمانہ بھی نہیں ہے اور نہ مترجم کی نظر فرنگی لٹریچر پر زیادہ ہے (یہ ترجمہ میری نظر سے نہیں گزرا غالباً موجودہ صدی (۲۰ ویں) کا ہے زیادہ قدیم نہیں"۔

دوسرا ترجمہ وہ ہے جسکا پہلا ایڈیشن ۱۹۸۹ء میں انگلینڈ سے طبع ہوا یہ ترجمہ بھی راست عربی کی بجائے اردو ترجمہ (بائبل سے قرآن تک) کی مدد سے کیا گیا ہے اس ترجمہ کے مختصر کوائف یہ ہیں

IZHAR-UL-HAQ (Truth Revealed)

Maulana M Rahmatullah kairanvi.

Muhammad Wali Razi.(99)

1st Edition:1989 A D/1409 AH (TA-HA Publishers Ltd , England)

2nd Edition 1992 A D/1412 A.H (World Knowledge for Publishing & Distribution,

P O Box 576 Jeddah-21421. Saudi-Arabia

مذکورہ ترجمہ چار اجزاء (Parts) میں الگ الگ کیا گیا ہے اور اسکی طباعت کا اہتمام حکومت سعودی عرب کی معاونت سے ہوا۔ کتاب کے پہلے ہی صفحے پر تعارفی سطور میں یہ بتایا گیا ہے۔۔

> "The book, internationally recegnized as one of the most authoritative and objective studies of the Bible, was origionally written in Arabic under the Title,

'Izhar-ul-Haq' by the distinguished 19th century Indian scholar, Maulana Rahmatullah Kairanvi and appeared 1864 The book was subsequently translated into Urdu and Then from Urdu into English by Muhammad Wali Razi. The present publishers are bringing the Wali Razi Translation out as a series in several instalments of which is the first "(100)

ترجمہ کا تعارف سید حسن محمد قطبی (سابق وزیر حج، مملکت سعودی عرب) کا تحریر کردہ ہے اس میں مختصر طور پر اسلام اور مسیحیت کی فکری آویزش اور بر صغیر کے مختصر حالات و خدمات، نیز پادری فانڈر سے مناظرہ ۱۸۵۴ء اور اظہار الحق کی تالیف پر روشنی ڈالی گئی ہے۔(۱۰۱)

ترجمہ میں ضرورت کے مطابق مولانا محمد تقی عثمانی کے حواشی سے استفادہ کیا گیا ہے اس سلسلے میں (Taqi) اور (Razi) کے اختصارات استعمال کیے گئے ہیں ترجمہ کی زبان سلیس ہے، ساتھ ہی چند اہم امور کی طرف اشارہ بھی ناگزیر ہوگا۔

۱۔ ترجمہ راست عربی کی بجائے اردو ترجمہ سے کیا گیا ہے اور ترجمہ در ترجمہ اصل عبارت سے مفہوم کو دور لے جانے کا باعث بنتا ہے اور پھر اردو ترجمہ کی بعض اغلاط انگریزی ترجمہ میں یقینی طور پر در آئی ہیں۔(۱۰۲)

۲۔ فاضل مترجم نے انگریزی ترجمہ میں اظہار الحق کے مقدمہ کو نظر انداز کر دیا ہے جس میں مولفؒ نے اس وقت کے بر صغیر کے حالات اور کتاب کے بعض بنیادی امور کی وضاحت کی ہے۔

۳۔ اظہار الحق میں قرآن حکیم کی آیات و احادیث مبارکہ جا بجا طور حوالہ وارد ہوئی ہیں لیکن فاضل مترجم نے یہ نصوص عربی میں دینے کی بجائے ترجمہ پر ہی اکتفا کیا ہے۔

۴۔ فرنگی ناموں اور مولف کے ماخذ کی خاطر خواہ وضاحت نظر نہیں آتی اور بعض تلفظ کھٹکتے ہیں مثلاً پہلے ہی صفحہ پر پادری سی۔جی۔فانڈر (Rev.C.G Pfander) کا نام (Rev C C P fonder) لکھا ہوا ہے۔ مزید براں مترجم کا نام سرورق پر نہیں ہے تاہم ضرورت اس امر کی ہے ترجمہ کو مزید معیاری اور کتاب کے شایان شان بنایا جائے۔

۵۔ اردو ترجمہ "بائبل سے قرآن تک":

بر صغیر پاک و ہند میں اظہار الحق کو اردو زبان میں متعارف کرانے کا سہرا دار العلوم کراچی کے سر ہے اگرچہ اس

سے پہلے بھی مولوی سلیم اللہ کے اردو ترجمہ کا پتہ چلتا ہے مگر اس کی طبع ہونے کی نوبت نہیں آئی (۶۳)

زیر نظر ترجمہ کی بابت محمد تقی عثمانی رقمطراز ہیں:

"مذکورہ کتاب کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کا خیال سب سے پہلے مولانا نور احمد (سابق ناظم اعلیٰ دارالعلوم کراچی) کے دل میں تقریباً ۱۳۷۹ھ/۱۹۶۰ء میں آیا۔ انہوں نے مولانا اکبر علی (استاذ حدیث دارالعلوم کراچی) سے فرمائش کی کہ اس کتاب کا اردو ترجمہ کر دیں چنانچہ انہوں نے والد ماجد مولانا مفتی محمد شفیع کے ایماء پر اور ان کی نگرانی میں ترجمہ کا کام چھ ماہ میں مکمل کر لیا"۔

چنانچہ کتاب کے اردو ترجمہ کا فریضہ مولانا اکبر علی (سہارن پوری) اور شرح و تحقیق کا کام، مولانا محمد تقی عثمانی نے سرانجام دیا۔ مکتبہ دارالعلوم کراچی سے پہلا ایڈیشن ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۹ء میں منصہ شہود پر آیا۔ طباعت و تحقیق و حواشی کا کام تدریجاً انجام پایا اور بالترتیب تین ضخیم جلدیں (۶۲۳)، (۴۶۱)، (۶۶۴) صفحات وجود میں آئیں۔ اب تک مذکورہ ترجمہ کے متعدد ایڈیشن منظر عام پر آچکے ہیں۔

ترجمہ کے آغاز میں مفتی محمد شفیع نے (۶) صفحات پر مشتمل پیش لفظ تحریر کیا ہے جس میں کتاب کی ہیئت اور اردو زبان میں اس کے ترجمہ ضرورت پر روشنی ڈالی ہے لکھتے ہیں:

"عیسائیت کے بڑھتے ہوئے فتنے کے پیش نظر کئی بار خیال آیا کہ ان میں سے بعض کتابوں کو بعینہ یا ترجمہ کر کے شائع کیا جائے جب انتخاب کا مرحلہ آیا تو اظہار الحق سے زیادہ موزوں کوئی اور کتاب نظر نہ آئی۔۔۔ چنانچہ اللہ کے نام پر اپنے دارالعلوم کے ایک محترم استاذ جناب مولانا اکبر علی صاحب کو اس کتاب کا ترجمہ کرنے کیلئے مقرر کیا گیا موصوف نے مختصر مدت میں ترجمہ مکمل کر دیا۔ لیکن اس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس کتاب کا صرف ترجمہ کافی نہیں، اس کتاب میں جن انجیلوں اور عیسائی مذہب کی کتابوں کے حوالے ہیں اور جن شخصیتوں کا ذکر ہے ان حوالوں کی تحقیق و تنقید موجودہ زمانے کی انجیلوں اور کتابوں سے اور شخصیتوں کا کچھ تعارف کرانا ضروری ہے اس کے بغیر کتاب کی افادیت بہت ناقص رہے گی اور اس کام کیلئے انگریزی کتابوں سے مدد لینا ناگزیر تھا"۔ (۶۴)

اردو ترجمہ کی شرح و تحقیق کی بابت لکھتے ہیں:

"انہوں نے (محمد تقی عثمانی) تقریباً چار سال کی عرق ریزی کے بعد صرف اس کی ترتیب و

تہذیب ہی نہیں کی بلکہ اس پر تحقیقی حواشی کا اضافہ کر کے کتاب کی افادیت بڑھا دی۔
بائبل کی عبارتوں کی تخریج کر کے نسخوں کے اختلافات اور تازہ ترین تحریفات کو جمع کر
دیا۔ عیسائی اصطلاحات اور مشاہیر کا تعارف لکھ دیا بہت سے ماخذ کی مراجعت کر کے ان
کے حوالے مکمل کر دیئے اور عصر حاضر میں عیسائی مذہب سے متعلق جو نئی تحقیقات ہوئی
ہیں ان کی طرف بھی اشارے کر دیئے، اس کے علاوہ شروع میں ایک مبسوط مقدمہ لکھ دیا
جو عیسائیت کے موضوع پر مستقل ایک تصنیف ہے اور اس میں عیسائیت کے مکمل تعارف
کے علاوہ اس مذہب کے بانی کے بارے میں جو تحقیقی بحث چھیڑ دی گئی وہ ایک فیصلہ کن
حیثیت رکھتی ہے"۔ (۶۵)

مولانا محمد تقی عثمانی نے حرف آغاز کے عنوان سے صفحات (۲۳۔۳۵) کتاب کی اہمیت، اردو قالب میں ڈھالنے کی ضرورت، انداز تحقیق اور اسلوب ترجمہ اور اپنے ماخذ و مصادر کی نشاندہی کے علاوہ اس کام کی دقت و نوعیت کے بارے میں بتایا ہے لکھتے ہیں:

"اس کتاب نے علمی دنیا میں بلاشبہ ایک بلند مقام حاصل کیا ترکی، فرانسیسی، انگریزی اور
گجراتی میں اس کے ترجمے بار بار شائع ہوئے اور انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ لیکن ابھی تک اردو
کا دامن اس وقیع علمی سرمایہ سے خالی تھا اور اردو دان اہل علم اس کی کو شدت کے ساتھ
محسوس کرتے تھے۔

کام کی نوعیت کی بابت رقمطراز ہیں:

"شروع میں خیال تھا کہ اس کتاب کو عام رواج کے مطابق مرتب کرنا ہوگا، عنوانات قائم
کرنا ہوں گے، نسخوں کا مقابلہ کر کے تصحیح کرنی پڑیگی آخر میں ایک اشاریہ مرتب
کردونگا اور بس۔ لیکن جب کام شروع کیا تو نئے نئے گوشے سامنے آنے لگے بہت سی ایسی
چیزوں کی شدید ضرورت محسوس ہوئی جن کے بغیر اس کتاب کی افادیت موجودہ دور میں
نہایت محدود ہو جاتی۔۔۔۔۔ اور یوں جو کام چند ماہ میں مکمل کر لینے کے خیال سے شروع کیا تھا
اسمیں پورے ساڑھے تین سال لگ گئے"۔ (۶۶)

اظہار الحق کے اردو ترجمہ و حاشیہ پر مولانا تقی عثمانی نے جو مفید اضافات کئے وہ انہی کے الفاظ میں یہ ہیں:

متن کے حوالے سے:

۱۔ متن میں جہاں عربی بائبل کے حوالے آئے ہیں (اور یہ حوالے کتاب کا کم وبیش دو تہائی حصہ ہیں) وہاں حضرت مترجم نے مسودے میں ان کا خود ترجمہ کیا احقر نے تمام مقامات پر اس کی جگہ براہ راست بائبل کے اردو ترجمے کی عبارتیں لکھدی ہیں تاکہ وہ پوری طرح سمجھ بھی آسکیں اور عیسائی حضرات کے لئے زیادہ قابل اعتماد بھی ہوں۔

۲۔ لیکن چونکہ بائبل کے مختلف ایڈیشنوں میں عبارت کا بڑا تغیر ہوتا رہتا ہے اس لئے میں نے اس بات کا پورا لحاظ رکھا ہے کہ جہاں بائبل کا موجودہ اردو ترجمہ اس عبارت سے مختلف ہو جو اظہار الحق میں نقل کی گئی ہے وہاں متن میں اظہار الحق کی عبارت ہی کا ترجمہ کیا جائے اور اسے قوسین کے ذریعے ممتاز کر کے حاشیہ پر اختلاف کی مکمل توضیح کر دی ہے۔

۳۔ اظہار الحق کے جس نسخے سے استاذ مکرم حضرت مولانا اکبر علی نے ترجمہ کیا تھا اس میں بعض مقامات پر خاص طور سے حوالوں میں بڑی غلطیاں تھیں۔ ایسے مواقع پر احقر نے اظہار الحق کے مختلف نسخوں کا مقابلہ کیا، جہاں ممکن ہوا اصل ماخذ کی مراجعت کی اور جس لفظ کے بارے میں یقین ہو گیا کہ یہ طباعت کی غلطی ہے اسے متن ہی میں بدل دیا اور جہاں شبہ رہا وہاں حاشیے میں اس کا اظہار کر دیا۔

۴۔ غیر مسلموں کے نام اظہار الحق میں معرب کر کے نقل کیے گئے ہیں جن ناموں کے بارے میں تحقیق کے بعد مجھے یہ یقین ہو گیا کہ ان کی اصل کیا ہے میں نے متن ہی میں اصل نام لکھ دیا اور جہاں یقین نہ ہو سکا وہاں ناموں کو جوں کا توں رہنے دیا۔

۵۔ جس جگہ ترجمہ میں ابہام یا اغلاق محسوس ہوا وہاں حضرت مترجم کی اجازت کے مطابق ترجمے کی عبارت کو واضح کر دیا۔

۶۔ قاری کی سہولت کے لیے جگہ جگہ عنوانات قائم کر دیئے۔ کتاب کے نام اور ابواب کے عنوانات کی ذمہ داری بھی احقر پر عائد ہوتی ہے۔

۷۔ ترقیم (Panctuation) کا اہتمام کیا ہے، تمام حوالے ممتاز کر دیے ہیں اور پیراگراف قائم کر دیے ہیں۔

۸۔ آخر میں مفصل اشاریہ (Index) مرتب کر دیا ہے۔

۹۔ کتاب کے شروع میں عیسائی مذہب کے نظریات اور تاریخ کا تعارف اور اسکی اصلیت کی تحقیق ایک مبسوط مقدمے کے ذریعے پیش کی ہے اور بعض ایسے امور کی نشاندہی کی ہے جو احقر کی رائے میں فیصلہ کن اہمیت رکھتے ہیں۔(۱۰۷)

حواشی و تعلیقات کے حوالے سے:

۱۔ بائبل کے ہر حوالے پر ان عربی، اردو اور انگریزی کے قدیم و جدید ترجموں کی مراجعت کی جو احقر کے پاس موجود تھے ان تراجم میں جابجا اہم شدید اختلافات ہیں، جن اختلافات سے نفس مفہوم پر فرق پڑتا تھا انہیں حاشیے میں واضح کر دیا ہے اور اسی طرح حواشی میں بائبل کی تازہ تحریفات کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا۔

۲۔ اظہار الحق کے ماخذ میں سے جس قدر کتب مجھے مل سکیں ان کی مراجعت کر کے حاشے پر حوالے دے دیے ہیں یا انہیں مکمل کر دیا ہے، لیکن بیشتر کتب آجکل نایاب ہیں ایسے مواقع پر احقر نے کوشش کی ہے کہ عیسائی علماء کی جو کتابیں آجکل دستیاب ہیں ان کے حوالے سے بھی وہ بات ثابت کر دوں جو مصنف نے بیان فرمائی ہے۔

۳۔ اظہار الحق میں بہت سی عیسائی یا عام علمی اصطلاحات جا بجا استعمال ہوئی ہیں احقر نے حاشیہ پر ان کی توضیح کا اہتمام کیا ہے۔

۴۔ کتاب میں جن عیسائی یا مسلمان فرقوں کا ذکر ہے ان کا حوالوں کے ساتھ مختصر اور ضروری تعارف کرا دیا ہے جن اصطلاحات یا فرقوں کا تعارف کرا یا گیا ہے ان کی فہرست کتاب کے شروع شروع میں موجود ہے۔

۵۔ کتاب میں انسانوں، شہروں اور قبیلوں کے جو نام آئے ہیں ان میں سے بہت سوں کا تعارف کر دیا ہے تمام ناموں کا تعارف تو نا ممکن تھا تاہم ایسے نام جنکا جاننا کتاب کا مفہوم سمجھنے کے لیے یا عیسائیت کے ایک طالب علم کے لیے ضروری تھا اشاریہ میں جن ناموں پر حرف 'ت' بنا ہوا ہے ان ناموں کا تعارف حواشی میں موجود ہے۔

۶۔ آیات قرآنی کا ترجمہ کر دیا ہے اور تمام احادیث کی حوالوں کے ساتھ تخریج کر دی ہے، جو تاریخی واقعات بغیر حوالوں کے بیان ہوئے تھے اکثر مقامات پر ان کے حوالے بھی دے دیے ہیں۔

۷۔ جہاں ضروری محسوس ہوا مصنف کی عبارتوں کی تشریح کر دی ہے۔

۸۔ جس جگہ مناسب معلوم ہوا مصنف کی تائید کے لیے مزید تازہ ترین دلائل پیش کیے ہیں ایسے مواقع پر حواشی بہت طویل اور مفصل ہو گئے ہیں۔

۹۔ مصنف نے جس جگہ اظہار الحق میں کسی گزشتہ یا آئندہ بحث کا حوالہ دیا ہے وہاں مراجعت کر کے صفحہ اور جلد کا حوالہ لکھ دیا ہے تاکہ قارئین کی سہولت رہے۔ (۴۸)

مولانا محمد تقی عثمانی کے مآخذ:

اظہار الحق کے اردو ترجمہ اور شرح و تحقیق میں مولانا تقی عثمانی نے بہت سی کتابوں کو پیش نظر رکھا ہے جن کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(ا) اظہار الحق کے نسخے:

اظہار الحق کے مندرجہ ذیل نسخے مولانا تقی عثمانی کے پیش نظر رہے۔

۱۔ اظہار الحق کامل مطبوعہ ۱۳۰۹ھ مطبعہ خیریہ مصر بتصحیح الشیخ محمد الاسیوطی۔

۲۔ اظہار الحق کامل مطبوعہ ۱۳۱۷ھ المطبعہ العامرۃ المحمودیہ الجامعۃ الازہر، مصر۔

۳۔ اظہار الحق جلد اول مطبوعہ ۱۳۱۵ھ المطبعہ العلمیۃ۔

۴۔ اظہار الحق (انگریزی ترجمہ) جو اظہار الحق کے گجراتی نسخے مترجم مولانا غلام محمد بھاجارانڈیری سے کیا گیا ہے۔[۱۰۹]

(ب) بائبل کے تراجم:

بائبل کے مندرجہ ذیل نسخے مولانا عثمانی کے پیش نظر رہے۔

۱۔ اردو بائبل کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن مع حوالا جات جو ۱۵۵۹ء میں لوایئڈر ائڈن پر نٹرز کے زیر اہتمام لندن میں چھپا اور پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور سے شائع ہوا اس کے لیے 'موجودہ ترجمہ' کے الفاظ استعمال کے گئے ہیں۔

۲۔ اردو بائبل ۱۹۵۸ء (بغیر حوالہ جات) مطبوعہ برطانیہ وشائع کردہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور۔

۳۔ بائبل کا عربی ترجمہ (بغیر حوالہ جات) جو ۱۹۵۶ء کیمبرج یونیورسٹی پریس نے طبع کیا اور جمعیات الکتاب المقدس المتحدہ نے شائع کیا کتاب میں جدید عربی ترجمہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

۴۔ بائبل کا عربی ترجمہ (مع حوالہ جات) جو ۱۸۶۵ء میں بیروت سے چھپا تھا یہ نسخہ نامکمل ہے اور اخبار الایام اوّل تک کے صفحے اس میں سے غائب ہیں۔قدیم عربی ترجمہ سے یہی نسخہ مراد ہے۔

۵۔ بائبل کا انگریزی ترجمہ (مع حوالہ جات) King James Version ۱۹۱۱ء جسے امریکن بائبل سوائٹی نے مرتب کر کے شائع کیا اور یہ ۱۹۶۲ء آکسفورڈ یونیورسٹی پریس میں طبع ہوا۔اس نسخے کی طرف قدیم انگریزی ترجمہ کے الفاظ سے اشارہ ہے۔

۶۔ بائبل کے عہد نامہ جدید کا نیا بامحاورہ انگریزی ترجمہ جو جزائر برطانیہ کے کلیساوں کے منتخب علماء نے تیرہ سال میں مرتب کیا ہے یہ نسخہ ،دی نیو انگلش بائبل کے نام سے ۱۹۶۱ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس اور کیمبرج یونیورسٹی پریس نے مشترکہ طور پر شائع کیا ہے 'جدید انگریزی ترجمہ' میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

۷۔ مکمل بائبل کا انگریزی ترجمہ (ناکس ورژن) کیتھولک فرقے کا کیا ہوا ہے میکملن کمپنی لندن نے ۱۹۶۳ء میں شائع کیا ہے۔ اسمیں پوری (Apocrypha) بھی شامل ہے۔اس نسخے کے لئے 'کیتھولک بائبل' کا لفظ استعمال کیا ہے۔[۱۱۰]

(ج) بائبل کی امدادی کتب:

۱۔ اے سائیکلوپیڈیا بائبل کنکارڈنس، یہ بائبل کا مفید اشاریہ ہے جسے آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے طبع کروا کے شائع کیا ہے سنہ طباعت درج نہیں۔'کنکارڈنس' سے یہی مراد ہے۔

۲۔ اے نیو ٹیسٹامنٹ کمنٹری، یہ عہد نامہ جدید کی تفسیر ہے جسے آرنلڈ۔اے۔ناکس نے لکھا ہے۔

۳۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹنیکا، مطبوعہ ۱۹۵۰ء اس کے بے شمار مقالوں سے مدد لی گئی ہے۔

۴۔ 'ہماری کتب مقدسہ' یہ بائبل کی ایک تعارفی کتاب 'نیو بائبل ہینڈ بک' کا اردو ترجمہ ہے اصل تصنیف جی۔ٹی۔ منلی کی ہے

اردو ترجمہ ایس امام الدین اور مسز کے ۔ایل۔ ناصر نے مشترکہ طور پر کیا ہے، مسیحی اشاعت خانہ ۳۶، فیروز پور روڈ لاہور سے شائع ہوئی ہے۔[۱۱]

اردو ترجمہ و شرح و تحقیق کے نمایاں پہلو:

اگرچہ مفتی محمد شفیعؒ کے 'پیش لفظ' اور مولانا تقی عثمانی کے 'حرف آغاز' سے اردو ترجمہ کا پس منظر، انداز و اسلوب اور غرض و غایت پر روشنی پڑتی ہے تاہم یہاں ان کے بعض پہلوؤں کو نمایاں کیا جاتا ہے:

ا۔ شارح کا ضخیم مقدمہ:

محمد تقی عثمانی نے اردو ترجمہ و شرح کے آغاز میں ایک طویل و بسیط مقدمہ صفحات (۳۹۔۲۱۸) تحریر کیا ہے۔ جس کے بارے میں مفتی محمد شفیعؒ کی رائے یہ ہے کہ 'عیسائیت کے موضوع پر ایک مستقل تصنیف ہے' [۱۱۲] اور سید ابوالحسنؒ کی رائے یہ ہے کہ 'وہ فاضلانہ اور محققانہ ہے اور اس لائق ہے کہ علیحدہ سے شائع ہو۔' [۱۱۳] سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اظہار الحق جیسی جامع کتاب کے ہوتے ہوئے اس قدر طویل مقدمہ کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی؟ اس کی غرض و غایت اور اسباب بیان کرتے ہوئے مولانا تقی عثمانی رقمطراز ہیں:

> "پہلی بات تو یہ ہے کہ اظہار الحق جیسی کتاب سے صحیح فائدہ وہ شخص اٹھا سکتا ہے جو پہلے سے عیسائی مذہب کے متعلق کچھ بنیادی معلومات رکھتا ہو، اسے معلوم ہو کہ اس مذہب کے عقائد و نظریات کیا ہیں۔
>
> دوسری بات یہ ہے کہ اظہار الحق ایک صدی پہلے کی کتاب ہے اور ایک سو سال کے اس طویل عرصے میں عیسائیت کئی موڑ اختیار کر چکی ہے اس کے نظریات بھی کسی قدر بدل گئے ہیں۔ خود عیسائیوں میں سے ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں جو اس مذہب کو تنقید کی چھلنی سے چھان کر نئے نظریات پیش کر رہے ہیں ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ جدید نظریات بھی سامنے آئیں۔
>
> تیسرے پچھلے تین سال میں اظہار الحق کی خدمت کے لئے میں نے عیسائیت کا جس قدر مطالعہ کیا ہے اس میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو میرے نزدیک فیصلہ کن اہمیت رکھتی ہیں اور ان کی طرف اس انداز سے شاید توجہ نہیں کی گئی میرا دل چاہتا ہے کہ وہ چیزیں بھی ارباب فکر و نظر کے سامنے آئیں"۔[۱۱۴]

ان اسباب کی بناء پر میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کتاب پر ایک مبسوط مقدمہ لکھوں چنانچہ مولانا تقی عثمانی نے اس مقدمہ میں تین باب قائم کیے ہیں :

پہلا باب : عیسائیت کیا ہے ؟ (صفحات ۱۰۲-۱۰۲)۔

دوسرا باب : عیسائیت کا بانی کون ہے ؟ (صفحات ۱۰۳-۱۷۷)۔

تیسرا باب : سوانح مولانا رحمت اللہ کیرانوی (صفحات ۱۷۹-۲۱۸)۔

۲۔ تحقیقی حواشی کا اہتمام :

شارح کتاب نے کتاب کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر تحقیقی حواشی پر عمدہ کام کیا ہے۔ شارح نے جن امور پر حواشی کا التزام کیا ہے ان کی مذکورہ صفحات میں حواشی کے حوالے کے تحت وضاحت کی جاچکی ہے۔

ایک جگہ پر پولس کے بارے میں رقمطراز ہیں :

> "پولس (لام کے پیش کے ساتھ) Pual نصاری کا ایک مقدس پیشوا ہے جسکے ۱۴ خطوط بائبل کے مجموعہ (عہد نامہ جدید) میں موجود ہیں، بزعم نصاری، نصرانی مذہب کی تبلیغ میں اس کا بڑا اہم کردار ہے شروع میں عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق اس کا نام ساؤل تھا اور یہ یہودی تھا، اس نے یروشلم میں عیسائیوں پر بڑے مظالم ڈھائے، بعد میں دمشق گیا تو ایک غیر معمولی واقعہ سے مرعوب ہو کر عیسائی ہو گیا اور عیسائیوں کا زبردست مبلغ بنا۔ (یہ واقعات کتاب اعمال باب ۸، ۹ میں دیکھے جا سکتے ہیں) شمالی جزیرہ اور ایشیائے کوچک کے مختلف شہر مقدونیہ وغیرہ اس کی تبلیغ کا اہم مرکز رہے اسے بیت المقدس میں دو مرتبہ قید کیا گیا، پھر روا لیجا کر ۶۷ء میں قتل کر دیا گیا"۔ (۹۵)

۳۔ اظہار الحق کے مختلف نسخوں اور تراجم کا موازنہ :

فاضل شارح مولانا عثمانی کے پیش نظر اظہار الحق کے متعدد نسخے اور تراجم رہے ہیں جنکی صراحت 'اردو ترجمہ کے ماخذ' کے سلسلے میں کی جاچکی ہے۔ شارح نے کتاب میں جہاں کہیں اختلاف پایا، طباعت کی غلطی نظر آئی ہے یا مصنف سے کہیں تسامح ہوا ہے اسکی تصحیح نسخوں کے موازنہ کے بعد متن یا حاشیہ میں کر دی ہے مثلاً ایک جگہ کتبہ کی بابت رقمطراز ہیں

> "اظہار الحق کے دونوں نسخوں میں یہ لفظ اسی طرح ہے جو غالباً 'کاتب' کی جمع ہے مگر انجیل متی میں فریسیوں کے ساتھ فقیہوں کا لفظ ہے (متی ۲۳ : ۱ تا ۲۹) اور لوقا میں 'شرع

کے عالموں' کا لفظ ہے۔ (۱۱۔ ۳۵) مفہوم تقریباً ایک ہی ہے"۔ (۱۱۶)

ایک اور جگہ پر لفظ 'علماء' کی بابت لکھتے ہیں :

"اظہار الحق کے دونوں نسخوں میں یہ لفظ اسی طرح ہے مگر باب ۱، فصل ۲، غلطی ۵ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ 'علم' ہے جو عبرانی لفظ ہے اور اس کا ترجمہ کنواری سے کیا گیا ہے اور مصنف کو اس پر اعتراض ہے انہوں نے ثابت کیا ہے کہ اس کے معنی جوان عورت کے ہیں خواہ وہ کنواری ہو یا شادی شدہ"۔ (۱۱۷)

۴۔ بائبل کے تراجم کا موازنہ :

مولانا تقی عثمانی نے کتاب کی افادیت کے پیش نظر جو نمایاں کام شرح و تحقیق و حواشی میں کیا ہے وہ مصنف کے دور کی بائبل کی عبارات کا جدید تراجم سے موازنہ ہے مثلاً :

انجیل متی باب ۱۹ فقرہ ۱۶ میں ہے۔

"اور دیکھو ایک شخص نے پاس آکر اس سے کہا اے (نیک) استاد میں کون سی نیکی کروں تاکہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں؟ اس نے اس سے کہا (تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے) نیک تو ایک ہی ہے"

تقی عثمانی (متی ۱۹۔ ۱۶) لفظ نیک کی بابت لکھتے ہیں

یہاں نیک کا لفظ مصنف نے نقل کیا ہے عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۶۵ء میں بھی موجود ہے (ایھا المعلم الصالح) اور قدیم انگریزی ترجمہ میں بھی (Master Good) ہے لیکن موجودہ اردو اور جدید انگریزی ترجموں میں یہ لفظ یہاں سے حذف کر دیا گیا ہے البتہ یہی واقعہ انجیل مرقس (۱۰۔ ۱۷) اور لوقا (۱۸۔ ۱۸) میں بھی ذکر کیا گیا ہے، وہاں اب تک تمام ترجموں میں نیک کا لفظ موجود ہے"۔

۵۔ مولفؒ کی دیگر تالیفات سے استفادہ :

مولانا تقی عثمانی نے اظہار الحق کے اردو ترجمہ کے حواشی و تحقیق کے سلسلے میں مولف کیرانویؒ کی بعض دیگر تالیفات سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور حاشیہ میں قابل قدر اضافہ کیا ہے نیز بعض تفصیلی مباحث کے لئے مصنف کی کتابوں کی نشاندہی کر دیتے ہیں مثلاً :

"اس سلسلے میں مصنفؒ نے اپنی بہترین کتاب 'ازالۃ الشکوک' ص ۳۱۔ ۴۲ میں

بڑی مبسوط اور قابل قدر محنت کی ہے۔ (۱۱۸)

۶۔ مؤلف کے حالات زندگی و مختصر خدمات :

مولانا تقی عثمانی نے کتاب کے اردو ترجمہ و شرح میں مؤلف کے حالات و مختصر خدمات کا تذکرہ مقدمہ کے تیسرے باب میں کیا ہے جس سے کتاب میں قدر و قیمت میں اضافہ کے ساتھ ساتھ ان کے حالات و خدمات کے بارے میں مفید معلومات بھی میسر آئیں اگرچہ یہ مواد ابتدائی نوعیت کا ہے تاہم اردو زبان میں پہلی مرتبہ اس سطح پر سامنے آئے ہیں۔

۷۔ متن اور حاشیہ میں فرق :

محمد تقی عثمانی نے اظہار الحق کے متن کو ہر طرح سے الگ رکھنے کی کوشش کی ہے اس کے لیے شارح ایک اہتمام فہرست مضامین میں یوں کیا ہے کہ فہرست مضامین کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ فہرست مضامین مقدمہ شارح۔

۲۔ فہرست مضامین، اظہار الحق (اردو)۔

دوسرا اہتمام شارح نے متن اور حاشیہ میں فرق کے لئے خط کھینچ دیا ہے اور حاشیہ کی معلومات اسی میں دے دی ہیں اور متن کے ہر صفحہ کے حوالے اسی صفحہ پر حاشیہ میں دیئے گئے ہیں۔ جس سے قاری کو سہولت رہتی ہے۔

۸۔ ضمیمہ از ڈاکٹر حمید اللہ کا اضافہ :

اظہار الحق کے اردو ترجمہ کو اردو داں طبقہ کے لئے عام فہم اور مفید بنانے کے لئے جہاں مترجم و شارح کی کوششوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا وہاں کتاب کو زیادہ مفید بنانے کے لئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے اس ضمیمہ کو خوبصورت اضافہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جو انہوں نے فرانسیسی ترجمہ کی مدد سے مرتب کیا ہے جس میں فرنگی ناموں کا صحیح املا کے ساتھ تلفظ دیا گیا ہے۔ تفصیلی اشاریہ ابھی زیر ترتیب ہے جو بعد از اں مرتب ہونے پر شائع کیا جائے گا۔ یہ ضمیمہ اظہار الحق کی تمام جلدوں سے متعلق ہے مگر اسکی اشاعت اردو ترجمہ کی پہلی جلد (صفحہ ۶۱۳ تا ۶۶۳) پر کی گئی ہے۔ یہ ضمیمہ ڈاکٹر موصوف نے اردو ترجمہ کی اشاعت پر تحریر کیا ہے اور اسمیں غیر معمولی محنت اور کاوش اٹھائی ہے، رقمطراز ہیں:

> "فی الحال اس اولین مضمون میں کچھ تو فرانسیسی ترجمے کا انتخاب اردو میں پیش کر رہا ہوں اور کچھ فرنگی ناموں کی عربی و لاطینی دونوں خطوں میں ایک منتخب فہرست حروف تہجی پر دیتا ہوں یہ بطور نمونہ ہے لیکن آئندہ تحقیقات میں کچھ نہ کچھ کار آمد ہو گی کام مختصر نظر آئے گا لیکن اس میں کئی ماہ لگے عربی کا انڈکس بنانا پھر اس کا اردو ترجمے پر انطباق کرنا تھا اور مطلوب

کی تلاش میں آسانی کے لیے فرانسیسی ترجمے کے صفحوں کو عربی ایڈیشن کے حاشیے میں منتقل کرنا اور عربی کے صفحوں کا اردو ترجمے کے صفحوں بھی بتانا ضروری تھا۔ غرض توقع سے بہت زیادہ دیر لگی مگر الحمد اللہ خدا کے نام سے رج ہو کر ہاتھ نہ اٹھایا بلکہ جاری ہے"۔(۱۱۹)

۹۔ اردو ترجمہ کا اشاریہ :

فاضل شارح مولانا محمد تقی عثمانی نے اردو ترجمہ کا مکمل اشاریہ مرتب کر کے تیسری جلد کے آخر صفحات (۵۹۵۔۵۹۷) میں دے دیا ہے۔ اس میں جہاں اشارات کے نام سے استفادہ کا طریقہ بتایا گیا ہے وہاں مصطلحات کی فہرست الگ (۵۹۵۔۵۹۷) جنکی تشریح کتاب کے حواشی میں کر دی گئی ہے، گویا یہاں بھی انہوں نے متن اور حاشیہ کو الگ الگ رکھا ہے نیز تاریخی اشاریہ صفحات (۵۹۸ تا ۶۴۱) الف بائی ترتیب سے درج ہے۔

اردو ترجمہ و حواشی کے قابل توجہ پہلو :

اس سلسلے میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تجاویز کی روشنی میں اردو ترجمہ، شرح کو تحقیق کے بعض پہلوؤں کی نشاندھی کی جاتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں :

"موجودہ اردو ترجمہ چشم بددور بہت اچھا اور قابل مبارک باد ہے لیکن اس میں مزید اصلاحات کی جا سکتی ہیں تاکہ وہ اردو جیسی بڑی زبان کے شایان شان ہو ممکن ہے میری تجویز نامناسب ہو لیکن اصلاح کی ہر تجویز پر خود فاضل مترجم و شارح لبیک کہیں گے"۔(۱۲۰)

ا۔ ترجمہ کا نام :

مولانا تقی عثمانی نے لکھا ہے کہ کتاب کے نام اور ابواب کے عنوانات کی ذمہ داری بھی احقر پر ہی عائد ہوتی ہے۔(۱۲۱)

ابواب کے عنوانات سے قطع نظر اردو ترجمہ کا نام 'بائبل سے قرآن تک' محل نظر ہے اس بارے میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ فرماتے ہیں :

"اولاً میں بہت ادب سے گزارش کروں گا کہ کتاب کا نام 'بائبل سے قرآن تک' مجھے اچھا نہ لگا اور تو مولانا کیرانوی کو الفضل للمتقدم حاصل ہے۔ کتاب ان کی ہے ہم ترجمہ کر رہے ہیں اس لئے ان کے چنے ہوئے نام ہی کو برقرار رکھنا ہمارا اخلاقی فریضہ ہے دوسرے ظہار الحق کو ہر اردو داں سمجھتا ہے دوسرے بائبل سے قرآن تک کسی عیسائی یا یہودی نو مسلم کی سوانح عمری یا روحانی آپ بیتی کے لئے بہتر عنوان ہو سکتا ہے، نہ کہ مسلمانوں کی طرف سے لکھی ہوئی تردید بائبل کے لئے، البتہ ذیلی عنوان دیا جا سکتا ہے مثلاً اظہار الحق

یعنی۔۔۔میں خود معین ذیلی عنوان دینا نہیں چاہتا یہ مترجم کا حق ہے"۔(۴۲)

ڈاکٹر موصوف کی اس تجویز کی روشنی میں مناسب ہو گا کہ مولف کا نام ہی برقرار رکھا جائے جیسا کہ محمد تقی عثمانی نے 'اعجاز عیسوی' کے تسہیل وحواشی میں محض جدید کا اضافہ کر کے برقرار رکھا ہے۔

۲۔ترجمہ کے پیراگراف کے نمبروں کا اہتمام:

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی رائے میں دوسرا امر یہ ہے کہ اظہار الحق جیسی کتاب بارہا چھپی ہے اور انشاء اللہ چھپتی رہے گی خاص کر اصل عربی میں اور ہر دفعہ صفحہ بدلتے رہیں گے اس لئے ایک ایڈیشن کا حوالہ دوسرے ایڈیشن میں تلاش کرنا دشوار ہو گا ان حالات میں کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ کتاب میں پیراگراف نمبر دیے جائیں جو ہر کسی زبان کے ایڈیشن میں یکساں رہیں گے آغاز اردو سے ہو جائے عربی ایڈیشن والے بھی کبھی نہ کبھی قبول کرلیں گے اور خاص کر (انڈکس) اشاریے میں حوالے صفحوں کے نہیں بلکہ پیراگراف کے دیئے جائیں تو ایک زبان میں پڑھنے کے باوجود دوسری زبانوں کے ایڈیشن میں بغیر دشواری کے عبارت کا پتہ چلایا جا سکے گا"۔(۴۳)

۳۔عبارات کی تقدیم و تاخیر اور طباعت کی اغلاط و یکسانیت کا فقدان:

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بقول کئی جگہ ترجمہ چھوٹ گیا ہے، طباعتی غلطیاں بھی کم نہیں ہیں، کہیں بخت نصر ہے اور کہیں بخت نصر ایک ہی نام میں عدم یکسانیت ہے اسی طرح یہ بے قاعدگی بعض دیگر مقامات پر بھی دیکھنے کو ملتی ہے مثلاً کتاب خروج، سفر خروج، کتاب الخروج، اسی طرح کتاب احبار یا سفر احبار وغیرہ علاوہ ازیں عبارات میں تقدیم و تاخیر بھی نظر پڑتی ہے مثال کے طور پر مولف نے پہلے باب کی تیسری بحث میں بائبل کے اختلافات کو بیان کیا ہے جبکہ اردو مترجم نے دوسری فصل میں اس پر بامحاورہ دی ہے کہ 'بائبل اختلافات سے پر ہے'۔

اسی طرح مذکورہ بحث میں مولفؒ نے (۱۲۵) اختلافات کی نشاندہی کی ہے جبکہ اردو مترجم نے (۱۲۴) اختلافات نقل کئے ہیں دوسرے مقام پر بائبل کی اغلاط کے ضمن میں مولف نے (۱۱۰) اغلاط بتائی ہیں جبکہ اردو مترجم نے ۱۰۸ اغلاط ذکر کی ہیں۔کتاب کے دوسرے باب 'اثبات تحریف' کے ضمن میں مولف نے (۳۵) شواہد ذکر کئے ہیں جبکہ اردو مترجم نے (۳۱) شواہد نقل کئے ہیں۔(۴۴)

۴۔ناموں کا تلفظ اور رسم الخط:

اگرچہ مولانا تقی عثمانی نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ ناموں اور اصطلاحات کے تلفظ کو اچھی طرح واضح کریں کیونکہ مولفؒ نے فرنگی ناموں کو معرب کر کے عربی میں لکھا ہوا ہے اس سے پڑھنے میں دشواری ہوتی ہے۔چنانچہ ڈاکٹر حمید اللہ

فرماتے ہیں:

"اصل کتاب عربی میں ہو یا پرانی ترکی میں الفاظ پر اعراب نہیں ہوتا، خاص کر صدی بھر پہلے کی نشریات میں اسی طرح فرنگی اور اجنبی ناموں کا اور لفظوں کا تلفظ دشوار ہو جاتا ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر نام و اصطلاح کے ساتھ انگریزی زبان میں بھی ہجے لکھے جائیں تاکہ تلفظ میں آسانی ہو نیز جن ناموں کے بارے میں مترجم و شارح نے وضاحت نہیں کی انکی بھی تحقیق کی جائے۔

۵۔ حرف آخر:

مترجم و شارح نے اپنی بساط کے مطابق پوری طرح کتاب کے ترجمہ و شرح کو آسان اور قابل قدر مفید بنانے کی کوشش کی ہے تجزیہ کرنا بے جانہ ہو گا کہ اظہار الحق کے اردو ترجمے نے بر صغیر پاک و ہند میں مولانا کی معرکۃ الآراء تالیف کو اردو داں طبقے میں متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے بقول اس کے خلاصے یا چھوٹے حصوں میں کتاب کو چھپوا کر عام کیا جاسکتا ہے اور مزید تحقیقات کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔ (۴۵)

۶۔ جرمنی ترجمہ:

بعض کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ جرمنی زبان میں بھی اظہار الحق کا ترجمہ ہوا ہے مگر اس سلسلے میں زیادہ معلومات میسر نہ آسکی ہیں۔ (۴۶)

۷۔ المانی ترجمہ:

ڈاکٹر عبد القادر ملاوی نے المانی زبان میں بھی اظہار الحق کے ترجمہ کا ذکر کیا ہے۔ (۴۷)

۸۔ پرتگالی ترجمہ:

مولانا ماجد مسعود سلیم (ناظم مدرسہ صولتیہ) کے برادر خورد احمد مسعود شمیم کے بقول پرتگالی زبان میں بھی اظہار الحق کا ترجمہ کیا جارہا ہے جو بہت جلد مکمل ہو کر منظر عام پر آجائے گا ترجمہ کا یہ فریضہ برازیل کے پروفیسر حامد نصر سرانجام دے رہے ہیں۔ (۴۸)

علمی حلقوں میں اظہار الحق کی پذیرائی:

اظہار الحق کی طباعتوں اور ترجموں سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس طرح کتاب مذکورہ کو قبولیت عام اور

شہرت حاصل ہوئی ہے یہاں پر مختصر اعلماء ومحققیں کی آراء وتاثرات نقل کی جاتی ہیں۔

علماءِ عرب کے تاثرات :

۱۔ ابوالقاسم بن محمد المغربی المالکی (محدث قسطنطنیہ) :

اظہار الحق کے ترکی ترجمہ کی تقریظ میں لکھتے ہیں :

"بعث الله سهما وشهابا ثاقبا، من نادرة الزمان و أعجوبة العصر والاوان، من جاهد بسيفه وقلمه وبذل جهده في تشييد ركن الاسلام وانافة علمه، شيخنا واستاذنا القريشي العثماني من نسل امير المومنين عثمان بن عفان رضي الله عنه، فصنف كتابه المسمى باظهارالحق فكان كل من المصنف والمنف كمسماة مطابق في كل اللفظ معناه". (۱۲۹)

۲۔ الشیخ محمد رشید المصرانی الدمشقی :

اظہار الحق کی تقریظ میں رقمطراز ہیں:

"لمارايت هذا الكتاب رياضاً فاحت عطور كماله و بحرا تموج بالمعارف الفه العالم الفاضل الشيخ رحمت الله الفريد الاظهار الحق الذى اذهب الباطل".

نیز اپنے اشعار سے اس کتاب کو یوں خراج تحسین پیش کیا ہے ان میں سے تین اشعار یہ ہیں

جاء نا من رحمت الله كتاب	مرشد من ذاغ عن نهج الصواب
فيه لاريب هدى للناس قد	اشرق الحق به و البطل زاب
نصرة للدين قد الفه	راغب الا جر له نعم الثواب. (۱۳۰)

۳۔ احمد بن یوسف الحدیاتی :(۱۳۱)

اظہار الحق کی طبع چہارم کی تقریظ میں لکھتے ہیں:

"فان كثيراً من المصنفين المحققين والمتكلمين المفلقين قد الفوا كشف الحقائق مولفات باحره اودعوها يات ظاهرة وبراهين جاهرة، غير ان مصنف هذاالكتاب الشيخ كيرانوىّ الهندى القاب هو الذى سبق في هذه الحلبة اى

سبق فحق له ان يسمى مولفه هذا 'اظهارالحق' فانه لم يروشاً الا بعد ان تروى فيه...".(۱۳۲)

۴۔ الشیخ عبدالرحمٰن الجزیری:

اپنی کتاب ادلۃ الیقین میں اظہار الحق کے بارے میں لکھتے ہیں

"هذا وقد اجتهد الاستاذ الجليل الشيخ رحمت الله الهندى فى الرد على بعض نظريات كتاب ميزان الحق و تحمل تعبا شديداً، كما ذكر فى كتابه اظهار الحق دلائل قاطعه على تحريف التورات والانجيل".(۱۳۳)

۵۔ الشیخ عبدالرحمٰن (باچہ جی زادہ):

مصر کے مشہور عالم شیخ عبدالرحمٰن بک باچہ جی زادہؒ نے ۱۳۲۲ھ میں رد عیسائیت پر ایک کتاب 'الفارق بین المخلوق والخالق' کے نام سے لکھی جو بلاد عرب کے علمی حلقوں میں بہت مشہور ہے۔ اظہار الحق اس کتاب کا اہم ماخذ ہے وہ لکھتے ہیں

"ومن أراد زيادة التبيان والاطمئنان فليراجع ماكتبه العلامة والحجر الفهامة الشيخ رحمت الله الهندى .رحمة الله تعالى. فى الجزء الثانى من كتابه المسمى اظهار الحق ففيه غنية المحتاج، اذ قد اشبع القول فى ذكر الدلائل العقليه والبراهين النقلية من كتب علماء هم وروساء دينهم" (۱۳۴)

ایک اور مقام پر رقمطراز ہیں:

"ان الأستاذ الفاضل رحمت الله الهندى، قدس روحه فى كتابه اظهار الحق فضح كتبهم وبين مافيها من التحريف والمتناقضات والكرب وتجاسر هم على الله تعالى وعلى انبيائه الطاهرين فان اردت الوقوف على مساوئهم فراجعه فهو يضحك ويشفيك".(۱۳۵)

۶۔ شیخ سعید حوی:

اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"ولعل هذا لكتاب اعظم دراسة نقديه لنصوص الديانتين اليهودية والنصرانية

وادق نقد لا اعتراضات اتباع هاتیں الدیانتیں علی الدیانة الاسلامیه. وقاری
ء الکتاب یحس احساسا یقینا ان المولف متمکن من کتب العهدین القدیم
والجدید تمکناً تاماً فکانه قراهما عشرات المرات، واطلع علی کتبه اهلها من
تفاسیر او شرح او تعلیقات علیهما، و کتب کتابه بعد ذالک". (۱۳۶)

۷۔ الاستاذ عمر الدسوقی :

قاہرہ یونیورسٹی کے شعبہ ادب عربی کے صدر الاستاذ عمر الدسوقی اظہار الحق کے مقدمہ میں کتاب کا تعارف یوں کراتے ہیں :

"وان المرء یشعر وهو یقراء هذا لکتاب بان الرجل عمیق الایمان بدینیه،
واسع الاطلاع علی دیانات غیره، متمکن کل التمکن من موضوعه، وان له
عارضة قویة فی الجدل و سوق الحجة، وانه کان یعرف مواطن الضعف التی
یتهجهم فیها علی معارضیة، وانه قرأ العهدین القدیم والجدید کلمة کلمة،
وقره کل ماکتبه عنهما علماء الیهودیه والمسیحیه وکان من ابلغ حججه تلک
الاستشهادات التی اوردها من اقوال مورخیهم ومفسریهم علی تائید
قضیه". (۱۳۷)

۸۔ خیر الدین زرکلی :

اظہار الحق کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں :

"واظهار الحق ..ط. جزآن فی مجلد هو من افضل الکتب فی موضوعه". (۱۳۸)

۹۔ الدکتور محمد احمد عبدالقادر خلیل ملکاوی :

ڈاکٹر موصوف اظہار الحق کے مقدمہ میں لکھتے ہیں :

"لقد کتب الکثیرون من المحدثین فی الرد علی الیهود والنصاریٰ، ولکن
القبول والرواج وعدد اللغات التی ترجم الیها وکثیرة المطبعات التی طبع فیها
هذالکتاب ..اظهار الحق ..لا تتوفر فی غیره من الکتب بالاضافة الی انه
کشف استار الباطل وهتک حرمة التثلیث دون ان یجرء النصاری علی تکذیب

مافيه، لان الشيخ رحمت الله درس كتب العهدين دراسة نقدية تحلية عدة مرات حتى صاراعلم بهما من اهمهما، كما درس كتب القد ماء والمحدثين من علماء المسلمين واليهود والنصارى حتى اصبح عالماً بجميع الطرف النقد والمواضع التي يستدل بها على دعواه، واستعان في ذالك باقوال اهل الديانتين ممن قالوا او كتبوا الحق الذى لو صلوا اليه في ابحاثهم" (۱۲۹)

علاوہ ازیں عمر عبدالجبار نے اپنی کتاب دروس من ماضی التعلیم وحاضرہ فی المسجد الحرام میں، شیخ عبدالوہاب نجار نے اپنی کتاب قصص الانبیاء میں، شیخ محمد رشید رضا نے مجلۃ المنار اور مقدمہ انجیل برنابا میں، شیخ محمد ابو زھرۃ نے اپنی کتاب محاضرات فی النصرانیۃ میں، ڈاکٹر احمد شلبی نے مقارنۃ الادیان میں نہ صرف اظہار الحق سے استفادہ کیا ہے بلکہ علمی انداز میں خراج تحسین بھی پیش کیا ہے۔

برصغیر پاک و ہند کے علماء محققین کی آراء :

ا۔ سید ابوالحسن علی ندویؒ :

ہندوستان کے مایہ ناز بزرگ اور عالم اسلام کے فاضل و محقق سید ابوالحسن علی ندوی نے نہ صرف اظہار الحق کے عربی مقدمہ میں بلکہ اپنی کتاب 'المسلمون فی الھند' میں بھی اظہار الحق کو عمدہ طریقے سے خراج تحسین پیش کیا ہے۔ اظہار الحق کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :

> ''(اظہار الحق میں) مولفؒ نے دفاعی موقف کی بجائے حملہ آور ہونے کا موقف اختیار کیا ہے اور یہ موقف بہت ہی کار آمد ہوتا ہے کہ حریف کو دفاعی پوزیشن میں ڈال دیا جائے اور اس کو مجبور کیا جائے کہ وہ ملزم کٹہرے میں کھڑا ہو اور وہ اپنی صفائی پیش کرے، پہلے علماء نے اس بات کو محسوس نہیں کیا تھا اور تورات وانجیل اور قرآن کو ہم پلہ سمجھ کر گفتگو کرتے تھے اس طرح ان صحیفوں کو وہ اہمیت حاصل ہو جاتی ہے جسکے وہ یقیناً مستحق نہ تھے حالانکہ خود حاملین تورات وانجیل یہ تسلیم نہیں کرتے کہ قرآن کی طرح بغیر کسی تغیر و تبدل کے آسمانی صحیفوں کا امتیاز ان میں پایا جاتا ہے''۔ (۱۳۰)

۲۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ (پیرس) :

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے نہ صرف اظہار الحق کا فرانسیسی زبان میں اشاریہ مرتب کیا ہے بلکہ اپنے ایک مضمون میں

شاندار طریقے سے اظہار الحق کو خراج تحسین پیش کیا ہے لکھتے ہیں

''میں اپنے بچپن سے کتاب اظہار الحق کا نام سنتا رہا ہوں اور اس کی تعریف ان الفاظ میں کہ وہ ایک الہامی کتاب ہے مطالعے اور عمر کے ساتھ کتاب اور مولف سے میری عقیدت اور میرا علم الیقین بڑھتے ہی رہے ہیں۔

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے جس زمانہ میں یہ کتاب تالیف کی اس زمانہ میں عیسائی لٹریچر اسلامی زبانوں میں نہ ہونے کے برابر تھا اور پھر مسلمان اور خصوصاً علماء فرنگی زبانوں سے نابلد تھے ایسے میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا استنبول میں بیٹھ کر ایسی کتاب لکھ دینا جس سے بہتر تو کیا اس کے برابر بھی چودھویں صدی ہجری میں باوجود اتنے علمی و تحقیقی وسائل کے ناممکن ہے یہ مولانا کی کرامت سے کم نہیں۔ مولانا کی سوا سو برس پہلے کی لکھی ہوئی کتاب آج بھی تقریباً حرف اخیر کی حیثیت رکھتی ہے رحمۃ اللہ ورضوانہ علیہ''۔(۱۴۱)

۳۔ مفتی محمد شفیعؒ :

مفتی اعظم پاکستان محمد شفیع اظہار الحق کے اردو ترجمہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں

''حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحب کی یہ عربی تصنیف ان کی تمام عمر کی محنت اور کاوش کا نچوڑ ہے اور بلاشبہ عیسائی مذہب پر سب سے زیادہ جامع، مستحکم، مدلل اور مبسوط کتاب ہے۔ دنیا کی چھ زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے اور اس نے پوری علمی دنیا سے زبردست خراج تحسین وصول کیا اور اپنے اکابر کو بھی ہمیشہ اس کتاب کی تعریف میں رطب اللسان پایا''۔(۱۴۲)

۴۔ جسٹس محمد تقی عثمانی :

اظہار الحق کے اردو ترجمہ اور اعجاز عیسوی کے شارح دار العلوم کراچی کے ناظم و شیخ الحدیث مولانا محمد تقی عثمانی نے اظہار الحق کو یوں خراج تحسین پیش کیا ہے :

''عام طور سے ذہنوں میں یہ تاثر ہے کہ دینی علوم و فنون کے جس میدان میں ہمارے متقدمین جادہ پیما ہو گئے ہیں بعد میں آنے والے تحقیق و تفتیش کے بارے میں ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ یہ تاثر اپنی جگہ بالکل درست ہے لیکن حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے اظہار الحق تصنیف فرما کر اس کلیے میں استثناء پیدا کیا ہے عیسائیت وہ موضوع ہے جس پر

ان سے پہلے بہت سے علماء نے لکھا، متقدمین کی بہت سی جامع کتابیں اس موضوع پر موجود ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اظہار الحق ان سب پر بھاری ہے۔
راقم الحروف نے عیسائیت کے موضوع پر علامہ ابن حزمؒ علامہ عبدالکریم شہرستانی علامہ ابن القیم جوزیؒ کی تصانیف پڑھی ہیں امام رازی اور علامہ قرطبی کی تحریروں کا مطالعہ کرنے کا موقع بھی ملا ہے لیکن اظہار الحق کو دیکھ کر بے ساختہ زباں پر یہ مصرعہ آجاتا ہے۔

کم ترک الاول للاخر۔ " (۱۴۳)

۵۔ شیخ محمد اکرام:

سلسلہ کوثر کے مشہور مصنف شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

"علمی تصنیف کے میدان میں ان (مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ) کا بڑا کارنامہ اظہار الحق ہے جسے انہوں نے پادری فنڈر کی کتاب میزان الحق کے جواب میں لکھا اور جو مسیحی معترضین کے اعتراضات میں آج بھی اسلامی دنیا کی بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے"۔ (۱۴۴)

لندن ٹائمز کا تبصرہ:

آخر میں اظہار الحق کے انگریزی ترجمہ کی اشاعت کے بعد 'لندن ٹائمز' کا تبصرہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، اس نے لکھا ہے:

"لوگ اگر اس کتاب کو پڑھتے رہیں گے تو دنیا میں مذہب عیسوی کی ترقی بند ہو جائے گی"۔ (۱۴۵)

جامعات میں اظہار الحق کی تدریس:

اظہار الحق کی اسی قدر و قیمت اور اہمیت کے پیش نظر جامعات نے اسے غیر معمولی اہمیت دی ہے اور تقابل ادیان خصوصاً مطالعہ مسیحیت میں اپنے نصابات کا لازمی حصہ بنایا ہے چنانچہ ڈاکٹر شیخ عبدالغنی لکھتے ہیں:

"واقترح المسلمين في انحاء العالم لتدريس كتاب اظهار الحق في الجامعات والمعاهدات العلمية ليكون عدة وعتاداً از الرم الاءمر" (۱۴۶)

مدرسہ صولتیہ (مکہ معظمہ) کے سابق مہتمم مولانا شمیم کیرانویؒ لکھتے ہیں

"بلاد عرب کی مختلف یونیورسٹیوں اور کالجوں میں تقابل ادیان، اصول الدین اور شریعت اسلامیہ سے متعلق مضامین میں اظہار الحق کا مطالعہ لازمی قرار دیا گیا ہے"۔ (۱۴۷)

چنانچہ ترکی، مصر اور سعودی عرب کے علاوہ دیگر اسلامی ممالک کی جامعات میں نصاب کے طور پر پڑھائی جاتی ہے اور برصغیر پاک وہند کی بعض جامعات نے مطالعہ مسیحیت کی تحقیق کے لیے اس کے مطالعہ کی سفارش کی ہے۔

لیکن یہ بھی ایک مسلمہ امر ہے کہ برصغیر پاک وہند میں بلاد عرب کے برعکس اظہار الحق کو وہ تدریسی اہمیت نہ دی گئی جس کی حقیقتاً وہ مستحق تھی یہ بات کسی علمی المیہ سے کم نہیں۔

حواشی و تعلیقات (باب ہشتم)

(۱) دیکھئے: مقالہ ھذا باب چہارم، فن مناظرہ میں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی خدمات۔

(۲) نفس مصدر۔

(۳) مثال کے طور پر امداد صابری کی کتاب آثار رحمت کو آثارِ رحمت اللہ لکھا گیا ہے دیکھئے. المناظرة الکبری، ص ۲۸، ۲۹۔

(۴) سوانح قاسمی، ج۲، ص ۳۵۵۔

(۵) ندوی، ابوالحسن علی، سید، اظہار الحق اور اس کے مولف حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی، ذکر و فکر (دھلی) حوالہ مذکور، ص ۱۲۔

(۶) مذکورہ فہرست، مولانا محمد سلیم (ناظم مدرسہ صولتیہ) کی مرتب کردہ ہے جو انہوں نے ۱۹۵۲ء میں مرتب کی مزید دیکھئے ایک مجاہد معمار، ص ۶۴-۹۲ ؛ المناظرة الکبری، ص ۴۲-۴۶۔

(۷) المدرسة الصولتيه، ص ۵، نیز احمد مسعود شیم کے مطابق حکومت سعودیہ کی وزارة التعلیم نے مدرسہ صولتیہ کی اب تک کی روداد و جائزہ رپورٹ شائع کی ہے۔

(۸) المدرسة الصولتيه، ص ۱۰۶، جامعہ ازہر کے ادارے، الامانة العامة المجمع البحوث الاسلامية، ادارہ البحوث الاسلامية کی طرف سے جاری ہونے والے اجازت نامہ کی عبارت یہ ہے "يعتبر حملة الشهادات الثانوية وشهادة اتمام الدراسة بالقسم العالي بالمدرسة الصولتيه، بمكة المكرمة، حاصلين على الشهادة الثانوية لمعهد البحوث الاسلامية (نظام قديم) ولهم الحق في الالتحاق بالكليات النظرية بجامعة الأزهر."

۲۰ من مارس ۱۹۶۶ء، مدير البحوث والنشر، (دكتور عفيفي عبدالفتاح).

(۹) المدرسته الصولتيه، ص ۱۰۔

(۱۰) نفس مصدر، ص ۱۳۔

(۱۱) نفس مصدر، ص ۱۷۔

(۱۲) نفس مصدر، ص ۷۔

(۱۳) محمد عبدالقادر ملکاوی، ص ۲۱۔

(۱۴) من تاریخنا، بحوالہ آثار رحمت، ص ۳۳۳۔

(۱۵) کیرانوی، مسعود شمیم، حاجی امداداللہ اور مدرسہ صولتیہ، مکہ معظمہ، الاشراف (کراچی) ۵: ۱، ۲، جولائی، اگست ۱۹۹۱ء ص ۶۔ چنانچہ رسالہ تجوید القرآن کے سرورق پر یہ عبارت طبع ہے: "حسب فرمائش مولوی محمد سعید صاحب صانہ اللہ تعالی عن شر النوائب، تاجر کتب کلکتہ خلاصی ٹولہ ۵۸ از اہتمام و انتظام تام ہوسی ماداکلام راجی غفران ماجد محمد عبدالواحد مطبع انتظامی کانپور میں ۱۳۱۹ھ میں طبع ہوا۔ مذکورہ رسالہ کا مقدمہ مولانا محمد سعید کا لکھا ہوا ہے لکھتے ہیں: "میرے واجب الاحترام دوست مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب تھانوی نے قیام مکہ معظمہ زادہا اللہ شرفا کے ایام میں مدرسہ صولتیہ کے طالب علموں کے واسطے نظم فرمایا تھا جو اس وقت سے مدرسہ مذکور کے نصاب تعلیم میں داخل ہے۔ یہ رسالہ ۱۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ تاریخ تصنیف مولانا تھانوی نے یوں لکھی ہے (الراقم اشرف علی تھانوی عفی عنہ، ۱۱ صفر ۱۳۱۹ھ)۔

(۱۶) قاری عبداللہ اور قاری عبدالرحمن الہ آبادی دونوں شیخ محمد ابراہیم سعد مصری کے شاگرد تھے۔ دونوں اپنے فن میں کامل ہوئے تفصیلات کے لئے دیکھئے: مہر منیر، ص ۱۲۱۔

(۱۷) ایک مجاہد معمار، ص ۹۳۔

(۱۸) تھانوی، محمد شاہد، مولانا، مدرسہ صولتیہ اکابر کی نظر میں، الاشرف (کراچی) صولتیہ نمبر، حوالہ مذکور، ص ۹۸۔

(۱۹) نفس مصدر، ص ۹۸، ۹۹۔

(۲۰) نفس مصدر، ص ۹۹۔

(۲۱) نفس مصدر، ص ۹۹، ۱۰۰۔

(۲۲) نفس مصدر، ص ۱۰۰۔

(۲۳) نفس مصدر، ص ۱۰۰۔

(۲۴) نفس مصدر، ص ۱۰۱۔

(۲۵) نفس مصدر، ص ۱۰۱۔

(۲۶) نفس مصدر، ص ۱۰۱، ۱۰۲۔

(۲۷) نفس مصدر، ص ۱۰۲، ۱۰۳۔

(۲۸) نفس مصدر، ص ۱۰۳۔

(۲۹) نفس مصدر، ص ۱۰۴۔

(۳۰) نفس مصدر، ص ۱۰۴۔

(۳۱) نفس مصدر، ص ۱۰۵۔

(۳۲) نفس مصدر، ص ۱۰۶،۱۰۵۔

(۳۳) نفس مصدر، ص ۱۰۶، ۱۰۷۔

(۳۴) نفس مصدر، ص ۱۰۷۔

(۳۵) نفس مصدر، ص ۱۰۷، ۱۰۸۔

(۳۶) نفس مصدر، ص ۱۰۸۔

(۳۷) نفس مصدر، ص ۱۰۸، ۱۰۹۔

(۳۸) نفس مصدر، ص ۱۱۰۔

(۳۹) نفس مصدر، ص ۱۱۱۔

(۴۰) نفس مصدر، ص ۱۱۰، ۱۱۱۔

(۴۱) ازالۃ الاوہام، کے تعارف کے لئے ملاحظہ ہو مقالہ ھذا باب سوم، فصل دوم۔

(۴۲) منشور محمدی (بنگلور) بہ حوالہ آثار رحمت، ص ۲۳۶، ۲۳۷۔

(۴۳) اعجاز عیسوی کے تعارف کے لئے ملاحظہ ہو مقالہ ھذا باب سوم، فصل دوم۔

(۴۴) یہ مضمون ماہنامہ ذکر و فکر (دھلی) کے خاص شمارہ بیاد گار مولانا رحمت اللہ کیرانوی ؒ، ۴، ۵، ۶ (ستمبر، اکتوبر ۱۹۸۸ء) صفحات ۷۹-۸۵ سے ماخوذ ہے۔ بعد ازاں یہی مضمون ماہنامہ، الحق، (اکوڑہ خٹک) بابت مئی ۱۹۹۵ء، صفحات ۳۱-۳۶ طبع ہوا۔

(۴۵) محمد تقی عثمانی، ص ۱۰، ۱۱۔

(۴۶) نفس مصدر، ص ۱۱۔

(۴۷) اعجاز عیسوی، ص ۳۔

(۴۸) محمد تقی عثمانی، ص ۱۴۔

(۴۹) نفس مصدر، ص ۳۳۔

(۵۰) نفس مصدر۔

(۵۱) محمد رشید المصر الی الدمشقی نے مذکورہ طباعت کی تقریظ میں اپنے اشعار میں اسی طرف اشارہ کیا ہے

طبعه المحمود فنادناه لنا حسنْ شكرى له عالى الجناب

ختمه مسك الى تاريخه جاء نامن رحمت الله كتاب

(۵۲) محمد عبدالقادر ملکاوی، ص ۵۳۔

(۵۳) ڈاکٹر احمد حجازی السقا نے مصر میں اظہار الحق کی پہلی طباعت محرم الحرام ۱۲۹۴ھ کو قرار دیا ہے جو مطبعۃ احمد الکمال و احمد الطاہر ملک احمد المنیر عثمٰی سے شائع ہوئی ہے۔ جبکہ ڈاکٹر عبدالقادر ملکاوی نے اس طباعت کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں کیا بلکہ اس کی بجائے طبع دوم ربیع الاول ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء کو دوسری اشاعت قرار دیا ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔

محمد عبدالقادر ملکاوی، ص ۵۳؛ اکبر محاہد، ص۹۔

(۵۴) محمد عبدالقادر ملکاوی، ص ۵۳۔

(۵۵) نفس مصدر؛ احمد حجازی السقا، ص۹۔

(۵۶) محمد عبدالقادر ملکاوی، ص ۵۳؛ احمد حجازی السقا، ص۹۔

(۵۷) مذکورہ رسالہ کے تعارف و تبصرہ کے لیے ملاحظہ ہو مقالہ ہذا، باب سوم، فصل دوں۔

(۵۸) محمد عبدالقادر ملکاوی، ص ۵۴، جبکہ کتب کے سرورق پر سال اشاعت ۱۳۱۵ھ مرقوم ہے ملاحظہ ہو

اکبر مجاہد، ص۹۔

(۵۹) محمد عبدالقادر ملکاوی، ص ۵۴؛ اکبر محاہد، ص۲۔

(۶۰) احمد حجازی السقا نے مذکورہ اشاعت کے سال کا ذکر نہیں کیا نیز صفحات کی تعداد بالترتیب ۴۲۳ اور ۳۰۸ بتائی ہے ممکن ہے کہ ڈاکٹر عبدالقادر ملکاوی نے صفحات کی یہ تعداد مقدمہ و پیش لفظ وغیرہ کے ساتھ بتائی ہو دیکھیے: عبدالقادر ملکاوی، ص ۵۴۔

(۶۱) المطبعۃ العامرۃ العلمیہ مصر کا مطبوعہ نسخہ ۱۳۰۵ھ کا ہے جبکہ ۱۳۱۶ھ کا نسخہ المطبعۃ العلمیہ (قاہرہ) مصر کا مطبوعہ ہے غالباً ڈاکٹر ملکاوی کی مراد موخر الذکر نسخہ ہے۔

(۶۲) یہاں پر ایک غلطی کی طرف اشارہ کافی ہوگا۔ "مولف" نے لفظ ۲۳ کے تحت کتاب پیدائش، ۲: ۳ میں لی تسکں کا ذکر کیا ہے جبکہ دیگر تمام طبعات کے برعکس ۱۳۱۶ھ کی طباعت میں یہ لفظ لی تکن درج ہے چنانچہ عمر الدسوقی نے بھی بعینہ یہی لفظ نقل کر دیا ہے حالانکہ مصادر اصلیہ اور دیگر طبعات کی طرف رجوع کیا جاتا تو وہاں لفظ لی تسکن ہی صحیح پاتے دیکھیے: عمر الدسوقی، ج ۱، ص ۱۲۸۔

(۶۳) محمد عبدالقادر ملکاوی، ص ۵۵۔

(۶۴) نفس مصدر۔

(۶۵) نفس مصدر ص ۵۶، ۵۷۔

(۶۶) الشیخ احمد حجازی السقا نے مذکورہ کاوش پر ہی ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔ ڈاکٹر عبدالقادر ملکاوی نے نسخہ مذکورہ کی بابت

بلاستیہ عبارت نقل کی ہے تقدیم وتحقیق و تعلیق الدکتور احمد حجازی السقا، الجائز علی درجة الدکتورا من کلیة اصول الدین جامعة الازهر (مصر) ،(محمد عبدالقادر ملکاوی، ص ۷۰)۔

(۶۷) نفس مصدر، ص ۵۷۔

(۶۸) نفس مصدر۔

(۶۹) نفس مصدر، مزید دیکھئے: عمر الدسوقی، ج۱، ص ۷۵ ؛احمد حجازی السقا، ص ۳۸۹۔

(۷۰) محمد عبدالقادر ملکاوی، ص ۵۹، مزید دیکھئے: عمر الدسوقی، ج۱، ص ۲۲۶، ۲۲۹ ؛ ج۲، ص ۳۹۶۔

(۷۱) محمد عبدالقادر ملکاوی، ص ۶۲ ؛مزید ملاحظہ ہو :احمد حجازی السقا، ص ۲۲۳، ۲۷۷، ۲۷۸، ۵۲۹، ۵۷۱۔

(۷۲) محمد عبدالقادر ملکاوی، ص ۶۳-۸۷۔

(۷۳) نفس مصدر، ص ۶۷ ؛ احمد حجازی السقا، ص ۲۵۷، نیز دیکھئے خطبات الاحمدیہ، گیارہواں خطبہ۔

(۷۴) محمد عبدالقادر ملکاوی، ص ۶۸-۷۰۔

(۷۵) مذکورہ تحقیق پر 'الاستاذ المساعد بکلیة التربیة بجامعة الملك سعود الریاض، مرقوم ہے، تاہم احمد مسعود شمیم کے مطابق موصوف اب سعودی عرب کو خیرباد کہہ کر اپنے ملک اردن چلے گئے ہیں جہاں پروہ 'مقارنة الادیان، کے استاذ ہیں۔

(۷۶) یہاں تبصرہ نگار کو تسامح ہوا ہے، زیر نظر اشاعت ڈاکٹر موصوف کا پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ نہیں بلکہ ان کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ المناظرة الکبری ہے۔ جسکی صراحت خود زیر نظر اشاعت میں ان کے اپنے بیان سے ہوتی ہے۔دیکھئے .(محمد عبدالقادر ملکاوی، ص ۹۳)۔

(۷۷) کریمی، محمد جرجیس، تعارف وتبصرہ -اظہار الحق، تحقیقات اسلامی (علی گڑھ)، ص ۱۱۶۔

(۷۸) الزید، عبداللہ بن احمد، ڈاکٹر، (مدیر عام ادارہ الطبع والترجمہ، الریاض)، محمد عبدالقادر ملکاوی، ج۱، ص ۷۔

(۷۹) محمد عبدالقادر ملکاوی، ص ۱۳

(۸۰) نفس مصدر، ص ۱۵-۳۳۔

(۸۱) نفس مصدر، ص ۲۵۔

(۸۲) نفس مصدر، ص ۳۶، ۳۷۔

(۸۳) نفس مصدر، ص ۹۴۔

(۸۴) دیکھئے محمد عبدالقادر ملکاوی، ص ۱۲۵-۱۳۵۔

(۸۵) نفس مصدر، ص ۸۲-۸۸۔

(۸۶) نفس مصدر، ص ۱۰۱، ۱۰۳۔

(۸۷) نفس مصدر، ص ۷۔

(۸۸) نفس مصدر، ص ۱۱۔

(۸۹) نفس مصدر، ص ۲۲، ۱۱۶۔

(۹۰) نفس مصدر، ص ۱۱۴۔

(۹۱) ایک مجاہد معمار، ص ۲۹ ؛ محمد عبدالقادر ملکاوی، ص ۷۳۔

(۹۲) ایک مجاہد معمار، ص ۲۶ ؛ محمد عبدالقادر ملکاوی ، ص ۷۳۔

(۹۳) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، حضرت مولانا کیرانویؒ کی کتاب اظہارالحق اور اس کا اردو ترجمہ، البلاغ (کراچی) ۷ : ۳، مئی ۱۹۷۲ء، ص ۲۲۔

(۹۴) نفس مصدر۔

(۹۵) نفس مصدر، ص ۲۲، ۲۳۔

(۹۶) نفس مصدر، ص ۲۳۔

(۹۷) نفس مصدر، ۲۳، ۲۴۔

(۹۸) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، کا اشارہ 'لندن ٹائمز' کے اس تبصرہ کی طرف ہے کہ "لوگ اگر اس کتاب کو پڑھتے رہیں گے تو دنیا میں مذہب عیسوی کی ترقی بند ہو جائیگی" (ایک مجاہد معمار ، ص ۲۶)۔

(۹۹) فاضل مترجم، مفتی محمد شفیع کے بیٹے اور 'اظہار الحق' کے اردو کے شارح، مولانا محمد تقی عثمانی کے برادر خورد ہیں۔

(100) Izhar-ul-Haq (Truth Revealed) VoL,I,PV.

(101) Ibid,PX.-XIV

(۱۰۲) مولف اظہار الحق نے پہلی جلد کے تیسرے حصہ میں بائبل کے اختلافات کی تعداد (۱۲۵) بتائی ہے۔ انگریزی ترجمہ میں یہ تعداد (۱۱۹) مذکور ہے، دیکھئے۔ اظہارالحق، ج ۱، ص ۲۵۱۔

(۱۰۳) ایک مجاہد معمار، ص ۲۶ ؛ ندائے حرم، رجب و شعبان، ۷۰ ۱۳ھ، ص ۱۶۔

(۱۰۴) بائبل سے قرآن تک، ج ۱، ص ۲۱ (پیش لفظ)۔

(۱۰۵) نفس مصدر۔

(۱۰۶) نفس مصدر، ص ۲۵، ۲۶۔

(۱۰۷) نفس مصدر، ص۲۶، ۲۷۔

(۱۰۸) نفس مصدر، ۲۸، ۲۹۔

(۱۰۹) نفس مصدر، ۲۹۔

(۱۱۰) نفس مصدر، ۳۰، ۳۱۔

(۱۱۱) نفس مصدر، ص ۱۳، ۳۲۔

(۱۱۲) نفس مصدر، ص ۲۲۔

(۱۱۳) ندوی، ابوالحسن علی، سید، اظہار الحق اور اس کے مولف، حضرت مولانا کیرانوی، ذکر وفکر (دھلی) حوالہ مذکور، ص ۲۳

(۱۱۴) بائبل سے قرآن تک، ج۱، ص ۳۹۔

(۱۱۵) نفس مصدر، ص ۳۴۴، ۳۴۵ (حاشیہ)۔

(۱۱۶) نفس مصدر، ص ۲۳۲ (حاشیہ)۔

(۱۱۷) نفس مصدر، ص ۲۶۰۔

(۱۱۸) نفس مصدر، ص ۲۹۸۔

(۱۱۹) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، حضرت مولانا کیرانوی کی کتاب اظہار الحق اور اس کا اردو ترجمہ، البلاغ (کراچی)، حوالہ مذکور، ص ۲۷۔

(۱۲۰) نفس مصدر، ص ۲۵۔

(۱۲۱) بائبل سے قرآن تک، ج۱، ص ۲۷۔

(۱۲۲) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی کتاب اظہار الحق کا اردو ترجمہ البلاغ (کراچی) حوالہ مذکور، ص ۲۵۔

(۱۲۳) نفس مصدر۔

(۱۲۴) دیکھئے: اظہار الحق، ج۱، ص ۲۳۹۔

(۱۲۵) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی کتاب اظہار الحق کا اردو ترجمہ البلاغ (کراچی) حوالہ مذکور، ص ۲۷

(۱۲۶) دیکھئے: ذکر وفکر (دھلی) حوالہ مذکور۔

(۱۲۷) دیکھئے: محمد عبدالقادر ملکاوی، ص ۴۳۔

(۱۲۸) احمد مسعود شمیم سے راقم کی گفتگو۔

(۱۲۹) محمد عبدالقادر ملکاوی، ص ۷۵۔

(۱۳۰) نفس مصدر۔

(۱۳۱) احمد فارس، (م ۱۸۸۷ء) پہلے مارونی، لبنانی نصاریٰ تھے۔ بعد ازاں اسلام کی دولت سے مالامال ہوئے تو یہ نام ان کا رکھا گیا۔

(۱۳۲) محمد عبدالقادر ملکاوی، ص ۷۶۔

(۱۳۳) الجزیری، عبدالرحمٰن، شیخ، ادلة اليقين فى الرد على ميزان الحق، مطبعة الارشاد، مصر، ۱۳۵۲، ص ۹۔

(۱۳۴) الفارق بين المخلوق والخالق، ص ۶۔

(۱۳۵) نفس مصدر، ص ۳۸۶۔

(۱۳۶) حوی، سعید، شیخ، الرسول، ج ۲، ص ۲۳۳۔

(۱۳۷) عمر الدسوقی، ج ۱، ص ۶۔

(۱۳۸) خیر الدین، الاعلام، شیخ قاهرة، ۱۳۷۲ھ۔ ۱۳۷۸ھ، ج ۳، ص ۱۸۔

(۱۳۹) محمد عبدالقادر ملکاوی، ص ۸۲، ۸۳۔

(۱۴۰) ندوی، ابوالحسن علی، سید، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، مجلہ البعث الاسلامی (لکھنوء)، عدد ۹، جمادی الآخر، ۱۳۹۹، ص ۵۶، عمر الدسوقی۔

(۱۴۱) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی کتاب اظہار الحق اور اس کا اردو ترجمہ، حوالہ مذکور، ص ۲۰۔

(۱۴۲) بائبل سے قرآن تک، ج ۱، ص ۲۱ (پیش لفظ)۔

(۱۴۳) نفس مصدر، ص ۲۴ (حرف آغاز)۔

(۱۴۴) موج کوثر، ص ۱۵۷۔

(۱۴۵) اس تبصرہ کے بارے میں مولانا محمد سلیمؒ لکھتے ہیں "نواب حاجی اسماعیل خان صاحب مرحوم رئیس دتاؤلی ضلع علی گڑھ نے مکہ معظمہ میں حضرت مولانا مرحومؒ کو ٹائمز کا یہ تراشا اور اظہار الحق کے متعلق اس کا مذکورہ بالا ریویو خاص طور پر دیا تھا"

(ایک مجاہد معمار، ص ۲۶)۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس تبصرہ کے بارے میں اپنی جن تحقیقات کو پیش کیا ہے وہ یہ ہیں "لندن ٹائمز میں، میں ۔۔

جواب ۶۷ سال کا بڈھا ہو چکا ہوں (واضح رہے یہ ۱۹۷۲ء کی تحریر ہے) اپنے بچپن میں یہ بھی سنا تھا کہ لندن ٹائمز کے تنقید نگار کی رائے میں جو اس کتاب کے انگریزی ترجمے پر لکھی گئی تھی، جب تک دنیا میں یہ کتاب باقی رہے گی، عیسائیت کے مسلمانوں میں پھیلنے کا امکان نہیں، یہ انگریزی ترجمہ مجھے اپنے وطن حیدر آباد دکن کے عمدہ کتب خانوں میں تلاش کے باوجود نہ ملا تھا، ۱۹۳۳ء میں تین ماہ لندن میں گزارنے کا موقع ملا اور عملاً صبح سے شام تک میں وہاں کتب خانوں ہی میں وقت صرف کرتا رہا، برٹش میوزیم کا کتب خانہ (واشنگٹن کانگریس لائبریری کے بعد) دنیا کا سب سے بڑا ذخیرہ کتب سمجھا جاتا ہے اور طانیہ میں چھپی ہوئی کتابیں تو ساری کی ساری لازماً اور حتماً وہاں آتی ہیں اس کے باوجود اظہار الحق کا انگریزی ترجمہ وہاں بھی نہ ملا، دوسری جنگ عظیم میں جرمن بمباری سے اس کا کچھ ذخیرہ تلف ضرور ہوا ہے لیکن اس کتاب کا ذکر وہاں کی فہرستوں میں بھی نہ ہونے سے گمان ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں کا زبان زد جملہ، جسے فاضل اردو مترجم یا مقدمہ نگار نے بھی دہرا لیا ہے کسی غلط فہمی پر مبنی ہے"۔

میں نے ۱۹۷۲ء میں لندن ٹائمز کے ایڈیٹر کو ایک خط لکھ کر پوچھا کہ آیا اظہار الحق پر کوئی تنقید کبھی اس کے ہاں چھپی ہے؟ اور میں نے احتیاطاً لکھا کہ فرانسیسی ترجمہ ۱۸۸۰ء میں چھپا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ انگریزی ترجمہ بھی اس کے لگ بھگ زمانے میں چھپا ہو یا یہ بھی ممکن ہے کہ فرانسیسی ترجمہ ہی پر لندن ٹائمز میں تنقید چھپی ہو۔ جواب آیا کہ اس کے ہاں ہر سہ ماہی اعداد و جریدہ کے انڈکس مرتب ہوتے ہیں لیکن تلاش پر نہ ان میں اور نہ دیگر فہارس کتب میں ایسی کتاب کا کوئی ذکر ملا۔۔۔ میں نے مکرر لکھا کہ انگریزی نہیں فرانسیسی کتاب کی تنقید ہوگی دوسرا جواب بھی نفی ہی میں آیا۔ کسی روزنامے کے تقریباً سو سال پہلے کے نمبروں میں جب تک ٹھیک تاریخ بھی معلوم نہ ہو کسی چند سطری تحریر کا پتہ چلانا آسان نہیں۔ میں اب بھی مایوس نہیں اگر مجھے کبھی ایسے مقام کو جانے کا موقع ملا جہاں لندن ٹائمز کی پرانی جلدیں مکمل ہوں (اور میں انگلستان جا نہیں سکتا) تو ان شاء اللہ خود مکرر دیدہ ریزی سے تلاش کرونگا (کاش کوئی ناشر اسے فوٹو لے کر مکرر چھاپیں)"۔

مزید لکھتے ہیں:

" کتاب کا ایک انگریزی ترجمہ ملتا ہے جو راست عربی سے نہیں بلکہ اس کے گجراتی ترجمے کی مدد سے کیا گیا ہے۔ نسخہ دریدہ ہونے کے باعث مترجم کا نام اور تاریخ اشاعت تو معلوم نہ ہو سکے لیکن بظاہر ہندوستان کا مطبوعہ ترجمہ ہے اور میرا گمان ہے کہ اس پر لندن ٹائمز میں تنقید نہیں ہوئی ہوگی فرنگی لوگ ایسی دیسی تحریروں کو اہمیت نہیں دیتے اور بہ ظاہر یہ انگریزی ترجمہ زیادہ عالمانہ بھی نہیں اور نہ ہی مترجم کی نظر فرنگی لٹریچر پر زیادہ ہے (یہ ترجمہ میری نظر سے نہیں گزرا غالباً موجودہ صدی کا ہے زیادہ قدیم بھی نہیں)"۔ (ڈاکٹر محمد حمید اللہ، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی کتاب اظہار الحق اور اسکا اردو ترجمہ، حوالہ مذکور، ص ۲۱، ۲۲)۔

(۱۴۶) انٹرویو شیخ احمد دیدات، سوئے حجاز (لاہور) ۷: ۷ جولائی ۱۹۹۰ء، ص ۲۷۔

(۱۴۷) اکبر مجاہد فی التاریخ، ص ۱۰ (تقدیم)۔

(۱۴۸) کیرانوی، محمد مسعود ظمیم، خطبہ افتتاحیہ، مجلس مذاکرہ بیاد رحمت اللہ کیرانوی، دھلی منعقدہ ۶ اپریل ۱۹۸۰ء، الاشرف (کراچی) ۵ :۱۰، ۲، جولائی اگست ۱۹۹۱ء، ص ۴۰۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

خلاصۂ بحث و نتائج

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ (۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء---۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء) کی علمی و دینی خدمات کا تحقیقی جائزہ' کے عنوان سے تحریر کیا جانے والا یہ مقالہ ایک مقدمہ اور آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ مقالہ میں آپ کی شخصیت وخدمات کے جملہ پہلوؤں سے تعرض کیا گیا ہے جو علمی، دینی، کلامی، عسکری، تعلیمی اور تدریسی پہلوؤں اور ان کے اثرات پر محیط ہے۔

مقدمہ:

مقدمہ میں بائبل کا تعارف، قرآن حکیم اور بائبل کا تعلق نیز مطالعہ بائبل میں مسلمانوں کی تحقیقات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ بائبل کا تعارف بظاہر موضوع سے قدرے غیر متعلق نظر آتا ہے۔ تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی تحقیقات کا اہم موضوع بائبل کا ناقدانہ مطالعہ ہے نیز آپ کی جملہ تصنیفات و تالیفات کا موضوع بھی یہی ہے۔ لہٰذا مقالہ کے مندرجات میں اس کی تفصیل بیان کرنے کی بجائے، مقدمہ میں ہی بائبل سے متعلق مباحث کو سمیٹ دیا گیا ہے تاہم یہ امر پیش نظر رہے کہ مقالہ میں جہاں بائبل اور اسکے متعلقات کی بحث آئی ہے وہاں مقدمہ کی مراجعت کا حوالہ دے دیا گیا ہے۔ البتہ بائبل کے مندرجات و متعلقات کے تعارف میں 'مسیحی مآخذ' کو پیش نظر رکھا گیا ہے تاکہ مناظرانہ نقطہ نظر کے برعکس بائبل کا مسیحی نظریہ بھی سامنے آسکے۔ ساتھ ہی بائبل کے بارے میں قرآن حکیم کے تصور کو بھی مختصر طور پر واضح کر دیا گیا ہے۔ مزید برآں آغاز اسلام سے عصر رحمت اللہ کیرانویؒ تک مسلمان علماء کا مطالعہ بائبل میں تحقیقات کا ایک معروضی جائزہ پیش کر دیا گیا ہے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ مولانا کیرانویؒ کو متقدمین و متاخرین میں کیا امتیازی مقام حاصل ہے۔

باب اوّل:

زیر نظر باب میں 'مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے حالات زندگی' بیان کیے گئے ہیں اس ضمن میں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے نام و نسب اور خاندانی پس منظر پر بحث کی گئی ہے۔ مختصراً اس امر کا جائزہ بھی لیا گیا ہے کہ ہندوستان میں عثمانیوں کی آمد، پانی پت میں قیام اور پھر کیرانہ میں سکونت کیسے ہوئی؟ نیز عثمانی خاندان میں جن اولیاء، علماء، مفسرین، اطباء، سپہ سالاران نے نام پیدا کیا ہے، ان کا بھی مختصر اتعارف کرا دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے ابتدائی حالات کا تذکرہ بھی قدرے تفصیل سے کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں حصول تعلیم، اساتذہ کرام، ملازمت، اور تدریس و بعض تلامذہ کے بارے میں تحریر کیا گیا ہے نیز آپ کا مطالعہ مسیحیت کی طرف رجحان اور رد نصاریٰ میں تالیفات میں مشغول ہونے کا بھی تذکرہ ہے۔ مزید ہاں ہندوستان سے مکہ معظمہ کی طرف ہجرت اور بلاد عرب میں سرگرمیوں کا جائزہ لیا گیا ہے نیز سلطان کی درخواست پر قسطنطنیہ کے تین اسفار پیش آئے، ان کی روداد بھی قلم بند کی گئی ہے۔ مکہ معظمہ میں آپ نے تعلیم و تدریس کے علاوہ خدمت خلق کے متعدد امور سرانجام دیئے

اور ہندوستان کے مسلمانوں کی علمی وسیاسی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا ان سب واقعات پر سرسری نظر ڈالی گئی ہے۔ آخر میں آپ کی وفات، اولاد واحفاد، معاصرین کرام اور اخلاق وعادات کے بعض پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔

باب دوم :

اس باب میں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے دور میں برصغیر کے حالات پیش کئے گئے ہیں، تاکہ جن حالات میں آپ نے علمی ودینی خدمات سرانجام دیں، ان کا ایک معروضی جائزہ سامنے آسکے۔ سب سے پہلے برصغیر میں مسیحیت کی آمد وتوسیع کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس ضمن میں مغلیہ دور میں پرتگیزیوں کی تاجرانہ آمد اور خصوصاً عہد اکبری (۱۵۵۶ء-۱۶۰۵ء) میں مسیحیت کے فروغ کا جائزہ شامل ہے کیونکہ مسیحی اس دور کو، برصغیر میں اپنے لئے 'نقشِ اول' گردانتے ہیں۔ برصغیر میں انگریزوں کا 'ایسٹ انڈیا کمپنی' کی شکل میں تجارت پر قبضہ بعد ازاں سلطنت پر تسلط اور مغلیہ سلطنت کا روبہ زوال ہونے کے اسباب کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ساتھ ہی انگریزوں کے تسلط کے برصغیر کے سیاسی، معاشرتی اور تمدنی حالات پر اثرات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ آخر میں مسیحی تبشیری سرگرمیوں کا جائزہ، خصوصاً ۱۸۱۳ء کے ایکٹ کے بعد پادریوں کی کھلے عام تبلیغ اور عوام الناس میں ان کے اثرات پر بحث کی گئی ہے۔ مذکورہ باب کو چار فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔

باب سوم :

یہ باب مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی علمی (تصنیفی وتالیفی) خدمات کے تفصیلی جائزے پر مشتمل ہے جس میں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی ۱۶ چھوٹی بڑی کتابوں کا تعارف کرایا گیا ہے۔ سب سے پہلے مختصر رسائل (مطبوعہ اور غیر مطبوعہ)، تراجم کا جائزہ اور بعض کتب پر تقریظات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں بعض ایسی کتب بھی سامنے آئی ہیں جو بعض تذکرہ نگاروں سے اوجھل رہی ہیں۔ بعد ازاں ترتیب زمانی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے تین کتب کا تعارف وتجزیہ پیش کیا گیا ہے ان میں ازالۃ الاوہام (فارسی)، اعجاز عیسوی (اردو) اور ازالۃ الشکوک (اردو) شامل ہیں۔

مذکورہ باب کا اہم ترین حصہ فصل سوم پر مشتمل ہے جس میں آپ کی معروف تالیف 'اظہار الحق' کا تعارف پیش کیا گیا ہے جو سلطان عبدالعزیز خاں کے حکم پر آپ نے چھ ماہ کی مدت میں قسطنطنیہ میں تالیف کی چنانچہ مذکورہ تالیف کے پس منظر کے ساتھ ساتھ مندرجات ومباحث کا قدرے تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ مولانا کی جملہ تصنیفات میں عموماً اور اظہار الحق میں خصوصاً پادری، سی۔ جی۔ فانڈر کی معروف تالیف 'میزان الحق' کے مباحث کو بطور خاص مدنظر رکھا گیا ہے لہٰذا مختصر طور پر 'میزان الحق' کے مباحث پر بھی نظر ڈالی گئی ہے علاوہ ازیں مسلمانوں میں سے جنہوں نے

'میزان الحق' کا جواب دینے کی کوشش کی، ان کا بھی اجمالاً تذکرہ کیا گیا ہے۔ مزید براں یہ تجزیہ بھی شامل بحث ہے کہ میزان الحق کا اعتماد کس طرح مولانا کی مذکورہ تالیف سے ختم ہوا ہے نیز مسیحی حلقوں کی طرف سے 'اظہار الحق' پر رد عمل کس طرح سامنے آیا ہے؟ البتہ اظہار الحق کے تراجم، طبعات اور علمی حلقوں خصوصاً بلادِ عرب میں اس کی مقبولیت کو باب ہشتم میں 'خدمات کے اثرات' کے تحت الگ سے بیان کیا گیا ہے۔ مذکورہ باب تین فصول پر مشتمل ہے۔

باب چہارم:

زیر نظر باب مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی فن مناظرہ میں خدمات' پر مشتمل ہے جو دینی خدمت کا ایک اہم پہلو ہے۔ انیسویں صدی عیسوی میں سید ابوالحسن علی ندویؒ (م ۱۹۹۹ء) نے مولانا کیرانویؒ کو 'فن مناظرہ کا امام' قرار دیا ہے، چنانچہ سب سے پہلے برصغیر میں مسلم۔ مسیحی مناظرے کی مختصر تاریخ کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اسی بنیاد پر اگر انیسویں صدی عیسوی کو 'مسلم۔ مسیحی فکری کشاکش' کی صدی قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ بعد ازاں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے دو مناظروں کی روداد بیان کی گئی ہے۔ پہلے چھوٹے مناظرہ کا حال اور پھر مناظرہ اکبر آباد (۱۸۵۴ء) کا پس منظر بیان کیا گیا ہے۔ نیز مناظرہ اکبر آباد کے سلسلے میں قسیس اعظم، سی۔ جی۔ فانڈر اور مولانا کیرانویؒ کے درمیان شرائط کے سلسلے میں جو خط وکتابت ہوئی اس کا بھی ضمناً تذکرہ کر دیا گیا ہے۔ بعد ازاں قدرے تفصیلی طور پر 'تاریخی مناظرہ اکبر آباد' کی روداد نقل کی گئی ہے اور مختصر طور پر برصغیر کے مسلمانوں میں اخلاقی و دینی اور ذہنی سطح پر اس کے جو اثرات مرتب ہوئے ان کا بھی تجزیہ کیا گیا ہے۔ مناظرہ کے بعد مناظرہ کی روداد کی طباعت، ہر دو فریقین کی جانب سے کس رنگ میں کی گئی؟ اس کا بھی مختصراً تذکرہ کیا گیا ہے۔ آخر میں بحیثیت مناظر مولانا کیرانویؒ کی شخصی خصوصیات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس باب کو چار فصول میں منقسم کیا گیا ہے۔

باب پنجم:

مذکورہ باب مولانا کیرانوی کی جنگ آزادی، ۱۸۵۷ء کی سرگرمیوں پر مشتمل ہے۔ مولانا کیرانویؒ کا تعلق ہندوستان کی اس جماعت سے تھا جو شاہ ولی اللہؒ کی فکر کی امیں ہے اور شاہ عبدالعزیزؒ کی تربیت یافتہ ہے، آپ اس جماعت کے نمائندہ کی حیثیت سے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے آغاز ہی میں دہلی آئے اور وہاں کی مکمل صورت حال کا جائزہ لے کر حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی زیر قیادت (مظفر نگر) شاملی کے محاذ پر آزادی کی تحریک کو منظم کیا اور بذات خود کیرانہ کے محاذ سے جدوجہد آزادی میں حصہ لیا۔

جنگ آزادی جب بوجوہ ناکامی سے دوچار ہوئی تو مسلمان بالعموم اور علماء بالخصوص اس 'بغاوت' کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے چنانچہ مولانا کیرانوی بھی اس کی زد میں آئے۔ آپ کی جائیداد ضبط ہو کر نیلام ہوگی اور وارنٹ گرفتاری جاری

ہو گیے تو آپ بھی دیگر علماء کرام کی طرح مکہ معظمہ ہجرت کر گئے۔ جنگ آزادی میں ان سرگرمیوں کی بنا پر ان نام نہاد مورخوں کے قول میں کوئی صداقت باقی نہیں رہتی جو یہ کہتے ہیں کہ آپ جدو جہد آزادی سے قطعی لاتعلق اور کنارہ کش تھے۔ مذکورہ باب کو تین مختصر فصول پس منظر، عملی سرگرمیاں اور ضبطی جائیداد و ہجرت کے تحت بیان کیا گیا ہے۔

باب ششم :

زیر نظر باب 'مدرسہ صولتیہ (مکہ معظمہ) کی تاسیس و قیام' پر مشتمل ہے جو آپ کی دینی خدمات کا ایک اہم باب ہے۔ ہندوستان سے ہجرت کے بعد مکہ معظمہ میں آپ کو جو سازگار اور پر سکون ماحول میسر آیا آپ نے اس کا پورا پورا فائدہ اٹھایا، دوسری طرف سلطنت عثمانیہ کی طرف سے آپ کو جو اعزاز و اکرام ملا آپ نے اس سے ذاتی منفعت کی بجائے دینی اور عوامی فلاح کے اس منصوبے پر اہمیت دی جو سرزمین حرم میں اپنی نوعیت کا پہلا اور منفرد منصوبہ تھا۔

سب سے پہلے آپ نے ایک ماہر تعلیم ہونے کے ناطے سے مکہ معظمہ میں جاری نظام تعلیم کا بھر پور ناقدانہ جائزہ لیا اور ساتھ ہی وہاں کی ضرورتوں اور تقاضوں کو ایک ماہر دانش کی حیثیت سے دیکھا، چنانچہ آپ کو سرزمین حجاز میں ایک درس گاہ کی ضرورت محسوس ہوئی جو نہ صرف وہاں کے تقاضوں کو پورا کرے بلکہ بیرون ملک کے طلباء کو بھی زیور تعلیم سے آراستہ کرے۔ یہی وجہ ہے سرزمین حرم پر مدرسہ صولتیہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ مولانا کیرانویؒ نے خود اس کے اصول و ضوابط اور اغراض و مقاصد متعین کیے اور اسے آغاز ہی سے حکومتی سرپرستی سے آزاد رکھا نیز اعتدال و توازن اس کا مسلک ٹھہرا۔

جب تک مولانا حیات رہے خود بھی پوری مستعدی کے ساتھ تعلیم و تعلم میں مصروف رہے۔ اپنی وفات سے پہلے ہی حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کو مدرسہ صولتیہ کا سرپرست بنانے کی وصیت کی۔ چنانچہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ بھی مولانا کیرانوی کی اسی پالیسی پر توسیع و ترقی میں کوشاں رہے اور یہی مسلک آج تک ناظمین مدرسہ کا شعار رہا۔ یہی وجہ ہے کہ مدرسہ صولتیہ کو نہ صرف ہندوستان کے مسلمانوں کا اعتماد حاصل رہا بلکہ حکومت سعودی عرب نے بھی بنظر استحسان اس کی کوششوں کو دیکھا۔ نیز بانی مدرسہ اور کارکنان مدرسہ میں آغاز کار ہی سے خدمت خلق خصوصاً حجاج کرام کی خدمت کا جذبہ موجزن رہا اس وجہ سے خلق خدا کے دل میں مدرسہ کی بے لوث محبت، اخلاص اور تعاون نے جگہ بنالی۔ مذکورہ باب کو پانچ فصول میں منقسم کیا گیا ہے۔ البتہ اس کے وسیع تر اثرات کا جائزہ آخری باب کے تحت لیا گیا ہے۔

باب ہفتم :

یہ باب مولانا کیرانویؒ کا مدافعت دین میں منہج و استدلال کے جائزہ پر مبنی ہے۔ فصل اول میں قسیس اعظم، سی۔ جی۔ فانڈر نے قرآن حکیم پر جو اعتراضات اور شکوک و شبہات اٹھائے ہیں، مولانا کیرانویؒ کی تالیفات کی روشنی میں

ان کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اگرچہ پادری فانڈر نے متعدد اعتراضات کیے ہیں تاہم مولانا کیرانویؒ کے استدلال کے پیش نظر، ان میں سے تحریف قرآن، اختلاف قرات اور اعجاز القرآن کو ہی منتخب کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم کے بعد، احادیث مبارکہ پر پادری فانڈر کے اعتراضات کا جائزہ مولانا کیرانویؒ کے افکار کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے، یہاں پر بھی جملہ اعتراضات کی بجائے چند منتخب اعتراضات مثلاً زبانی روایات قابل اعتماد نہیں، محدثین حضور اکرم ﷺ کے سینکڑوں سال بعد ہوئے، راوی حضور اکرم ﷺ کے رشتہ دار تھے، احادیث خلاف واقعہ ہیں اور باہم متعارض ہیں، کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ آخری حصہ میں حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر پادری فانڈر کے اعتراضات کا جائزہ، مولانا کیرانویؒ کی تالیفات کی روشنی میں لیا گیا ہے۔ یہاں بھی تمام اعتراضات پر بحث کرنے کی بجائے منتخب اعتراضات مثلاً معجزات مبارک، پیشین گوئیاں، کتب سابقہ میں آپ کا ذکر خیر، ازواج مطہرات اور جہاد وغیرہ شامل ہیں۔

اس ضمن میں اسلوب کا پیرایہ، یہ اختیار کیا گیا ہے کہ اول یہ دیکھا گیا ہے کہ اعتراضات کی اصل کیا ہے؟ اور یہ کہاں سے ماخوذ ہیں؟ کیا پادری فانڈر ہی نے پہلی مرتبہ یہ اعتراضات کیے ہیں یا ایک طویل عرصہ سے مستشرقین منظم انداز سے پیش کرتے رہے ہیں، دوم مولانا کیرانویؒ کے جوابات کی نوعیت کیا ہے۔؟ الزامی، تحقیقی یا عقلی۔ پھر یہ کہ مولانا کا استدلال اعتراض کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے یا کسی ایک پہلو کو ہی مدنظر رکھا گیا ہے۔ اس اسلوب سے مولانا کیرانویؒ کے استدلال کا ناقدانہ جائزہ بھی ساتھ ساتھ سامنے آجاتا ہے اور کسی پہلو کی تشنگی کی صورت میں حواشی میں اس کی خاطر خواہ توضیح کردی گئی ہے۔ آخر میں الگ سے بھی مختصراً اسلوب کا ناقدانہ جائزہ بھی پیش کردیا گیا ہے نیز اس امر کی صراحت بھی کردی گئی ہے کہ ہر زمانہ کے مناسب حال 'علم الکلام' ہوتا ہے اور مولانا کیرانویؒ نے اس سلوب کی پیروی کی ہے جس کی ان حالات میں ضرورت تھی۔

باب ششم:

یہ مقالے کا آخری اور اہم ترین باب ہے جو مولانا کیرانویؒ کی علمی و دینی خدمات کے اثرات' سے بحث کرتا ہے۔ اس باب کو تین فصول کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ فصل اول میں مناظرانہ خدمات کے اثرات مختصراً بیان کیے گئے ہیں۔ نیز اس امر کی صراحت بھی کردی گئی ہے کہ مولانا کے تلامذہ اور متوسلین نے اسی اسلوب کی پیروی کی، اور آج تک اس فن میں خدمات سرانجام دینے والے مولانا کیرانویؒ کے محتاج ہیں۔ فصل دوم میں مولانا کیرانویؒ کی دینی اور تدریسی خدمات کے اثرات بیان کیے گئے اس ضمن میں مدرسہ صولتیہ کے عالمگیر علمی اثرات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ نہ صرف مدرسہ صولتیہ کے فارغ التحصیل افراد نے دنیا کے مختلف گوشوں میں مولانا کے فیضان کو پہنچایا بلکہ اہل علم نے بھی مدرسہ صولتیہ کی اہمیت و عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ آخری فصل، جو دو حصوں پر مشتمل ہے مولانا کیرانویؒ کی علمی خدمات کے اثرات پر

مشتمل ہے۔ حصہ اول میں اظہار الحق کے علاوہ مولانا کی جن کتابوں پر تحقیقی کام ہوا ہے، اس پر بحث کی گئی ہے۔ جبکہ حصہ دوم 'اظہار الحق' کے لیے وقف کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں اظہار الحق کو عرب و عجم میں جو پذیرائی اور غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی اس کا ایک تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

'اظہار الحق' کی اب تک (۱۰) طباعتیں منظر عام پر آچکی ہیں اور بعض طباعت تین تین مزید اشاعتوں پر مشتمل ہے۔ دنیا کی (۹) مختلف زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں اور اہل قلم سے بھرپور طریقے سے خراج تحسین وصول کر چکی ہے مزید برآں مطالعہ مسیحیت وبائبل کا کوئی بھی محقق اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا، یہی وجہ ہے کہ مطالعہ بائبل و مسیحیت میں یہ بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی علمی و دینی خدمات کے تحقیقی جائزہ کے بعد سامنے آنے والے نتائج کو ان نکات کے تحت بھی بیان کیا جاسکتا ہے:۔

۱۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا خاندان ہندوستان کا معروف خاندان ہے جس نے تفسیر، حدیث، فقہ، قضاۃ، عسکر، تصوف اور طب میں نمایاں رجال کار پیدا کئے۔

۲۔ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اپنی ہمہ جہت خدمات کی بناء پر عالمی شہرت کے حامل تھے مگر آپ کی شخصیت وخدمات کما حقہ منظر عام پر نہ آسکیں۔

۳۔ انیسویں صدی عیسوی میں آپ مسلم۔ مسیحی مناظرے کے تناظر میں ایک کامیاب مناظر کی حیثیت سے سامنے آئے اور ہندوستان کے سب سے بڑے پادری، فانڈر کو بر سر عام شکست سے دوچار کیا اور اس کی تالیف 'میزان الحق' کا اعتبار ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔

۴۔ آپ کی بعض اردو تالیفات پر خاطر خواہ توجہ نہ دی گئی۔

۵۔ تصنیف و تالیف میں آپ کی خدمات بالخصوص نمایاں ہیں خصوصاً 'اظہار الحق' آپ کی ان تالیفات میں سے ہے جسے عالمی سطح پر غیر معمولی پذیرائی حاصل ہوئی۔

۶۔ آپ کے اسلوب کو متعدد اہل علم نے اپنایا اور علم الکلام میں نئی طرح ڈالی۔

۷۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں آپ کا کردار قائدانہ تھا۔

۸۔ مدرسہ صولتیہ (مکہ معظمہ) آپ کی تعلیمی و تدریسی خدمات کا مظہر اور آپ کے اخلاص اور روحانی بصیرت کی ایک زندہ علامت ہے۔

۹۔ خدمت خلق اور اخلاص کا جو جذبہ مدرسہ صولتیہ کے قیام میں مضمر تھا اس کے اثرات آج بھی مشاہدہ کئے جا سکتے ہیں۔

۱۰۔ مدرسہ صولتیہ کے تعلیمی و تدریسی معیار کو جامعۃ الازھر اور حکومت سعودی عرب کی وزارت تعلیم نے تسلیم کیا ہے۔

۱۱۔ سلطنت عثمانیہ کی طرف سے آپ کی خدمات کے اعتراف کے پیش نظر 'پائیہ حرمین شریفین'، تمغہ مجیدی، لباس فاخرہ اور مرصع تلوار سے نوازا گیا۔

۱۲۔ علماءِ عصر جیسے مولانا محمد علی مونگیری، خواجہ الطاف حسین حالی، سید سلیمان ندوی، مولانا عبد الحق حقانی، مولانا مناظر احسن گیلانی، عبد الماجد دریا آبادی نے آپ کی علمی و دینی اور کلامی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں کی مناسبت سے بارہ نکات پر مبنی نتائج بحث پر مقالہ ھٰذا کا اختتام کیا جاتا ہے اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو سرمایہ آخرت بنائے اور مولانا کے افکار و نظریات کو عصر حاضر کے لادینی فتنوں کا تریاق بنا دے۔ آمین یارب العٰلمین

اللهم ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم۔

احقر العباد۔

محمد عبداللہ

۱۱ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ/۱۶ اپریل ۲۰۰۰ء۔

ضمیمہ

عکس

مخطوط اظہار الحق

مصادر و مراجع

(الف) عربی کتب:

القرآن الکریم۔

ابن الاثیر، عزالدین علی بن احمد بن ابی الکرم (م ۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی، ط ۴، بیروت، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳م۔

ابن تیمیہ، تقی الدین ابوالعباس، احمد بن شہاب الدین (م ۷۲۸ھ)، الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح، مکتبہ المدنی و مطبعتھا، جدہ۔

ابن حجر، ابوالفضل احمد بن علی ابن محمد بن علی العسقلانی (م ۸۵۲ھ)، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، المطبعۃ البھیۃ، قاہرہ، ۱۹۴۸م۔

ابن حجر، ابوالفضل احمد بن علی ابن محمد بن علی العسقلانی (م: ۸۵۲ھ)، الأصابہ فی تمیز الصحابہ، طبع حیدرآباد دکن، ۱۳۲۵ھ۔

ابن حجر، ابوالفضل احمد بن علی ابن محمد بن علی العسقلانی (م: ۸۵۲ھ)، تہذیب التہذیب، دار صادر، مطبعۃ السعادۃ القاہرہ، ۱۳۲۷ھ۔

ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد بن سعد الاندلسی الظاہری (م ۴۵۶ھ)، الفصل فی الملل والأھو النحل، ط ۱، شرکہ مکتبات عکاظ، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲م۔

ابن خلدون، عبدالرحمن بن محمد بن خلدون (م ۸۰۸ھ)، مقدمہ ابن خلدون، دارالکتاب اللبنانی، بیروت، ۱۹۸۲م۔

ابن خلکان، ابوالعباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر ابن خلکان (م: ۶۸۱ھ)، وفیات الأعیان وأنباء الزمان، طبع القاہرۃ، ۱۹۴۸م۔

ابن صلاح، عثمان بن عبدالرحمن (م ۶۴۳ھ)، مقدمہ ابن اصلاح، دارالفکر، دمشق، ۱۹۸۴م۔

ابن کثیر، عماد الدین، ابوالفداء اسماعیل بن عمرو (م ۷۷۴ھ)، تفسیر القرآن العظیم، مکتبہ المعارف بیروت، ۱۹۷۷م۔

ابن کثیر، عماد الدین، ابوالفداء اسماعیل بن عمرو (م: ۷۷۴ھ)، البدایۃ والنہایہ فی التاریخ، مکتبہ الفلاح الریاض۔

ابن القیم، شمس الدین، محمد بن ابی بکر بن ایوب الزرعی (م ۷۵۱ھ)، ہدایة الحیاری فی اجوبة الیہود والنصاری، القاہرہ، ۱۲۹۵ھ۔
ابن ماجہ، ابو عبداللہ محمد بن یزید القزوینی (م ۲۷۳ھ)، سنن ابن ماجه، ط ۲، شرکۃ الطباعۃ العربیۃ الریاض، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴م۔
ابن منظور، ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور الافریقی (م ۷۱۱ھ)، لسان العرب، دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸م۔
ابن الندیم، محمد ابن اسحاق (م ۳۸۳ھ)، الفہرست، المکتبہ التجاریہ مصر بدون تاریخ۔
ابن ہشام، ابو محمد عبدالملک، السیرة النبویة، بولاق مصر ۱۲۹۵ھ۔
ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی (م ۲۷۵ھ)، سنن ابی داؤد، مطبع السعادة مصر، ۱۳۶۹ھ۔
ابوزہرہ، محمد، الشیخ، تاریخ المذاہب الاسلامیة، طبع القاہرة، بدون تاریخ۔
ابوزہرہ، محمد، الشیخ، محاضرات فی النصرانیہ، مطبعة المدنی، قاہرہ، ۱۹۶۶ء۔
احمد، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ)، المسند، دائرة المعارف دکن، ۱۳۴۰ھ۔
احمد امین، مصری، فجر الاسلام، طبع القاہرة، ۱۹۵۲م۔
احمد امین، مصری، ضحی الاسلام، القاہرة، ۱۹۶۳م۔
احمد امین، مصری، ظہر الاسلام، طبع القاہرة، ۱۹۶۱م۔
باجہ جی زادہ، عبدالرحمن بک، الفارق بین المخلوق والخالق، مطبعہ التقدم بمصر، ۱۳۲۲ھ۔
البحرانی، علی بن عبداللہ (م ۱۳۱۹ھ)، لسان الصدق علی جواب میزان الحق، مطبعہ الموسوعات بمصر، ۱۳۱۹ھ۔
البخاری، ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل (م ۲۵۶ھ)، الجامع الصحیح، ادارہ الطباعہ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ۔
البلاذری، ابوجعفر احمد بن یحییٰ بن جابر (م ۲۷۹ھ)، فتوح البلدان، مکتبہ النہضیہ قاہرة بدون تاریخ۔
البیرونی، ابوریحان محمد بن احمد (م ۴۴۰ھ)، الآثار الباقیة عن القرون الخالیة، طبع حیدرآباد دکن بالہند
البیرونی، ابوریحان محمد بن احمد (م ۴۴۰ھ)، تاریخ الہند، طبع حیدرآباد دکن بالہند، ۱۹۵۸م۔
ترمذی، محمد بن عیسیٰ (م ۲۷۹ھ)، سنن ترمذی، طبع دمشق، ۱۹۶۵م۔
الجزیری، عبدالرحمن بن محمد عوض، ادلّة الیقین، مطبعة الارشاد، ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴م۔
الحسنی، عبدالحیٔ بن فخر الدین الندوی (م ۱۳۴۱ھ)، نزھة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر، مطبعة

مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۴م۔

الدارمی، ابو محمد بن عبداللہ بن عبدالرحمن، سنن دارمی بیروت، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴م۔

الدسوقی، عمر، الاستاذ، اظہار الحق، اخراج وتحقیق، ادارہ احیاء التراث الاسلامی فی الدوحۃ بقطر ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰م۔

الذہبی، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان (م ۷۴۸ھ)، تذکرۃ الحفاظ، طبع حیدر آباد دکن بالہند، ۱۳۷۷ھ۔

الذہبی، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان (م ۷۴۸ھ)، میزان الاعتدال، داراحیاء الکتب العربیۃ، مصر ۱۹۶۳م۔

رشید رضا، محمد، سید، تفسیر المنار، مطبع المنار مصر، ۱۳۵۳ھ۔

الزرقانی، عبدالعظیم محمد (م ۱۱۲۲ھ)، مناہل العرفان، داراحیاء الکتب العربیۃ، مصر بدون تاریخ۔

الزرکشی، بدرالدین محمد بن عبداللہ، البرہان فی علوم القرآن، داراحیاالکتب العربیۃ مصر، ۱۹۵۷م۔

الزرکلی، خیر الدین، الأعلام، المطبعۃ العربیۃ مصر، ۱۹۳۷م۔

الساداتی، احمد محمود، الدکتور، تاریخ المسلمین فی شبہ القارۃ الہندیۃ وحضارتہم، طبع القاہرۃ، ۱۹۵۷م۔

السباعی، مصطفیٰ، السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی، مکتبہ دار العربیۃ قاہرۃ، ۱۹۶۱م۔

السقاء، احمد حجازی، اظہار الحق، تقدیم وتحقیق وتعلیق، نشر دار التراث العربی للطباعۃ والنشر بالقاہرۃ، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸م۔

السقاء، احمد حجازی، المدرسۃ الصولتیہ، دار الانصار القاہرۃ، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸م۔

سہروردی، ضیاء الدین شیخ (م ۵۶۳ھ)، آداب المریدین، طبع القاہرۃ ۱۳۱۷ھ۔

السیوطی، جلال الدین (م ۹۱۱ھ)، الاتقان فی علوم القرآن، مطبع حجازی قاہرۃ، بدون تاریخ۔

السیوطی، جلال الدین (م ۹۱۱ھ)، تدریب الراوی، دار الکتب الحدیثۃ قاہرۃ، ۱۹۴۴م۔

الشلبی، مصطفیٰ بن عبداللہ الشہیر حاجی خلیفہ (م: ۱۰۶۸ھ)، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، دار الفکر بیروت، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲م۔

الشلبی، احمد، الدکتور، مقارنۃ الادیان، القاہرۃ، ۱۹۶۰م۔

الشامخ، محمد عبدالرحمن، التعلیم فی مکہ و المدنیہ آخر العہد العثمانی، ط ۱، دار العلوم ومکتبہ النہضۃ الریاض ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳م۔

الشہرستانی، ابوالفتح محمد بن عبدالکریم (م ۵۵۸ھ)، الملل والنحل، طبع القاہرۃ، ۱۳۱۷ھ۔

صالح، صبحی، الدکتور، مباحث فی علوم القرآن، دارالعلم للملائین بیروت، ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳م۔

صالح، صبحی، الدکتور، علوم الحدیث ومصطلحہ، دارالعلم للملائین بیروت، ۱۹۸۱م۔

الطرازی، عبداللہ شبر، موسوعہ التاریخ الاسلامی و لحصاراۃ الاسلامیہ، عالم المعرفۃ، جدہ، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳م۔

الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید (م ۳۱۰ھ)، جامع البیان فی تفسیر القرآن، دارالمعارف قاہرۃ، ۱۹۵۷م۔

الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید (م ۳۱۰ھ)، تاریخ الامم والملوک، طبع مصر، ۱۹۰۶م۔

عبدالجبار، عمر، دروس من ماضی التعلیم وحاضرہ بالمسجدالحرام، ط ۱، دار محفیس للطباعۃ، ۱۳۷۹ھ۔

عبدالرحمن صالح، عبداللہ، تاریخ التعلیم فی مکۃ المکرمۃ، ط ۱، دارالفکر بیروت، ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳م۔

غازی، محمد جمیل الدکتور، مناظرہ بین الاسلام والنصرانیۃ، الادارۃ العامۃ للطبع والترجمہ الریاض، ۱۴۰۷ھ۔

الغزالی، ابو حامد محمد بن احمد (م ۵۰۵ھ)، الرد الجمیل لالہیۃ عیسی بصریح الانجیل، مطبع السعادۃ، ۱۹۷۸م۔

فنڈر، الدکتور، القسیس (م ۱۸۶۵م)، میزان الحق، ط ۳، باشراف مرکز الشبیبۃ فی سویسرا، ۱۹۸۳م۔

فرلج، محمد کمال، اظہار الحق (تعریف وتحقیق)، مطابع منارۃ اظہار الحق، مصر ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸م۔

الکیرانوی، رحمت اللہ بن خلیل الرحمن الہندی (م ۱۳۰۸ھ)، اظہار الحق، الادارۃ العامۃ للطبع والترجمہ الریاض ۱۴۱۰ھ/۱۹۸۹م۔

الکیرانوی، رحمت اللہ بن خلیل الرحمن الہندی (م ۱۳۰۸ھ)، التنبیہات فی اثبات الاحتیاج الی البعثۃ والحشر، تقدیم و تحقیق د۔ برکات عبدالفتاح دویدار، ط ۱، مطبع السعادۃ، ۱۹۷۸م۔

کحالہ، عمر رضا، الاستاذ، معجم المولفین، طبع دمشق، ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷م۔

محمد حمید اللہ، الدکتور، الوثائق السیاسیۃ، لجنۃ التالیف، القاہرۃ، ۱۹۶۱م۔

محمد حمید اللہ، الدکتور، صحیفہ ھمام بن منبہ، ط ۲، المجمع العلمی بدمشق، ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳م۔

محمد سلیم بن محمد سعید، اکبر مجاہد فی التاریخ، ترجمہ الدکتور احمد حجازی، ط ۱، مکتبۃ الکلیات الازہریہ، ۱۳۹۷ھ/

۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷م۔

المسعودی، ابوالحسن علی (م ۳۴۶ھ)، مروج الذهب ومعادن الجوهر، طبع القاهرة، ۱۳۴۶ھ۔

مسلم، ابوالحسین، مسلم بن الحجاج القشیری نیشاپوری (م ۲۶۱ھ)، الجامع الصحیح، طبع القاهرة، ۱۳۲۹ھ۔

المقریزی، تقی الدین احمد بن علی المقریزی (م ۸۷۵ھ)، خطط المقریزی (الوعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار)، طبع مصر، ۱۲۷۰ھ۔

ملکاوی، محمد احمد محمد عبدالقادر خلیل، اظهار الحق دارسة وتحقیق وتعلیق، ط ۱، الادارة العامة للطبع والترجمه، ۱۴۱۰ھ/۱۹۸۹م۔

ملکاوی، محمد احمد محمد عبدالقادر خلیل، المناظرة الکبری، ط ۳، المطابع الصفا سعو الریاض، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰م۔

یاقوت، شهاب الدین ابوعبدالله الحموی (م ۶۲۶ھ)، معجم البلدان، طبع لیپسک، ۱۸۶۶م۔

الیعقوبی، احمد بن ابی یعقوب بن جعفر الکاتب العباس (م ۲۸۲ھ)، تاریخ یعقوبی، طبع بیروت، ۱۳۷۹ھ/۱۹۶۰م۔

الهیثمی، نورالدین، مجمع الزوائد و منبع الفوائد، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۹۶۷م۔

(ب) فارسی:

اکبرآبادی، عبدالله، سید (مرتب)، مباحثه مذهبی (حصہ اول)، مطبعه منعمیه، اکبرآباد، ۱۲۷۱ھ۔

بدایونی، عبدالقادر، منتخب التواریخ، کلکته ۱۸۶۹ء۔

تبریزی، نجف علی، میران الموازین، طبع چهارم، در مطبعه عامره (ترکی)، ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء۔

جهانگیر، نورالدین، محمد، تزک جهان گیری، علی گڑھ، ۱۸۶۳ء۔

دهلوی، عبدالعزیز، فتاویٰ عزیزی، دهلی ۱۳۲۲ھ۔

فانڈر، سی۔جی، قسیس اعظم، میزان الحق، مطبوعه آگره، ۱۸۳۸ء۔

فانڈر، سی۔جی، قسیس اعظم، مفتاح الاسرار، طبع ثالث، در شهر لندن، ۱۸۶۱ء۔

فانڈر، سی۔جی، قسیس اعظم، طریق الحیات، طبع رابع، در شهر لندن، ۱۸۶۱ء۔

فانی، محسن، دبستان مذاهب، کانپور، ۱۹۰۴ء۔

طباطبائی، غلام حسین خان، سیر المتاخرین، لکھنؤ، ۱۲۷۶ھ۔

کیرانوی، رحمت اللہ، مولانا، ازالۃ الاوھام، مطبع سید المطابع دھلی، ۱۲۶۹ھ۔
ولی اللہ، شاہ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، دھلی، (س۔ن)۔
وزیر الدین بن شرف الدین، البحث الشریف فی اثبات النسخ والتحریف، فخر المطابع، دھلی ۱۲۷۰ھ۔

(ج) اردو کتب:

کلام مقدس کا عہد عتیق و جدید، سوسائٹی آف سینٹ پال روما، ۱۹۵۸ء۔
کتاب مقدس یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ بائبل سوسائٹی انار کلی، لاہور، ۱۹۹۰ء۔
احمد خان، سید، سر، آثار الصنادید، خلیق انجم (مرتب)، اردو اکادمی، دلی، ۱۹۹۰ء۔
احمد خان، سید، سر، اسباب بغاوت ہند، بار دوم، اردو اکیڈمی سندھ کراچی، ۱۹۸۶ء۔
احمد خان، سید، سر، خطبات احمدیہ، دلی، ۱۸۸۷ء۔
احسان الحق، رانا، یہودیت و مسیحیت، بار دوم، مسلم اکادمی محمد نگر، علامہ اقبال روڈ لاہور، ۱۹۸۱ء۔
ارشد، عبد الرشید (مرتب)، بیس بڑے مسلمان (بار نہم)، مکتبہ رشیدیہ لوئر مال لاہور، ۱۹۹۹ء۔
ارشد، عبد الرشید (مرتب)، بیس مردان حق (حصہ اول)، مکتبہ رشیدیہ لوئر مال لاہور، ۱۹۹۶ء۔
الازہری، محمد کرم شاہ، پیر، ضیاء النبی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ لاہور، ۱۴۱۸ھ۔
اسکاٹ، ٹی۔جی پادری، تصدیق الکتاب، امریکن مشن پریس لدھیانہ، ۱۸۷۳ء۔
اکبر آبادی، وزیر خان، ڈاکٹر (مرتب)، خطوط، مطبع نور افشاں آگرہ، ۱۸۵۶ء۔
اکبر علی، مولانا، (مترجم)، بائبل سے قرآن تک، طبع ہشتم، مکتبہ دار العلوم کراچی، ۱۹۹۲ء۔
امرتسری، ثناء اللہ، ابو الوفا، جوابات نصاری، طبع دوم، ندوۃ المحدثین، گوجرانوالہ پاکستان، ۱۹۸۲ء۔
امرتسری، ثناء اللہ، ابو الوفا، اسلام اور مسیحیت بار دوم، جمعیت اہل حدیث لاہور، ۱۳۷۹ھ/۱۹۶۰ء۔
انوار الحسن، پروفیسر، حیات امداد، شعبہ تصنیف و تالیف مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی، ۱۹۶۵ء۔
انصاری، محمد حلیم، مولوی (مترجم)، انجیل برناباس، کشمیر بک ڈپو اوکاڑہ، ضلع منٹگمری۔ (س۔ن)۔
برکت اللہ، آرچ ڈیکن، صحت کتب مقدسہ بار سوم، پنجاب ریلجس بک سوسائٹی انار کلی لاہور، ۱۹۶۹ء۔
برکت اللہ، آرچ ڈیکن، صلیب کے علمبردار (حصہ اول)، پنجاب ریلجس بک سوسائٹی انار کلی لاہور، ۱۹۵۲ء۔
برکت اللہ، آرچ ڈیکن، تاریخ کلیسائے ہند، پنجاب ریلجس بک سوسائٹی انار کلی لاہور، ۱۹۵۲ء۔

برکت اللہ، آرچ ڈیکن، مقدس توما رسول، پنجاب رلجس بک سوسائٹی انار کلی لاہور، ۱۹۵۰ء۔

برکت اللہ، آرچ ڈیکن، صلیب کے ہر اول، پنجاب رلجس بک سوسائٹی انار کلی لاہور، ۱۹۵۸ء۔

برکت اللہ، آرچ ڈیکن، مغلیہ سلطنت اور مسیحیت ، پنجاب رلجس بک سوسائٹی انار کلی لاہور، ۱۹۵۲ء۔

پانی پتی، اسماعیل (مرتب)، سر، مقالات سر سید، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۲ء۔

پانی پتی، عماد الدین، پادری، تحقیق الایمان، طبع اول، مطبع آفتاب پنجاب لاہور، ۱۸۶۶ء۔

پانی پتی، عماد الدین، پادری، تعلیقات، پنجاب رلجس بک سوسائٹی لاہور، ۱۸۵۵ء۔

پانی پتی، عماد الدین، پادری، تواریخ محمدی، آفتاب پنجاب پریس امر تسر، ۱۸۷۱ء۔

پرویز، غلام احمد، مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں، ۲۵ بی گلبرگ لاہور، ۱۹۶۶ء۔

تقی عثمانی، محمد، مولانا، اعجاز عیسوی جدید تسہیل و تحقیق و تشریح و حواشی، ادارہ اسلامیات، انار کلی لاہور (س۔ن)۔

تقی عثمانی، محمد، مولانا، عیسائیت کیا ہے ؟ دار الاشاعت کراچی۔ (س۔ن)۔

تقی عثمانی، محمد، مولانا، علوم القرآن، دار العلوم کراچی، (س۔ن)۔

تھانوی، اشرف علی، کثرت الازواج لصاحب المعراج، مطبع مجتبائی دھلی، ۱۳۵۰ھ۔

ٹھاکر داس، جی۔ ایل، پادری، اظہار عیسوی، امریکن یونائیڈ پریسبٹیرین مشن، ۱۸۸۱ء۔

جاحوی، عباس علی بن ناصر علی، خلاصہ صولۃ الصیغم علیٰ اعداء ابن مریم، مطبع سکین حیلہ طبع نوشیدہ، ۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء۔

چریا کوٹی، عنایت رسول، بشری، طبع ثانی، لاہور، ۱۹۸۴ء۔

حالی، الطاف حسین، خواجہ، حیات جاوید، طبع اول، آگرہ، ۱۹۰۱ء۔

حالی، الطاف حسین، خواجہ، تاریخ محمدی پر منصفانہ رائے ۱۸۷۲ء۔

حالی، الطاف حسین، خواجہ، تریاق مسموم، دہلی، ۱۸۷۶ء۔

حسینی، بشیر احمد، مولانا، اسلام اور عیسائیت، مکتبہ مدنیہ لاہور، (س۔ن)

حقانی، عبد الحق، البیان فی علوم القرآن، مکتبہ الحسن لاہور (س۔ن)۔

حقانی، عبد الحق، تعریف القرآن، مطبع مجتبائی دھلی، ۱۲۹۵ھ۔

خان، ایچ۔ بی، برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء۔

خیر اللہ، ایف۔ایس، قاموس الکتاب، بار ششم، مسیحی اشاعت خانہ، ۳۶ فیروز پور روڈ لاہور، ۱۹۹۷ء۔

واس، ایس۔کے، تاریخ کلیسائے پاکستان، بار سوم، جے۔ایس پبلی کیشنز، ۳۲ فیروز پور روڈ لاہور، ۱۹۹۶ء۔

دھلوی، ابو المنصور، ناصر الدین، عقوبت الضالین، نصرۃ المطابع، دھلی ۱۸۶۵ء۔

دھلوی، ابو المنصور، ناصر الدین، لحن داؤدی، نصرۃ المطابع دھلی، ۱۲۹۵ھ۔

دھلوی، ابو المنصور، ناصر الدین، میزان المیزان، نصرۃ المطابع، دھلی ۱۲۹۳ھ۔

دھلوی، ابو المنصور، ناصر الدین، سوید جاوید، نور محمد تاجر کتب دھلی، ۱۲۹۲ھ۔

ذکاء اللہ، منشی، شمس العلماء، تاریخ ہندوستان، علی گڑھ ۱۹۱۹ء۔

ذکاء اللہ، منشی، شمس العلماء، تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ، ہند، دہلی، ۱۸۶۵ء۔

ذوقی شاہ، سید، کتب سماوی پر ایک نظر، اقبال اکیڈمی، بیرون موچی دروازہ، لاہور (س۔ن)۔

رافائل، پی۔ڈی، (مترجم)، مقدس توما، کیتھولک ادارہ ادبیات پاکستان۔ ۱۹۷۷ء۔

رام چندر، ماسٹر، پادری، تحریف القرآن، سفیر ہند پریس امر تسر، ۱۸۷۸ء۔

رام پوری، عبدالسمیع، بیدل، انوار ساطعہ، فصیح روڈ اسلامیہ پارک لاہور۔ (س۔ن)۔

راہی، اختر، تذکرہ علمائے پنجاب، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور ۱۹۸۱ء۔

رحمان علی، مولوی، تذکرہ علماء ہند، لکھنو، ۱۹۶۱ء۔

رشید احمد، تاریخ مذاہب، قلات پبلشرز، کوئٹہ، ۱۹۷۹ء۔

رضوی، خورشید مصطفیٰ، جنگ آزادی ۱۸۵۷، بار اول، الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور ۱۹۹۰ء۔

سلطان احمد، پادری، ھفوات المسلمین، اقبال پرنٹنگ پریس دھلی، ۱۹۰۰ء۔

شاملی، انتظام اللہ، غدر کے علماء، کراچی، ۱۹۵۷ء۔

صابری، امداد، مولانا، آثار رحمت، مطبوعہ یونین پرنٹنگ پریس دھلی (س۔ن)۔

صابری، امداد، مولانا، تاریخ صحافت اردو۔ مطبع فاروقی پریس، دہلی۔ (س۔ن)۔

صابری، امداد، مولانا، سیرۃ حاجی امداد اللہ اور ان کے خلفاء، دھلی، ۱۹۵۱ء۔

صابری، امداد، مولانا، فرنگیوں کا جال، چوڑیوالان، دھلی (س۔ن)۔

صدیقی، ثناء الحق (مترجم)، بائبل، قرآن اور سائنس، ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ، کراچی، ۱۹۵۸ء۔

صدیقی، شرف الحق، دھلوی، مناظرۃ پونا موسومہ براھن الھدایہ المعروف بمباحثہ پونہ، اکمل المطابع دھلی، ۱۸۹۲ء۔

صدیقی، نادر رضا، ڈاکٹر، پاکستان میں مسیحیت، مسلم اکادمی محمد نگر لاہور، ۱۹۹۲ء۔

ضیائی، سی (مترجم)، انجیل برناباس، طبع چہارم، سلامک پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۴ء۔

عارف، محمود الحسن، ڈاکٹر، تذکرہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، ادارہ ثقافت اسلامیہ ۲۰ کلب روڈ لاہور (س۔ن)۔

عارف محمود، چوہدری، قرآن حکیم پر مختلف انسائیکلو پیڈیا کے آرٹیکلز کا جائزہ، (غیر مطبوعہ مقالہ ایم اے علوم اسلامیہ) پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۸۹ء۔

عاشق الٰہی، محمد میرٹھی، تذکرہ الرشید، میرٹھ، ۱۹۰۵ء۔

عبدالباسط، محمد (مترجم)، آداب المریدین، اسلامک فاؤنڈیشن سمن آباد لاہور، ۱۹۸۰ء۔

عبدالحق، مولوی (مرتب)، قاموس الکتب (اردو)، انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی، ۱۹۶۱ء۔

عبدالخالق، ڈاکٹر، (غیر مطبوعہ مقالہ پی۔ایچ۔ڈی) جامعۃ الازہر، ۱۹۹۰ء۔

عبداللہ یوسف علی، انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ، الہ آباد، ۱۹۳۶ء۔

عثمانی، مسیح اللہ، (مرتب)، شجرۂ خاندان عثمانی، دہلی (س۔ن)۔

عراقی، عبدالرشید، سوہدروی، تذکرہ ابو الوفا، ندوۃ المحدثین اسلام آباد گوجرانوالہ، ۱۹۸۷ء۔

عزیز الرحمٰن، مفتی، تذکرہ مشائخ دیو بند، کراچی ۱۹۶۴ء۔

فانڈر، سی۔جی۔، قسیس اعظم، میزان الحق بار دوم پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی انار کلی، لاہور، ۱۹۶۲ء۔

فانڈر، سی۔جی۔، قسیس اعظم، میزان الحق بار دوم، چرچ مشن کا مرشل پریس الہ آباد، ۱۸۹۲ء

فانڈر، سی۔جی۔، قسیس اعظم، حل الاشکال، امریکن مشن پریس لکھنؤ، ۱۸۷۴ء۔

فیض، فیض احمد، مولانا، مہر منیر، بار ششم، گولڑہ شریف ضلع اسلام آباد، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء۔

فیوض الرحمٰن، قاری، مشاہیر علماء دیوبند، لاہور، ۱۹۷۲ء۔

قریشی، اشتیاق حسین، بر اعظم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، ہلال احمد زبیری، (مترجم)، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی یونیورسٹی، کراچی، ۱۹۸۳ء۔

قریشی، محمد صدیق، جنگ آزادی کے مسلم مشاہیر، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۸ء۔

قریشی، ظفر علی، ازواج مطہرات اور مستشرقین، لاہور، ۱۹۹۴ء۔

قصوری، غلام دستگیر، تقدیس الوکیل عن اہانۃ الرشید والخلیل، نوری بک ڈپو بالمقابل داتا دربار، لاہور،

قصوری، غلام دستگیر، مخرج عقائد نوری بجواب نغمہ طنبوری، مطبع سوسائٹی بریلی، ۱۸۸۰ء۔

کاندھلوی، احتشام الحق، حالات مشائخ کاندھلہ، دھلی، ۱۹۵۶ء۔

کاندھلوی، محمد ادریس، اسلام اور عیسائیت، کتب خانہ جمیلی، دار العلوم اسلامیہ، علامہ اقبال ٹاؤن لاہور، (س۔ن)۔

کیرانوی، رحمت اللہ، مولانا، اعجاز عیسوی، طبع دوم، مطبع رضویہ دھلی، ۱۲۹۹ھ۔

کیرانوی، رحمت اللہ، مولانا، ازالۃ الشکوک، مدرسہ باقیات الصالحات، مدراس، ۱۳۸۸ھ۔

کیرانوی، رحمت اللہ، مولانا، احسن الحدیث فی ابطال التثلیث، مطبع رضویہ دھلی، ۱۲۹۳ھ۔

کیرانوی، رحمت اللہ، مولانا، (مترجم) آداب المریدین، دو مطبع خاص ہاشمی، (س۔ن)۔

کیلانی، عبدالرحمٰن، مولانا، الشمس والقمر بحسبان، مکتبۃ السلام لاہور، ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء۔

گارساں دتاسی، خطبات، مولوی عبدالحق (مترجم)، انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی، ۱۹۷۴ء۔

گیلانی، مناظر احسن، مولانا، سوانح قاسمی، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور (س۔ن)۔

گیلانی، مناظر احسن، مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، دہلی، ۱۹۴۴ء۔

محمد اکرام، شیخ، آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲کلب روڈ لاہور، ۱۹۸۶ء۔

محمد اکرام، شیخ، رود کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲کلب روڈ، لاہور ۱۹۸۴ء۔

محمد اکرام، شیخ، موج کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲کلب روڈ لاہور، ۱۹۸۴ء۔

محمود اختر، ڈاکٹر، تدوین قرآن پر مستشرقین کے اعتراضات کا محققانہ جائزہ، (غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی، علوم اسلامیہ) پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۹۰ء۔

محمد اسلم، دین الٰہی اور اس کا پس منظر، طبع اول، ندوۃ المصنفین، دھلی ۱۹۶۹ء۔

محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، جامعہ اسلامیہ، بہاولپور، ۱۴۰۱ھ۔

محمد میاں، سید، علماء ہند کا شاندار ماضی، مکتبہ رشیدیہ کراچی، ۱۹۹۴ء۔

محمد سعید، مولانا، (مرتب)، روئیداد ۵۷۔۱۹۲۹ء مدرسہ صولتیہ، مکہ معظمہ۔

محمد سلیم، سید، پروفیسر، مغربی زبانوں کے ماہر علماء، ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، ۱۹۹۴ء۔

محمد سلیم، مولانا، ایک مجاہد معمار، مدرسہ صولتیہ، پوسٹ بکس نمبر ۱۱۴، مکہ معظمہ، ۱۹۵۲ء۔

محمد سلیم، مولانا، (مرتب)، روائید اد ۱۳۶۸ھ، مدرسہ صولتیہ، مکہ معظمہ۔

مدنی، حسین احمد، مولانا، نقش حیات، دیوبند، ۱۹۵۳ء۔

مونگیری، محمد علی، مرآۃ الیقین لاغلاط المسلمین، مطبعہ نامی کانپور، ۱۸۸۲ء۔

مونگیری، محمد علی، پیغام محمدی، (حصہ اول) مطبع رحمانیہ مخصوص پور ۱۳۰۸ھ۔

مونگیری، محمد علی، ترانہ حجازی مار اول، مطبعہ رحمانیہ کانپور، ۱۸۷۸ء۔

منگلوری، طفیل احمد، مسلمانوں کا روشن مستقبل، دھلی، ۱۹۴۵ء۔

منصور پوری، محمد سلیمان، قاضی، رحمۃ للعلمین، غلام علی اینڈ سنز، کشمیری بازار لاہور، (س۔ن)۔

میلی، جی۔ ٹی پادری، ہماری کتب مقدسہ، جے ایس امام الدین، مسز کے۔ایل، ناصر (مترجمین)، مسیحی اشاعت خانہ لاہور، ۱۹۹۳ء۔

مودودی، ابوالاعلیٰ سید، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور ۱۹۹۷ء۔

مودودی، ابوالاعلیٰ سید، الجہاد فی الاسلام، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ۱۹۹۲ء۔

مودودی، ابوالاعلیٰ سید، نصرانیت قرآن کی روشنی میں، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ۱۹۹۴ء۔

موہانی، آل حسن، سید، استفسار، لکھنؤ، ۱۸۴۵ء۔

الموسوی، علی شرف الدین، علی آبادی، مکتب تشیع اور قرآن، طبع اول، دار الثقافت الاسلامیہ پاکستان، کراچی، ۱۹۸۷ء۔

ناصر، کے۔ایل، ڈاکٹر، ام المکتاب، بارلوں، فیتھ تھیولاجیکل، سمری گوجرانوالہ، ۱۹۹۲ء۔

ناصر، کے۔ایل، ڈاکٹر، قرآن شریف کے متن کا تاریخی مطالعہ، فیتھ تھیولاجیکل سمری گوجرانوالہ، (س۔ن)۔

ندوی، سید سلیمان (مرتب)، حیات شبلی، مکتبہ عالیہ اردو بازار لاہور (س۔ن)۔

ندوی، سید سلیمان (مرتب)، یادرفتگاں، کراچی، ۱۹۵۵ء۔

ندوی، ابوالحسن علی، تاریخ دعوت و عزیمت، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۹۵ء۔

ندوی، ابوالحسن علی، سیرت مولانا محمد علی مونگیری، لکھنؤ ۱۹۶۴ء۔

ندوی، مجیب اللہ، حافظ، اہل کتاب صحابہ و تابعین، معارف پریس اعظم گڑھ، ۱۹۵۱ء۔

نعمانی، شبلی، مولانا، سیرۃ النبی، معارف پریس اعظم گڑھ، ۱۹۴۸ء۔

نظامی، خلیق احمد، تاریخ مشائخ چشت، ادارہ ادبیات دلی، ۱۹۸۴ء۔

نظامی، خواجہ حسن، غدر کی صبح و شام، دہلی ۱۸۶۷ء۔

نظامی، خواجہ حسن، سلاطین دھلی کے مذہبی رجحانات، دھلی، ۱۹۵۸ء۔

(د) انگریزی:

The Holy Bible, Revised Standered Version Thomas Nelson and Sons Ltd, London, 1952.

Holy Bible with Apocrypha

Adams,C.J, *Judaism, Chnstianity, and Islam*, Newyork, 1972.

Arberry, A.J, *The Koran interpreted*, Allen and Unwin, London 1955.

Arnold,T W , *The Preaching of Islam*, Constable London,1913

Basu,B D , *Rise of the Chnstian Power in India*, Calcutta,1923.

Berry,G.L, *Religions of the world*, Newyork, 1976.

Bell,Richard, *Introduction to the Quran*, Edinburah University Press Edinburah, 1958

Bell,Richard, *The Origion of Islam in its Chnstian Environmen*, Macmilian London, 1928

Bosorth, Smith, *Muhammad and Muhammadanis*, Joh Murray Londan 1989.

Bucaile, M , *The Bible, The Quran and Science*, American Trust Pub; Indiana, 1978

Carlyle, Thomas, *On Heros and Heros Worship and the Heronic in Histroy,'* London, Humpherey Milford, 1904

Carletti, P.V, *Idh-Har-ul-Haqq. ou Manifestation de la vent*, Paris, 1980.

DaryaAhadi, Abdul Majid , *The Holy Quran Traslation Explanatoin*

Edward, Maclagan, *The Jesuits and the Great Mughal*, London, 1932.

Felix, Father, Rev. *Mughal Farmans Perwanahs and Sanads*, Agra, 1908.

Funk, Robbert W and H , *The five Gospels 'The search for the Autheritic words of Jesus, Jesus Seminar 1985'*, Macmilian Publishing Company,

Newyork, 1993.

Gibb,H.A.R., *Muhammadanism*, Oxford Press, 1961.

George,P.F., *History of Christian Church*, 1988.

Harnack,F., *What is Christianity*, Translated by Thomas. B., Newyork, 1962.

Huntar,W.W., *Our Indian Musalmans*, London 1871.

Ikram,S.M., *Modem Muslim Indian and the birth of Paksitan(1858-1951)*, Lahore, 1970.

Jamila, Maram., *Islam and Orientalism*, Maktaba Ilamia Lahore, 1971.

Jeffery, Arthur, *The Koran: As Scripture*, Heritage Press Newyork 1952.

Jeffery, Arthur, *Materil for the study of History of the Text of the Quran*, E.J.Brill Londan, 1937.

Jeffery, Arthur, *Islem, Muhammad and His Religion*, Lili Art Press Newyork, 1958.

Kairanvi, Rahamtullah,M., *Izhar-Haq.(Trutha Revealed)* Translated by Razi,,

Lane Pool, Stanley, *Studies in Mosque*, Khayat, Beirut 1966.

Levies,H.D., *World Religios*, C.Watt, London, 1966.

Margoliouth,D.S., *The Early Develoment of Mohammadanism*, Willianad Narqate, London, 1914.

Margoliouth,D.S., *Mohammadanism*, Butterworth, London, 1928.

Mcherize,John,L., *Dictionary of the Bible*, London, 1985.

Migana,A.,Leaves from theAncientKorans,Cambridge University, Press, 1914.

Muir, William, *Life of Mahomet*, Smith London 1860.

Muir, William, *The Muhammadan Controversy*, Calcutta, 1845.

Muslim World Book Rev.,15Nov.2.1995.

Muhammad Hamidullah,Dr., *Islam and Christianism*, Paris 1976.

Muhammad Wali, World of Knowlege for publishing & Distribution, P.O.Box 576 Jaddah. 1992.

Nicholoson,R.A., *Literary History of the Arabs*, Unwin, London,1907

Pfander, C.G., *Meezanual Haq, (Balance of the Truth)*, London 1980.

Pickthal,M.M., *Islamic Culture*, Feroz Sons, Lahore.

Powell,A.A., *Muslims and Missronaries in Pre-Mutniy India*, Curzon Press Ltd U.K, 1993.

Powell,A.A., *Maulana Rahmat Allah Kairanvi and Muslim-Christian Controversy in India in the Mid-19th Century*, J.R.A.S, 1976.

Qadri, Abdul Hamid, Dr. *Dimensions of Christianity*, Da'wah Academy International Islamic University Islamabad,1989.

Qurashi, Ishtiaq Hussain, *The Administration of the Sultanat of Dehli*, Karachi 1958.

Qurashi, Ishtiaq Hussain, *The Muslim Community of Indo-Pakistan sub-continent*, the Hague 1962.

Qurashi, Ishtiaq Hussain, *Ulema in Politics*, Karachi, 1972.

Qurashi, Zafar Ali, *Prophet of Islam and his Westren Critics*, Ilmi Kitab Khana, Lahore, 1984.

Sherma, Ram, *Religious Policy of Mughal Empire*, Oxford, 1917.

Smith, V.A., *Akbar the Great Mughal*, Oxford, 1917.

Spranger, S., *Life of Mohammad*, Allahabad, India, 1851.

Tripath, R.P., *Rise and the fall of the Mughal Empire*, Allahabad 1960.

Thompson and Garrat, *Rise and Fulfilment of British Rule in India*, Allahabad, 1958.

The Encyclopedia Americana, London, 1961.

The Encyclopaedia Britannica, Grolier Incorporated, Daunbury, 1980.

The Encyclopaedia of Religion and Ethics, Edenburgh, 1930.

Watt, Montgomory, ***Mohammad at Makka***, Oxford Press, 1953.

Watt, Montgomory, ***Mohammad at Medina***, Oxford Press, 1956.

Wellesz, Enry, ***Akbar Religious Thought reflected in Mughal Paintings***, London, George Allen and Unwin Ltd. 1952.

(ر) رسائل وجرائد:

الاشرف (ماہنامہ) کراچی، صولتیہ نمبر، ۵: ۱، ۲، محرم/صفر ۱۴۱۳ھ، جولائی/اگست ۱۹۹۱ء۔

احوال وآثار (سہ ماہی) کاندھلہ، ضلع مظفر نگر، یو۔پی، بیاد حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی، اپریل تا دسمبر ۱۹۹۶ء، جنوری تا دسمبر ۱۹۹۷ء۔

بحث ونظر (سہ ماہی) نئی دہلی، ۱: ۱، اکتوبر ۱۹۹۷ء تا مارچ ۱۹۹۸ء۔

البعث الاسلامی (لکھنوء) عدد ۹، جمادی الآخر، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء۔

البلاغ (ماہنامہ) کراچی، ربیع الاول، ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۲ء۔

البلاغ (ماہنامہ) کراچی، رجب المرجب، ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء۔

تحقیقاتِ اسلامی (سہ ماہی) علی گڑھ، جنوری تا مارچ ۱۹۹۳ء۔

الحق (اکوڑہ خٹک، پشاور) ۳۵: ۸، ۱۹۹۵ء۔

ذکر وفکر (ماہنامہ) دہلی، خاص شمارہ، بیاد گار: حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی، ۳: ۵، ۶، محرم صفر ۱۴۰۹ھ، ستمبر اکتوبر ۱۹۸۸ء۔

زندگی نو (ماہنامہ) دہلی، نومبر ۱۹۹۳ء۔

سوئے حجاز (ماہنامہ) لاہور، ۵: ۷، جولائی ۱۹۹۹ء۔

ضیائے حرم (ماہنامہ) لاہور، ۲۴: ۱، ۶، جمادی الآخر ۱۴۱۵ھ/اکتوبر ۱۹۹۴ء۔

ضیائے حرم (ماہنامہ) لاہور، ۲۵: ۱۲، ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ/ستمبر ۱۹۹۵ء۔

عالم اسلام اور عیسائیت (ماہنامہ) اسلام آباد، مارچ ۱۹۹۲ء۔

عالم اسلام اور عیسائیت(ماہنامہ)اسلام آباد، جولائی ۱۹۹۳ء۔
عالم اسلام اور عیسائیت(ماہنامہ)اسلام آباد، فروری ۱۹۹۵ء۔
عالم اسلام اور عیسائیت(ماہنامہ)اسلام آباد، اپریل ۱۹۹۵ء۔
عالم اسلام اور عیسائیت(ماہنامہ)اسلام آباد، اپریل ۱۹۹۶ء۔
عالم اسلام اور عیسائیت(ماہنامہ)اسلام آباد، اگست ۱۹۹۶ء۔
عالم اسلام اور عیسائیت(سہ ماہی)اسلام آباد، اکتوبر ۱۹۹۹ء۔
الفرقان(ماہنامہ)لکھنؤ، ۶۳: ۴،۵، مئی ۱۹۹۵ء۔
الفرقان(ماہنامہ)لکھنؤ، ۶۳: ۶، جون ۱۹۹۵ء۔
الفرقان(ماہنامہ)لکھنؤ، ۶۳: ۷، جولائی ۱۹۹۵ء۔
فکرونظر (سہ ماہی)اسلام آباد، ۳۴: ۳۔
کیتھولک نقیب (پندرہ روزہ)لاہور۔
قومی زبان(ماہنامہ)کراچی، ستمبر ۱۹۹۰ء۔
معارف (ماہنامہ)اعظم گڑھ، فروری ۱۹۸۹ء۔
نقوش (ماہنامہ)لاہور نمبر۔
ندائے حرم(مکہ معظمہ)۔

(ر) خطوط:

سفیر اختر، ڈاکٹر: بنام راقم(اسلام آباد)، ۲۹ ستمبر ۱۹۹۹ء۔
ماجد مسعود سلیم: بنام راقم(مکہ معظمہ)، ۸ دسمبر ۱۹۹۴ء۔
ماجد مسعود سلیم: بنام راقم(مکہ معظمہ)، ۱۴ فروری ۱۹۹۴ء۔
محمد اسلم رانا: بنام راقم(لاہور)، ۲ اپریل ۲۰۰۰ء۔
محمد تقی عثمانی: بنام راقم(کراچی)، ۲۸ مئی ۱۹۹۹ء۔
محمد تقی عثمانی: بنام راقم(کراچی)، ۱۸ اپریل ۲۰۰۰ء۔